مدیر

محمد منظور نعمانی

ماہنامہ
الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ۳۰/-
بنگلادیش سے ۱۹/-
فی شمارہ ۱/۵۰

ممالک غیر سے سالانہ چندہ
محصول ڈاک میں بے پناہ اضافہ کے
بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جلد (۴۸)	بابت ماہ جنوری ۱۹۸۰ء مطابق صفر المظفر ۱۴۰۰ھ	شمارہ (۱)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں (حرم شریف کا المیہ ـــــ اصل حقیقت؟)	محمد منظور نعمانی	۲
۲	درس قرآن	”	۱۱
۳	مولانا مودودی کے ساتھ ـــــ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف	”	۱۹

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں ان کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس روپے ہندستانی سکہ میں بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں مبلغ تیس روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

اور بعض تاریخی روایتوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہ کے ایک معمولی سا زخم آیا، مگر ان کے ساتھ محافظ دستہ (باڈی گارڈ) رہتا تھا۔ اس کے سپاہیوں نے حملہ آور برک کو فوراً گرفتار کر لیا ـــــ عبدالرحمٰن بن ملجم جس نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو ختم کرنا اپنے ذمہ لیا تھا، اپنے ناپاک ارادہ میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جس وقت فجر کی نماز کے لیے گھر سے مسجد تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ ابن ملجم راستہ میں چھپا بیٹھا تھا، اچانک اس نے آپ پر تلوار کا ایک سخت وار کیا۔ تلوار سر پر پڑی اور کاسۂ سر کو کاٹتی ہوئی دماغ تک پہنچ گئی، آپ لہولہان ہو گئے اور زمین پر گر پڑے۔ آپ کے ساتھیوں نے فوراً ابن ملجم کو گرفتار کر لیا اور آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا ـــــ آپ نے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو کچھ وصیتیں فرمائیں۔ انہی میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ اگر میں زندہ رہ گیا تو اپنے قاتل کے بارہ میں خود ہی فیصلہ کروں گا۔ اور اگر زندہ نہ رہوں تو پھر ایک ہی ضرب سے میرے اس قاتل ابن ملجم کو قصاص میں قتل کیا جائے۔ جیسا کہ شریعت کا قانون ہے اور انتقام کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اس کو زیادہ سخت ایذائیں نہ دی جائیں۔ (جیسا کہ جاہلیت میں ہوتا تھا) لیکن تاریخ کا بیان ہے کہ اس وصیت پر عمل نہ ہو سکا، لوگوں نے انتقامی جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر اس کے ہاتھ پیر کاٹے، زبان کاٹی گئی اور اس کی آنکھیں نکالی گئیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ یہ خارجی لوگ (اپنے خاص گمراہانہ خیالات اور غالیانہ طرز فکر اور طرز عمل سے قطع نظر) اپنی ذاتی زندگی میں شریعت کے بہت پابند اور بڑے "دیندار" "عبادت گزار" تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قاتل ابن ملجم کے متعلق بعض کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ جب اس کو قتل کیا جانے لگا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ کس طرح اس کو قتل کیا جائے گا تو اس نے کہا کہ میری زبان سب سے آخر میں کاٹی جائے تاکہ وہ آخری دم تک اللہ کا ذکر کر سکے۔

تاریخ کی روشنی میں اس بارہ میں شک شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ یہ لوگ اپنے اس بدترین اور خبیث ترین عمل میں بھی "نیک نیت" اور "مخلص" تھے، انھوں نے اس کو اسلام اور امت مسلمہ کی اعلیٰ درجہ کی خدمت سمجھا تھا، ان کو یقین رہا ہو گا کہ یہ کام کرنے کے بعد ہم کسی طرح زندہ نہیں بچ سکیں گے، ہماری بیویاں بیوہ اور ہمارے بچے یتیم ہوں گے، لیکن اس کے باوجود وہ اس قربانی کے لیے تیار ہوئے اور انھوں نے "فی سبیل اللہ جہاد عظیم" اور "جنت کا وسیلہ" سمجھ کر دنیا کا یہ سب سے بڑا اور لعنتی گناہ کیا ـــــ

یہ اس کی بڑی سبق آموز مثال ہے کہ کیسے کیسے "نیک نیت اور مخلص جانباز" شیطان کا آلۂ کار بن جاتے ہیں

اور وہ یقین اُن سے وہ کرا لیتا ہے جس کے لیے کافر بھی آسانی سے تیار نہ ہو۔

ان خوارج کے حالات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس انتہائی گمراہی اور شقاوت و بدبختی کی جڑ بنیاد یہ تھی کہ انھوں نے اور ان کے قائدوں لیڈروں نے اپنے بہت ہی محدود علم اور ناقص فہم پر بھروسہ کیا، اور دین کے بارہ میں اپنے کو عقل کُل اور بڑے سے بڑے فیصلوں کا اہل سمجھ لیا۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے علاوہ بھی صحابہ کرام ابھی خاصی تعداد میں موجود تھے، وہ بھی تھے جو اس جنگ سے بالکل بے تعلق اور غیر جانبدار تھے، جیسے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ——— ان خوارج نے ان سے بھی علمی استفادے یا اصلاح مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھی اور اپنے ہی ناقص علم و فہم پر اعتماد کر کے یہ سب کچھ کر ڈالا۔ ——— اس مزاج اور اس طرز فکر کی وجہ سے مختلف دوروں میں امت میں بڑے بڑے فتنے برپا ہوئے اور پھر اس کے نتیجہ میں بہت سے فرقے پیدا ہوئے۔

ہماری چودھویں صدی ہجری کے اس آخری سال ۱۴۰۰ھ کے پہلے دن یکم محرم (۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء) کو حرم شریف میں جو کچھ ہوا جس کے نتیجہ میں حرم پاک کی انتہائی بے حرمتی ہوئی، جہاں چڑیا مارنا بھی حرام ہے وہاں اپنے کو مسلمان کہنے والوں نے مسلمانوں کو گولیوں سے بھونا ——— کعبۃ اللہ کے صحن میں اللہ کے بندوں کا خون بہا، سینکڑوں کی زندگی کا چراغ گل ہوا (جن میں اللہ کے خصوصی مہمان مختلف ملکوں کے حجاج بھی تھے) دو ہفتوں سے زیادہ بیت اللہ کا طواف بند رہا اور ان دنوں میں مسجد حرام میں ایک وقت بھی نماز باجماعت نہ ہو سکی کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ایسی ہی ایک گمراہ جماعت کے ہاتھوں ہوا جس کا دینی مزاج اور طرز فکر وہی خوارج والا تھا۔ یہ اپنے کو "سلفی" اور "مصلحین" کہتے تھے۔ دین کے بارہ میں خوارج ہی کی طرح دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں ان میں بھی احساس برتری تھا۔ عملی زندگی میں بھی یہ خوارج ہی کی طرح "دیندار" اور احکام شریعت کے پابند تھے۔ ان کی بھی گمراہی کی جڑ بنیاد یہی تھی کہ اپنے بہت محدود علم اور بہت ہی ناقص عقل و فہم پر اعتماد کر کے انھوں نے دین کے اور امت کے بارہ میں بہت بڑے اور خطرناک فیصلے کر لیے، کسی بڑے عالم دین اور کسی ایسی شخصیت سے بھی جو آج کی دنیا کے حالات سے باخبر ہو مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کچھ جوشیلے نوجوانوں نے دین ہی کے نام پر خفیہ اسکیم تیار کی اور وہ کر ڈالا جس کے نتیجہ میں حرم پاک میں یہ سب کچھ ہوا۔

اب تک کی اطلاعات سے جو اندازہ کیا گیا ہو یہی ہے جو ان سطروں میں عرض کیا گیا لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً ۰

مختلف ملکوں کے ریڈیو اور اخبارات نے تو حرم شریف کے اس ناشدنی واقعہ کے بارے میں قریباً ۲-۳ ہفتے تک طرح طرح کی بے اصل افواہیں پھیلائیں لیکن باوثوق ذرائع سے جو معلوم ہوا ہے وہ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

نجد اور بعض دوسرے عرب علاقوں میں کچھ لوگ ہیں جو اپنے کو "سلفیین" اور اپنے گروہ کو "الجماعۃ السلفیۃ" اور "مصلحین" کہتے ہیں، عملی زندگی میں خوارج ہی کی طرح یہ لوگ تشدد پسند ہیں، اسی جماعت کا ایک نوجوان جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ اس نے مکہ معظمہ کی سرکاری تعلیم گاہ "کلیۃ الشریعۃ" میں (اور کہا جاتا ہے کہ ریاض کی "جامعۃ الامام محمد بن مسعود" میں بھی) کچھ دنوں تعلیم حاصل کی تھی، اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبداللہ تھا، شکل وصورت کے لحاظ سے بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حسین وجمیل تھا۔ بعض واقفین نے بتلایا کہ اس کی بظاہر صالح زندگی، حسین وجمیل صورت اور اس کا نام محمد بن عبداللہ ہونے کی بنا پر اس کے ساتھ پڑھنے والے بعض طالب علم کہتے تھے کہ تمہارے اندر "امام مہدی" کی علامتیں پائی جاتی ہیں، ہمارا خیال ہے کہ تم ہی "مہدی" ہونے والے ہو ـــــ بتایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں اس نے کبھی اس بات کو قبول نہیں کیا ـــــ پھر ایک وقت آیا کہ اس کے علاقہ اور اس کی جماعت میں بھی باغوائے شیطانی یہ بات اسی طرح چلی اور لوگوں نے کہا کہ تمہارے اندر وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو حدیثوں میں مہدی کی بیان کی گئی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان میں بہت سے لوگوں نے کہا کہ ہمیں خواب میں دکھلایا گیا ہے کہ یہ محمد بن عبداللہ مہدی آخر الزماں ہیں[1]۔ بظاہر ان سب باتوں کے نتیجہ میں خود اس نے بھی یقین کر لیا کہ، میں ہی "مہدی موعود" ہوں ـــــ اور چونکہ مہدی سے متعلق بعض حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خارقِ عادات اور معجزانہ طریقوں سے بھی اُن کی مدد ہوگی اور بالآخر وہ اپنے دشمنوں اور حریفوں پر غالب آجائیں گے اور ان کی حکومت قائم ہو جائے گی اور وہ دنیا کو منکرات اور فواحش سے پاک صاف کر دیں گے اور روئے زمین پر ظلم وفساد کی جگہ عدل اور امن وامان کی فضا قائم ہو جائے گی۔ ـــــ اس لیے خارجی ذہنیت رکھنے والے ان جوشیلے سادہ لوحوں نے یقین کر لیا (بلکہ کہنا چاہیے کہ شیطان نے ان کو یہ یقین دلا دیا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئیاں اور بشارتیں

---

[1] اگر یہ بات صحیح ہے کہ بہت سے لوگوں کو خواب میں دکھلایا گیا کہ یہ محمد بن عبداللہ مہدی آخر الزماں ہے ـــ تو بلاشبہ یہ خواب شیطانی تصرف کا نتیجہ تھے۔ شیاطین کے لیے خواب اور نیند کی حالت میں کسی کو گمراہ کرنا بیداری کی حالت میں گمراہ کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ ۱۲

ہمارے اس مہدی محمد بن عبد اللہ کے حق میں پوری ہوں گی۔

مہدی سے متعلق روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ لوگ اُن سے مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان یعنی باب کعبہ کے سامنے بیعت کریں گے، (اور ان کی مہم وہیں سے شروع ہوگی)، اس بنا پر ان روایتی مشن چیلیوں نے سب سے پہلے مسجد حرام پر قبضہ کرنے اور باب کعبہ کے سامنے اپنے مزعومہ مہدی کے ہاتھ پر خود بیعت کرنے اور حرم میں موجود دوسرے لوگوں سے بیعت لینے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے چودھویں صدی کے اس آخری سال کا پہلا دن اور نماز فجر کا وقت مقرر کیا۔

یہ لوگ اپنے پروگرام کے مطابق ایسے وقت جبکہ فجر کی نماز کے لیے دوسرے ہزاروں آدمی بھی حرم شریف میں داخل ہو رہے تھے، داخل ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اسٹین گن اور ریوالور جیسے اسلحہ تھے، بعض کے پاس رائفلیں بھی تھیں۔ یہ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی کافی مقدار میں لائے تھے۔ بتایا گیا ہے کہ ان کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی ——— اس وقت تک مختلف ملکوں کے حجاج کی بھی بہت بڑی تعداد مکہ معظمہ میں موجود تھی اور حرم شریف میں داخل ہونے والے کسی شخص کے بارے میں شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کسی بری نیت سے آیا ہوگا اس لیے کسی کو ان لوگوں کے بارے میں کچھ احساس اور شبہ نہیں ہوا۔

راقم سطور کے ایک عزیز دوست جو ایک کالج میں لکچرر ہیں (اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کی دولت سے بھی خوب نوازا ہے۔) اس سال حج کے لیے گئے تھے۔ جس دن حرم شریف میں یہ المناک حادثہ ہوا وہ اس دن رات کے دو بجے حرم شریف پہونچ گئے تھے (اس وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم نسبتہً کم ہوتا ہے اور کسی قدر اطمینان سے طواف اور حجر اسود کا استلام نصیب ہو جاتا ہے) ان کا بیان ہے کہ وہ اذان فجر تک طواف اور نوافل میں مشغول رہے۔ جب فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو وہ حجر اسود کے سامنے پہلی صف میں تھے۔ ان کے اور امام صاحب کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا ——— اس دن جو کچھ ہوا ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا ——— پھر صورت حال خطرناک ہو جانے کے باوجود وہ بعد ظہر دو بجے تک بالارادہ حرم شریف میں رہے تاکہ معاملہ کو سمجھیں اور جن کو مہدی کہا جا رہا ہے اور جن کی بیعت کی دعوت دی جا رہی ہے ان کو دیکھیں اور ان سے ملاقات کریں۔

ان عزیز دوست نے جو کچھ بچشم خود دیکھا اور بیان کیا اس کا حاصل ذیل میں درج کیا جا رہا ہے ———

ان کا بیان ہے کہ ——— جب امام صاحب نے فجر کی نماز کا سلام پھیرا تو اگلی صف میں سے ایک قدآور جوان جو مسلح تھا امام صاحب کے پاس پہونچ گیا، امام صاحب اور عام حاضرین کو مخاطب کر کے عربی میں کچھ کہنے لگا ———

اسی وقت مقام ابراہیم کی طرف سے اس جماعت کے آٹھ دس مسلح جوان ہاتھوں میں پستول اٹھائے ہوئے "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے ہوئے امام صاحب کے پاس پہونچ گئے۔ ان لوگوں کے اور امام صاحب کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی، اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ ان میں سے چار پانچ آدمی امام صاحب کو ساتھ لیکر ایک طرف کو چلے گئے۔

چونکہ ساری گفتگو عربی میں تھی اس لیے اسی وقت نہیں سمجھ سکے، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ساری دنیا میں شر و فساد پھیل گیا ہے اور حرمین شریفین میں بھی اب تیزی سے پھیل رہا ہے وہ وقت آگیا ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں میں خبر دی تھی کہ جب دنیا میں ایسا شر و فساد پھیل جائے گا تو میری امت میں مہدی کا ظہور ہوگا وہ دنیا میں پھیلے ہوئے اور بالخاص کر حرمین شریفین میں پھیلے ہوئے شر و فساد اور منکرات کو مٹائیں گے ——— وہ "مہدی" اب ظاہر ہو گئے ہیں، اور اس وقت حرم شریف میں موجود ہیں، عنقریب آپ لوگوں کے سامنے آئیں گے، آپ سب لوگ اُن سے بیعت کریں ——— ابھی تک حرم شریف کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور لوگ برابر باہر نکل رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ اس جماعت کے کچھ مسلح جوان میذنہ پر یعنی اُس بالائی کمرے پر پہونچ گئے جہاں سے مائکروفون پر اذان دی جاتی ہے اور اُن میں سے ایک نے مائکروفون پر تقریر شروع کر دی، یہ تقریر کاغذ پر لکھی ہوئی تھی جس کو وہ شخص تقریر کے انداز میں پڑھ رہا تھا، اس میں مہدی سے متعلق بہت سی حدیثیں کتابوں کے حوالوں کے ساتھ بیان کی گئی تھیں۔ اسی درمیان میں حرم شریف کے سرکاری محافظ نے بجلی کا کنکشن کاٹ دیا، مائکروفون بیکار ہو گیا، ان باغی لوگوں نے ایک دم حرم شریف کے تمام دروازے بند کر دیے اور ہر دروازہ پر اُن کے مسلح پہرہ دار کھڑے ہو گئے، معلوم ہوا کہ یہ دروازے انھوں نے اسلیے بند کیے تھے کہ حکومت کی پولیس یا فوج ان کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے اندر داخل نہ ہو سکے ——— لیکن دروازوں کے علاوہ باہر نکلنے کیلیے کچھ ایسے راستے بھی تھے جن سے کسی واقف کی رہنمائی میں آدمی نکل سکتے تھے چنانچہ عام حجاج اور نمازی ان راستوں سے باہر نکلتے رہے، پھر بھی اچھی خاصی تعداد اندر تھی ——— دروازے بند ہو جانے اور صورت حال کی خطرناکی کی وجہ سے قدرتی طور پر لوگ سراسیمہ اور پریشان ہو گئے، لیکن میں نے اسی حالت میں ارادہ کر لیا کہ میں ان صاحب کو دیکھ کے اور ان سے مل کے جاؤں گا جنکو امام مہدی بتلایا جا رہا ہو ——— اس جماعت کے جوانوں میں سے ایک صاحب مجھے ملے جو پاکستانی تھے جن سے میں اردو میں بات چیت کر سکتا تھا، ان سے میری تفصیلی بات ہوئی، انھوں نے مجھے باور کرانے اور یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ محمد بن عبداللہ جنکو ہم لوگوں نے مہدی مانا ہے فی الحقیقت مہدی آخر زماں ہیں، حدیثوں میں جو علامتیں مہدی کی بتلائی گئی ہیں وہ سب ان میں موجود ہیں ——— میں نے اُن سے کہا کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، انھوں نے بتلایا کہ

ظہر کی نماز کے بعد وہ یہیں باب کعبہ کے سامنے تشریف لائیں گے، اسی وقت عام بیعت ہوگی ـــــ حدیثوں میں یہ بھی آیا ہے کہ مہدی جب ظاہر ہوں گے تو مسجد حرام میں پناہ لیں گے، اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگ اُن سے بیعت کریں گے ـــــ بہرحال میں نے طے کرلیا کہ میں ظہر تک یہیں رہوں گا، اُن کو دیکھ کر اور ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ میں اس درمیان قرآن شریف کی تلاوت، نوافل اور طواف میں مشغول رہا۔ گیارہ بجے کے قریب معلوم ہوا کہ حکومت کی فوج آگئی اور اس نے حرم شریف کا ہر طرف سے محاصرہ کرلیا۔ اب دو طرفہ فائرنگ بھی ہونے لگی، ان باغی لوگوں نے حرم شریف کی اوپر والی منزل کے گوشوں میں اور میناروں میں مورچے سنبھال لیے، یہ وہاں سے فوجی سپاہیوں پر گولیاں چلاتے اور فوج کے سپاہی نیچے سے ان باغیوں کو نشانہ بناتے تھے۔ چونکہ حرم شریف کے تمام دروازے اندر سے بند تھے اس لیے فوج اندر داخل نہیں ہوسکتی تھی ـــــ

اسی حالت میں ظہر کا وقت ہوگیا، جب کچھ دیر تک اذان نہیں ہوئی تو میں نے چیخ چیخ کے لوگوں سے کہا "اذان" "اذان" تو ایک مصری حاجی نے جنکی آواز بلند تھی اذان کہی اور ایک پاکستانی حاجی صاحب نے نماز پڑھائی ـــــ میں نے دیکھا کہ ان باغی لوگوں میں سے کسی نے بھی نماز ادا نہیں کی ـــــ مجھے اس جماعت کے وہ پاکستانی صاحب مل گئے جن سے پہلے ملاقات ہوچکی تھی، انکو پکڑ کے میں نے کہا کہ آپکے یہ مہدی کیسے ہیں کہ نماز پڑھانے کے لیے بھی نہیں آئے اور آپکے آدمیوں میں سے کسی نے بھی نماز نہیں پڑھی؟ یہ کیسا دین ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ جنگ کا وقت ہے، ایسے وقت میں نماز وقت سے مؤخر کی جاسکتی ہے۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے تو جنگوں کے میدانوں میں بھی نماز پڑھی ہے آپ لوگ تو حرم شریف کے اندر ہیں، محفوظ ہیں۔

راقم سطور کے ان عزیز دوست کا بیان ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد بھی میں دیر تک حرم شریف میں رہا تاکہ کسی طرح ان مہدی صاحب کی زیارت کرسکوں لیکن وہ نہیں آئے۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ صورت حال زیادہ خطرناک ہوتی جارہی ہے ممکن ہے تھوڑی دیر بعد باہر نکلنے کا امکان نہ رہے۔ اس لیے میں دو بجے کے قریب صفا مروہ کی طرف کی ایک جالی سے باہر نکل آیا ـــــ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا اور میں اپنی قیام گاہ پر آگیا۔ پھر معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد حالات ایسے ہوگئے کہ حرم شریف سے کسی کے لیے باہر آنے کا امکان نہیں رہا اور جو حجاج اندر رہ گئے تھے، وہ محصور ہوگئے ـــــ حرم شریف کے اس المیہ سے متعلق ہمارے ان عزیز دوست نے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اور آپ بیتی کے طور پر جو کچھ بیان کیا اس کا حاصل یہی تھا جو سطور بالا میں سپرد قلم کیا گیا ـــــ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بارہ میں مختلف ذرائع سے اور خود سعودی حکومت کے ذمہ داروں کے بیانات سے جو علم میں آیا ہے (جو غالباً ہمارے اکثر ناظرین کو بھی معلوم ہوچکا ہوگا) وہ یہ ہے کہ "مجلس علماء" سے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد فوج کے سپاہی حرم شریف کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوگئے، لیکن چونکہ شرعی احکام اور حرم شریف کے احترام میں اصولی پالیسی کے طور پر یہ طے کرلیا گیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو حرم پاک میں خون خرابہ نہ ہو بلکہ ان مجرم باغیوں کو تا امکان زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے، اس لیے اس مہم کو آسانی سے اور جلدی سر نہیں کیا جاسکا ـــــ علاوہ ازیں جیسا کہ ذکر کیا جاچکا یہ باغی

پوری طرح مسلح تھے اور ہر صورت حال کے مقابلہ کے لیے گویا تیار ہو کر آئے تھے، اُن کے پاس مشین گن بھی کافی مقدار میں تھا ۔۔۔ اور حرم شریف میں بکثرت ایسے خلوے (تنگ نما تہ خانے) ہیں جن اگر کوئی مجرم پہونچ جائے اور اس کے ساتھ جنگ کرنے کا سامان ہو تو اس کو گرفتار کرنا اور اس پر قابو پانا بہت مشکل ہوگا ۔۔۔ ان باغیوں نے انہی گوشوں اور خلووں پر قبضہ کر لیا اور ان کو اپنی کمین گاہ بنا لیا، جب ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو انھوں نے فوج کے سپاہیوں پر مشین گن وغیرہ سے بے تحاشا گولیاں چلائیں ۔۔۔ اس مجموعی صورت حال کی وجہ سے ان باغی شیاطین سے حرم پاک کی کامل تطہیر بہت دیر میں ہوسکی، ان میں سے کچھ زندہ گرفتار ہوئے اور زیادہ تر کی لاشیں تہہ خانوں سے برآمد ہوئیں، معلوم ہوا ہے کہ جس شخص کو ان لوگوں نے "مہدی" بنایا تھا اسکی بھی لاش ہی ایک تہہ خانے سے برآمد ہوئی ۔۔۔ بعض اخبارات میں ان میں کی چند لاشوں اور چند گرفتار شدہ باغیوں کے فوٹو بھی شائع ہوئے ہیں، ان میں اس مدعی مہدویت کی لاش کا بھی فوٹو ہے، جو بری حالت میں ہے ۔۔۔ نعوذ باللہ من سوء الحال وسوء المآل۔

حرم شریف کے اس المیہ سے متعلق یہاں تک جو کچھ لکھا گیا یہ صرف وہ ہے جو واقفین اور واقعہ کے عینی مشاہدین کے بیان سے علم میں آیا ۔۔۔ اگر اس واقعہ کا طول وعرض اور عمق بس اتنا ہی ہے جتنا ان بیانات سے سامنے آیا ہے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ مجرم اور باغی لوگ خوارج اور قرامطہ کی طرح کے گمراہ افراد تھے اور ساتھ ہی انتہائی درجہ کے احمق اور اس دور کے حالات اور اسکی خصوصیات سے بالکل ہی ناواقف و نابلد بھی تھے۔ انھوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو "مہدی" سمجھ کے روایتی شیخ چلی کی طرح یقین کر لیا کہ جب ہم حرم شریف میں لوگوں کو انکی بیعت کی دعوت دینگے تو مختلف ملکوں سے آئے ہوئے لاکھوں حاجی فوراً بیعت کر لینگے (اور چونکہ سعودی عرب میں آتشیں اسلحہ پر بھی لائسنس نہیں ہے اسلیے انھوں نے آسانی سے اسلحہ بھی فراہم کر لیے) اور اطمینان کر لیا کہ بوقت ضرورت آسمان سے فرشتے بھی ہماری مدد کو آجائینگے ۔۔۔ اور اگر کسی حکومت کی فوج ہمارے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ کریگی تو اس پر خدا کا عذاب نازل ہو جائیگا۔ اور بالآخر ہمارے "امام مہدی" کی سربراہی میں "حکومت راشدہ عادلہ" قائم ہو جائیگی اور پھر ساری دنیا میں ایمانی انقلاب آجائے گا جسکی خبر "مہدی موعود" سے متعلق حدیثوں میں دی گئی ہے۔

الغرض اگر بات اتنی ہی تھی تو بلاشبہ اس گروہ کا یہ دینی جنون اور مالیخولیا بڑا ہی عبرتناک تھا، شیطان نے ان احمقوں سے دین کے نام پر وہ سب کچھ کرا لیا جس کے کرنے پر کافر بھی آسانی سے آمادہ نہ ہوسکے۔

لیکن جب اس واقعہ کے سلسلہ کی ان کڑیوں پر غور کیا جائے کہ ان لوگوں نے ایسا خطرناک منصوبہ جس کے لیے بڑے وسائل درکار تھے کتنی رازداری سے بنایا، کیسی ہوشیاری سے تکمیل تک پہنچایا اور پھر سعودی فوج کے مقابلہ میں کیسی جنگی مہارت کا ثبوت دیا کہ فوج اپنے تمام تر وسائل، اپنی بہت بڑی تعداد اور سخت جانی نقصان کے بعد بھی کئی دن تک ان پر قابو نہیں پاسکی اور حرم پاک کو

(بقیہ آئندہ)

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

صلح حدیبیہ جو ظاہر بین نظر میں ذلت آمیز شکست تھی وہ فی الحقیقت "فتح مبین" تھی

اس سے فتح مکہ اور بعد کی فتوحات کا دروازہ کھلا

اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝　　(سورة الفتح آيات ۱-۳)

بے شک ہم نے آپ کو ایک فتح مبین عطا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی سب تقصیرات کو بخش دے اور اپنی نعمت کا آپ پر اتمام کرے اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے اور اپنی ناقابل شکست نصرت سے آپ کو نوازے۔　(سورہ فتح آیات ۱ تا ۳)

تفسیر و تشریح، سورہ محمد کے بعد یہ سورہ فتح شروع ہوئی ہے، بعض پہلوؤں سے یہ قرآن مجید کی خاص اہمیت رکھنے والی سورتوں میں سے ہے، اس کے مضامین سے آپ حضرات کو بھی اس کا اندازہ ہو جائے گا ——— اس سورت کا ایک خاص پس منظر ہے جس کو کسی قدر تفصیل سے بیان کر دینا ضروری ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ۱۳ سال تک مکہ معظمہ ہی میں رہے اور کفار و مشرکین کی طرف سے

طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے رہے اور برابر توحید کی اور دین حق کی دعوت دیتے رہے، جن لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی نیکی اور سعادت تھی انھوں نے دیر سویر آپ کی دعوت کو قبول کر لیا اور ایمان لے آئے۔ اس کے بعد مکہ میں وہی لوگ رہ گئے جنھوں نے اپنے دلوں کے دروازے توحید کے پیغام اور دین حق کی دعوت کے لیے بند کر لیے اور کفر و شرک ہی پر قائم رہنے کا قطعی فیصلہ کر لیا اور آپ کی دعوت توحید کے اس درجہ میں دشمن ہو گئے کہ آپ کی زندگی ہی کو ختم کر دینے کی سازشیں اور منصوبے بنانے لگے۔ اس مرحلہ پر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے اور اسی کو اپنی دعوت کا مرکز اور وطن بنا لینے کا حکم ملا، چنانچہ آپ مکہ معظمہ سے ترک وطن کر کے مدینہ ہجرت فرما گئے، اور جو لوگ آپ کی دعوت قبول کر چکے تھے اور ایمان لے آئے تھے وہ سب بھی ——— سوا ان لوگوں کے جو کسی وجہ سے مجبور و معذور تھے ——— ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے ——— یہ واقعہ نبوت کے تیرھویں (۱۳) سال پیش آیا ——— اس ہجرت کی وجہ سے گھر بار چھوٹا، لوگوں کے کاروبار ختم ہوئے، عزیز اقارب چھوٹے اور وہ سب نقصانات اور مصائب اٹھانے پڑے جو دیس سے بے دیس اور گھر سے بے گھر ہونے کی وجہ سے پیش آتے ہیں ——— لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص اصحاب کے لیے سب سے بڑا روحانی صدمہ اور گویا دل کا زخم یہ تھا کہ "بیت اللہ" اور "قبلۂ ابراہیمی" چھوٹا۔ یقیناً آپ کے قلب و روح میں اس کی شدید خواہش اور تمنا رہی ہوگی کہ اللہ وہ دن لائے کہ مکہ معظمہ جا کر حج یا عمرہ کریں، بیت اللہ کا طواف نصیب ہو ——— صورت حال یہ تھی کہ اہل مکہ اگرچہ حج یا عمرہ سے کسی دشمن کو بھی نہیں روکتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان ظالموں کو ایسی دشمنی تھی کہ آپ کے لیے وہ کسی طرح اس کے روادار نہیں تھے کہ آپ حج یا عمرہ کے لیے مکہ آئیں اور بیت اللہ کا طواف کریں ——— ۵-۶ سال اسی حال میں گزر گئے۔

ہجرت کے چھٹے سال آپ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب و رفقاء کے ایک بڑے مجمع کے ساتھ عمرے کے لیے مکہ معظمہ گئے ہیں اور وہاں آپ نے امن و اطمینان کی حالت میں قاعدہ کے مطابق عمرہ کیا ہے اور عمرے سے فارغ ہو کر آپ نے اور آپ کے اصحاب و رفقاء نے حلق یا قصر کرایا ہے، جو عمرے کا آخری اور اختتامی عمل ہوتا ہے ——— آپ نے صحابہ کرام کے سامنے اپنے اس خواب کا تذکرہ فرمایا۔ اس کو سن کر دلوں میں عمرے اور بیت اللہ کی زیارت و طواف کے شوق کی آگ بھڑک

گئی۔ اور چونکہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جس کے "سچا خواب" ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضرت عمرے کا ارادہ فرمائیں، اور ہم خدام بھی ساتھ ہوں گے ــــــ غالباً فرطِ شوق میں کسی کا بھی ذہن اس طرف نہیں گیا کہ خواب میں اس کا کوئی اشارہ نہیں تھا کہ یہ عمرہ ابھی اسی مہینے اور اسی سال ہوگا، بلکہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ ادھر کسی کا ذہن نہ جائے اور خواب کی بنیاد پر عمرہ کے لیے ابھی سفر ہو اور وہ واقعات پیش آ جائیں جو پیش آئے اور بغیر عمرہ کیے بظاہر ناکام واپس آنا پڑے اور پھر یہ ظاہری ناکامی عظیم فتوحات اور برکات کا وسیلہ بنے، جیسا کہ ظہور میں آیا۔

بہرحال اس خواب نے دلوں میں عمرے کے لیے مکہ معظمہ کے سفر کا شوق اور تقاضا پیدا کر دیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ فرما لیا۔ اور چونکہ اس کا اندیشہ بہرحال تھا کہ مشرکین مزاحمت کریں اس لیے آپ نے مناسب سمجھا کہ جتنے زیادہ لوگ آپ کے ساتھ چل سکیں چلیں، تاکہ تعداد کی کثرت سے مشرکین مرعوب ہو جائیں، کوئی شرارت نہ کریں اور جنگ و قتال کی نوبت نہ آئے ــــــ چنانچہ آپ نے منادی کرا دی کہ جو اہلِ ایمان چل سکتے ہوں عمرے کے لیے ہمارے ساتھ چلیں۔ قریباً ڈیڑھ ہزار مخلص صحابہ کی جماعت تیار ہو گئی، اور جن کے دلوں میں نفاق تھا وہ جنگ کے خطرے سے سفر میں ساتھ نہیں ہوئے۔

مدینہ منورہ سے ۵۔۶ میل کے فاصلہ پر ایک مقام "ذوالحلیفہ" ہے، جہاں سے حج یا عمرے کے واسطے جانے والوں کو احرام باندھ لینے کا حکم ہے۔ یہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام اصحاب و رفقاء نے احرام باندھا اور مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے، ساتھ میں قربانیوں کے اونٹ بھی تھے جن کی گردنوں میں اس وقت کے دستور کے مطابق ایسے پٹے ڈال دیے گئے تھے جو اس بات کی علامت سمجھے جاتے تھے کہ یہ وہ اونٹ ہیں جو حج یا عمرہ کرنے والے بیت اللہ پر لے جا کر اللہ کے حضور میں قربان کرتے ہیں، جنگ کا سامان بھی ساتھ نہیں لیا گیا تھا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم جنگ کے ارادے سے آ رہے ہیں اور یہی چیز مشرکین کے لیے شرارت کا بہانہ بن جائے صرف تلواریں ساتھ تھیں جو میانوں میں بند تھیں (اور اس زمانہ میں ہر مسافر تلوار ساتھ رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔)

بہرحال یہ قافلہ عمرے کی نیت سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا، جب مکہ والوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے جمع ہو کر طے کیا کہ ہم ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور اس کے لیے اگر جنگ کرنی پڑی تو ہم جنگ کریں گے خواہ خون کی ندیاں بہہ جائیں ـــــ حضورؐ کو قریش مکہ کے اس فیصلہ کی اطلاع ہو گئی، آپ نے مکہ معظمہ سے قریباً ۱۵ میل پہلے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور ایک آدمی یہ پیغام دے کر اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اس کے سوا ہماری کوئی غرض نہیں ہے ـــــ لیکن انھوں نے اُس قاصد کو بھی پکڑ لیا۔ جب اُس کی واپسی میں زیادہ دیر ہوئی تو آپ نے حضرت عثمانؓ کو اپنا خاص سفیر اور نمائندہ بنا کر بھیجا۔ انھوں نے بھی قریش کو اطمینان دلانے کی پوری کوشش کی، لیکن وہ اپنی ضد اور ہٹ پر قائم رہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نے اجازت دی اور یہ لوگ عمرہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سارے ملک میں یہ سمجھا جائے گا کہ ہم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکے اور ان سے دب گئے ـــــ بہرحال اس خیال سے انھوں نے حضرت عثمانؓ کی بات نہیں مانی۔ البتہ ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی بلکہ عزت و احترام کا معاملہ کیا اور یہ پیش کش کی کہ اگر آپ چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں۔

حضرت عثمانؓ نے قریش کے مختلف سرداروں سے ملاقاتیں کیں اس کے لیے ان کو مکہ میں ٹھہرنا پڑا، اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ذمہ یہ کام بھی کیا تھا کہ مکہ میں مجبور و معذور قسم کے جو مسلمان ہیں، ہجرت نہیں کر سکے ہیں اور مشرکین کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھا رہے ہیں، اُن سے مل کر اُن کو تسلی دیں اور ان کو یہ پیام پہنچا دیں کہ انشاء اللہ جلدی ہی ان کی مصیبتیں ختم ہو جائیں گی وہ صبر و استقامت سے کام لیں ـــــ اس کام کی وجہ سے بھی حضرت عثمانؓ کو وہاں ایک دو دن ٹھیرنا پڑا ـــــ حضرت عثمانؓ کی واپسی میں اس دیر کی وجہ سے فکر و تشویش پیدا ہوئی۔ اسی حالت میں یہ افواہ کسی طرح پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیے گئے، مسلمانوں پر اس کا جو اثر پڑنا چاہیے تھا وہ پڑا اور پوری جنگی فضا پیدا ہو گئی ـــــ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حاضرین صحابہ سے جہاد اور اس میں ثابت قدمی کی بیعت لی۔ ہر ایک نے

حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد کیا کہ اگر جہاد کی نوبت آئی تو زندگی کے آخری سانس تک جنگ کریں گے اور خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے ۔۔۔۔ (بعد میں حضرت عثمان بخیریت واپس آ گئے اور معلوم ہوا کہ ان کی شہادت کی افواہ غلط اور بے اصل تھی۔) ۔۔۔۔ قریش کو جب اس صورت حال کی خبر پہنچی تو وہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور اُن کی طرف سے صلح کی بات چلی۔ صلح کی گفتگو کے لیے اُن کے نمائندے آئے۔ ۔۔۔۔ انھوں نے ایسی شرطیں پیش کیں جو بظاہر مسلمانوں کی شکست کے مرادف تھیں ۔۔۔۔ ان میں ایک شرط یہ تھی کہ اس وقت آپ لوگ بغیر عمرہ کیے اور بغیر مکہ میں داخل ہوئے یہیں سے واپس ہو جائیں اور اگلے سال عمرے کے لیے آئیں ہم اس وقت تین دن کے لیے شہر خالی کر دیں گے تاکہ کسی تصادم کا امکان ہی نہ رہے۔ (ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ شرط سخت ناگوار تھی)

دوسری شرط یہ تھی کہ دس سال تک فریقین میں سے کوئی جنگ نہ کرے ۔۔۔۔ اس مدت میں اگر مکہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ جائے تو مکہ والوں کے مطالبہ پر مسلمان اس کو واپس کر دیں،" اور اگر مدینہ سے کوئی مسلمان مکہ آ جائے تو اہل مکہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں۔

بظاہر یہ دونوں شرطیں بڑی دھاندلی کی اور مسلمانوں کے لیے سخت ذلت آمیز تھیں لیکن قریش کے نمائندے ان شرطوں پر اڑ گئے ۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر چونکہ عمرے کی نیت سے کیا تھا اس لیے اور اس واسطے بھی کہ جنگ ہونے کی صورت میں اللہ کے حرم کی بے حرمتی کا اندیشہ تھا، حضور جنگ سے بچنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ کے قلب میں یہ ڈالا گیا کہ جنگ سے بچنے کے لیے یہ شرطیں بھی قبول کر لی جائیں اور اس بارہ میں آپ کو شرح صدر ہو گیا کہ اسی میں خیر ہے تو آپ نے یہ سب شرطیں قبول فرما لیں ۔۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے صحابہ کو بھی یہ صلح اس وقت ہضم نہیں ہو سکی اور ان شرطوں میں مسلمانوں کے لیے خیر اور منفعت کے جو پہلو تھے جذبات کی شدت میں اُن کی طرف ان حضرات کی نظر نہیں گئی۔ انھوں نے حضور سے عرض کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو ہم کافروں مشرکوں سے دب کر ایسی ذلت آمیز شرطوں پر کیوں صلح کریں، کیوں نہ تلوار سے فیصلہ کیا جائے ۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ [illegible] اور علم [illegible] وقت [illegible] اطمینان [illegible] اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔)

بہر حال انہی شرائط پر صلح ہو گئی اور آپ نے وہیں احرام ختم کر کے مدینہ واپسی کا ارادہ فرمالیا اور صحابہ کو حکم دیا کہ سب لوگ حلق یا قصر کرا کے احرام ختم کر دیں اور یہیں قربانیاں کر دی جائیں، انشاء اللہ صلح نامہ کے مطابق اگلے سال آ کے عمرہ کریں گے۔ لیکن عام صحابہ جو یہ محسوس کرتے تھے کہ یہ صلح دب کر ہوئی ہے اور ہم نے ان کافروں کے مقابلہ میں ذلت قبول کی ہے حالانکہ ہم اس پوزیشن میں تھے کہ تلوار سے ان کافروں کا دماغ درست کر دیتے۔ وہ ایسے غمزدہ اور ایسے ماؤف تھے کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا —— ام المومنین حضرت ام سلمہ جو اس سفر میں حضور کے ساتھ تھیں انھوں نے آپ سے کہا کہ پہلے آپ خود حلق کرا کے احرام اتار دیں اور قربانی کر دیں آپ کو دیکھ کر سب کرنے لگیں گے، پھر ایسا ہی ہوا حضور کو حلق کرا کے احرام ختم کرتا دیکھ کر سب حلق یا قصر کرانے لگے" اور اس کے بعد پورا قافلہ مدینہ کے لیے روانہ ہو گیا ——
یہ ہے اس سورت کا پس منظر اور شان نزول۔

حدیبیہ سے واپسی کے اس سفر ہی میں یہ "سورۂ فتح" نازل ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان اصحاب و رفقاء کو جو اس سفر میں ہمرکاب تھے وہ عظیم بشارتیں سنائی گئی ہیں جو غالباً قرآن مجید کی کسی دوسری سورت میں نہیں سنائی گئی ہیں —— اس کی پہلی آیت ہے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (ہم نے آپ کو ایک فتح مبین عطا فرمائی) اس آیت میں حدیبیہ کی اس صلح کو جو بظاہر مغلوبانہ اور ذلت آمیز صلح تھی اور جس کو حضرت عمرؓ اور دوسرے بہت سے صحابہ ہضم نہیں کر سکے تھے "فتح مبین" قرار دیا گیا ہے۔ اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا اور سب کی سمجھ میں آ گیا بلکہ سب نے گویا آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ "صلح حدیبیہ" اسلام اور مسلمانوں کے حق میں فتح مبین تھی —— اس میں مسلمانوں کے لیے فتح کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ قریش نے جو عرب کی سب سے بڑی طاقت اور اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن نمبر ۱ تھے اور آپ کو اور آپ کی جماعت کو "قومی مجرم" اور "باغی" سمجھتے تھے انھوں نے اس صلح نامہ میں مسلمانوں کو ملک کی ایک جانب دار طاقت اور حکومت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا —— اور بیت اللہ پر بھی ان کا حق تسلیم کر لیا اور یہ بھی قبول کر لیا کہ اگلے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان عمرہ کے لیے آئیں گے تو وہ تین دن کے لیے شہر مکہ کو خالی کر دیں گے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ دس سال

تک کے لیے ناجنگ معاہدہ کی شرط خود انھوں نے رکھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین مراد تھی۔ اس ناجنگ معاہدہ کے نتیجہ میں قریش مکہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور دعوت اسلام کے راستہ کی اس وقت کی سب سے بڑی رکاوٹ ختم ہو گئی ـــــــــ معاہدہ میں یہ شرط بظاہر بڑی مغلوبانہ تھی کہ مکہ کا کوئی آدمی اگر اسلام قبول کر کے مدینہ چلا جائے گا تو قریش کے مطالبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر مدینہ سے کوئی مسلمان مکہ چلا آئے گا تو قریش اس کی واپسی کے ذمہ دار نہ ہوں گے ـــــــــ لیکن فی الحقیقت یہ شرط بھی سراسر مسلمانوں کے حق میں تھی، مکہ کا جو شخص اسلام قبول کر کے مدینہ پہنچ جاتا تو حضور کی صحبت، آپ کی تعلیم و تربیت اور وہاں کے ایمانی ماحول میں چند دنوں میں اس کا ایمان کامل اور اس کی زندگی اسلامی زندگی کا نمونہ بن جاتی اور دعوت کی روح اس میں سرایت کر جاتی ـــــــــ پھر جب اس کو قریش کے مطالبہ پر مکہ واپس کیا جاتا تو وہ مکہ میں اسلام کا داعی اور اسلامی زندگی کا نمونہ ہوتا ـــــــــ اور مدینہ سے جو مسلمان مکہ جاتا اور قریش اس کو روک لیتے مدینہ واپس نہ آنے دیتے، تو وہ بھی وہاں دین حق کا داعی اور اسلام کا چلتا پھرتا پیغام ہوتا ـــــــــ اور اگر وہ منافق ہوتا تو مدینہ سے اس کا چلا جانا ہی اچھا تھا۔ "خس کم جہاں پاک"۔

پھر اس صلح اور ناجنگ معاہدہ کے نتیجہ میں جو امن و امان کی فضا قائم ہوئی اس کی وجہ سے اسلام کی دعوت اور اس کی قبولیت کی رفتار بہت تیز ہو گئی، اور ان لوگوں کے لیے بھی جو قریش مکہ کے لیڈر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، صلح کی ٹھنڈی فضا میں ٹھنڈے دل سے معاملہ پر غور کرنے کا امکان پیدا ہو گیا، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عمرو بن العاص نے جو قریش کی سیاست کے درجہ اول کے ماہر تھے اور خالد بن الولید نے جو ایک ماہر فوجی کمانڈر تھے، اس صلح ہی کے نتیجہ میں اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور خود مدینہ منورہ حاضر ہو کر ایمان لے آئے اور اپنی ساری صلاحیتیں بلکہ زندگی ہی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ یہی خالد بن الولید ہیں جن کی قیادت میں خلافت صدیقی میں شام کا بڑا علاقہ فتح ہوا اور یہی عمرو بن العاص ہیں جن کی قیادت میں حضرت عمر کے دور خلافت میں مصر اسلامی قلمرو میں شامل ہوا۔

صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں اسلام کی دعوت اور قبولیت کی رفتار کس قدر تیز ہو گئی، اس کا اندازہ

اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۶ھ ہجری میں جب آپؐ نے عمرے کے لیے سفر کیا تھا جس کے لیے آپ نے منادی بھی کرائی تھی کہ جو چل سکتا ہو ہمارے ساتھ چلے، اس وقت آپ کے ساتھ جانے والوں کی تعداد چودہ سو پندرہ سو کے درمیان تھی، لیکن اس کے دو ہی سال بعد ۸ھ میں جب قریش مکہ نے ناجنگ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے عہد شکنی کی اور آپ نے مکہ معظمہ کو بھی اسلامی قلمرو میں شامل کر لینے کے لیے مکہ کی طرف کوچ فرمایا تو اس وقت آپ کے ساتھ دس ہزار کے قریب صحابہ کرام تھے ـــــ یہ سب "صلح حدیبیہ" کے نتائج تھے، اس لحاظ سے یہ صلح ہی "فتح مبین" تھی ـــــ حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ متعدد صحابہ کرام کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ تو "فتح مکہ" کو "فتح مبین" سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک "صلح حدیبیہ" فتح مبین تھی۔

سورۂ فتح کی اس پہلی آیت "اِنَّا فتحنا لك فتحًا مبينًا" کی دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ "فتح مکہ" کی پیشین گوئی ہے ـــــ گویا جو صحابہ کرام "صلح حدیبیہ" کے واقعات سے غمزدہ تھے اور اس کو اپنی ذلت آمیز شکست سمجھ رہے تھے، اُن کے زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کے لیے یہ آیت حدیبیہ سے واپسی میں نازل ہوئی اور بطور پیشین گوئی کے ان کو بشارت دی گئی کہ اس صلح کے غم کو بھول جاؤ، ہم نے تمہارے لیے "فتح مبین" یعنی "فتح مکہ" مقدر کر دی ہے اور اس کا تقدیری فیصلہ ہو گیا ہے ـــــ چنانچہ دو ہی سال کے بعد اُس کا ظہور ہو گیا اور مکہ معظمہ اس وقت کی اسلامی مملکت کا جز بن گیا ـــــ

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ "صلح حدیبیہ" ہی سے "فتح مکہ" کی راہ ہموار ہوئی، گویا صلح حدیبیہ فتح مکہ کی تمہید تھی، اس بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "صلح حدیبیہ" سے لیکر "فتح مکہ" تک جو کچھ ہوا وہ سب "فتح مبین" کا مصداق ہے ـــــ اور بعد کی تمام اسلامی فتوحات کا دروازہ بھی اسی نے کھولا ہے۔

اس کے بعد والی آیتوں میں اس "فتح مبین" کی چند خاص برکات کا بیان فرمایا گیا ہے۔

(باقی)

مولانا مودودی کے ساتھ
میری رفاقت کی سرگزشت
اور اب میرا موقف

(دوسری قسط۔ گزشتہ سے پیوستہ)

جیسا کہ ناظرین کے علم میں ہے اس مضمون کی پہلی قسط (۸ صفحات پر) الفرقان کے گزشتہ شمارہ میں شائع ہوئی تھی، اور اعلان کر دیا گیا تھا کہ اس کا باقی حصہ اب الفرقان میں شائع نہیں ہوگا بلکہ پورا مضمون مستقل کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا — لیکن بہت سے ناظرین کی طرف سے اصرار ہوا کہ یہ پورا مضمون الفرقان میں بھی شائع کیا جائے۔ — چنانچہ یہی فیصلہ کر لیا گیا اور اب اگلے صفحہ سے اس کی دوسری قسط نذر ناظرین کی جا رہی ہے۔ (یہ وہی صفحات ہیں جن کی کتابت شوال میں مولانا مرحوم کی حیات ہی میں ہو چکی تھی) — اس کے بعد صرف ایک قسط اور ہوگی جو ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں نذر ناظرین کی جا سکے گی۔

اس مضمون سے متعلق جو مفصل نوٹ گزشتہ شمارہ میں "نگاہ اولیں" کے ذیل میں لکھا گیا تھا اس دوسری قسط کے مطالعہ کے وقت بھی وہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ اور یہ بات خاص طور سے ملحوظ رہنی چاہیے کہ یہ پورا مضمون مولانا مرحوم کی حیات میں اس امید پر لکھا گیا تھا کہ یہ ان کی نظر سے گزرے گا اور اس عاجز کے قدیم تعلق کی بنا پر وہ اس کے مندرجات اور میری معروضات پر غور فرمائیں گے، شاید اللہ تعالیٰ ان کو تدارک کی توفیق دے، لیکن وقوع میں وہ آیا جو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قضا و قدر کا فیصلہ تھا۔

محمد منظور نعمانی

(پہلی قسط میں قریب بہ نصف صدی پہلے مولانا مودودی صاحب مرحوم کے ساتھ تقریباً دس سالہ ربط و تعلق اور رفاقت کی سرگزشت ذکر کی گئی تھی، اس کے بعد ان کے بارے میں اپنا موجودہ موقف بیان کرتے ہوئے مرحوم کی ایک ایسی نظریاتی غلطی کی نشاندہی کی گئی تھی جو امت میں ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتی ہے — اس دوسری قسط میں ان کی ایسی ہی ایک دوسری سنگین اور خطرناک غلطی پر کلام کیا گیا ہے۔)

دوسری ایسی ہی خطرناک غلطی ـــــ دین میں "حکمت عملی" کا فلسفہ :-

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم بقدر ضرورت اس کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔

جماعت اسلامی جب قائم ہوئی تھی، بلکہ اُس کے بھی پہلے سے مولانا مودودی کی تحریروں میں احکام شریعت کی پابندی کے بارہ میں ایسی شدت ہوتی تھی کہ اس کی وجہ سے بعض حضرات اُن پر خوارج کے مسلک[1] کا الزام عائد کرتے تھے۔ لیکن مولانا مودودی خود اور ہم لوگ بھی اس کی یہ توجیہ کرتے تھے کہ یہ دعوت کی زبان ہے فقہ یا فتوے کی زبان نہیں ہے۔ ـــــ شریعت وسنت کے اتباع کے بارہ میں اُن کی انتہا پسندی (یا انتہا پسندی کے مظاہرے) کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت سید احمد شہید کے اصلاحی و تجدیدی کاموں میں بھی اس لحاظ سے نقائص اور غلطیاں محسوس کرتے تھے اور برملا اپنے اِن خیالات کا اظہار کرتے تھے ـــــ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے جماعت کے دستور میں دفعہ ۸ کے تحت "صف اول" کے ارکان کے بارہ میں صراحت سے لکھا گیا تھا

> "ان لوگوں کے لیے احکام شریعت کی پابندی کے معاملہ میں کوئی رعایت نہ ہوگی۔ ان کو مسلمانوں کی زندگی کا پورا نمونہ پیش کرنا ہوگا اور اُن کے لیے رخصت کے بجائے عزیمت کا طریقہ ہی قانون ہوگا"

یہ بھی بار بار لکھا اور کہا جاتا تھا کہ یہ کام جو ہم لیکر کھڑے ہوئے ہیں دراصل انبیاء علیہم السلام کا کام ہے، اس کا راستہ بھی وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا تھا اس لیے طریق کار میں بھی طریق انبیاء اور احکام شریعت کی پوری پوری پابندی ضروری ہے ـــــ "جماعت اسلامی" کے قیام کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مولانا مودودی نے

---

[1] خوارج کا مسلک یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کرنے والا آدمی اسلام سے خارج قطعی کافر اور جہنمی ہو جاتا ہے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک مقالہ پڑھا تھا، اس کا عنوان تھا —— "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟" اس مقالہ میں بھی پوری وضاحت اور پورے زور کے ساتھ یہ بات لکھی گئی تھی۔ (راقم سطور اور مولانا علی میاں اور مولانا صبغۃ اللہ بختیاری بھی مودودی صاحب کے لکھنے پر اس موقع پر علی گڑھ پہنچے تھے اور اُن کے ساتھ تھے۔) الغرض اس زمانہ میں اُن کی تحریروں میں اس بات پر بڑا زور دیا جاتا تھا اور اس کو بار بار دہرایا جاتا تھا۔ اور اس کی خاص زد اُس وقت مسلم لیگ کی تحریک پاکستان پر پڑتی تھی، جو اسلام کے نام پر چل رہی تھی لیکن اسلامی شریعت کے حدود و احکام کی پابندی کا تصور ہی نہیں تھا —— (اگر اس سلسلہ کی مودودی صاحب کی تحریریں کوئی صاحب یکجا دیکھنا چاہیں تو وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب "تحریک جماعت اسلامی" ملاحظہ فرمائیں، ایک دو عبارتیں عنقریب ہی ہم بھی نقل کریں گے۔)

اس دور میں ہندوستانی مسلمان عام طور سے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ مسلمانانِ ہند کے حق میں مجموعی حیثیت سے اس کو بہتر سمجھتا تھا کہ آزادی کے بعد بھی ہندوستان ایک ملک رہے، صوبوں کی حیثیت خود مختار ریاستوں کی ہو، مرکزی حکومت جمہوری وفاقی طرز کی ہو جس کے پاس خارجہ پالیسی، مواصلات وغیرہ صرف وہ محکمے رہیں جن کا ملک کی وحدت کے لیے مرکز کے پاس رہنا ضروری ہے —— اس گروہ میں "جمعیۃ علمائے ہند" اور "مجلس احرار" جیسی جماعتیں شامل تھیں جن کی قیادت علماء اور اہل دین کے ہاتھ میں تھی —— ان کا خیال تھا کہ اس صورت میں ملک کے پانچ صوبوں میں، جن کو سرحدی اہمیت حاصل ہے مسلمانوں کی اکثریت ہوگی اور زمام اقتدار اُن کے ہاتھ میں ہوگی، اور باقی اُن صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں (مثلاً یوپی، بہار وغیرہ) ان میں بھی مسلمان ہندو اکثریت کے صرف رحم و کرم پر نہیں رہیں گے ان کو آئینی تحفظات حاصل ہوں گے —— یہ گروہ تحریک خلافت کے زمانہ سے جنگ آزادی میں برابر شریک رہا تھا اور اس کی تاریخ قربانیوں کی تاریخ تھی اس لیے وہ اس معاملہ میں پُر اعتماد تھا۔

دوسری طرف مسلم لیگ تھی جس کا مطالبہ تھا کہ ملک تقسیم ہو اور جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ ہندوستان سے الگ ایک آزاد مستقل مملکت (پاکستان) قائم ہو اور وہاں اسلامی حکومت ہو۔

مسلم لیگ کی قیادت اگرچہ علماء و اہل دین کے ہاتھ میں نہیں تھی (بلکہ اس کے سب سے بڑے قائد کا بھی عملاً دین و شریعت سے کوئی تعلق نہیں تھا) لیکن "مسلمانوں کی حکومت" اور "اسلامی حکومت" کے نعرہ میں عام مسلمانوں کے لیے بڑی کشش تھی اس لیے ان کی اکثریت نے مطالبۂ پاکستان کی تائید و حمایت کی۔

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا موقف اُس وقت ان دونوں گروہوں سے صرف الگ ہی نہیں بلکہ دونوں کے سخت خلاف تھا اور مولانا نے اِن دونوں پر بڑی بے رحمی سے تنقید کر کے دکھلایا تھا کہ یہ دونوں جن راہوں پر چل رہے ہیں یہ قطعاً غیر اسلامی ہیں بلکہ اسلامی مقاصد و مصالح کے لیے تباہ کن ہیں ـــــ ان میں سے پہلے گروہ (جمعیۃ العلماء وغیرہ) پر تنقید سے تو وہ جماعت اسلامی کی تاسیس و تشکیل سے پہلے ہی فارغ ہو گئے تھے، جماعت کے قیام کے بعد ان کی تنقید کا خاص رخ مسلم لیگ اور اس کی قیادت ہی کی طرف رہا ـــــ اس سلسلہ میں جن باتوں پر مودودی صاحب خصوصیت سے زور دیتے تھے ان میں سب سے اہم بات یہی ہوتی تھی کہ اسلامی حکومت، اسلامی طریقوں سے ہی قائم ہو سکتی ہے، مسلم لیگ کی تحریک کی گاڑی جس غیر اسلامی راستہ پر چل رہی ہے اس کے نتیجہ میں اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت قائم ہو بھی گئی تو وہ "اسلامی حکومت" ہرگز نہ ہوگی، بلکہ اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کے قیام میں وہ غیر مسلم حکومت سے زیادہ مشکلات پیدا کرے گی ـــــ اس سلسلہ کی ان کی کم از کم دو تین عبارتیں یہاں نقل کرنا ضروری ہے، ان عبارتوں کے مطالعہ کے بعد "بنی حکمت عملی" کے اُن کے فلسفہ کا پس منظر صحیح طور پر سمجھا جا سکے گا ـــــ

اپریل ۱۹۴۶ء میں ٹونک (راجستھان) میں جماعت اسلامی کا ایک اہم اجتماع ہوا تھا، اُس موقع پر کسی صاحب کی طرف سے دو سوال کیے گئے تھے، ان صاحب نے یہ تسلیم کر کے سوال کیے تھے کہ مسلم لیگ کی تحریک پاکستان اور اس کا پروگرام غیر اسلامی ہے ـــــ ان سوالوں میں دوسرا سوال یہ تھا کہ

"اس وقت برطانیہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کر رہا ہے اور اُس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ہندوؤں کا حصہ ہندوؤں کے حوالے کیا جائے

اور مسلمانوں کا حصہ مسلمانوں کے حوالے کیا جائے اور دوسری یہ کہ پورے ملک کی باگ ڈور اکثریت یعنی ہندوؤں کے حوالے کر دی جائے، ظاہر ہے کہ اگر آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا تو غیر مسلم اکثریت سارے ملک پر اور مسلمانوں پر مسلط ہو جائیگی۔

امیر جماعت کی طرف سے اس کے جواب میں فرمایا گیا تھا:۔

"ان سوالوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کی اس قومی تحریک کا ساتھ دیا جائے اور جب یہ حالات ختم ہو جائیں تو پھر ان کا ساتھ چھوڑ دیا جائے، کیونکہ اسے تو سائل صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تحریک غیر اسلامی ہے"۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ جب آپ ایک تحریک کو خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے ایک مسلمان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے۔۔۔۔۔۔۔"

جواب کے آخر میں فرمایا گیا تھا

"اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جا سکتی، اگر لوگ اسلام اور اسلامی طریق کار کو اپنی خواہشاتِ نفس کے خلاف پاکر ان کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو پھیر پھیر کے رستوں سے آنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ و رسول کے کام کو چھوڑیے اور ہمارے نفس کے کام میں حصہ لیجیے"

مولانا مودودی صاحب کے ایک مقالہ "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے اس میں مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، مگر میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔ عمر بن عبدالعزیز جیسا زبردست فرمانروا جس کی پشت پر تابعین و تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت بھی تھی اس معاملہ میں قطعی ناکام ہو چکا ہے۔ کیونکہ سوسائٹی بحیثیت مجموعی اس اصلاح کے لیے تیار نہ تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ اب میں

یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جو قومی اسٹیٹ جمہوری طرز پر تعمیر ہو گا وہ اس بنیادی اصلاح میں آخر کس طرح مددگار ہو سکتا ہے۔

جمہوری حکومت میں اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھ میں آتا ہے جن کو ووٹروں کی پسندیدگی حاصل ہو۔ ووٹروں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر نہیں ہے، اگر وہ صحیح اسلامی کیریکٹر کے عاشق نہیں ہیں، اگر وہ اُس بے لاگ عدل اور اُن بے لچک اصولوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جن پر اسلامی حکومت چلائی جاتی ہے تو اُن کے ووٹوں سے کبھی "مسلمان" قسم کے آدمی منتخب ہو کر پارلیمنٹ یا اسمبلی میں نہیں آ سکتے۔ اِس ذریعہ سے تو اقتدار اِن ہی لوگوں کو ملے گا جو مردم شماری کے رجسٹر میں تو چاہے مسلمان ہوں مگر اپنے نظریات اور طریقہ کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہوا بھی نہ لگی ہو، اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اُسی مقام پر کھڑے ہیں جس مقام پر غیر مسلم حکومت میں تھے بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر کیونکہ وہ "قومی حکومت" جس پر اسلام کا نمائشی لیبل لگا ہو گا اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری و بیباک ہو گی جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے۔"

اس سلسلہ کی صرف ایک عبارت اور پڑھ لی جائے۔ ۱۹۴۶ء میں پٹنہ میں جماعت اسلامی کا اجتماع ہوا تھا اس میں جماعت اسلامی کے اہم رکن اور ترجمان ملک نصر اللہ خاں عزیز صاحب نے جماعت اسلامی کے موقف اور طریقۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

"اگر آپ فی الواقع نظام اسلامی کے قیام کے خواہاں ہیں تو پہلے اپنے آپ کو اور اپنے لوگوں کے دلوں کو بدلیے۔ وہ دل اُن جسموں کو بدلیں گے جن میں وہ دھڑک رہے ہوں گے۔ پھر وہ اجسام اپنے گھروں اور خاندانوں اور بستیوں اور شہروں کو بدلیں گے جن میں وہ رہتے ہوں گے، اُن کی صورتیں اُن کی سیرتیں، اُن کے معاملات، تعلقات، سیاست، تجارت، معاشرت اور تمدن ہر شے بدلتی جائے گی تا آنکہ وہ ایک ایسی سوسائٹی اور جماعت بن جائیں گے کہ اُن کے

اندر کسی دوسرے نظریۂ زندگی کا عملاً چلنا محال اور ناممکن ہو جائے گا اور وہ نظام اسلامی وجود میں آئے گا جس کی ہر چیز اسلامی اور ہر شعبہ سرتاپا اسلام ہوگا۔ اسلامی نظام ہمیشہ اسی طریقہ پر قائم ہوا ہے اور آئندہ جب کبھی قائم ہوگا اسی طرح ہوگا۔ جو لوگ اس کے سوا کسی دوسرے طریقہ کو بھی اسلامی نظام کے قیام کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ سخت دھوکہ میں ہیں، اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اُن کے اس دھوکہ کو جلد از جلد دور کریں"۔

(روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم)
(تحریک جماعت اسلامی - از ڈاکٹر اسرار احمد)

۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے فیصلہ سے پہلے تک مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کا موقف یہ تھا جو مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا اور وہ اس پر بڑی شدت سے قائم تھے ——— پھر جب ملک کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا اور پاکستان کا قیام عمل میں آگیا تو خود مولانا مودودی اور ان کے رفقا اور جماعت کا مرکز بھی دارالاسلام سے (جو ضلع گورداسپور میں واقع تھا) پاکستان منتقل ہو گئے۔

یہاں پہنچکر جو صورت حال سامنے آئی تو مولانا کا طرز فکر بدلنے لگا ——— اور پچھلے چند سالوں میں سیکڑوں صفحات میں جو کچھ انھوں نے لکھا تھا اُس سب کو بھول کر یا بھلا کر خیال ہونے لگا کہ جس طرح مسلم لیگ نے "اسلام" اور "اسلامی حکومت" کا صرف نعرہ لگا کر الکشن کی جنگ میں جمعیۃ العلماء اور مجلس احرار جیسی جماعتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اکثریت کی تائید و حمایت حاصل کر لی اور پاکستان بن گیا، اسی طرح ہم بھی "اسلامی نظام" اور "اقامت دین" اور "حکومت الٰہیہ" کے نام پر الکشن میں مسلمانوں کی تائید حاصل کر سکیں گے اور اس طرح حکومت ہمارے ہاتھ میں آجائے گی اور پھر ہم اس کو صحیح معنی میں "اسلامی حکومت" بنائیں گے ——— بہرحال اس امید پر الکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا گیا[1] اور پہلے مرحلہ پر

---

[1] حیرت ہے کہ اس فعلی حقیقت کو [illegible] بھی دیکھتے تھے نظرانداز کرنے پر اپنے کو (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ بھی طے کیا گیا کہ ہم الکشن اسلامی اصول و احکام کی پابندی کے ساتھ لڑیں گے اور دکھلا دیں گے کہ الکشن اسلامی احکام کی پابندی کے ساتھ اس طرح لڑا جاتا ہے۔

معلوم ہوا تھا کہ اس سلسلہ میں سب سے پہلا فیصلہ یہ کیا گیا کہ حکومت کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور شریعت کا اصول ہے کہ "طالبُ الولا یُوَلّٰی" (جس کا مطلب ہے کہ جو شخص کسی حکومتی عہدہ یا منصب کا خود طالب و خواہشمند ہو اُس کو وہ عہدہ اور منصب ہرگز نہ دیا جائے۔) لہٰذا عوام سے کہا جائے گا کہ ہر حلقہ کے اہل الرائے اپنے حلقہ کی نمایندگی کے لیے کسی اہل اور دیندار شخص کا خود انتخاب کریں اور اُس سے الکشن میں کھڑے ہونے کی درخواست کریں اور اس کو کامیاب بنانے کے لیے جد و جہد کریں ـــــ یہ بھی طے کیا گیا کہ کسی ایسی پارٹی سے الکشنی سمجھوتہ بھی نہ کیا جائے جو الکشن کی مہم میں اس اصول کی اور دوسرے شرعی احکام و ہدایات کی پابندی نہ کرے۔

بہرحال اس نقشہ اور منصوبے کے مطابق کچھ حضرات کو الکشن میں کھڑا کیا گیا اور اس کو اقامتِ دین اور اسلامی نظام کے قیام کی جد و جہد اور جہاد فی سبیل اللہ قرار دے کر اپنے وسائل اور ذرائع اور زبان و قلم کی ساری صلاحیتوں کو اس پر لگا دیا گیا ـــــ لیکن نتیجہ میں حیرت انگیز درجہ میں ناکامی ہوئی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) [illegible] آزاد کرایا گیا تھا۔ پاکستان کے جن عوام کے ووٹوں کی بنیاد پر الکشن کا فیصلہ ہونا تھا ان میں [illegible] ان لوگوں کی تھی جو مولانا مودودی کی خاص اصطلاح میں صرف نسلی مسلمان اور مردم شماری کے [illegible] مسلمان تھے، اُن میں غالب بلکہ غالب ترین اکثریت صلوٰۃ و زکوٰۃ جیسے بنیادی فرائض [illegible] اور بد عملیوں کی بھی [illegible] خاصی تعداد تھی اور ان میں [illegible] خود مولانا مودودی صاحب کے [illegible] فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اس کے بعد جب الکشن کا دوسرا موقع سامنے آیا (یہ غالباً [illegible] الکشن تھا جس کی تیاریاں ہو رہی تھیں لیکن جنرل ایوب خاں کا مارشل لا اس کو بہا لے گیا۔ بہرحال اس موقع پر مولانا اور اُن کی جماعت نے پہلے الکشن میں ناکامی کے تجربہ کے تقاضے سے اپنے اصول اور طریق کار میں (جو دین و شریعت ہی کی روشنی میں اختیار کیے گئے تھے) تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ دوسری سیاسی پارٹیوں سے الکشن سمجھوتے کے سلسلہ میں جو سخت رویہ پہلے الکشن کے موقع پر اپنایا گیا تھا اور اس کو شرعاً ضروری سمجھا گیا تھا، اُس کو بدلنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

الکشن کے ذریعہ حکومتی اقتدار حاصل کرنے کی اس پالیسی کے سلسلہ میں اور بھی بعض ایسے فیصلے اور اقدامات کیے گئے جو شریعت کے اصول و احکام اور خود مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے اُس قدیم مسلک و رویہ کے قطعی خلاف تھے جو ملک کی تقسیم سے پہلے اُن کا رہا تھا اور اس کو انھوں نے عین دین قرار دیا تھا۔

پالیسی کی اس تبدیلی اور الکشن بازی کا ایک یہ بھی نتیجہ ہوا کہ جماعت کا مزاج دین کی حامل و داعی جماعت کے بجائے سیاسی پارٹی والا مزاج بنتا چلا گیا۔

جماعت کا وہ مخلص عنصر جس کو ابتدائی دور کی دینی دعوت نے کھینچا تھا اور جو اس امید پر آیا تھا کہ جماعت اسلامی کے ذریعہ احیاء دین و اقامت دین کی جدوجہد خالص انبیاء کی طریق پر ہوگی، اُس نے [illegible] حسن ظن کی بنیاد پر) پالیسی کی اس تبدیلی کا ساتھ دیا یا اختلاف نہ کرنے کی گنجائش سمجھی، لیکن جب پالیسی اور مزاج کی تبدیلی بالکل کھل کر آنکھوں کے سامنے آگئی تو اس عنصر نے اس پالیسی اور طریق کار سے اختلاف کرنا ضروری سمجھا اور اُسی وقت سے جماعت میں وہ اندرونی کشمکش شروع ہو گئی جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں اپنی سرگزشت کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔

اسی مرحلہ پر مولانا مودودی نے "دین میں حکمت عملی" کا فلسفہ پیش فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ اقامت دین جیسے عظیم و اعلیٰ مقصد کی جدوجہد کے سلسلہ میں اگر شریعت کے خلاف بھی کام کرنے پڑیں تو خود شریعت اس کی گنجائش دیتی ہے — ظاہر ہے کہ یہ

کس قدر خطرناک تھی اور سیاسی طالع آزماؤں کے لیے اس سے دین میں فتنوں کا کیسا دروازہ کھلتا تھا، لیکن مودودی صاحب نے اپنی ذہانت اور زور قلم سے اس کو شرعی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی۔

مودودی صاحب کے "دینی حکمت عملی" کے اس فلسفہ کے خلاف (جہاں تک راقم سطور کے علم میں ہے) سب سے پہلے اُن کے خاص رفیق اور جماعت اسلامی کے بلکہ اس کی مجلس شوریٰ کے بھی اہم رکن مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے اپنے ہفتہ وار اخبار "المنیر لائل پور" میں خاصی تفصیل سے لکھا اس کا عنوان تھا "دین کو تحریک سمجھنے کی ہلاکت آفرینیاں" ——— یہ پورا مضمون مولوی عتیق الرحمٰن کے قلم سے ایک مفصل تمہید اور آخر میں ۶-۷ صفحے کی تعلیق کے ساتھ رمضان المبارک [illegible] کے الفرقان میں بھی شائع ہوا تھا اور اس کے ۲۴ صفحے پر آیا تھا۔ اس زمانہ میں الفرقان کی ادارت عملاً مولوی عتیق الرحمٰن کے ہاتھ میں تھی۔

اس کے بعد مولانا مودودی نے مئی [illegible] کے "ترجمان" میں "المنیر" اور "الفرقان" کے ان مضامین کے جواب ہی میں ایک اور مضمون لکھا جس میں "حکمت عملی" کے اپنے فلسفہ کے ثبوت میں کتاب وسنت اور تعامل صحابہ سے گن کر ۹-۱۰ دلیلیں پیش فرمائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ذہانت اور زبان وقلم کی طاقت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو یہ بہت بڑا فتنہ اور ہزاروں لاکھوں بندگان خدا کی گمراہی کا بھی ذریعہ بن جاتی ہیں ——— مودودی صاحب کا یہ مضمون اس کی بڑی عبرتناک مثال تھا۔ خاصکر سیاسی پارٹیاں "اسلام" اور "اسلامی حکومت" کا نام لیکر مولانا کے ان دلائل کی روشنی میں اپنی سیاسی جدوجہد کے راستے پر ہر حرام کو حلال قرار دے کر استعمال کر سکتی تھیں۔

مولوی عتیق الرحمٰن نے پوری تفصیل سے اس مضمون کا جائزہ لیا اور مودودی صاحب کی دلیلوں یا غلط فہمیوں کی حقیقت ظاہر کرنا ضروری سمجھا ——— انھوں نے "دین میں حکمت عملی کا مقام" کے عنوان سے الفرقان کے مسلسل چار شماروں میں (ذی الحجہ [illegible] سے ربیع الاول [illegible] تک) لکھا، یہ چاروں قسطیں الفرقان کے ۴۸ صفحات پر آئی تھیں ——— اس سلسلہ مضمون میں مولانا مودودی صاحب کے دلائل کا تفصیل سے جائزہ لینے اور جواب دینے کے علاوہ ان کے دعوے

کا سراسر غلط اور روح دین کے خلاف ہونا بھی کتاب اللہ، اسوۂ نبوی، ارشادات نبوی اور تعامل صحابہ سے ثابت کیا گیا تھا۔

مودودی صاحب نے ایک سوال کے جواب کی صورت میں مولوی عتیق الرحمٰن کے اس مضمون کا ترجمان القرآن میں جواب دیا، (اس کا عنوان بھی یہی تھا "دین میں حکمت عملی کا مقام" مولوی عتیق الرحمٰن نے مودودی صاحب کا یہ پورا جوابی مضمون لفظ بلفظ اپنے جواب الجواب کے ساتھ الفرقان میں شائع کر دیا۔ (یہ جمادی الاخریٰ ۷۰ھ کے شمارہ میں شائع ہوا تھا) اس کے بعد اسی موضوع سے متعلق ایک مضمون مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا بھی "الفرقان" میں شائع ہوا، یہ قریباً ۴۰-۵۰ صفحہ کا مضمون تھا۔

اس موضوع پر الفرقان میں جو مضامین اس زمانہ میں شائع ہوئے تھے اگر ان کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو اندازہ ہے کہ قریباً ڈھائی تین سو صفحے کی کتاب ہو گی۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب کے اس سلسلہ کے مضامین میں بنیادی طور پر یہی خطرہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اگر مودودی صاحب کے حکمت عملی کے اس فلسفہ کو اور ان کے دلائل کو تسلیم کر لیا جائے تو لوگوں کے لیے دروازہ کھل جاتا ہے کہ وہ "اقامت دین" کی جدوجہد کا نام لیکر شریعت کے مسلّم حدود و احکام کو پامال کریں اور جن چیزوں کو اللہ و رسول نے حرام قرار دیا ہے، اقامت دین کی مہم سر کرنے کے لیے ان کو ناگزیر قرار دے کر وہ اپنے لیے ان کو حلال جانیں بلکہ ثواب سمجھ کر استعمال کریں ———— لیکن اللہ کی شان! مولانا مودودی صاحب نے حکمت عملی کے اس فلسفہ کے تحت خود ہی وہ سب کچھ کر کے دکھا دیا جس کا ان کے ناقدین و معترضین خطرہ اور اندیشہ بتلاتے تھے۔ اور مولانا مودودی صاحب کے حامیین و معتقدین کہتے تھے کہ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔

آپ اس کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے مولانا مودودی صاحب کا ایک مضمون پڑھ لیجیے جو ستمبر ۵۲ء کے ترجمان القرآن میں شائع ہوا تھا اور چونکہ وہ وقت کے ایک اہم مسئلہ سے متعلق بہت اچھا اور اطمینان بخش مضمون تھا اس لیے اس کو اکتوبر ۵۲ء کے الفرقان میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ یہاں وہ مضمون الفرقان ہی سے مع اس کے ادارتی نوٹ کے نقل کیا

اُن کی رائے لیتے، اور اس رائے کا لحاظ کرتے تھے۔ تو اُسے حیرت ہوتی ہے کہ آج اسلامی اصولوں کا نام لیکر اس قسم کی مجالس میں عورتوں کی شرکت کو غلط کیسے کہا جاسکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جو مجالس اس نام سے موسوم کی جاتی ہیں ان کا کام محض قانون سازی کرنا نہیں ہے، بلکہ عملاً وہی پوری ملکی سیاست کو کنٹرول کرتی ہیں، وہی وزارتیں بناتی اور توڑتی ہیں، وہی نظم ونسق کی پالیسی طے کرتی ہیں، وہی مالیات اور معاشیات کے مسائل طے کرتی ہیں، اور انہی کے ہاتھ میں صلح و جنگ کی زمام کار ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے ان مجالس کا مقام محض ایک فقیہ اور مفتی کا مقام نہیں ہے بلکہ پوری مملکت کے "قوام" کا مقام ہے۔

اب ذرا دیکھئے قرآن اجتماعی زندگی میں یہ مقام کس کو دیتا ہے اور کسے نہیں دیتا سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قنتت حفظت للغيب بما حفظ الله ([illegible])	مرد عورتوں پر قوام ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور بوجہ اس کے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس صالح عورتیں اطاعت شعار اور غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں اللہ کی حفاظت کے تحت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں "قوامیت" کا مقام مردوں کو دے رہا ہے اور صالح عورتوں کی دو خصوصیات بیان کرتا ہے، ایک یہ کہ وہ اطاعت شعار ہوں، دوسرے یہ کہ وہ مردوں کی غیر موجودگی میں ان چیزوں [illegible] کی حفاظت کریں جن کی حفاظت اللہ [illegible] ۔۔۔۔ آپ کہیں گے کہ یہ حکم تو عائلی معاشرت کے لیے ہے نہ کہ ملکی سیاست کے لیے۔ مگر یہاں [illegible] "الرجال قوامون على النساء" کہا گیا ہے، فی البیوت کے الفاظ [illegible] حکم کو عائلی معاشرت [illegible] اگر آپ کی یہ بات مان بھی لی جائے تو ہم پوچھتے ہیں

کہ جسے اللہ نے گھر میں قوّام نہ بنایا، بلکہ قنوت (اطاعت شعاری) کے مقام پر رکھا، آپ اسے تمام گھروں کے مجموعے یعنی پوری مملکت میں قنوت کے مقام سے اٹھا کر قوامیت کے مقام پر لانا چاہتے ہیں۔ گھر کی قوامیت سے مملکت کی قوامیت تو زیادہ بڑی اور اونچے درجہ کی ذمہ داری ہے۔ اب کیا اللہ کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ ایک گھر میں تو عورت کو قوّام نہ بنائے گا مگر کئی لاکھ گھروں کے مجموعے پر اُسے قوام بنا دے گا؟

اور دیکھیے قرآن صاف الفاظ میں عورت کا دائرۂ عمل یہ کہہ کر معین کر دیتا ہے کہ

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ۔ (الاحزاب-۴)	اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ ٹھہری رہو اور پچھلی جاہلیت کے سے تبرج کا ارتکاب نہ کرو۔

آپ پھر فرمائیں گے کہ یہ حکم تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر کی خواتین کو دیا گیا تھا، مگر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے خیال مبارک میں کیا نبی (صلعم) کے گھر کی خواتین کے اندر کوئی خاص نقص تھا جس کی وجہ سے وہ بیرون خانہ کی ذمہ داریوں کے لیے نا اہل تھیں؟ اور کیا دوسری خواتین کو اس لحاظ سے اُن پر کوئی فوقیت حاصل ہے؟ پھر اگر اس سلسلہ کی ساری آیات صرف اہل بیت کے لیے مخصوص ہیں تو کیا دوسری مسلمان عورتوں کو تبرج جاہلیت کی اجازت ہے۔ اور کیا انھیں غیر مردوں سے اس طرح باتیں کرنے کی بھی اجازت ہے کہ ان کے دل میں طمع پیدا ہو؟ اور کیا اللہ اپنے نبیؐ کے گھر کے سوا ہر مسلمان گھر کو "رجس" میں آلودہ دیکھنا چاہتا ہے؟۔

اس کے بعد حدیث کی طرف آئیے یہاں ہم کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ واضح ارشادات ملتے ہیں:۔

اذا کان امراؤکم شرارکم واغنیاؤکم بخلاؤکم وامورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها۔ ترمذی	جب تمہارے امراء (ارباب حکومت) تمہارے بدترین لوگ ہوں اور جب تمہارے دولتمند بخیل ہوں اور جب تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پشت سے بہتر ہے۔

عن ابی بکرۃ لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنّ اھل فارس ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قومٌ ولوا امرھم امرأۃً

(بخاری، ترمذی)

ابو بکرہ سے روایت ہے کہ جب نبی (صلعم) کو خبر ہو گئی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کر دیے ہوں۔

یہ دونوں حدیثیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "الرجال قوامون علی النساء" کی ٹھیک ٹھیک تفسیر بیان کرتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیاست و ملک داری عورت کے دائرۂ عمل سے خارج ہے۔ رہا یہ سوال کہ عورت کا دائرۂ عمل ہے کیا؟ ۔ تو نبی کریم (صلعم) کے یہ ارشادات اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔

والمرأۃ راعیۃ علی بیت بعلھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم

(ابو داؤد)

اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی راعیہ ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔

یہ ہے آیت "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" کی صحیح تفسیر اور اس کی مزید تفسیر وہ احادیث ہیں جن میں عورت کو سیاست و ملک داری سے کمتر درجہ کے خارج از بیت فرائض و واجبات سے بھی مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

الجمعۃ حقٌ واجبٌ علی کل مسلمٍ فی جماعۃٍ الا اربعۃٌ عبدٌ مملوکٌ او امرأۃٌ او صبیٌّ او مریضٌ (ابو داؤد)

جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ ادا کرنا حق اور واجب ہے بجز چار کے غلام، عورت، بچہ اور مریض

عن ام عطیۃ قالت نھینا عن اتباع الجنائز (بخاری)

ام عطیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو جنازوں کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

اگرچہ ہمارے پاس اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں مضبوط عقلی دلائل بھی ہیں اور کوئی چیلنج کرے تو ہم انھیں پیش کر سکتے ہیں مگر اول تو ان کے بارہ میں سوال نہیں کیا گیا ہے

دوسرے ہم کسی مسلمان کا یہ حق ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ وہ خدا اور رسول کے واضح احکام سننے کے بعد ان کی تعمیل کرنے سے پہلے اور تعمیل کے لیے شرط کے طور پر عقلی دلائل کا مطالبہ کرے۔ مسلمان کو اگر وہ واقعی مسلمان ہے پہلے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے، پھر وہ اپنے دماغی اطمینان کے لیے عقلی دلائل مانگ سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ مجھے پہلے عقلی حیثیت سے مطمئن کرو، ورنہ میں خدا و رسول کا حکم نہ مانوں گا، تو ہم ایسے سرے سے مسلمان ہی نہیں مانتے۔ کجا کہ اس کو ایک اسلامی ریاست کے لیے دستور بنانے کا مجاز تسلیم کریں۔ تعمیل حکم کے لیے عقلی دلائل مانگنے والے کا مقام اسلام کی سرحد سے باہر ہے نہ کہ اس کے اندر"

اس کے آگے اسی مضمون میں مولانا مودودی صاحب نے اسی مسئلہ سے متعلق پیش کیے جانے والے یا پیدا ہونے والے بعض شبہات کے جوابات دیے ہیں، اور وہ جوابات بھی بالکل صحیح اور اطمینان بخش ہیں ــــ لیکن جس مقصد سے یہاں ہم نے اس مضمون کو نقل کیا ہے اس کے لیے بس یہی حصہ کافی ہے جس میں مودودی صاحب نے واضح طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام اور اس کی شریعت میں کسی عورت کے مجلس قانون ساز کا رکن ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ــــ اور یہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس بارہ میں اللہ و رسول کے واضح احکامات و ارشادات ہیں اور کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اس حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کرے ــــ

اب اس کے آگے سنئے! جیسا کہ ذکر کیا گیا مولانا نے یہ مضمون ۱۹۵۲ء میں لکھا تھا جبکہ پاکستان میں جمہوری حکومت قائم تھی، اس کے ۶-۷ برس بعد وہ وقت آیا کہ پاکستان کے اس وقت کے فوجی سربراہ جنرل ایوب خاں نے فوجی انقلاب برپا کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی پھر وہ صدر بھی بن گئے ــــ اس کے چند برسوں کے بعد انھوں نے چاہا کہ وہ باقاعدہ الکشن کے ذریعہ پاکستان کے "صدر" منتخب ہو جائیں ــــ اس مرحلہ پر اُن کے خلاف پاکستان کی اکثر سیاسی پارٹیوں کا ایک "متحدہ محاذ" قائم ہوا، مولانا مودودی کی جماعت اسلامی

بھی مولانا موصوف کی رہنمائی میں اس متحدہ محاذ میں شامل تھی بلکہ اُس کی تعمیر و تشکیل میں اس کا حصہ دوسری پارٹیوں سے زیادہ ہی رہا تھا۔ [یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس متحدہ محاذ میں وہ پارٹیاں بھی تھیں جن کی سیاست کا دین سے بلکہ خدا سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ (اُس وقت کے) مشرقی پاکستان کے معروف لیڈر بھاشانی صاحب کی پارٹی بھی تھی جو کھلے کمیونسٹ اور کمیونزم کے پرجوش داعی و علمبردار تھے ——— مودودی صاحب کے "دینی حکمت عملی" کے فلسفہ نے "جماعت اسلامی" کے لیے ان سب کے ساتھ اشتراک عمل اور رفاقت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ "اقامت دین" کے تعلق سے کار ثواب بنا دیا تھا۔]

اس متحدہ محاذ کو صدر ایوب کے مقابلہ میں کسی مضبوط امیدوار کو کھڑا کرنا تھا۔ متحدہ محاذ میں شامل پارٹیاں اس نتیجہ پر پہنچیں کہ ملک میں صرف مس فاطمہ جناح[1] کی شخصیت ایسی ہے کہ صدر ایوب کے مقابلہ میں ان کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے، اور انھوں نے انہی کے بارہ میں فیصلہ کرلیا، ——— جماعت اسلامی کو اس میں یہ مشکل پیش آئی کہ وہ ابتک یہ کہتی آئی تھی اور اس کے بانی اور رہنما مولانا مودودی قرآن و حدیث کے حوالوں سے لکھ چکے تھے کہ اسلام اور اسلامی شریعت میں کسی عورت کے مجلس قانون ساز کا ایک عام رکن اور ممبر ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے چہ جائے کہ اس کو مملکت کا صدر اور سربراہ بنایا جائے، جو ایک حد تک مختارِ کل ہوتا ہے۔ ——— لیکن مودودی صاحب نے "دین میں حکمت عملی" کا جو فلسفہ پیش فرمایا تھا اور اس کے جو دلائل دیے تھے (مثلاً یہ کہ اکراہ کی صورت میں زبان سے کلمۂ کفر کہنا بھی جائز ہے اور حالتِ اضطرار میں حرام اور مردار کھا لینے کی بھی اجازت ہے وغیرہ وغیرہ) اس کی روشنی میں اس مشکل کا بھی حل نکال لیا گیا ——— جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے پاکستان کی صدارت کے لیے مس فاطمہ جناح کی امیدواری کے بارہ میں اپنے موقف کا اعلان کرتے ہوئے جو بیان جاری کیا تھا اُس میں فرمایا گیا تھا کہ

> اسلام میں جو چیزیں حرام ٹھیرائی گئی ہیں اُن میں سے بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے جو کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہوسکتی اور بعض کی حرمت ایسی ہے جو شدید ضرورت

---

[1] یہ محترمہ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی بہن تھیں۔ ۱۲

کے موقع پر ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اب یہ واضح ہے کہ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت اُن حرمتوں میں سے نہیں ہے جو ابدی اور قطعی ہیں بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں ہی میں اس کا شمار ہو سکتا ہے ـــــ اس لیے ہمیں ان حالات کا جائزہ لیکر دیکھنا چاہئے جن میں یہ مسئلہ ہمارے سامنے آیا ہے۔

(اس کے بعد حالات کی وضاحت کی گئی تھی اور پھر ان الفاظ پر مجلس شوریٰ کی یہ قرار داد ختم ہوتی تھی۔)

• مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں اس مجلس نے صدارتی انتخاب کے لیے موجودہ صدر کے مقابلہ میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید اور حمایت کا فیصلہ کیا ہے اور یہ مجلس عوام سے اپیل کرتی ہے اور جماعت کے کارکنوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ جبر و استبداد سے نجات پانے کے لیے اس آخری موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور اس مہم کو تن من دھن سے کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

پھر ایسا ہی ہوا کہ پاکستان کی جماعت اسلامی کے "الکشنی مجاہدین" نے اس معرکہ کو "جہاد فی سبیل اللہ" قرار دے کر مس فاطمہ جناح کو کامیاب بنانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی، اور جب انھیں یہ "شرعی" رہنمائی مل گئی تھی کہ یہ ایسا عظیم و اعلیٰ مقصد ہے کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اگر ضرورت پڑے تو بقدر ضرورت حرام کا بھی ارتکاب کیا جا سکتا ہے تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ الکشن جیتنے کے تقاضے سے کیا کچھ نہ کیا گیا ہوگا ـــــ

پھر یہاں ایک یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مس فاطمہ جناح کا معاملہ صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ وہ بس ایک "عورت" تھیں ـــــ ہر باخبر اور جماعت اسلامی کا تو ہر فرد جانتا تھا کہ مولانا مودودی کی خاص اصطلاح میں وہ زیادہ سے زیادہ بس "نسلی مسلمان" اور "مردم شماری کے رجسٹر کی مسلمان" ہیں ـــــ اسلام سے ان کا جیسا عملی تعلق تھا وہ بالکل ظاہر باہر تھا اور ان کی یہ بات قابل تعریف ہے کہ انھوں نے الکشن کی مصلحت کے تقاضوں سے بھی اپنے کو بدلنے کی ضرورت نہیں سمجھی ـــــ بدلے تو "اقامت دین" کے علمبردار بدلے۔ ؎

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
جو بتکدے میں بیاں کروں تو صنم بھی کہے ہری ہری

یا بدیع العجائب! یا تو معیار کی یہ بلندی کہ جماعت کے دستور میں، جماعت کے صفِ اول کے ارکان کے بارے میں کہا گیا تھا

"ان کے لیے احکامِ شرعیہ کی پابندی کے معاملہ میں کوئی رعایت نہ ہوگی، ان کو مسلمانوں کی زندگی کا پورا نمونہ پیش کرنا ہوگا، اور ان کے لیے رخصت کے بجائے عزیمت کا طریقہ ہی قانون ہوگا۔"

یا یہ تنزل اور گراوٹ کہ جان بوجھ کر ایک حرام کا ارتکاب کیا جا رہا ہے اور پورے ملک کے مسلمانوں سے اس حرام کے ارتکاب کی اپیل کی جا رہی ہے اور اس کے لیے شرعی حرمتوں میں "ابدی" اور "غیر ابدی" "قطعی" اور "غیر قطعی" کی تقسیم کی جا رہی ہے۔

راقم سطور کے نزدیک "دین میں حکمتِ عملی" کے فلسفہ کا یہ عملی مظاہرہ تھا اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے کرایا ہو کہ ہر شخص اس فلسفہ کی حقیقت اور اس کی خطرناکی کو بچشم خود دیکھ سکے۔

لیہلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حیّ عن بینۃ۔

جس زمانہ میں یہ سب کچھ ہوا اسی زمانہ میں جمادی الاخریٰ ۸۴ھ (نومبر ۱۹۶۴ء) کے الفرقان میں اس سے زیادہ تفصیل سے اس مسئلہ پر لکھا گیا تھا۔ اور راقم سطور نے اوپر کی سطروں میں مس فاطمہ جناح کے الکشن سے متعلق جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کی قرارداد کا جو متن نقل کیا ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے ——

صرف وقتی غلطی نہیں بلکہ فتنہ کا دروازہ

دین میں حکمتِ عملی کا یہ فلسفہ جس کو مولانا مودودی صاحب نے ۱۹۵۱ء میں تحریری طور پر پیش فرمایا تھا (جس کا پچھلے صفحات میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے) اور ۱۹۶۴ء میں مس فاطمہ جناح کے الکشن میں جس کا پورا عملی تجربہ اور مظاہرہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف ایک وقتی غلطی نہیں تھی جو بس ہو چکی، بلکہ — اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرمائے — اس نے قیامت تک کے لیے دین میں فتنوں کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا ہے۔

جو لوگ جماعت اسلامی کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جماعت کا اصل کارفرما

عنصر وہ جدید تعلیم یافتہ حضرات ہیں، جنھوں نے دین کا علم بنیادی طور پر حضرت مولانا مودودی کی تصنیفات سے حاصل کیا ہے اور ان کی تمام تر ذہنی تربیت مولانا ہی کی تحریروں سے ہوئی ہے،[1] ان تحریروں نے اُن کے ذہنوں میں یہ بات بٹھلا دی ہے کہ امت میں قرن اول کے بعد سے قرآن کی اور دین کی بنیادی اصطلاحوں (الٰہ، رب، عبادت وغیرہ) کا مفہوم اور دعوتِ توحید کا مدعا تک بھی صحیح نہیں سمجھا جا رہا تھا، اب چودھویں صدی میں مولانا مودودی صاحب نے اس کو صحیح سمجھا اور سمجھایا ہے، اور دین کی حقیقت اور روح بھی وہی ہے جو مولانا موصوف نے سمجھی اور بیان فرمائی ہے۔ ورنہ اگلے زمانوں کے تو مجددین (مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید وغیرہ) سے بھی دین کے بارہ میں بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور وہ حقیقی اسلام اور جاہلیت کے اثرات کے درمیان پورا امتیاز نہیں کر سکے۔ ——— یہ طبقہ (جو جماعت اسلامی کا اصل کارفرما عنصر ہے) اس حال میں نہیں ہے کہ براہ راست کتاب وسنت سے اور ائمہ سلف اور امت کے علمائے محققین کی تصنیفات سے رہنمائی حاصل کر سکے، اس کے پاس علم دین کا سارا سرمایہ بس مودودی صاحب کی تصنیفات اور جماعت کا لٹریچر ہے ——— پھر اس کو "دین میں حکمت عملی" کے عنوان سے مولانا موصوف نے یہ اصول بھی سکھا دیا ہے اور اس پر عمل کر کے اور کرا کے بھی دکھلا دیا ہے کہ "اقامت دین" کی جد و جہد کے سلسلہ میں (جس کی عملی صورت اب الکشنی معرکے ہی ہیں) اگر ضرورت پڑے تو "بقدر ضرورت" کسی ناجائز اور حرام کام کا بھی ارتکاب کیا جا سکتا ہے ——— تو سوچا جا سکتا ہے کہ الکشن کے

---

[1] اس صورت حال کا اندازہ صرف اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ "جماعت اسلامی پاکستان" کا (جو اصل "جماعت اسلامی" ہے اور باقی ہندوستان یا کشمیر میں تو بس اس کی گویا شاخیں ہیں سب کے بانی اور رہنما مولانا مودودی ہی ہیں) امیر اپنی جگہ خود مولانا مودودی صاحب نے یا ان کی رہنمائی میں "جماعت" نے ہمارے عزیز دوست میاں طفیل محمد صاحب کو (جو غالباً بی اے ایل ایل بی ہیں) اور جنرل سکریٹری پروفیسر غفور احمد کو بنایا ہے۔ راقم سطور دونوں حضرات سے واقف ہے اور دونوں کے بارے میں نیک گمان اور اچھی رائے رکھتا ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے ان حضرات کے پاس علم دین کا سرمایہ بس وہی ہے جو انہوں نے مولانا مودودی صاحب اور ان جیسے دوسرے حضرات کی کتابوں سے حاصل کیا ہے اور اسی نے ان کی ذہنی تربیت کی ہے ——— احتیاط سے کام لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ جماعت اسلامی میں ۹۸-۹۹ فی صد ایسے ہی حضرات ہیں جن کے لیے دین کا ماخذ صرف مودودی صاحب ہیں اور انکی تصانیف ہیں، [illegible] ایسے حضرات کبھی ہونگے جو بوقت ضرورت کتاب و سنت اور قدیم اسلامی کتب خانہ کی طرف رجوع کر سکیں۔

میدان میں کام کرنے والے جماعت اسلامی کے "مجاہدین" میدان جیتنے کے لیے اس "فتوے" کی روشنی میں کیا کچھ نہ کریں گے۔

پاکستان میں (اور اسی طرح ہندوستان میں بھی) کوئی ذی شعور نہ ہوگا جو اس حقیقت سے واقف نہ ہو کہ الکشنوں میں خاصکر نیچے کی سطح پر کیا ہوتا ہے اور جیتنے کے لیے کیا کیا کرنا ناگزیر سمجھا جاتا ہے، اور ورکر کیا کیا کرتے ہیں ——— پارٹی کے پروپیگنڈے میں جھوٹ بولنا اور پوری بے باکی سے جھوٹ بولنا، جان بوجھ کر عوام کو غلط فہمیاں دلانا، حریف پارٹی یا حریف امیدوار کے واقعی یا غیر واقعی عیوب کی تشہیر کرنا اور اس سلسلہ میں بہتان بازی اور افترا پردازی سے بھی دریغ نہ کرنا، ووٹروں کو طرح طرح کے لالچ اور گنجائش ہو تو رشوت بھی دینا، جعلی ووٹ ڈلوانا، وغیرہ وغیرہ، کونسی بے ایمانی اور بددیانتی ہے جو الکشن کے میدان میں نہ ہوتی ہو اور ضروری نہ سمجھی جاتی ہو۔

جب جماعت اسلامی کے الکشنی مجاہدین کے سامنے مولانا مودودی صاحب کا قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین یہ فتویٰ موجود ہو کہ ——— "اقامت دین کی جدوجہد کے سلسلہ میں اگر ضرورت پڑے تو "بقدر ضرورت" کسی ناجائز اور حرام کام کا بھی ارتکاب کیا جا سکتا ہے ——— تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ "مجاہدین" الکشن کی بازی جیتنے کے لیے وہ سب کچھ نہ کریں جس کی ضرورت سمجھیں اور جو آخرت کی فکر نہ رکھنے والے، یا جائز وناجائز اور عذاب و ثواب سے بے فکر ناخدا ترس الکشن باز عام طور سے کرتے ہیں، فرق صرف اتنا ہو گا کہ دوسرے لوگ ناجائز وحرام سمجھ کر کریں گے اور جماعت اسلامی کے "مجاہدین" یہ سب کچھ جائز بلکہ کار ثواب اور جہاد فی سبیل اللہ سمجھ کر کریں گے۔

اور پھر بات الکشن کے میدان ہی تک محدود نہیں رہتی ——— مولانا نے تو اپنے فدائی اس طبقہ کے ہاتھ میں ——— جس نے کالجوں سے نکلنے کے بعد دین صرف اُن کی کتابوں سے اور جماعتی اخبارات و رسائل ہی سے سیکھا ہے اور وہ صرف انہی کو دین کا رازداں اور قابل اعتماد ترجمان یقین کرتا ہے ——— یہ خطرناک اصول دیدیا ہے کہ "اقامت دین" کے مقصد کی خاطر حکومتی اقتدار حاصل کرنے کے لیے کسی بھی ایسے کام کے کرنے کی ضرورت پڑے جس کی قرآن وحدیث

میں ممانعت فرمائی گئی ہو تو بقدرِ ضرورت" وہ کام کیا جا سکتا ہے۔ —— یہ عاجز بار بار غور کرنے کے بعد بھی نہیں سمجھ سکا کہ اس اصول کے تحت "اقامتِ دین" کے مقصد ہی کی خاطر کسی سیاسی حریف کو راستہ سے ہٹانے کے لیے اگر اس کو ختم کرا دینے کی یا اس پر کوئی جھوٹا کیس چلوا کر جیل بھجوا دینے کی ضرورت محسوس کی جائے تو مولانا کے متبعین کو اس کے جائز بلکہ کارِ ثواب ہونے میں کیوں کوئی شک اور تذبذب ہوگا۔ —— غور فرمایا جائے، مولانا کا یہ نظریہ تو وقت کے ہر "یزید" اور "حجاج" کے لیے سند اور دستاویز بن سکتا ہے —— نیتوں کا حال تو اللہ ہی کے علم میں ہوتا ہے۔

اس عاجز کا ہرگز یہ خیال نہیں ہے کہ دین میں فتنہ کا اتنا بڑا دروازہ مولانا نے جان بوجھ کر کھولا ہے، میرا غالب گمان یہی ہے کہ جس طرح دین کی بنیادی اصطلاحوں سے متعلق اپنے دعوے کے دوررس نتائج اور خطرناکی کا (میرے خیال کے مطابق) ان کو شعور نہیں ہوا، اسی طرح "دین میں حکمتِ عملی" کے اس نظریے کے اِن عواقب کی طرف بھی غالباً اُن کی نظر نہیں گئی واللہ اعلم —— اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو اپنے قدیم تعلق کی بنا پر میں اُن کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ میری ان گزارشات کو سامنے رکھ کر ان دونوں مسئلوں پر غور فرمائیں اور رجوع فرما کر فتنہ کے اس وسیع دروازہ کو خود ہی بند کر دیں جو ان دونوں مسئلوں سے متعلق اُن کی تحریروں سے کھل گیا ہے —— "ویتوب اللہ علی من تاب ہ"

(بقیہ نگاہِ اولیں صفحہ ۱۰)

اُن سے خالی نہیں ہے، ہاں اگر ان کو صرف [illegible] "اور [illegible]" کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔

اس واقعہ نے پورے عالمِ اسلام کو ہلا کر رکھ دیا ہے —— اللہ تعالیٰ سعودی حکومت کے ذمہ داروں اور امتِ مسلمہ کے خواص و مدبرین کو توفیق دے کہ اس سلسلہ سے اُن پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ اس کو ادا کریں۔

واللہ المستعان

مدیر

محمد منظور نعمانی

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ۳۰/-
بنگلادیش سے ۱۶/-
پرچہ ۲/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جلد (۴۸) | بابت فروری و مارچ ۱۹۸۰ء مطابق ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ | شمارہ (۲ و ۳)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	دارالعلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ	محمد منظور نعمانی	۲
۲	نگاہ اولیں	" "	۴
۳	درس قرآن	" "	۱۳
۴	مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف	" "	۲۱
۵	دنیائے اسلام کی اولین درسگاہ	جناب محمد عارف (لاہور)	۴۸
۶	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	جناب عبدالرؤف ظفر	۵۴
۷	یادرفتگان	محمد منظور نعمانی	۶۲

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اسکی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات بلغ پچیس روپے ہندوستانی سکہ میں جنگ کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں تیس ۳۰ روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

مولوی، محمد منظور نعمانی پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان، نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دار العلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس

سنہ ہجری کے لحاظ سے اب سے ۷۲ سال پہلے ۱۳۲۸ھ میں اور سنہ عیسوی کے لحاظ سے اب سے ٹھیک ۷۰ سال پہلے ۱۹۱۰ء میں دار العلوم دیوبند کا ایک عظیم جلسۂ دستار بندی ہوا تھا، یہ دار العلوم کی عمر کا بینتالیسواں سال تھا۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں وہ اپنی نوعیت کا پہلا اجلاس و اجتماع تھا —— اُس وقت دار العلوم کے بانی حضرت نانوتویؒ تو موجود نہیں تھے اور اس کے مربی اور مرشد حضرت گنگوہیؒ بھی پانچ سال پہلے وفات پا چکے تھے لیکن ان دونوں کی خصوصیات کے پورے وارث اُن کے سچے جانشین، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ (جو دار العلوم کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث بھی تھے) نیز حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اس طبقہ کے دوسرے اکابر و مشائخ موجود تھے —— اور دار العلوم سے اس وقت تک فارغ ہونے والے جن کئی سو فضلاء کی دستار بندی اِس اجلاس میں ہوئی تھی اُن میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم دہلوی جیسے حضرات بھی تھے جو بہت پہلے کے فارغ شدہ تھے —— اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندی جیسے اس وقت کے نوجوان فضلاء بھی تھے جو سال دو سال پہلے فارغ ہوئے تھے —— میرے خاص استاد و مربی حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی اور اُن کے بڑے صاحبزادے مولانا عبد الحق صاحب دونوں باپ بیٹوں کی دستار بندی اس اجلاس میں ساتھ ہی ہوئی تھی، ایسی اور بھی بہت سی مثالیں رہی ہوں گی —— اس اجلاس کے دیکھنے والے اپنے اکابر و اساتذہ سے سنا ہے کہ اس میں خارق عادت

برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا تھا۔

۱۳۲۶ھ اور ۱۹۱۰ء کے اس اجلاس کے بعد اب اسی مہینے مارچ کی ۲۱-۲۲-۲۳ کو اسی دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس ہو رہا ہے ـــــ پون صدی کی اس طویل مدت میں دنیا میں اور ہمارے ملک میں جو انقلابات آئے اور جو تبدیلیاں یا ترقیاں ہوئی ہیں، قانون قدرت کے مطابق اس کے اثرات پوری انسانی زندگی پر پڑے ہیں، اشخاص و افراد پر بھی پڑے ہیں اور جماعتوں و اداروں پر بھی۔ ایسی حالت میں ہماری یہ خواہش اور تمنا کہ سنہ ۱۴۰۰ہجری اور ۱۹۸۰ء عیسوی میں ہونے والے اس اجلاس کا نظام و نقشہ وہی ہو جو ستر سال پہلے ہونے والے اجلاس کا تھا اور ہماری آنکھیں وہی مناظر دیکھیں جو اس وقت دیکھنے والوں نے دیکھے تھے، ایسی ہی تمنا ہے جیسے کہ ہم اپنے اس زمانہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچ کر عہد نبوی اور دور خلافت راشدہ والی مسجد حرام اور مسجد نبوی دیکھنے کی خواہش و تمنا کریں، یہ تمنا خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہو لیکن ناممکن کی تمنا ہے۔

دارالعلوم دیوبند، جماعت دیوبند اور اس کے اکابر سے لوجہ اللہ تعلق و محبت رکھنے والے تمام حضرات سے اس عاجز کی استدعا ہے کہ ان دنوں میں خاص اہتمام سے پورے الحاح اور تضرع کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس اجلاس کو دارالعلوم کے لیے اور پوری امت مسلمہ اور خاص کر ملت اسلامیہ ہندیہ کے حق میں صلاح و فلاح اور خیر و سعادت کا وسیلہ بنائے اور ایسی تمام باتوں سے حفاظت فرمائے جو اس کی ناراضی کا باعث بننے والی ہوں۔

دارالعلوم اور اس کے اجلاس کے لیے یہ دعا براہ راست دین کے لیے اور پوری امت مسلمہ کے لیے دعا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ راقم سطور کو بھی اس کے اہتمام کی توفیق نصیب فرمائے۔

محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

اس شمارہ میں ـــــ "مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت، اور اب میرا موقف" ـــــ کی تیسری اور آخری قسط شائع ہو رہی ہے، جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے یہ مضمون اب سے ۸-۹ مہینے پہلے مولانا مرحوم کی حیات میں اس امید پر لکھا گیا تھا کہ وہ اس کو ملاحظہ فرمائیں گے، اور راقم سطور کے قدیم تعلق کی بنا پر وہ اس کے مندرجات اور میری معروضات پر غور فرمائیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ارزانی ہوئی تو وہ خود ہی اپنی ان سنگین اور خطرناک غلطیوں کا تدارک فرمائیں گے جو امت کے لیے اور خاص کر اُن کے متبعین کے لیے ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتی ہیں، اور بجائے خود بھی وہ ضلالت اور دین میں فتنہ ہیں ـــــ لیکن اس کی طباعت و اشاعت سے پہلے مولانا مرحوم کے انتقال کی اطلاع ملنے پر اُس وقت اس کی اشاعت روک لی گئی تھی۔

راقم سطور نے اس مضمون میں معاملہ کو ناظرین کے سامنے صراحت اور وضاحت سے پیش کرنے کی تو پوری کوشش کی ہے (تاکہ ہر شخص کے لیے سمجھنا آسان ہو) لیکن اپنے نزدیک پوری احتیاط کی ہے کہ بیان میں مبالغہ آرائی، کسی کی دل آزاری اور مولانا مرحوم کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔ اس کے باوجود اگر کوئی صاحب کہیں ایسی کوئی بات محسوس کریں تو میں اُن سے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے اس سے مطلع فرمائیں، اگر واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہوگی تو ان شاء اللہ بلا تامل اس سے رجوع اور اس کی اصلاح کرنا اپنا فریضہ سمجھوں گا اور اطلاع دینے والے صاحب کا احسان مند اور شکر گزار ہوں گا۔

ایک عزیز نے بتلایا تھا کہ راقم سطور کے اس مضمون (مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت ——— اور اب میرا موقف) کی پہلی قسط پر جو نومبر دسمبر کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، ۲۰ر جنوری کے "ایشیا"[1] میں اس کے مدیر صاحب نے تبصرہ فرمایا ہے، گویا جواب ارقام فرمایا ہے ——— اور اسی کی ۲۴ر فروری کے شمارے میں مولانا مودودی مرحوم کے چند مکاتیب شائع کیے گئے ہیں جن کا تعلق بعض ان واقعات سے ہے جو اس عاجز نے سرگزشت میں ذکر کیے تھے ——— میں نے دونوں شماروں کو اس نیت سے دیکھا کہ اگر ان کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے کہ اس مضمون میں کوئی بات میرے قلم سے غلط نکل گئی ہے تو اس کی اصلاح و تصحیح ہو جائے اور الفرقان کے اسی شمارے میں اس کا اعلان بھی کر دیا جائے۔ لیکن دونوں چیزوں کو پڑھ کر الحمدللہ مزید اطمینان ہوا کہ حافظہ کی غلطی سے بھی کوئی بات اس میں خلاف واقع نہیں لکھی گئی ہے ——— بلکہ مولانا مرحوم کے ان مکاتیب کی اس وقت اشاعت کو تو اس عاجز نے اس لحاظ سے "تائید غیبی" سمجھا کہ ان سے سرگزشت کے سلسلہ میں راقم سطور کی لکھی ہوئی بعض ان اہم باتوں کی خود مولانا مرحوم کے قلم سے تصدیق و توثیق ہو گئی جن کا اگر مجھ سے ثبوت طلب کیا جاتا تو میں آسانی سے ثبوت و شہادت فراہم نہ کر سکتا ——— اس وقت اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھا ہے، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس کی تفصیل اور وضاحت بھی کر دی جائے گی۔ خدا کرے ایشیا کے مدیر صاحب نے بھی ان مکاتیب کو غور سے پڑھا ہو اور ان کی روشنی میں اپنے "تبصرہ" کی غلطیوں کو محسوس فرمایا ہو۔

ان مکاتیب میں مولانا مودودی صاحب کا ایک وہ مکتوب بھی ہے جو انھوں نے میری ایک تحریر کے جواب میں (شعبان ۱۳۶۱ھ میں) تحریر فرمایا تھا۔ یہ وہی مکتوب ہے جس کا ذکر سرگزشت کے سلسلہ میں نومبر دسمبر کے الفرقان کے صفحہ ۴۲ پر کیا گیا ہے، اور وہیں اس کے بارے میں اسی وقت کا اپنا یہ تاثر بھی ان الفاظ میں لکھا ہے کہ

"اس خط سے میں نے صرف یہی اثر لیا کہ مولانا قلم کے بادشاہ ہیں جو چیز بھی لکھنا چاہیں کہ بڑے ہی اچھے اور موثر انداز میں لکھ سکتے ہیں اور یہ وہ چیز تھی جس کا میں پہلے سے قائل تھا"

اب جبکہ مکتوب کے سلسلہ میں کچھ زیادہ کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ یہ واقعے کی تفصیلات وہی ہیں جو "سرگزشت" میں لکھی گئی ہیں۔ کاش ایشیا کے ناظرین تک راقم سطور کا اصل مضمون (مولانا مودودی صاحب کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت ——— اور اب

استدراکات :-

(۱) نومبر دسمبر کے مشترک شمارہ میں "مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت" ہی کے ضمن میں صفحہ ۶۳ پر لکھا گیا تھا کہ مشہور عربی مقولہ ہے "حبک الشیئ یعمی ویصم"

---

[1] ہفت روزہ ایشیا لاہور "جماعت اسلامی پاکستان" کا سرکاری ترجمان ہے۔

اس کے بارہ میں عزیز مکرم مولانا جمیل احمد نذیری مبارکپوری (استاذ مدرسہ فاروقیہ کاکوری لکھنؤ) نے ایک مکتوب کے ذریعہ یاد دلایا ہے کہ یہ حدیث نبوی ہے اور مشکوٰۃ شریف میں "باب المفاخرۃ والعصبیۃ" کے تحت حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت اور ابوداؤد کی تخریج سے درج ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے ـــــ ان شاء اللہ کتابی اڈیشن میں یہ اصلاح کر دی جائے گی۔

---

(۲) نومبر دسمبر ہی کے شمارہ میں "سرگزشت" ہی کے ضمن صفحہ ۴۳ کے فٹ نوٹ میں مرحوم مستری محمد صدیق صاحب کا تذکرہ کیا گیا تھا اور صفحہ ۴۰ کے فٹ نوٹ میں بانی دارالاسلام مرحوم چودھری نیاز علی خاں صاحب اور ان کے بھائی چودھری عبدالرحمٰن خاں صاحب کے کچھ حالات لکھے گئے تھے۔ مستری صاحب مرحوم کے بارہ میں اپنی اطلاع کے مطابق راقم سطور نے لکھا تھا کہ "ملک کی تقسیم کے سلسلہ میں ۱۹۴۷ء میں جو خونی ہنگامے ہوئے اُس میں کسی ظالم نے ان کو گولی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا"۔

ہمارے دوست افتخار فریدی صاحب مرادآبادی نے اپنے ایک مکتوب میں اس سلسلہ میں مفصل استدراک لکھا ہے جو انہی کے الفاظ میں درج ذیل کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

۱- مودودی صاحب سے متعلق مضمون میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی بات مزید معلومات یا غلط فہمی کی ہو تو مجھے مطلع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مستری محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بارے میں گولی لگنے سے شہادت تحریر فرمائی ہے اور سلطان پور لودھی کے قبرستان میں جیپ نیچے ڈال کر رہنا لکھا ہے۔ ان گولیوں سے مستری صاحب صحت یاب ہو کر پاکستان تشریف لے گئے تھے۔ لائل پور اور سرگودھے کے علاقہ میں خوشاب کی پہاڑیوں میں سکھوں کی چھوڑی ہوئی ایک خانقاہ تھی اس میں جاکر قیام فرمایا تھا جہاں اپنی اہلیہ اور ایک بچے کے ساتھ مقیم رہے ان کے علاوہ وہاں اور کوئی آبادی نہ تھی۔ وہاں سے چار میل کے فاصلہ پر سڑک واقع ہے مستری صاحب کا وہیں اچانک انتقال ہوا تو ان کی اہلیہ چار میل چل کر اس سڑک پر پہنچیں اور گزرنے والوں سے مستری صاحب کی تجہیز و تکفین کرنے کو کہا۔ ان کے صاحبزادے

اور اہلیہ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کے یہاں لائل پور میں رہے۔ ان کے صاحبزادے اب کتابت کا کام کرتے ہیں۔ حکیم صاحب نے ایک مرتبہ المنبر کا مستری محمد صدیق نمبر نکالنے کا بھی اعلان کیا تھا۔ ہمیں بھی لکھا تھا۔ مشہور خطاط منشی عبدالقیوم مراد آبادی سے (مولانا عبدالمالک جامعی مدنی کے والد ماجد) جن سے مستری صاحب کے بہت تعلقات تھے حالات لکھوا کر بھجوائے تھے لیکن وہ نمبر غالباً نہیں نکلا۔ منشی جی کے ذریعہ ہی میری ملاقات مستری صاحب سے دہلی میں ہوئی تھی جبکہ مستری صاحب کا سرائے خلیل پرانی عیدگاہ میں قیام تھا۔ مستری صاحب قطب روڈ کے چوراہے پر قرآن پاک کی کوئی آیت لکھ کر کسی گوشہ دیوار پر چسپاں کر دیتے تھے جس کا مفہوم خدا کی بادشاہت کے علاوہ تمام بادشاہتوں کی نفی ہوتا تھا۔ وہاں ٹہلتے رہتے تھے۔ گزرنے والے جب اسے پڑھتے تو ان لوگوں کو بتاتے، اس کی توضیح کرتے اور دعوت دیتے۔ دہلی میں کئی مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی ان کا تعلق رہا۔ کبھی کبھی گفتگو ان پر آتی تھی۔ "مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن" مدینہ پریس بجنور میں چھپنے کے بعد شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور کو حوالہ کرنے کے لیے مستری صاحب ہی کو مولانا آزاد نے مقرر فرمایا تھا غالباً ۳۹-۴۰ عیسوی میں مستری صاحب نے فرمایا تھا کہ اب انگریز نے اناج پر بھی راشن کر کے قبضہ کر لیا اس لیے اب میں دہلی سے بھاگنے والا ہوں۔ مستری صاحب مولانا الیاسؒ صاحب کے زمانہ میں ایک مرتبہ بنگلہ والی مسجد میں بھی تشریف لے گئے تھے لیکن کچھ منسلک نہیں ہوئے تھے۔

۲- چودھری نیاز علی صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی چودھری عبدالرحمٰن صاحب تبلیغی جماعت میں لگ گئے تھے اور چودھری عبدالرحمٰن نے چلّے بھی لگائے اور آپ کی امارت میں مراد آباد کی جماعت پنجاب اور سرحد گئی تھی اس جماعت میں کبھی بعض جگہ شریک ہوئے تھے۔ چودھری نیاز علی صاحب جوہر آباد میں جہاں آباد ہوئے تھے اس کو تبلیغی مرکز بنانے کے لیے بھی مجھے دعوت دیتے رہے تھے۔ اور ان کی کافی خواہش تھی کہ پاکستان میں تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے بجائے جوہر آباد ہی کو بنایا جائے۔

---

(۳) گزشتہ شمارے (بابت جنوری) میں نگاہ اولیں کے ذیل میں حرم شریف کے واقعے سے متعلق

ایک عزیز دوست کا جو بیان راقم سطور نے اختصار و تلخیص کے ساتھ نقل کیا ہے، اس کے چھپنے کے بعد احساس ہوا کہ ناظرین نے اس سے یہ سمجھا ہوگا کہ جو شخص مہدی موعود ہونے کا مدعی تھا وہ اس دن (یکم محرم کو) ظہر کے وقت تک لوگوں کے سامنے نہیں آیا اور اس وجہ سے خود وہ عزیز بھی اس کو نہیں دیکھ سکے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان عزیز کے بیان کا ایک جز تحریر میں آنے سے رہ گیا۔ بطور استدراک اب وہ لکھا جا رہا ہے۔

انھوں نے بیان کیا تھا کہ جب فجر کی نماز کے بعد حرم شریف میں ایک ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی اور ان حملہ آوروں نے حرم شریف کے تمام دروازے بند کر لیے اور کوشش کی کہ سب لوگ باب کعبہ کے سامنے مقام ابراہیم کے قریب بیٹھ جائیں اور ان کی بات سنیں تو طواف کعبہ کا سلسلہ جو جاری تھا بالکل بند ہوگیا ـــــ کچھ دیر بعد مجھے اور کچھ اور لوگوں کو احساس ہوا کہ طواف کا بند ہونا بہت غلط بات ہے، کچھ ہو جائے ہم کو طواف کرنا چاہیے، تو خود میں نے اور چند اور بندگان خدا نے جن کو ہم نے توجہ دلائی طواف شروع کر دیا۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر اور بہت سے لوگ طواف کرنے لگے۔ اسی اثناء میں جبکہ ہم طواف کر رہے تھے وہ مہدی صاحب لوگوں کے سامنے آئے، انھوں نے اور ان کے بعض ساتھیوں نے بیعت کی دعوت دی تو ان کے ساتھی وہیں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ میں نے طواف کرتے ہوئے یہ منظر دیکھا اور خود جلدی کرنی ضروری نہیں سمجھی، ارادہ کیا کہ کچھ اور طواف کر کے ان سے ملوں گا۔ چنانچہ طواف سے فارغ ہو کر دوگانۂ طواف پڑھنے کے بعد میں وہاں پہونچا تو وہ جا چکے تھے میرے دریافت کرنے پر ان کے ساتھیوں نے بتلایا کہ وہ اوپر کی منزل میں چلے گئے، اب ملاقات نہیں ہو سکے گی، ظہر کی نماز کے بعد یہیں ملاقات ہوگی اور اسی وقت عام بیعت ہوگی۔

الغرض ان عزیز دوست کے بیان کا یہ جز تحریر میں آنے سے رہ گیا تھا اب نذر ناظرین ہے۔

(۴) "تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی":۔

ناظرین کو یاد ہوگا گزشتہ اکتوبر کے شمارہ میں اس عنوان کے تحت ایک صاحب کا طویل خط اور راقم سطور کے قلم سے اس کا جواب شائع ہوا تھا ـــــ خط کا حاصل یہ تھا کہ جماعت اسلامی

کہ حضرات تبلیغی جماعت اور اس کے کام کے متعلق یہ جو اعتراضات کرتے ہیں ان کا جواب دینا ضروری ہے۔

میرے جواب کا حاصل یہ تھا کہ تبلیغی جماعت کے اکابر کا اصول یہ ہے کہ معترضین کے اعتراضات یا الزامات کے جواب پر وقت صرف نہ کیا جائے، بس اس کی کوشش کی جائے کہ وہ حضرات دین کی اس محنت اور جد و جہد میں شریک ہو کر اس کو خود دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید کرنی چاہیے کہ اگر وہ حضرات مخلص ہوں گے تو ان کے اشکالات و اعتراضات خود ہی ختم ہو جائیں گے اور توفیق الٰہی شامل حال ہوئی تو وہ بھی کام میں لگ جائیں گے —— الفرقان کے صفحات میں یہ بات بہت تفصیل سے لکھی گئی تھی۔ راقم سطور کے نزدیک جماعت اور اس کے اکابر کے اصول پر خط کا یہی جواب تھا۔

لیکن بعد میں بعض حضرات نے لکھا کہ اعتراضات کے جواب میں بھی کچھ لکھا جانا ضروری ہے انشاء اللہ اس سے فائدہ ہی ہوگا —— اس لیے بطور استدراک کے یہ چند سطریں حوالۂ قلم کی جا رہی ہیں۔

مراسلۂ بالا خط میں جماعت اسلامی والوں کے جو اعتراضات لکھے گئے تھے ان کا حاصل اور لب لباب یہ تھا کہ —— تبلیغی جماعت کو مسلمانوں کو درپیش کسی بھی انفرادی یا اجتماعی مسئلہ سے خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی کوئی دلچسپی اور سروکار نہیں ہے —— انہیں ان باطل افکار و نظریات اور ملحدانہ طرز حیات سے بھی جنہوں نے انسانی معاشرہ کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کوئی دلچسپی نہیں ہے —— ان کے علاوہ بعض باتیں ان اعتراضات میں ایسی بھی تھیں جو صریح بہتان یا ناواقفی کا نتیجہ تھیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور اہم قابل لحاظ بات یہ ہے کہ تبلیغی کام کی بنیاد قرآن و حدیث اور [illegible] کی تشخیص ہے [illegible] یہ ہے کہ اس زمانہ میں امت مسلمہ کو [illegible] جو اجتماعی یا انفرادی مشکلات و مسائل درپیش ہیں ان کا اصل سبب اور علۃ العلل یہ ہے کہ امت [illegible] ایمان بالغیب اور اس ایمانی زندگی سے خالی ہو گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور [illegible] عنایت کے لیے شرط ہے۔ اور اس میں وہ خدا فراموشی اور آخرت

سے بے فکری ڈ گئی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لیے دنیا میں بھی تباہی اور ذلت و رسوائی کا سبب بن جاتی ہے ——— اور اُمّت کی یہی حالت دوسری قوموں کے اسلام کی طرف آنے میں اس وقت سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے ——— نیز یہ یقین بھی اس تبلیغی کام کی بنیاد ہے کہ آخرت کا مسئلہ اس دنیوی زندگی کے سارے مسائل سے لاکھوں درجہ زیادہ قابل فکر ہے مگر حالت یہ ہے کہ دنیوی مسائل کی فکر کرنے والوں کی تو کمی نہیں ہے ہر شخص کسی نہ کسی درجہ میں اس کا گرفتار اور اس کے لیے سرگرداں ہے، لیکن آخرت کی فکر میں دوڑ دھوپ کرنے والوں کو دیکھنے کے لیے آسمان کی آنکھیں ترستی ہیں۔

بہرحال تبلیغی جماعت کے اکابر نے اس یقین ہی کی بنیاد پر اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کر دی ہے کہ امت میں ایمان اور ایمان والی زندگی اور آخرت کی فکر عام کرنے کی جدوجہد کی جائے ——— ان کے نزدیک امت کے تمام مشکلات و مسائل کے حل کے لیے یہ شاہ کلید ہے اور اس کے بغیر دوسری تدبیروں اور کوششوں سے اس امت کی فلاح کی کوئی امید نہیں ——— لیکن جو افراد اور جماعتیں مسلمانوں کے دنیوی مسائل و مشکلات حل کرنے کے لیے عام سیاسی قومی یا طبقاتی پارٹیوں کے طور طریقوں پر کوششیں کر رہی ہیں، مثلاً مسلم لیگ، مسلم مجلس، جمعیۃ العلماء، جماعت اسلامی اور مجلس مشاورت وغیرہ، تو یہ تبلیغ والے نہ صرف یہ کہ ان کا راستہ نہیں روکتے بلکہ ان کے لیے دعاء خیر کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی والوں کے محولۂ بالا اعتراضات کے جواب کے سلسلہ میں دوسری قابل لحاظ اہم بات یہ ہے کہ اصل دین صرف وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا جس کو اصولی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک ایمان و یقین دوسرے ایمانی زندگی، اس میں کوئی تبدیلی اور کوئی اضافہ قیامت تک نہیں ہوگا ——— تبلیغی جماعت نے اسی اصل دین کو اپنے لیے حاصل کرنا اور امت میں عام کرنا اپنی جدوجہد کا موضوع بنایا ہے۔

بعد کے زمانوں میں حالات کے بدلنے سے طرح طرح کے جو سوالات پیدا ہوئے اور مسائل اٹھے اور امت کے علماء (متکلمین یا فقہاء) نے اپنے اپنے دائرہ کے سوالات کے جو جوابات دیے ——— یہ جوابات اگرچہ دین ہی کے سلسلہ کی ایک ضرورت ہیں لیکن یہ اصل دین نہیں ہیں۔

ان میں راویوں کا اختلاف بھی رہا ہے ـــــ سب سے پہلے اس طرح کے سوالات پہلی ہی صدی ہجری میں کچھ خاص خیالات و نظریات رکھنے والے اہل عجم کے دائرۂ اسلام میں آجانے کی وجہ سے یا یونانی فلسفہ کے اثر سے پیدا ہوئے۔ ان کے جوابات معتزلہ نے اپنے عقل پرست ذہن کے مطابق دیے اور علماء اہل السنہ نے اپنے اصول کے مطابق دیے ـــــ اس کے بعد بھی قریباً ہر دور میں اس طرح کے نئے نئے سوالات پیدا ہوئے اور مختلف مکاتب فکر کے علماء اپنے اصول اور اپنی صوابدید کے مطابق ان کے جوابات دیتے رہے ـــــ ۱۸۵۷ء کے حادثہ اور ہمارے اس ملک پر انگریزوں کے مکمل تسلط کے بعد مغربی فلسفہ اور سائنس کے اثر سے یہاں کچھ نئے سوالات پیدا ہوئے۔ ان کے جوابات اپنی خاص آزاد لیکن فلسفۂ مغرب سے مرعوب ذہنیت کے مطابق سرسید احمد خاں صاحب اور اُن کے رفقاء نے دیے۔ اور اہل السنہ کے اصول کے مطابق اس وقت کے حکماء حق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی وغیرہ نے بھی دیے ـــــ ظاہر ہے کہ یہ سارے سوالات وجوابات "اصل دین" نہیں ہیں۔ یہ اپنے اپنے وقت کا "علم کلام" ہے۔

پھر ہمارے اس دور کے خاص حالات نے کچھ نئے سیاسی وسماجی مسائل پیدا کیے اور کمیوزم جیسے ملحدانہ نظریات حیات سامنے آئے۔ ان کے بارے میں اس دور کے متکلمین اسلام نے اپنے اپنے انداز میں ان کے جوابات دیے ـــــ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ سب "علم کلام" ہے اصل دین نہیں ہے۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کا سب صحیح و برحق اور غلطی سے محفوظ ہے۔

بہر حال تبلیغی جماعت دعوت اصل دین کی داعی ہے، قومی مسائل یا علم کلام اس کا موضوع نہیں ہے۔

امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ جماعت اسلامی کے جو حضرات تبلیغی جماعت کی دعوت اور کام پر مندرجہ بالا قسم کے اعتراضات کرتے ہیں وہ بیچارے "اصل دین" اور "علم کلام" اور وقتی قومی مسائل کا فرق نہیں سمجھتے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اصل دین ہی کی خدمت و دعوت کو اپنی زندگی کا موضوع بنایا ہے۔ ان کی دعوت بس یہ ہے "یا ایہا الذین آمنوا آمنوا" ـــــ اور ـــــ یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" جماعت کے اکابر کی تقریروں کو سن کر ہر وہ

شخص اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے جو سمجھنا چاہیے' اور ان کے ساتھ شریک عمل ہو کر آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے جو دیکھنا چاہیے۔

ایک وضاحت:۔

کبھی کبھی کسی خاص محرک کی وجہ سے تبلیغی جماعت اور اس کے کام سے متعلق ——— الفرقان میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ یہ عاجز (مدیر الفرقان) خود اپنے قلبی داعیہ سے اور اپنی ہی طرف سے لکھتا ہے اور خود ہی اس کا ذمہ دار ہے ——— اس کو تبلیغی جماعت یا اس کے اکابر کی بات یا ترجمانی سمجھنا صحیح نہ ہوگا ——— تبلیغی جماعت کا کام تو از اول تا آخر صرف "عمل" ہے۔ مضمون نگاری اور مقالہ نویسی کا یہاں کوئی خانہ ہی نہیں ہے ——— اگر اس عاجز کو تبلیغی جماعت اور اس کے کام کے ساتھ وہ تعلق نصیب ہوتا جو اس کے اکابر اور خواص کو ہے بلکہ اگر اس کا پچاس فیصدی بھی نصیب ہوتا تو یقین ہے کہ اس طرح کا کوئی مضمون لکھنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی ——— حضرت مولانا محمد الیاسؒ حضرت مولانا محمد یوسفؒ حضرت مولانا انعام الحسن اور اُن کے وہ رفقاء جنھوں نے اس کام کو اس طرح اپنا لیا ہے جیسا کہ اُس کا حق ہے' ان میں سے کسی نے اپنے تبلیغی کام سے متعلق کبھی دو صفحے کا بھی کوئی مضمون نہیں لکھا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کا تعلق تبلیغی جماعت اور اس کے کام سے برسہا برس سے صرف محبت اور دعاگوئی کا رہ گیا ہے ——— ہاں رب کریم کی رحمت سے امید ہے کہ "المرء مع من احب" کے قانون کے مطابق اس بے عمل کو بھی اس قافلہ کے پیچھے چلنے والوں میں شمار فرمالیا جائے گا۔

آخری استدراک:۔

الفرقان کے جنوری کے شمارے میں صفحہ ۳۸ کے فٹ نوٹ میں پروفیسر غفور احمد صاحب کو "جماعت اسلامی پاکستان" کا جنرل سکریٹری لکھا گیا تھا۔ راقم سطور کے ذہن میں یہی تھا ——— اب پاکستان ہی کے ایک باخبر دوست نے اطلاع دی ہے کہ پروفیسر صاحب موصوف "جماعت اسلامی پاکستان" کے جنرل سکریٹری نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت اسلامی کے نمائندے کی حیثیت سے "قومی اتحاد" کے جنرل سکریٹری تھے ——— "جماعت اسلامی پاکستان" کے جنرل سکریٹری ایک دوسرے صاحب ہیں۔

درس قرآن
محمد منظور نعمانی

صلح حدیبیہ جو ظاہر بیں نظروں میں ذلت آمیز شکست تھی

وہ فی الحقیقت "فتح مبین" تھی

واقعۂ حدیبیہ کے بعد خصوصی انعامات الٰہیہ کا اعلان

حمد و صلوٰۃ اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

سورۃ الفتح آیات ۱-۲-۳

بے شک ہم نے آپ کو ایک "فتح مبین" عطا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی سب تقصیرات کو بخش دے، اور اپنی نعمت کا آپ پر اتمام کرے۔ اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے اور اپنی ناقابل شکست نصرت سے آپ کو نوازے (سورۂ فتح آیت ۱-۲-۳)

گذشتہ شمارے میں اس درس کا جو حصہ شائع ہوا تھا اس میں ان آیات کی تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں ان آیتوں اور پوری سورۂ فتح کا پس منظر بیان کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کا واقعہ ذکر کیا گیا تھا، عرض کیا گیا تھا کہ اس معاہدۂ صلح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قریش مکہ کی بعض ایسی شرطیں منظور فرمالی تھیں جن کے ظاہری پہلو سے بعض صحابہ کرام اس کو مسلمانوں کے حق میں ذلت آمیز اور مغلوبانہ صلح محسوس کر رہے تھے اور اس سے ان کے دل بڑے شکستہ اور رنجیدہ تھے ـــــ اسی سفر سے واپسی میں یہ سورت نازل ہوئی اور اس کے ذریعہ اُن کے زخمی دلوں پر گویا مرہم رکھا گیا، ان کو بتلایا گیا کہ یہ صلح حقیقت اور نتائج و انجام کے لحاظ سے تمہاری "فتح مبین" ہے۔

صلح حدیبیہ میں "فتح مبین" ہونے کے جو چند در چند پہلو ہیں (جن کی طرف اُس وقت اُن صحابہ کرام کی نظر نہیں جاسکی تھی) وہ گزشتہ قسط میں بیان ہو چکے ہیں۔ اُس قسط میں سورت کے پس منظر کے بیان کے بعد صرف پہلی آیت "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" کی تفسیر و تشریح آسکی تھی، اس کے آگے اب پیش کیا جا رہا ہے۔]

اس کے بعد والی دوسری اور تیسری آیتوں میں اس "فتح مبین" کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے چار عظیم ترین انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے ـــــ یہ انعامات گویا صلح حدیبیہ ہی کی برکات اور ثمرات ہیں ـــــ پہلا انعام کامل مغفرت کا پروانہ جس کو ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔ "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" ـــــ دوسرا انعام، نعمت کا اتمام اور اس کی تکمیل ـــــ ارشاد فرمایا گیا ہے "وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ" ـــــ تیسرا انعام، صراط مستقیم پر چلانے کی ضمانت ـــــ فرمایا گیا ہے "وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا" ـــــ چوتھا انعام، اعلاء کلمۃ اللہ کی جد و جہد میں دشمنوں کے مقابلہ میں ناقابل شکست نصرت و حمایت ـــــ فرمایا گیا ہے "وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا"

یہاں سب سے پہلے اس انعام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول سے آخر تک آپ کی تمام تقصیرات کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا ہے ـــــ اگرچہ کامل مغفرت کے اس انعام کا ظہور دوسرے تمام انعامات کے بعد عالم آخرت میں ہونے والا ہے اور اس کا اصل تعلق عالم آخرت ہی سے ہے لیکن چونکہ وہ سب سے بڑا انعام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی اطلاع سب سے زیادہ خوش کن اور لذت بخش بشارت تھی اس لیے یہاں اس کا ذکر سب سے پہلے فرمایا گیا، کسی بھی صاحب ایمان اور خدا شناس بندے کے لیے اس سے بڑی کوئی نعمت اور خوشخبری

نہیں ہو سکتی کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل مغفرت کی خوشخبری سنادی جائے
صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے وہ سب کچھ مانگتے تھے جو مانگنا چاہیئے جیسا کہ آپ کی ان دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے جو حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں، لیکن آپ کی سب سے بڑی مراد جس کو آپ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ مانگتے تھے وہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کامل مغفرت فرما دے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ دن رات میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں دفعہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے تھے تو مبالغہ نہ ہوگا ——— حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث آپ کے سامنے بار بار ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی کثرت سے استغفار فرماتے تھے کہ آپ کی ایک ایک مجلس اور ایک ایک نشست میں میں نے سو سو تک گنی ہے۔ اس کا مطلب نہیں ہے کہ آپ وظیفہ کے طور پر یہ استغفار پڑھتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مجلس میں اثنائے گفتگو میں زبان مبارک پر سو سو دفعہ استغفار کا کلمہ آتا تھا۔

بہر حال جو شخص حدیث کی کتابوں کے ذریعہ حضور کے حالات سے کچھ بھی واقف ہے وہ جانتا ہے کہ آپ کی سب سے بڑی مراد جس کو آپ دن رات میں سیکڑوں ہزاروں دفعہ رو رو کے اللہ تعالیٰ سے مانگتے اور نماز کے رکوع اور سجدوں میں بھی جس کی دعا کرتے تھے وہ یہی تھی کہ آپ کی کامل مغفرت ہو جائے ———

دراصل آپ کا یہ حال آپ کے کمالِ معرفت کی دلیل ہے، جس بندے کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوگی وہ اس کے قہر و جلال سے اتنا ہی لرزاں و ترساں اور اپنے بارے میں اتنا ہی فکر مند رہے گا ——— "قریباں را بیش بود حیرانی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انا اعلمکم باللہ واخشاکم له" یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کے بارہ میں تم سب سے زیادہ علم ہے اور میں تم سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں، اس لیے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑی بشارت یہی ہو سکتی تھی کہ آپ کو اس کی اطلاع دیدی جائے کہ آپ کی کامل مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔ "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر" کے ذریعہ آپ کو یہی خوشخبری سنائی ہے۔

اس درس ہی کے سلسلہ میں یہ بات بار بار ذکر میں آچکی ہے کہ اہل حق کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی ایسا فعل واقع نہیں

ہوتا جو اللہ کی نافرمانی کی حد میں آتا ہو اور جو شریعت کی رو سے گناہ ہو ــــ لیکن اُن سے بعض اوقات ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو گناہ اور معصیت کی حد میں تو نہیں آتیں لیکن اُن کی شان اور اُن کے بلند مقام کے مناسب نہیں ہوتیں ان کو "زلات" (لغزشیں) کہا جاتا ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی کریم النفسی سے بعض منافقوں کے جھوٹے عذر قبول فرمالیے جو قبول نہیں فرمانے چاہیے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ" ــــ یا مثلاً وہ واقعہ کہ آپ ایک دفعہ قریش مکہ کے سرداروں سے کچھ دینی گفتگو فرمارہے تھے اس درمیان میں ایک مخلص غریب صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم جو نابینا بھی تھے آگئے اور انھوں نے آپ کو اپنی طرف مخاطب کرنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی یہ بات اُس وقت ناگوار ہوئی اور آپ نے ان کی طرف توجہ نہیں فرمائی ــــ ظاہر ہے کہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رویہ آپ کے شایانِ شان نہیں تھا چنانچہ اس پر "عتاب" ہوا اور سورۂ "عَبَسَ" کی آیتیں نازل ہوئیں ــــ یا مثلاً غزوۂ بدر میں گرفتار ہونے والے مشرکین کو آپ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب سمجھا اور یہی فیصلہ فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی گناہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مناسب نہیں تھا تو اجتہاد کی اس غلطی پر عتاب ہوا۔ الغرض اس طرح کی لغزشیں انبیاء علیہم السلام سے ہو جاتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوئی ہیں، اور اپنے مقامِ قرب کی وجہ سے اس طرح کی باتوں کو آپ گویا اپنی تقصیرات اور اپنے "گناہ" سمجھتے تھے اور آپ کا قلب مبارک ان سے اتنا متاثر اور متفکر ہوتا تھا جتنا ہم اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی متفکر نہیں ہوتے تو "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" میں اسی طرح کی لغزشوں اول سے آخر تک تمام لغزشوں کی مغفرت کی بشارت سنا کر آپ کو مطمئن کیا گیا ہے ــــ میں نے عرض کیا تھا کہ کسی بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا انعام یہی ہو سکتا ہے کہ اس کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے ــــ "مغفرت" میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی آگئی اور جنت بھی آگئی اور سب کچھ ہی آگیا ــــ پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہر بندے کی مغفرت اس کے درجہ کے مطابق ہے تو حضورؐ کی مغفرت کا درجہ یقیناً سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔

بہرحال ان آیتوں میں پہلی خوشخبری آپ کو یہی سنائی گئی کہ آپ کی اول سے آخر تک سب تقصیرات کی مغفرت کا فیصلہ آپ کے اللہ نے فرما دیا ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کی خبر پاکر اس کے شکر میں آپ نے عبادت کی مقدار بہت بڑھا دی تھی یہاں تک کہ رات کی نماز میں طول قیام کی وجہ سے آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا — جب آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ عبادت میں اتنی مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں، آپ کے لیے تو آپ کے اللہ نے کامل مغفرت کا فیصلہ فرما دیا ہے اور اس کی اطلاع بھی دیدی ہے تو آپ نے فرمایا "اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا" (کیا میں اپنے کریم رب کے اس انعام واحسان کا شکر گزار بندہ نہ بنوں)

میں عرض کر رہا تھا کہ کامل مغفرت چونکہ سب سے بڑا انعام تھا اس لیے اس کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا اگرچہ اس کا ظہور سب کے بعد آخرت میں ہوگا ــــ اس کے بعد دوسرے نمبر پر فرمایا گیا "وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ"

کامل مغفرت کے بعد دوسرے درجہ کا سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑی خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اطلاع دیدی جائے اور اطمینان دلادیا جائے کہ وحی کے ذریعہ جو نعمت آپ پر نازل ہو رہی ہے، جس کا سلسلہ آغاز نبوت سے شروع ہوا تھا اس کی تکمیل ہوگی اور اس تکمیل واتمام تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا، "وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ" کے ذریعہ یہی اطلاع دی گئی ہے ــــ اس میں اس طرف بھی کھلا اشارہ ہے کہ اس نعمت کی تکمیل تک آپ کو اس دنیا میں رکھا جائے گا۔ ــــ چنانچہ ان آیتوں کے نزول کے بعد اس نعمت کا سلسلہ برابر جاری رہا، زندگی کے ہر شعبہ کے بارہ میں آسمانی وحی کے ذریعہ احکام وقوانین نازل ہوتے رہے اور جب اس نعمت کی تکمیل ہوگئی تو ۱۰ھ سال کے بعد حجۃ الوداع میں یہ آیت نازل ہوئی "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" اور اس کے ذریعہ اس نعمت عظمیٰ کی تکمیل واتمام کی خوشخبری سنا دی گئی۔

کامل مغفرت اور اتمام نعمت کے بعد تیسرا سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑی خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطمینان دلادیا جائے کہ جس

"صراط مستقیم" پر چلنے کا اس کی طرف سے حکم ہے اور جس پر اُس کی رضا اور بندے کی نجات و فلاح کا دار و مدار ہے، استقامت کے ساتھ اُس پر چلتے رہنے کی توفیق برابر ملتی رہے گی اور نفس و شیطان کے شرور سے ہمیشہ حفاظت ہوتی رہے گی۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے، جس میں اللہ کی حمد و ثنا اور اقرار توحید کے بعد "صراط مستقیم کی ہدایت" ہی کی دعا کی جاتی ہے بلکہ وہی گویا حرف مطلب ہے۔ دوسری کوئی بھی دعا اس طرح لازمی نہیں کی گئی ہے —— خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز کی ہر رکعت میں اور نماز کے علاوہ بھی اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے "صراط مستقیم کی ہدایت" کی استدعا کرتے تھے —— تو "کامل مغفرت" اور "اتمام نعمت" کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عظیم انعام اور تیسری مسرت بخش بشارت یہی ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مطمئن کر دیا جائے کہ آپ کو برابر صراط مستقیم پر چلتے رہنے کی توفیق ملتی رہے گی اور آپ اس صراط مستقیم پر چلتے ہوئے ہمارے پاس پہنچ جائیں گے —— "وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا" میں آپ کو یہی بشارت سنائی گئی ہے —— ہم اور آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس بشارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو کیسا سکون ہوا ہو گا۔

اس کے بعد چوتھے انعام کی خوشخبری ان الفاظ میں سنائی گئی ہے "وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا" —— اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی طے فرما دیا ہے کہ اب آپ کی ایسی مدد فرمائی جائے گی جو ناقابل شکست ہو گی اور اس کے بعد آپ کے لیے فتوحات کا دروازہ کھل جائے گا —— یہ بظاہر واقعہ حدیبیہ کے بعد ہونے والی فتوحات اور خاص کر فتح مکہ کی خوشخبری ہے —— یہ بات ذہن میں رکھیے کہ یہ آیتیں حدیبیہ والے سفر سے واپسی میں نازل ہوئی ہیں —— جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے آپ نے یہ سفر عمرہ کے لیے کیا تھا، لیکن مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل ہی نہیں ہونے دیا اور بغیر عمرے کے آپ کو واپس آنا پڑا۔ اگرچہ اس میں بڑی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں جن کا بعد میں ظہور ہوا، لیکن اُس وقت تو آپ کا اس طرح واپس ہونا بظاہر شکست بلکہ ذلت آمیز شکست کی صورت تھی اور اس وجہ سے آپ کے بہت سے اصحاب و

رفقا بھی اس سے سخت رنجیدہ تھے۔ لیکن اس ظاہری صورت کے بالکل خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اس وقت یہ ڈالا گیا کہ اسی میں خیر ہے، ان مشرکوں کی شرطیں منظور کر کے اسی طرح صلح کا معاہدہ کر لیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کے جذبات کے بالکل خلاف اس صلح ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھتے ہوئے ان مشرکوں کی شرطیں منظور فرما کے صلح کا معاہدہ کر لیا اور صحابہ کرام نے بھی سرِ تسلیم خم کر دیا —— یہ آیتیں اسی سفر سے واپسی میں انہی حالات میں نازل ہوئیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلایا گیا کہ یہ صلح فی الحقیقت "فتح مبین" ہے — اور اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چار عظیم انعامات کا اعلان فرمایا گیا، ان میں آخری انعام یہ "نصراً عزیزاً" کی خوشخبری ہے۔ یعنی ایسی مدد جس کو کوئی طاقت شکست نہ دے سکے —— میں نے عرض کیا تھا کہ یہ بظاہر واقعہ حدیبیہ کے بعد آنے والی فتوحات کی اور خاص کر فتح مکہ کی خوشخبری ہے۔ گویا اس آیت میں آپ کو اور آپ کے رفقا کو بشارت سنائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اب تمہاری ایسی مدد کرنے کا فیصلہ فرمالیا ہے جس کو تمہاری کوئی دشمن طاقت شکست نہیں دے سکے گی —— اُس وقت کی خاص دشمن طاقت مشرکین مکہ ہی کی طاقت تھی، انھوں نے ہی آپ کو عمرہ کرنے سے روکا تھا۔ اس آیت میں گویا ضمانت دیدی گئی کہ اب تمہاری ایسی مدد ہوگی کہ دشمن تمہارا راستہ نہ روک سکے گا۔ میرا خیال ہے کہ اُس وقت کے حالات میں اس کی اطلاع اور بشارت تھی کہ مکہ معظمہ بھی تمہارے زیرِ اقتدار و انتظام آجائیگا اور کوئی طاقت تمہارا راستہ نہیں روک سکے گی۔ چنانچہ دو سال کے بعد ایسا ہی ہوگیا —— اور اس سے پہلے صلح حدیبیہ کے فوراً ہی بعد خیبر بڑی سہولت سے فتح ہو گیا یہ بھی "وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا" کا ظہور تھا۔

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت ــــ اور اب میرا موقف

(تیسری اور آخری قسط)

تیسری ایسی ہی افسوسناک غلطی ۔ (غلاف کعبہ کی گشتی نمائش)

انبیائی طریقہ پر اقامت دین [illegible] کا دعویٰ ــــ اور یہ طرز عمل

جب یہ طے کر لیا گیا کہ پاکستان میں [illegible] منزل تک پہنچنے کا راستہ یہی ہے کہ الکشن کے ذریعہ کسی طرح بھی اقتدار حاصل کیا جائے [illegible] اس جدوجہد میں کامیابی کے لیے جائز، ناجائز جو بھی کرنا ضروری سمجھا جائے وہ سب کچھ کیا جائے، تو "غلاف کعبہ کی گشتی نمائش" کا ایک انتہائی افسوسناک اور عبرتناک کارنامہ بہ نفس نفیس خود مولانا مودودی صاحب نے ایسا انجام دیا کہ جو لوگ "ترجمان القرآن" کے ابتدائی دور سے قریباً ۲۰ سال تک اس میں اُن کی تحریریں پڑھتے رہے تھے وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ مولانا ایسے بھی کسی کام میں اپنے کو ملوث کرنے پر آمادہ کر سکیں گے۔

اپنی تحریروں میں مولانا موصوف "وہابیت" میں اتنے بے لچک اور اتنے آگے بڑھے ہوئے تھے کہ اُن کے ہاں سلسلہ سلوک و تصوف کے اُن اوراد و اشغال کی بھی گنجائش نہ تھی جو حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے منتسبین و متبعین جماعت دیوبند اور جماعت اہلحدیث کے مشائخ و اکابر کے معمولات میں رہے تھے ــــ اس لیے مولانا مودودی صاحب کی "وہابیت" خود اُن کی اور اُن کے معتقدین کی نظر میں [illegible] خالص و بے آمیز تھی، اور وہ یقیناً ان کی ایک بڑا فخر متاع تھی، لیکن الکشن کی راہ میں انھوں [illegible] اس متاع عزیز کو بھی قربان کر دیا۔

۱۹۶۳ء (۱۳۸۲ھ) میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے (جن کی [illegible] بیان غیر ضروری ہے) کہ سعودی حکومت نے (جس کے فرمانروا اُس وقت شاہ سعود بن عبدالعزیز تھے) کعبۃ اللہ کا غلاف اپنے طور پر اور اپنے اہتمام سے تیار کرانے کا فیصلہ کیا (اس سے پہلے غلاف کعبہ ہر سال مصر سے آنے کا معمول رہا تھا)، سعودی حکومت نے غلاف (یا اس کا کچھ حصہ[1]) پاکستان میں بنوانے کا فیصلہ کیا اور

---

[1] اسی زمانہ میں سنا تھا کہ سعودی حکومت ہی نے غلاف کعبہ کا کچھ حصہ بنارس میں بھی تیار کرایا ہے۔ لیکن میں نے کبھی اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی اس لیے میرے علم میں نہیں کہ واقعہ کیا تھا۔ ۱۲

مولانا مودودی اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے —— یہ صدر ایوب خاں کی حکومت کا زمانہ تھا اور الکشن کی بات چیت اور ابتدائی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں —— مولانا مودودی اور اُن کے رفقا پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت کی دین سے جہالت اور اس خرافی ذہنیت سے خوب واقف تھے کہ اگر اعلان کر دیا جائے کہ بغداد شریف کے بڑے پیر صاحب کے جبہ شریف کی فلاں تاریخ کو فلاں جگہ زیارت کرائی جائے گی تو یہ مخلوق بے تحاشا ٹوٹ پڑے گی —— اس کے باوجود انھوں نے "غلاف کعبہ شریف" کے ذریعہ جماعت کے پروپیگنڈے اور اس سے الکشنی فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا —— پہلے غلاف شریف کے تیار کرانے کا اپنے اخبارات وغیرہ کے ذریعہ خوب پروپیگنڈہ کرایا، اس کے افتتاح کی بڑے پیمانے پر ایک تقریب منائی گئی —— پھر جب وہ تیار ہوگیا تو پروگرام بنایا گیا کہ پاکستان کی مختلف ریلوے لائنوں پر غلاف شریف کی گشتی نمائش کے لیے اسپشل ٹرینیں چلائی جائیں اور اُن کے اوقات اور پروگرام کی پہلے سے خوب تشہیر کی جائے اور عوام کو دعوت دی جائے کہ وہ اسٹیشنوں پر آکر مولانا مودودی اور ان کی جماعت اسلامی کے تیار کرائے ہوئے "غلاف کعبہ شریف" کی زیارت کریں۔

چنانچہ اس منصوبہ پر اسی طرح عمل ہوا، لاکھوں کے خرچ سے یہ اسپیشل ٹرینیں چلیں (معلوم ہوا تھا کہ اس عظیم کارنامہ کے اصل ذمہ دار اور جماعت کے امیر کی حیثیت سے ان ٹرینوں میں سے ایک ٹرین پر بنفس نفیس خود مولانا مودودی صاحب نے بھی سفر فرمایا تھا) جماعت کے اخبارات میں ان ٹرینوں کے سفر کی رپورٹ کے ساتھ زائرین کے پرشوق جذبات کی تصویر کشی عجیب و غریب انداز میں کی جاتی تھی، اور اس سلسلہ میں اس بات کو چھپانے کی بھی کوشش نا ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی کہ یہ سب جماعت کے پروپیگنڈے کے لیے اور الکشن کے لیے زمین ہموار کرنے کے واسطے ہو رہا ہے۔

جماعت کے اخبارات میں اس گشتی نمائش کے سلسلے میں اُس زمانہ میں جو کچھ اور جس طرح لکھا جارہا تھا اُس کی کچھ جھلکیاں یہاں بھی ناظرین کرام دیکھ لیں۔

جماعت کے ترجمان "ایشیا لاہور" کے اداریہ میں لکھا گیا تھا —— ——

آج کل مغربی پاکستان کے ریلوے اسٹیشنوں پر دو اسپیشل ٹرینیں غلاف کعبہ کی زیارت کرا رہی ہیں، ایک ٹرین لاہور سے پشاور کی طرف منزل بمنزل رواں دواں ہے، دوسری

خاص ٹرین اوکاڑہ منٹگمری کی جانب تشنگانِ دیدارِ غلاف کو سیراب کر رہی ہے، ہر اسٹیشن پر عوام کے ذوق شوق اور عقیدت و محبت کا عجیب عالم ہے، چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر لاکھوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ مرد، عورتیں، بچے بوڑھے جسے دیکھیے بس ایک نظر دیکھ لینے کی سعادت حاصل کر لینے کو بیتاب ہیں...... خواتین غلاف کعبہ پر پھول اور پیسے نچھاور کرتی ہیں۔ بڑے بڑے افسر اور معززین عقیدت سے اس کے حضور دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ چونکہ غلاف کعبہ کو چھونے چومنے کی اجازت نہیں ہے اس لیے بعض مقامات پر لوگوں نے فرطِ عقیدت میں ٹرین ہی کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔

"ایشیا لاہور" ۲۸ مارچ ۱۹۶۳ء

انہی دنوں میں جماعت اسلامی پاکستان" کے ایک دوسرے اخبار "شہاب" کا خاص "غلاف کعبہ نمبر" نکلا تھا —— اس کی طویل رپورٹ کی بھی چند سطریں پڑھ لیجیے۔

"۱۲ مارچ کو سوا نو بجے غلاف کعبہ (اللہ زادہ اللہ عظمۃً) اور اس کے ناچیز خدام کو لیکر "غلاف کعبہ اسپیشل ٹرین" زائرین کے نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان روانہ ہوئی...... میں سادھوکے مریدکے وغیرہ جن اسٹیشنوں پر گاڑی کو رکنا نہیں تھا لیکن ہزاروں آنکھیں متجسس گاڑی کو تک رہی تھیں۔ لائن مرمت کی وجہ سے چند منٹ کے لیے ان پیاسی نگاہوں کی تسکین کا انتظام اللہ نے کر دیا۔ کامونکے گاڑی کے دونوں طرف عورتوں اور مرد زائرین کا جم غفیر منتظر تھا۔ اسی طرح گوجرانوالہ، وزیر آباد، سیالکوٹ میں علی الترتیب محتاط اندازے سے تقریباً دس لاکھ افراد زیارت سے مشرف ہوئے۔ لوگ دور دراز فاصلوں، دیہات سے سفر کر کے آئے اور عقیدت بھرے دل، محبت سے پرنم آنکھیں اور شمار ہوتے ہوئے زائرین میں سے حرکت کر کے اپنا راستہ نکالنا مشکل ہو جاتا تھا...... عورتیں اپنے دوپٹے، تسبیحیں، رومال، ٹوپیاں، پگڑیاں غلاف مقدس کے ساتھ مس کر کے چومنے کے لیے بیتاب تھے، پھولوں کے ہار، گلدستے، عطر کی شیشیاں غلاف کے لیے لاتے رہے۔"

"شہاب لاہور" غلاف کعبہ نمبر (۱۹۶۳ء)

اسی زمانہ میں مولوی عتیق الرحمٰن نے الفرقان کے ایک اداریہ میں یہ سارے اقتباسات "ایشیا" اور "شہاب" سے نقل کیے تھے —— اس اداریہ کا عنوان تھا

"دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو"

واقعہ یہ [illegible] یہ سب کچھ "جماعت اسلامی" کے اخبارات کے بجائے دوسرے اخبارات میں شائع ہوا ہوتا تو ہم [illegible] لوگ یہ سمجھتے کہ یہ مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے مخالفین نے اُن پر تہمت لگائی [illegible] مذاق بنایا ہے۔ کہاں مولانا اور کہاں یہ خرافاتی تماشے! ـــــ ہم لوگ یہ سب کچھ "جماعت اسلامی پاکستان" کے اِن موقر اخبارات میں پڑھتے اور زبانِ حال یا زبانِ قال سے کہتے تھے ؏ اینکہ مے بینیم بہ بیداریست یارب یا بخواب!!

مجھے اچھی طرح یاد ہے، میرے بچپن میں ہمارے محلہ کے خوشحال گھرانوں میں، جن میں ایک ہمارا گھر بھی تھا، کبھی کبھی [illegible] آیا کرتی تھیں، سر سے پاؤں تک سفید پوش، برقعہ بھی سفید، ان کے ساتھ ایک [illegible] ہوتی تھی اس کے سر پر ایک صندوقچہ ہوتا تھا۔ صندوقچہ میں ایک سفید پتھر ہوتا تھا قریباً ایک فٹ مربع، اُس میں ایک انسانی قدم کا نشان ہوتا تھا قریباً پون انچ گہرا، جس کے متعلق بڑی بی بتلاتی تھیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہے۔ اس پتھر پر آپ نے قدم مبارک رکھا تھا تو یہ نشان پڑ گیا تھا، یہ حضور کا معجزہ تھا ـــــ اس سفید پتھر کے علاوہ صندوقچہ میں ایک سیاہ رنگ کا [illegible] بھی ہوتا تھا جس کے بارے میں وہ بتلاتی تھیں کہ یہ کعبہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا ہے ـــــ [illegible] زمانہ کی ہمارے گھروں کی [illegible] بوڑھی عورتیں غالباً ان سب باتوں کا یقین کر لیتیں، غلاف شریف کو اور قدم شریف کو چومتیں اور آنکھوں سے لگاتیں اور حسب توفیق اُن بڑی بی کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتیں ـــــ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بڑی بی ہمارے قصبہ سنبھل کی تھیں یا کہیں باہر سے تشریف لاتی تھیں۔

"غلاف کعبہ کی گشتی نمائش" نے قریباً ستر سال پہلے کے اس واقعہ کو یاد دلا دیا، جس کو [illegible] سطور بالکل بھولے ہوئے تھا۔[1]

اس سلسلہ میں بہت ہی افسوس اور رنج و قلق اس سے ہوا کہ "جماعت اسلامی پاکستان" کے کسی ایک صاحب کے بارے میں ابھی علم میں نہیں آیا کہ انھوں نے اس "لادینی تماشے" کے خلاف اس وقت

---

[1] [illegible] پبلک کے لیے نہیں لکھا بلکہ کافی فکر و تردد کے بعد اس لیے لکھ دینا مناسب سمجھا کہ اس کی روشنی میں غلاف کی گشتی نمائش کی نوعیت کو سمجھنے اور اُس سے عبرت حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ ۱۲

آواز بلند کی ہو۔ حالانکہ اس کی قباحت وشناعت اور دین و شریعت کی روح کے لیے اس کی مضرت کے ادراک کے واسطے کسی خاص درجہ کے علم کی بھی ضرورت نہیں تھی، ہر سلیم فطرت خود ہی اس کا ادراک کر سکتی تھی۔

ہاں ہمارے پاس "جماعت اسلامی ہند" کے حلقہ میں ایک "رجل رشید" نکلے یہ بمبئی کے شمس پیرزادہ صاحب تھے، یہ صاحب علم ہیں اور مسلکاً اہل حدیث ہیں۔ راقم الحروف جب سے ان سے واقف ہے ان کے اخلاص اور تصلّب فی الدین کا قائل ہے۔ انھوں نے "غلاف کعبہ کی اس گشتی نمائش" کے خلاف کھل کر لکھا اور "انکار منکر" کا حق ادا کیا۔ اگرچہ انھوں نے اپنے مضمون میں اس کی کوشش فرمائی کہ ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ اس کی اصل ذمہ داری مولانا مودودی صاحب پر ہے، لیکن بہر حال حکم شریعت کے اظہار میں انھوں نے کسی مداہنت سے کام نہیں لیا، انھوں نے اپنے مضمون میں اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی تھی کہ جو کپڑا (ابھی خانہ کعبہ کے قریب بھی نہیں گیا (لاہور میں بُنا گیا ہے اور مکہ معظمہ سے ڈھائی ہزار میل کے فاصلہ پر ہے) اس کو کعبہ شریف کے غلاف ہونے کی عظمت کیسے حاصل ہو گئی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے "فتح الباری" (شرح صحیح بخاری) کے حوالہ سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک واضح ارشاد اور فتویٰ بھی دلیل کے طور پر نقل کیا تھا۔ ــــ ان کا یہ مضمون "جماعت اسلامی ہند" کے ترجمان "دعوت دہلی" کی ۲۵ اپریل ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اور اسی کے حوالہ سے ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کے الفرقان کے شمارہ میں نقل ہوا تھا ــــ اس وقت وہی راقم سطور کے سامنے ہے ــــ

شمس پیرزادہ صاحب نے مسئلہ پر ایک حد تک اصولی گفتگو کرنے کے بعد مضمون کو ان سطروں پر ختم کیا تھا۔

> "اگر غلاف کعبہ کے سلسلہ میں جلوس وغیرہ کی ہمت افزائی کی گئی تو یہ بات بجائے خود بدعت ہوگی، نیز دوسری بہت سی بدعتوں بلکہ شرک کے لیے راہ کھل جائے گی اور اندیشہ ہے کہ غلاف ایک نیا تعزیہ ثابت ہو جائے، ان وجوہ سے ہم مولانا مودودی صاحب کی نیت پر شبہہ کیے بغیر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اجتہاد سراسر غلط ہے اور بہتر یہ ہے کہ مولانا اس سے رجوع کر لیں"
>
> (الفرقان بابت ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ صفحہ ۵۰ بحوالہ دعوت دہلی ۲۵ اپریل ۱۹۶۳ء)

راقم سطور کے علم میں نہیں ہے کہ مولانا مودودی صاحب نے اپنے ایک مخلص معتقد اور اپنی جماعت اسلامی ہند کے ایک ممتاز رکن شمس پیرزادہ صاحب کی اس درخواست اور اپیل کو منظور فرما کر اپنی اس عظیم غلطی سے رجوع فرمایا یا نہیں — اگر رجوع نہیں فرمایا ہے تو یہ عاجز بھی اپنے قدیم تعلق کی بنا پر درخواست کرتا ہے کہ وہ اس سے رجوع فرمالیں اور اس کا اعلان فرمادیں۔ ورنہ — یہ خطرہ ہے کہ کل جب وہ دنیا میں نہ رہیں تو اُن کے متبعین اس کو سند بنا کر اقامتِ دین کی جدوجہد کو تقویت پہنچانے کے نام پر آئندہ بھی ایسے ہی یا اس سے بھی زیادہ قبیح و شنیع تماشے کریں — حدیث پاک من سن فی الاسلام سنۃً سیئۃً الخ کا مضمون ضرور آپ کے ذہن میں ہوگا واللہ الموفق

(۴) ایک انتہائی خطرناک اور فتنہ انگیز دعویٰ

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی دعوت کو قبول نہ کرنے والے مسلمانوں کی پوزیشن وہ ہے جو یہود کی تھی

ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک صاحب نے مولانا مودودی صاحب کے ایک بیان کی طرف توجہ دلائی جو جماعت اسلامی کی روداد حصہ دوم میں شائع ہوا تھا — اس بیان کا متن یہ ہے

"اس موقع پر بس ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ اس قسم کی ایک دعوت کا جیسی کہ ہماری یہ دعوت ہے کسی مسلمان قوم کے اندر اٹھنا اس کو ایک بڑی سخت آزمائش میں ڈال دیتا ہے، جب تک حق کے بعض منتشر اجزا باطل کی آمیزش کے ساتھ سامنے آتے رہیں، ایک مسلمان قوم کے لیے ان کو قبول نہ کرنے اور اُن کا ساتھ نہ دینے کا ایک معقول سبب موجود رہتا ہے اور اُس کا عذر معقول ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اُس کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اسی خدمت کو انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہو جو امت مسلمہ کی پیدائش کی ایک ہی غرض ہے، یا نہیں تو اسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کرلے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے، ایسی صورت میں ان دو راہوں کے سوا کسی تیسری راہ کی گنجائش اس قوم کے لیے باقی نہیں رہتی۔"

اسی سلسلہ بیان میں مودودی صاحب آگے فرماتے ہیں:-

"اب چونکہ یہ دعوت ہندوستان میں اٹھ چکی ہے اس لیے کم از کم ہندی مسلمانوں کے لیے تو آزمائش کا وہ خوفناک لمحہ آ ہی گیا ہے۔ رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت پہونچانے کی تیاری کر رہے ہیں، اگر ہمیں اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو جہاں جہاں یہ پہنچے گی وہاں کے مسلمان بھی اسی آزمائش میں پڑ جائیں گے۔"

روداد جماعت اسلامی حصہ دوم ص ۱۸-۱۷

مودودی صاحب کا یہ بیان ۱۹۴۳ء کا ہے۔ راقم سطور کو کبھی پہلے اس کا دیکھنا یا سننا یاد نہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا ابھی حال ہی میں ایک صاحب کے توجہ دلانے پر اس کو دیکھا ہے۔ میرے علم میں نہیں تھا کہ مودودی صاحب نے کبھی یہ بات بھی کہی ہے کہ امت مسلمہ میں سے جن لوگوں کو ان کی دعوت پہنچ گئی ہے یا آئندہ پہنچے اور وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کی پوزیشن اور اُن کا مقام وہ ہوگا جو قوم یہود نے اختیار کیا تھا۔

آتش مزاج اور مغلوب الغضب قسم کے لوگ جب کسی کے خلاف سخت کلمات (بطور گالی کے) استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد اُن کے لغوی معنی نہیں ہوتے بلکہ ان کا مطلب غیظ و غضب کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے اس بیان کی یہ نوعیت نہیں ہے اور جہاں تک میں جانتا ہوں، وہ خود بھی آتش مزاج اور مغلوب الغضب نہیں ہیں، اسی طرح وہ کوئی "مغلوب الحال" قسم کے آدمی بھی نہیں کہ ان کی اس بات کو غلبۂ حال کا نتیجہ کہا جا سکے؛ بلکہ بیان کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انھوں نے پوری سنجیدگی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ جماعت اسلامی کے امیر و قائد کی حیثیت سے عام و خاص مسلمانوں کو یہ آگاہی دی ہے کہ اگر وہ اُن کی دعوت کو قبول نہ کریں گے تو پھر ان کی پوزیشن وہی ہوگی جو قوم یہود نے اختیار کی تھی۔

جس شخص کو دین و شریعت کا کچھ بھی علم ہے اس کو اس میں شبہ نہ ہوگا کہ یہ حیثیت صرف اللہ کے نبی و رسول کی ہوتی ہے کہ ان کی دعوت کو رد کرنے اور قبول نہ کرنے والوں کی پوزیشن وہ ہو جائے جو یہود کی تھی انھوں نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو رد کیا تھا اور اس کے بعد اللہ کے آخری نبی و رسول سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو رد کیا۔

نبی و رسول کے علاوہ امت کے کسی مصلح، کسی داعی اور کسی مجدد کی بھی یہ حیثیت نہیں ہوتی کہ ان کی دعوت کو قبول نہ کرنے والوں کے متعلق کہا جا سکے کہ انھوں نے وہ پوزیشن اختیار کر لی ہے جو یہود نے اختیار کی تھی — جہاں تک معلوم ہے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی مصلح اور کسی مجدد نے اپنی دعوت کے بارہ میں ایسی بات نہیں کہی[1] — مودودی صاحب نے غالباً اسی لیے اس بیان میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ان کی دعوت کے علاوہ مسلمانوں کو جو دینی دعوتیں دی جاتی رہی ہیں اور امت میں اصلاح و تجدید کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں یا اب ہو رہی ہیں اُن میں حق کے منتشر اجزاء کے ساتھ باطل کی بھی آمیزش رہی ہے[2] لیکن اُن کی اور ان کی جماعت اسلامی کی دعوت میں پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا گیا ہے — اس لیے امت مسلمہ کے خواص و عوام میں سے جن کو بھی یہ دعوت پہنچ جائے اور وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کی پوزیشن وہ ہوگی جو یہود نے اختیار کی تھی۔

مودودی صاحب کے اس بیان کی بنا پر میں یہ الزام اُن پر عائد نہیں کرتا کہ انھوں نے اپنے لیے وہ مقام و منصب ثابت کیا ہے جو نبی و رسول کا ہوتا ہے۔ لیکن اس میں تو کسی کو شک و شبہ اور بحث کی گنجائش نہیں ہے کہ اس بیان میں انھوں نے واضح الفاظ میں اپنے اس نقطۂ نظر کا اعلان کیا ہے کہ امت مسلمہ ہندیہ کے عوام و خواص میں سے جن کو ان کی دعوت پہنچ چکی اور انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ رد کر دیا، اور

---

[1] راقم سطور کو یاد ہے کہ جماعت اسلامی کے بالکل ابتدائی دور میں جب مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا بادی اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے مولانا مودودی کے دینی طرز فکر اور اس پر مبنی دعوت سے شدت کے ساتھ اختلاف ظاہر کیا تھا تو مولانا گیلانی نے اپنے کسی مضمون یا مکتوب میں لکھا تھا کہ مودودی صاحب جس طریقہ پر اور جس انداز میں دعوت دے رہے ہیں یہ امت کے مصلحین و مجددین کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ اللہ کے نبیوں کی دعوت کا ہوتا ہے، مودودی صاحب نبیوں کی نقل کرنا چاہتے ہیں — مولانا مودودی صاحب کا ۱۹۴۵ء کا یہ بیان اس کی کھلی مثال اور غیر مشتبہ شہادت ہے۔

[2] امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے اصلاحی و تجدیدی کام کے بارہ میں مودودی صاحب نے صراحت کے ساتھ اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ان میں خالص حق نہیں تھا، غیر حق کی بھی آمیزش تھی۔ (ملاحظہ ہو رسالہ "تجدید و احیاء دین")

اسی طرح آئندہ جن کو یہ دعوت ہندوستان میں یا کسی دوسرے ملک میں پہنچے اور وہ قبول نہ کریں تو ان کی حیثیت اور پوزیشن وہی ہے اور ہوگی جو یہود کی تھی۔

اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ خود مولانا مودودی صاحب کے رسالہ "ترجمان القرآن" اور ان کی تصانیف اور مختلف زبانوں میں ان کے ترجموں اور ان کی جماعت کے نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے وسیع وسائل کے ذریعہ جن لاکھوں یا کروروں افراد کو، خاصکر کتاب و سنت کا علم رکھنے والے علماء کو ان کی دعوت پہنچ چکی ہے اُن میں سے کم از کم ۹۵ فیصد حضرات نے اس کو قبول نہیں کیا ہے —— مودودی صاحب کے اس بیان کے مطابق ان سب نے وہ پوزیشن اختیار کر لی ہے جو یہود نے اختیار کی تھی اور ان کا مقام وہ ہے جو قوم یہود کا تھا —— کس قدر خطرناک اور کتنی فتنہ انگیز ہے یہ بات!!

میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ مودودی صاحب نے اپنی تحریروں اور بیانات میں بار بار اس کا اظہار فرمایا ہے کہ ہماری دعوت، نظام جماعت سے وابستگی کی نہیں ہے بلکہ اُس عقیدہ اور اُس نصب العین کی طرف ہے جس کو ہم نے پیش کیا ہے —— لیکن مولانا موصوف کو اور اُن کی جماعت کے ہر پڑھے لکھے اور باخبر کو غالباً معلوم ہوگا کہ کتاب و سنت کا علم رکھنے والے ہندوستان و پاکستان کے علماء کی غالب اکثریت نے عقیدۂ توحید و رسالت کی اس تشریح کو تسلیم نہیں کیا ہے جو جماعت کے دستور میں کی گئی تھی اور جو اس دعوت کی بنیاد ہے بلکہ مولانا مودودی کے طرز فکر ہی سے اختلاف کیا جس پر اس تشریح کی اور ان کے پیش کیے ہوئے نصب العین کی بنیاد ہے۔

جو حضرات "جماعت اسلامی" کے ابتدائی دور کے حالات سے کچھ واقف ہیں اُن کے علم میں یہ بات ہوگی کہ جماعت کے بالکل آغاز ہی میں جن حضرات نے سب سے پہلے واضح بلکہ شدت کے ساتھ اختلاف کا اظہار کیا وہ یہ تینؔ حضرات تھے —— حضرت مولانا سید سلیمان ندوی —— مولانا عبدالماجد دریابادی —— مولانا سید مناظر احسن گیلانی —— یہ تینوں حضرات "ترجمان القرآن" کے ابتدائی دور کے مضامین کی وجہ سے مولانا مودودی کے خاص قدر دانوں میں تھے۔ اور اُن کے بارہ میں بہت اچھی رائے ظاہر کرتے رہے تھے۔ خاصکر مولانا دریابادی

(آگے صفحات کی ترتیب غلط ہوگئی ہے مہربانی سے تصحیح کرلیں)

اس کے بعد مختلف اوقات میں اس برصغیر کے بہت سے ان اکابر علماء نے جو علم کتاب و سنت کے وارث و امین تھے مودودی صاحب سے اختلاف کا اظہار کیا اور اُن کی دعوت کو شدت کے ساتھ رد کر دیا ـــــ یہاں مثال کے طور پر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ، محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ حضرت مولانا سید فخر الدین مراد آبادی کے نام لیے جا سکتے ہیں ـــــ بعض اکابر علماء اہل حدیث نے بھی اسی طرح شدت سے اپنے اختلاف کا اظہار فرمایا (اس وقت اس سے بحث نہیں کہ ان حضرات کے اختلاف کی بنیاد کن دلائل پر تھی اور وہ دلائل کیسے تھے) اس وقت تو یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان اکابر علماء [illegible] نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ شدت کے ساتھ رد کر دیا۔

بعض دوسرے اکابر علماء ہیں جنھوں نے اگرچہ مولانا مودودی اور ان کی جماعت کی دعوت سے اپنے اختلاف کا اظہار اس طرح شدت کے ساتھ نہیں کیا لیکن ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اس عاجز کی معلومات [illegible] اس کی مثال میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اُن کے متعلقین [illegible] مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد [illegible] مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتحپوریؒ، مولانا مفتی جمیل احمد [illegible] نیز حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا عزیر گل [illegible]، حضرت مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک، وغیرہ حضرات کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مولانا گیلانی کو میں بہت بلند مقام سمجھتا تھا لیکن میں بھی اس بارہ میں اس وقت اُن حضرات کی رائے سے متفق نہیں ہو سکا تھا [illegible] پاکستان منتقل ہونے کے بعد الکشنی سیاست کو اپنا کر [illegible] ان حضرات کی دینی بصیرت و فراست کی [illegible] فتنہ مضر تھے [illegible]

[illegible]

[illegible] سمجھتا ہوں جس کا تعلق [illegible] اور

(باقی آئندہ صفحہ پر)

تو بہت ہی گرویدہ تھے اس عاجز کی طرح وہ بھی مودودی صاحب کو "متکلم اسلام" لکھتے تھے، اس دور میں اُن کے ہفتہ وار "صدق" کے کم ہی پرچے ایسے ہوتے ہوں گے جن میں مولانا مودودی اور اُن کے "ترجمان القرآن" کا تحسین و آفرین کے ساتھ تذکرہ نہ ہوتا ہو ـــــ بہرحال ترجمان القرآن برابر ان تینوں حضرات کے مطالعہ سے گزرتا تھا ـــــ ان حضرات نے دعوت پہنچ جانے اور اس سے واقف ہو جانے کے بعد ہی اختلاف کیا اور دین کے بارہ میں مودودی صاحب کے اس طرز فکر ہی سے اختلاف کیا جس پر دعوت کی بنیاد تھی ـــــ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے ماہنامہ "معارف اعظم گڑھ" میں اپنے خاص انداز میں تنقید کی، مولانا دریابادی اپنے ہفتہ وار صدق میں اُس زمانہ میں برابر اس موضوع پر لکھتے تھے، کچھ عرصہ تک "صدق" کے قریباً ہر شمارہ میں اس موضوع پر کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا تھا، اور اپنے خاص انداز میں ہوتا تھا جس کو مولانا مودودی نے اسی زمانہ میں "گولہ باری" سے تعبیر کیا تھا ـــــ مولانا گیلانی نے اپنے ایک طویل مکتوب میں اپنے اختلاف کا اظہار کیا تھا، مجھے یاد آتا ہے کہ یہ مکتوب "ترجمان القرآن" ہی میں مولانا گیلانی کے نام کے اظہار کے بغیر شائع ہوا تھا، اس کے علاوہ مولانا گیلانی اس سلسلہ میں مولانا دریابادی کو بھی اس زمانہ میں خطوط لکھتے تھے اور اُن کے اقتباسات "صدق" میں شائع ہوتے تھے ـــــ جماعت اسلامی کی تاسیس کے سال ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) کے ترجمان القرآن کے شماروں کے مطالعہ سے بھی ان حضرات کے اختلاف کی نوعیت اور اس کی شدت کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

بہرحال جہاں تک راقم سطور کے علم میں ہے اکابر اہل علم میں سب سے پہلے ان تین حضرات نے اپنے اختلاف کا اظہار کیا تھا۔ ان تینوں میں یہ بات مشترک تھی کہ یہ "دنیا وما فیہا" سے ناواقف قسم کے نرے "مولانا" نہیں تھے بلکہ نئی دنیا کے حالات اور جدید افکار و نظریات اور جدید فتنوں سے پوری طرح واقف تھے ـــــ اس عاجز کا خیال ہے کہ ان حضرات نے اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے مولانا مودودی کے طرز فکر اور ان کی دعوت میں شروع ہی میں وہ خطرہ محسوس کر لیا جو ہندوستان کے دوسرے اکابر علماء نے جو جدید چیزوں سے ان حضرات کی طرح واقف نہ تھے محسوس نہیں کیا تھا۔[1]

[1] اس [illegible] حضرات سے [illegible] مختلف تھے، اور دین کے طرز فہم میں خاص کر سید صاحب اور [illegible]
(باقی اگلے صفحہ پر)

برصغیر کے اکابر علماء اہلحدیث میں سے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ مولانا ابو القاسم سیف بنارسی، مولانا داؤد غزنویؒ، مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ وغیرہ اُس دور کے قریباً تمام ہی اکابر علماء اہلحدیث کا حال بھی جہاں تک معلوم ہے یہی تھا کہ انھوں نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سے پہلے وہ کبھی تحریر میں نہیں آیا ہے

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے ساتھ اس عاجز کا جیسا تعلق تھا اور جس طرح میں اس کی دعوت کا علمبردار تھا اس کا ذکر سرگزشت کے ضمن میں آچکا ہے ——— جماعت کی تاسیس کے چند ہی روز کے بعد میں نے "تاسیسی اجتماع کی روئداد اور دستور" کی ایک کاپی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بھیجی اور عریضہ کے ذریعہ درخواست کی کہ ان کو حضرت ملاحظہ فرمالیں اور جہاں محسوس فرمائیں کہ ہم [illegible] اور خاص کر دستور میں کوئی غلطی ہوئی ہے اس کی نشاندہی فرمادیں، میں کوشش کروں گا کہ اس کی اصلاح و تلافی ہو جائے ——— ساتھ ہی میں نے لکھا کہ اگر حضرت ارشاد فرمائیں تو میں اس مقصد کے لیے حاضر خدمت ہو جاؤں" ——— (اور فی الواقع اس خط سے میری نیت اور غرض یہ تھی کہ اگر حضرت تھانوی تصویب فرمادیں تو ہمارے لیے ایک سند ہو جائے)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میرا عقیدت و نیازمندی کا تعلق تھا اور حضرت بہت زیادہ عنایت و شفقت فرماتے تھے ——— اپنے معمول کے مطابق حضرت نے میرے خط ہی پر مختصر جواب تحریر فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ میں نے دونوں چیزوں کو دیکھا، کوئی خاص بات گرفت کی نہیں آئی جو آپ کو لکھوں "لیکن دل قبول نہیں کرتا۔ آپ جب بھی آئیں میرے لیے آپ کا آنا مسرت کا باعث ہوگا لیکن اس مقصد کے لیے سفر کی زحمت نہ کی جائے ——— " (خط کشیدہ فقرہ "لیکن دل قبول نہیں کرتا" بعینہ حضرت کے الفاظ ہیں)

پھر اس کے چند ہی روز بعد مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کا خط مجھے ملا (جو حضرت کے قریبی عزیز اور خاص خدام میں سے تھے اور الحمد للہ ہیں) انھوں نے تحریر فرمایا تھا کہ آپ نے جماعت اسلامی کے اجتماع کی روئداد اور اس کا دستور جو حضرت کی خدمت میں بھیجا تھا وہ حضرت نے دیکھنے کے لیے اور اظہار رائے کے لیے مجھے عنایت فرمایا تھا، میں نے اس کو غور سے دیکھا، مجھے تو اس میں بہت سی قابل اصلاح باتیں نظر آئیں میں نے ان کو لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کو مولوی محمد منظور نعمانی کو بھیج دو، چنانچہ بھیج رہا ہوں۔

اس میں مولانا جمیل احمد صاحب نے "دستور" پر اکثر وہ اعتراضات کیے تھے اور خطرات و خدشات ظاہر کیے گئے جو بعد میں متعدد اکابر علماء کی طرف سے کیے گئے، لیکن اس زمانہ میں راقم سطور ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا صرف تعبیر اور انداز تحریر کا فرق سمجھتا

تھا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ صرف تعبیر کا فرق نہیں تھا بلکہ ذہنیت اور طرز فکر اور عقیدہ کا فرق تھا۔

اس کے برعکس پورے برصغیر میں اکابر علمائے معتمدین میں سے (نہ علمائے اہلحدیث میں سے نہ علمائے احناف میں سے) کسی کے بارہ میں راقم سطور کو علم نہیں کہ انھوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا ہو اور اپنے سابقہ دینی موقف اور تصور دین میں کوئی ترمیم و اصلاح کی ہو ــــ یہی حال عام دیندار مسلمانوں کی غالب اکثریت کا ہے کہ انھوں نے بھی مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی دعوت کو قبول نہیں کیا ہے، ان کا جو عقیدہ جو مسلک جو دینی طرز فکر پہلے تھا اس میں انھوں نے مودودی صاحب کی اور جماعت اسلامی کی دعوت کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، ان کا یہ طرز عمل خواہ ذاتی فہم و بصیرت کی بنا پر ہو خواہ اپنے معتمد علماء کے اتباع میں ــــ تو مولانا مودودی صاحب کے مندرجہ بالا بیان کے مطابق امت کے ان تمام عوام و خواص نے وہ پوزیشن اختیار کر لی ہے جو قوم یہود نے اختیار کی تھی ــــ فانا للہ وانا الیہ راجعون

میرا خیال ہے کہ مودودی صاحب کے اس بیان کا مقصد دعوت قبول نہ کرنے والوں کی تکفیر نہیں ہے، جو مرزا غلام احمد کے متبعین میں سے قادیانی شاخ کا موقف ہے بلکہ غالباً وہ ان کو تکفیر کے بغیر یہود کی طرح اللہ کی رضا و رحمت سے محروم "مغضوب علیہم" (مستحق غضب الٰہی) قرار دے رہے ہیں۔ یہ قریب قریب وہ موقف ہے جو مرزا غلام احمد اور ان کی دعوت کو قبول نہ کرنے والے مسلمانوں کے بارہ میں قادیانیوں کی لاہوری شاخ کا ہے جس کے امیر مولوی محمد علی لاہوری ایم اے تھے۔

یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو خود راقم سطور کو پیش آیا تھا۔ سنہ ۱۹۴۴ء کے اواخر یا سنہ ۴۵ء کے اوائل میں ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ اس عاجز نے دہلی سے پشاور بلکہ کوہاٹ تک کا سفر کیا تھا۔ اس سفر میں جالندھر اور اس کے بعض قصبات میں بھی کچھ قیام ہوا تھا۔ اب ٹھیک یاد نہیں کہ خاص جالندھر شہر یا اس کے کسی قصبہ کے قیام میں ایک دن جماعت اسلامی کے کچھ حضرات مجھ سے ملنے آئے، میں ان حضرات کے ساتھ الگ بیٹھ گیا۔ (جیسا کہ سرگزشت سے معلوم ہو چکا ہے میں سنہ ۱۹۴۲ء میں جماعت سے علاحدگی اختیار کر چکا تھا اور میں اس زمانہ میں اس موضوع پر کسی سے بات کرنے سے بھی گریز کرتا تھا) ان حضرات نے جماعت اسلامی سے میرے

قطع تعلق ہی سے متعلق مجھ سے گفتگو کرنی چاہی میں نے پہلو تہی کا رویہ اختیار کیا، انھوں نے اصرار کیا لیکن میں اپنے رویہ پر قائم رہا ـــــ آخر میں اُن میں سے ایک صاحب بہت غصہ اور طیش میں آگئے اور فرمایا اب ہم صاف کہتے ہیں کہ آپ مرتد ہو گئے ہو، ہم دعوت دیتے ہیں کہ توبہ کر کے پھر اسلام میں آجاؤ!

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا فضل ہوا کہ اُس وقت مجھے غصہ بالکل نہیں آیا ـــــ اب یاد نہیں کہ میں نے اُن سے کیا کہا ـــــ اُن کے علاوہ جو دوسرے دو۔تین اُن کے ساتھی تھے، میں نے محسوس کیا کہ وہ بیچارے اپنے اس ساتھی کی اس بات سے بہت پریشان اور نادم ہیں، انھوں نے مجھ سے کچھ معذرت بھی کی اور رخصت ہو گئے ـــــ میں اُس وقت یہی سمجھا تھا کہ اس بیچارہ نے جو کچھ مجھے کہا (مولانا مودودی صاحب کے الفاظ میں) یہ اس کے "نو مسلمانہ جوش" اس کے ساتھ بے علمی اور بات کرنے میں سلیقہ کی کمی ہی کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس بیان کے سامنے آنے کے بعد شبہ ہوتا ہے کہ شاید اُس بیچارے نے مولانا مودودی صاحب کے اس بیان ہی سے یہ سمجھا ہو کہ جو شخص جماعت اسلامی میں شامل ہو کر الگ ہو گیا وہ اسلام ہی سے نکل گیا اور یہودی اور مرتد ہو گیا ـــــ اور اُس نے "مجاہدانہ" صاف گوئی سے کام لیا ہو۔

امت میں اسی طرح فرقے بنتے ہیں

واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں بار بار یہ دعویٰ کیا ہے اور پوری قوت کے ساتھ اپنے متبعین کے ذہن نشین کرایا ہے کہ اُن کے علاوہ جو دینی حلقے یا دین کی خدمت کرنے والے ہیں اُن کے پاس بس دین کا کوئی جز یا کچھ اجزاء ہیں، وہ بس انہی کو لیے ہوئے ہیں، "کل دین" اور "خالص حق" کی دعوت لیکر وہی کھڑے ہوئے ہیں ـــــ پھر ۴۲ء والے اس بیان میں جو اوپر درج کیا گیا انھوں نے ایک قدم آگے بڑھا کے یہ بھی حکم لگا دیا کہ ہماری یہ دعوت دنیا کے جس حصہ میں بھی جن مسلمانوں کو پہنچ جائے اور وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کی پوزیشن وہ ہے جو قوم یہود کی تھی ـــــ یہی وہ باتیں ہیں جنھوں نے جماعت اسلامی کو واقعہ میں ایک "فرقہ" بنا دیا ہے ـــــ کوئی فرقہ اس اعلان کے ساتھ نہیں بنا کرتا کہ وہ "فرقہ" بن رہا ہے بلکہ اُس کے مخصوص دینی نظریات اور دعوے ہی اس کو "فرقہ" بنا دیتے ہیں ـــــ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ کل دین اور خالص حق صرف آپ کے پاس ہے

اور آپ ہی اس کی دعوت لیکر کھڑے ہوئے ہیں، آپ کے علاوہ دوسرے مسلمان اور اکابر علماء و مشائخ کے پاس جو دین ہے وہ جزوی ہے یا اس میں باطل کی آمیزش ہے۔ اور اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کریں، اگر قبول نہ کریں گے تو اُن کی پوزیشن وہ ہوگی جو قوم یہود کی تھی ——— تو آپ اپنے اور باقی امت مسلمہ کے درمیان تفریق و امتیاز کی لکیر کھینچ دیتے ہیں اور اس طرح آپ آپ ایک مستقل فرقہ بن جاتے ہیں۔ اگرچہ آپ ہزار بار اعلان کریں کہ ہم فرقہ نہیں ہیں اور ہم فرقہ بندی کے مخالف ہیں۔

قادیانیوں کی لاہوری شاخ کی مشہور و ممتاز شخصیت خواجہ کمال الدین نے غالباً یورپ کے کسی ملک کی کانفرنس میں تقریر کی تھی یا مقالہ پڑھا تھا، اس کا عنوان تھا "اسلام میں کوئی فرقہ نہیں"۔ اس کا اردو ترجمہ بھی کتابی شکل میں چھپا تھا۔ جو اس عاجز نے اب سے قریباً پچاس سال پہلے پڑھا تھا، میرا خیال ہے کہ مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے دوسرے صاحب مطالعہ حضرات کی نظر سے بھی گزرا ہوگا ——— اس میں انھوں نے اپنی جماعت (قادیانیوں کی لاہوری شاخ) کے متعلق یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ کوئی "فرقہ" نہیں ہے ——— لیکن کیا اس اعلان سے اس کے فرقہ ہونے کی حیثیت ختم ہو گئی۔

مجھے معلوم ہے کہ خود مولانا مودودی نے اور جماعت کے دوسرے حضرات نے بھی بار بار لکھا ہے کہ جماعت اسلامی "فرقہ" نہیں ہے، لیکن مذکورہ بالا مخصوص نظریات اور دعووں کے باوجود یہ لکھنا خواجہ کمال الدین کے اعلان سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

جماعت اسلامی کے بعض ترجمان حضرات نے "فرقہ" نہ ہونے کی دلیل کے طور پر یہ بات بھی بار بار لکھی ہے کہ ہم تو جماعت سے تعلق نہ رکھنے والے ہر مسلک کے مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں ہم "فرقہ" کیسے ہو سکتے ہیں ——— راقم سطور عرض کرتا ہے کہ یہ طرز عمل کہ ہر خیال اور ہر مسلک والوں کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے (اگرچہ معلوم ہو کہ اس کا عقیدۂ توحید بھی صحیح نہیں ہے ——— قبر پرست یا تعزیہ پرست ہے) مودودی صاحب اور "جماعت اسلامی" کی کل دین اور خالص حق کی دعوت پہنچ جانے کے بعد بھی اس نے اس کو قبول نہ کر کے بلکہ رد کر کے وہ پوزیشن اختیار کر لی ہے جو قوم یہود نے اختیار کی تھی "فرقہ" نہ ہونے کی دلیل تو کسی منطق کی رو سے نہیں ہو سکتی ہاں اس بات کی علامت ضرور

ہو سکتی ہے کہ نماز کو بھی "سیاست" بنا لیا گیا ہے۔ وہ مولانا مودودی صاحب کے پیچھے بھی پڑھی جا سکتی ہے اور مسٹر جناح جیسے کسی آغا خانی یا اسماعیلی کے پیچھے بھی علیٰ ہذا کسی تعزیہ دار یا قبر پرست کے پیچھے بھی۔ ظاہر ہے کہ یہ دینداری نہیں وہ کانداری ہے ـــــ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

آخر میں یہ عاجز محترم مولانا مودودی اور ان کے خاص رفقا اور ہندوستان پاکستان کی جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات سے اپنے قدیم تعلق ہی کی بنا پر عرض کرتا ہے کہ اس تحریر میں راقم سطور نے "دین کی بنیادی اصطلاحات کی نئی سیاسی تشریح اور "دین میں حکمت عملی" کے فلسفہ اور غلافِ کعبہ کی گشتی نمائش سے متعلق اور آخر میں ۱۹۴۴ء والے مندرجہ بالا بیان کے بارہ میں جو کچھ عرض کیا ہے اس پر غور فرمائیں، اپنی موت کے یقین اور آخرت کے محاسبہ کو پیش نظر رکھ کر غور فرمائیں ـــــ پھر اگر محسوس ہو کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ معاندانہ بہتان طرازی یا صرف غلط فہمی نہیں ہے بلکہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق ہے اور فتنہ اور ضلال کے جن خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے وہ صرف وساوس و اوہام نہیں ہیں بلکہ ان غلطیوں کے فطری اور لازمی نتائج ہیں تو رجوع کر کے اصلاح و تصحیح اور ضلال اور فتنہ سے خاص کر اپنے متبعین کی حفاظت کا فریضہ ادا فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت حاصل کریں ـــــ ان اللہ یحب التوابین ○

غالباً مولانا مودودی اور ان کے بہت سے رفقا کے علم میں بھی یہ معروف واقعہ ہو گا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو از خود یا کسی معترض اور ناقد کے اعتراض کے نتیجہ میں ایک زمانہ میں یہ احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان میں بہت غلطیاں بھی ضرور ہوں گی تو ایک اچھے صاحب نظر اور وسیع المطالعہ عالم دین مولانا حبیب احمد [illegible] کو، جو فطری طور پر سخت ناقد اور نکتہ چیں تھے، حضرت مولانا نے اپنی [illegible] سے معقول تنخواہ دے کر اس کام کے لیے مقرر کیا کہ وہ مولانا کی تصانیف کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیں اور جہاں کوئی غلطی محسوس کریں اس کی نشاندہی کریں ـــــ طویل مدت تک یہ کام ہوتا رہا اور اس کے نتیجہ میں تحقیق اور تبادلہ خیالات کے بعد حضرت تھانویؒ نے بہت سے مسائل میں اپنی سابقہ رائے اور تحقیق سے رجوع فرمایا اور اپنی تصانیف اور فتاویٰ میں بیسیوں جگہ تبدیلی یا ترمیم فرمائی اور اس کا

اعلان ضروری سمجھا۔ پھر اس سب کو ایک ضخیم کتاب کی شکل میں مرتب کرادیا جو "ترجیح الراجح" کے نام شائع ہو چکی ہے ـــــ بیشک حق پرستی اور خداترسی کا راستہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين وسلام على المرسلين وعلى سائر عباد الله الصالحين۔

حضرت عثمانؓ حضرت معاویہؓ

اور ـــ مولانا مودودی

جن دنوں میں یہ مضمون (مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت ـ اور اب میرا موقف)، جو اس شمارے پر ختم ہوا ہے، لکھا جا رہا تھا، راقم سطور نے انہی دنوں میں مولانا مودودی مرحوم کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کا مطالعہ کیا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعض حصوں کا مطالعہ بڑی قلبی اور روحانی تکلیف کے ساتھ کیا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ کس جذبہ اور کس مقصد نے ان سے اس انداز میں یہ کتاب لکھوائی، جس میں ان کا قلم حضرت عثمانؓ و حضرت معاویہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کے خلاف بڑی بیباکی سے چلا ہے ـــ اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ارادہ کر لیا تھا کہ اس مضمون کی تکمیل سے فارغ ہو کر ان شاء اللہ ایک دوسرا مضمون بعنوان "حضرت عثمان، حضرت معاویہ ـــ اور مولانا مودودی" لکھوں گا۔ مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد اس داعیہ میں کمزوری آ گئی ـــ ابھی تک نہیں لکھا جا سکا ـــ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ اس کو بھی جلدی ہی لکھ سکوں۔ جب بھی اللہ تعالیٰ نے لکھوا دیا ان شاء اللہ الفرقان کے ایک ہی شمارے میں شائع کر دیا جائے گا ـــ واللہ الموفق وهو المستعان

محمد منظور نعمانی

اضافہ

مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے مخلصین کی خدمت میں

جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے یہ عاجز جماعت کی تاسیس و تشکیل اور اس کی ابتدائی دعوتی اور تعمیری سرگرمیوں میں مولانا مودودی مرحوم کا اولین شریک و رفیق تھا اور مولانا کے بعد اس میں سب سے بڑا حصہ اس ناچیز ہی کا تھا جس کی کچھ تفصیل گزشتہ اوراق میں لکھی ہوئی سرگزشت میں بھی ذکر کی جا چکی ہے —— مجھے یقین ہے کہ میں مولانا مرحوم اور جماعت کے ساتھ تعلق کے اس فیصلہ اور عمل میں بتوفیق اللہ تعالیٰ مخلص تھا، کسی نفسانی غرض اور دنیوی مفاد کا تو اس وقت احتمال بھی نہیں ہو سکتا تھا، بس دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد کے ذریعہ اپنی آخرت سنوارنے ہی کی نیت تھی —— تو جس طرح اس عاجز کو اپنے بارہ میں یہ یقین ہے —— اسی طرح آپ حضرات کے بارہ میں بھی یہی نیک گمان ہے۔ اسی گمان کی بنا پر آپ ہی حضرات اور خود مولانا مرحوم کو پیش نظر رکھ کر یہ صفحات لکھے گئے تھے اور بعض باتیں خاص طور سے مولانا ہی کو مخاطب کر کے عرض کی گئی تھیں —— لیکن اللہ کی مشیت اور اس کی قضاء و قدر کا فیصلہ کہ اس کی طباعت و اشاعت سے پہلے ہی اُن کا وقت موعود آگیا اور وہ ہماری اس دنیا میں نہیں رہے، اپنے مالک کے حضور میں پہنچ گئے، جہاں ہم سب کو بھی حاضر ہونا ہے۔ اب ہم پر ان کا یہی حق ہے کہ ان کے لیے اور اپنے لیے بھی ہر قسم کی تقصیرات کی معافی اور مغفرت و رحمت کی اپنے اور اُن کے رب کریم سے دُعا کیا کریں —— اللہ تعالیٰ اس حق کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب مولانا مرحوم کے بجائے ان خاص معروضات کے مخاطب "جماعت اسلامی" کے وہ

عمائد و اکابر ہیں جن پر جماعت کے تمام متعلقین کے دین کی ذمہ داری ہے، اور بلاشبہ یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ وہ اس ذمہ داری اور مسئولیت کی اہمیت اور سنگینی کو محسوس فرمائیں۔

عاجز جانتا ہے اور عمر بھر کا ذاتی تجربہ بھی ہے کہ کسی دعوت اور مسلک کو اپنا لینے اور کسی خاص شخصیت یا جماعتی نظام اور حلقہ سے باضابطہ وابستہ ہو جانے کے بعد اس کی غلطی کو یا اس کے بارہ میں اپنی رائے کی غلطی کو محسوس کرنا اور اس احساس کے مطابق فیصلہ اور عملی اقدام کرنا بے حد مشکل کام ہوتا ہے اور غیر معمولی عزیمت کو چاہتا ہے اور یہ خدا پرستی اور اخلاص کا بڑا سخت امتحان ہوتا ہے۔

ماضی قریب کی بلکہ کہنا چاہئے کہ اپنے ہی زمانے کی روشن مثالیں ہماری آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور دوسرے مذاہب، خاصکر عیسائیت اور ہندو دھرم کے مقابلہ میں اس کی حقانیت اور برتری ثابت کرنے اور دنیا بھر میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے نام پر ایک خاص مدعیانہ انداز میں ایک کام شروع کیا تو اس کے لیے ابتدا میں ایک جماعت بنائی۔ اس دور میں مرزا صاحب کی طرف سے ایسی باتیں ظہور میں نہیں آئی تھیں جو مسلمانوں کے لیے موجب وحشت ہوتیں اور جن سے سمجھا جا سکتا کہ یہ آدمی دین کے معاملہ میں قابل اعتبار نہیں ہے، اس لیے اس زمانے میں بہت سے اچھے اچھے اصحاب علم و دانش مرزا صاحب کی دعوت پر لبیک کہہ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی جماعت میں شامل ہو گئے، اور مرزا صاحب سے انھوں نے پورا تعاون کیا بلکہ اس سلسلہ میں بڑی قربانیاں دیں —— پھر ایک وقت آیا کہ مرزا صاحب نے اپنے بارہ میں نئے نئے دعوے کرنے شروع کئے جن کی وجہ سے علمائے کرام ان کے خلاف اظہار رائے پر مجبور ہوئے اور عام مسلمانوں میں بھی ان سے وحشت بلکہ بیزاری پیدا ہوئی، لیکن ان کے "مخلص تابعین" کا حلقہ ان سب دعووں کو برابر بغیر تردد بلکہ کہنا چاہئے کہ ان پر ایمان لاتا رہا —— پھر اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب سے ایسی صریح غلطیاں صادر کرائیں جن سے وہ اور دو چار کی طرح اور روز روشن میں نصف النہار

کے سورج کی طرح یہ بات سب کی آنکھوں کے سامنے آئی کہ یہ آدمی راستباز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے میں بھی بڑا جری اور بیباک ہے ——— جس کی نہایت واضح اور ناقابل تاویل مثال محمدی بیگم کا شرمناک اور رسوا کن قصہ اور اس سلسلہ میں مرزا صاحب کی بار بار کی پیشین گوئیاں ہیں جو خدا کے الہام کا حوالہ دے کر انھوں نے کی تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو غلط ثابت کر کے ہر آنکھوں والے کو دکھلا دیا کہ یہ شخص الہام کے دعوے میں مفتری ہے۔ اس طرح کی اور بھی متعدد مثالیں ہیں ——— لیکن اللہ کی شان کہ مرزا صاحب کے "مخلص متبعین" میں سے مولوی محمد علی لاہوری ایم اے اور خواجہ کمال الدین جیسے اصحاب علم و دانش کو ان پیشین گوئیوں کا کذب و افترا علی اللہ ثابت ہو جانے کے بعد بھی توفیق نہیں ملی کہ وہ بیعت توڑ کے اُن کی جماعت کے حلقہ سے باہر آ جاتے حالانکہ جو شخص ان دونوں صاحبوں (مولوی محمد علی لاہوری اور خواجہ کمال الدین) کے حالات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ مرزا صاحب کے ساتھ وابستہ رہنے میں اُن کا کوئی دنیوی نفع نہیں تھا، خسارہ اور نقصان ہی تھا ——— اصل بات یہی ہے کہ کسی خاص مسلک اور حلقہ سے وابستہ ہو جانے کے بعد اس کی غلطی یا اس کے بارے میں اپنی رائے کی غلطی محسوس کر کے اس کے مطابق فیصلہ اور عملی اقدام کرنا بہت بڑا مجاہدہ اور بڑی غیر معمولی عزیمت کو چاہتا ہے اور یہ عزیمت انھی بندگان خدا کو نصیب ہوتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے عطا فرمائے۔

دوسری مثال "خاکسار تحریک" ہے، یہ تحریک اب سے صرف ۵۰-۵۴ سال پہلے ہمارے ہی ملک میں پنجاب سے اٹھی تھی، اُس کے بانی اور قائد و علمبردار ایک صاحب "علامہ عنایت اللہ مشرقی" تھے۔ ان کا دعویٰ اور نعرہ جس پر تحریک کی بنیاد تھی یہ تھا کہ اب تک کے سارے عالم اور مولوی اسلام، ایمان اور عمل صالح کی قرآنی دعوت کا جو مطلب سمجھتے اور بیان کرتے رہے ہیں وہ غلط اور بالکل غلط ہے، صحیح مطلب وہ ہے جو علامہ نے خود سمجھا ہے اور اپنی تصانیف "تذکرہ" وغیرہ میں پیش کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ بس مادی حیثیت سے طاقتور بنو، خالص عسکری زندگی اختیار کرو اور اس کے ذریعہ دنیوی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرو، جیسا کہ آج کی یورپین اقوام کا حال ہے۔ بس یہی اسلام، ایمان اور عمل صالح والی زندگی ہے۔ وہ برملا کہتے اور لکھتے تھے کہ فی زماننا اصلی "مومنین صالحین" انگریز وغیرہ یورپین اقوام ہیں جو اپنی طاقت سے دنیا کے بڑے حصہ پر حکمراں ہیں ———

مسلمانوں خاصکر نوجوانوں سے وہ کہتے تھے کہ سپاہیوں کی سی خاکی وردی پہنو، بیلچہ ہاتھ میں رکھو، اور اجتماعی قواعد پریڈ کیا کرو۔۔۔۔۔ بڑے بڑے شہروں میں خاکساروں کے کیمپ لگتے اور عسکریت کے مظاہرے ہوتے تھے اور نہایت ناعاقبت اندیشانہ انداز میں مسلمانوں میں جنگجویانہ ذہنیت پیدا کی جارہی تھی۔ بیچارے عام مسلمان اِن مظاہروں سے مسحور ہوتے اور سمجھتے تھے کہ علامہ مشرقی کی یہ خاکسار فوج ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کردے گی۔

یہ تحریک دینی حیثیت سے اور کتاب وسنت کی رو سے جتنی غلط اور عقل و دانش کے لحاظ سے جس قدر احمقانہ اور مہمل تھی افسوس ہے کہ نادان مسلم عوام اور خاصکر نوجوانوں کے لیے (جن پر جذباتیت کا غلبہ تھا) اُس میں اتنی ہی غیر معمولی کشش تھی، آندھی اور طوفان کی رفتار سے اُس وقت اسلامی ہند پر یہ تحریک چھا گئی تھی، ایسی فضا بن گئی تھی کہ علامہ مشرقی یا خاکسار تحریک کے خلاف بولنا یا لکھنا اپنے کو خطرہ میں ڈالنا تھا۔ اِس میں اُس وقت کے خاص سیاسی حالات کو بھی کچھ دخل تھا۔

اس تحریک کے انتہائی عروج کے اس زمانہ میں اللہ کی توفیق اور مدد سے راقم سطور نے قریباً سوا سو صفحہ کا ایک مضمون "خاکسار تحریک — دین اور سیاست کی روشنی میں" کے عنوان سے لکھا تھا جو الفرقان کے ایک ہی شمارہ میں شائع ہوا تھا، پھر وہ اسی نام سے کتابی شکل میں بھی شائع ہوا، رفیق محترم مولانا علی میاں نے اُس کتابی اڈیشن کے لیے نہایت موثر فاضلانہ مقدمہ لکھا، اور آخر میں خاتمہ کلام کے طور پر "خاکسار تحریک" اور علامہ مشرقی سے متعلق مرحوم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ایک مضمون شامل کیا گیا تھا جو اس موضوع پر ان کا بہترین مضمون تھا۔ (جماعت اسلامی کی تاسیس سے قریباً دو سال پہلے کی بات ہے)

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد دو اور دو چار کی طرح یہ بات سامنے آجاتی تھی کہ علامہ مشرقی جس چیز کو اسلام کے نام سے پیش کر رہے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اور قرآن کا پیش کیا ہوا اسلام نہیں بلکہ جرمنی کے ہٹلر اور اٹلی کے مسولینی کا "دین" ہے اور ان کی تحریک سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانانِ ہند کے لیے تباہ کن ہے اور خدانخواستہ اس کے نتیجہ میں اسلامیانِ ہند کسی بہت برے انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ یہ تحریر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، استدلال کی قوت، بیان

کی وضاحت اور تاثیر کے لحاظ سے میری ساری تحریروں میں ممتاز تھی، اور مولانا علی میاں اور مولانا مودودی کی تحریروں کے شامل ہو جانے سے وہ کتاب بہت ہی موثر ہو گئی تھی —— متعدد اصحاب نظر نے اس کو پڑھ کر یہ رائے ظاہر کی تھی کہ جو "خاکسار" اس کو پڑھے گا۔ اگر اُس میں کچھ بھی سمجھ اور صلاحیت ہو گی تو علامہ مشرقی اور ان کی تحریک سے قطع تعلق پر مجبور ہو جائے گا —— لیکن جہاں تک یاد ہے، اُس وقت مجھے دو چار کے بارہ میں بھی معلوم نہیں ہوا کہ انھوں نے اس کو پڑھ کر ایسا فیصلہ کیا ہو۔

بہرحال قادیانیت کی طرح خاکسار تحریک کا تجربہ بھی یہی ہے کہ جو شخص اُس سے وابستہ ہو گیا، اُس نے خاکی وردی پہن لی اور بیلچہ ہاتھ میں لے لیا تو پھر اس کو اپنی غلطی محسوس کرنے کی اور باز گشت کی توفیق شاذ و نادر ہی ملی —— پھر اللہ نے ایسا کیا کہ تحریک گویا خودکشی کر کے ختم اور پھر دفن ہو گئی۔ "وکفی اللّٰہ المومنین القتال"۔[1]

یہاں قادیانیت اور خاکسار تحریک کے ذکر سے ہرگز کسی کو یہ وسوسہ نہ ہو کہ راقم سطور کے نزدیک جماعت اسلامی اور اس کی تحریک، قادیانیت اور خاکسار تحریک کے درجہ کی گمراہی ہے —— یہ عاجز اس طرح کے غلو سے اللہ کی پناہ چاہتا ہے —— جیسا کہ ظاہر ہے ان دونوں جماعتوں اور تحریکوں کا ذکر یہاں اس واقع اور تجربے کی چشم دید مثال اور شہادت

---

[1] جیسا کہ عرض کیا گیا یہ تحریک آندھی اور طوفان کی رفتار سے بڑھی تھی، علما کے فتوے، معترضین کی تحریریں ترجمان القرآن اور الفرقان جیسے دینی رسائل کے مضامین اور اس طرح کی ساری اصلاحی کوششیں مسلم عوام اور خاص کر نوجوانوں کو اس غلط تحریک سے روکنے میں بہت ہی کم اثر انداز ہوئی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ظہور میں آیا کہ خود علامہ مشرقی ہی کے ناعاقبت اندیشانہ رویہ نے اپنے اس رواں دواں جہاز کو سمندر میں ڈبو دیا —— دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی، پنجاب میں سر سکندر حیات خاں کی وزارت تھی، علامہ اور ان کی فوج نے ایک مرحلہ پر حکومت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا، ایک موقع پر بیلچوں سے پولیس والوں پر حملہ آور ہوئے سر سکندر حیات خاں نے پولیس والوں کو پوری طاقت استعمال کرنے کا حکم دیدیا۔ پھر انھوں نے بڑی بیدردی سے خاکساروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا، بس لاہور کے اس تصادم اور ٹکراؤ کے نتیجہ میں وہ تحریک جو بظاہر پورے ملک پر چھائی ہوئی تھی پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ گئی اور ایسی ختم ہوئی کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لوگ اس کو بالکل بھول گئے۔

ہی کے طور پر کیا گیا ہے کہ کسی خاص دعوت و مسلک اور کسی مخصوص نظام جماعت سے باضابطہ وابستگی کے بعد (اور مولانا مودودی مرحوم کے خاص الفاظ میں اپنی گردن میں اس کا قلادہ ڈال لینے کے بعد) اس کی غلطی کو محسوس کرنا اور اس احساس و ادراک کے مطابق فیصلہ اور عملی اقدام کرنا بڑا سخت مجاہدہ اور بہت ہی مشکل کام ہوتا ہے اور بڑی بے لاگ خدا پرستی اور غیر معمولی عزیمت کو چاہتا ہے۔ راقم سطور کو خود بھی اس کا تجربہ ہے بقول جگر مرحوم

"اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں"

لیکن الحمد للہ جماعت اسلامی کی تاریخ اس لحاظ سے ایسی تاریک اور مایوس کن نہیں ہے بلکہ بڑی تابناک اور اچھی امیدوں کا بڑا سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ قادیانیت اور خاکسار تحریک کے برعکس یہاں کا حال یہ ہے کہ ایسے حضرات کی اچھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے مولانا مودودی کی دعوت پر پورے اخلاص کے ساتھ لبیک کہہ کے جماعت کے ساتھ وابستگی اختیار کی اور اس کی خدمت و تعمیر میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے علمی و عملی امتیاز اور جماعت کے کام میں سرگرمی اور اس کی راہ میں قربانی کے لحاظ سے اُن کو جماعت میں بلکہ جماعت کی صف اول میں بلند ترین مقام حاصل تھا۔ ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جن کو مولانا مودودی نے اپنی عدم موجودگی کے مختلف مواقع پر اپنی جگہ جماعت کا امیر نامزد کیا تھا —— لیکن جب کسی مرحلہ پر یہ بات کھل کر ان کے سامنے آگئی اور ان کو یقین ہو گیا کہ مودودی صاحب اب غلط راستے پر جا رہے ہیں اور جماعت بھی اُن کے ساتھ اسی راستہ پر چل رہی ہے اور اصلاح کے لیے اور صحیح راستہ پر آنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو انھوں نے موصوف سے اور "جماعت" سے تعلق منقطع کر لینا شہادتِ حق کا تقاضا اور اپنا دینی فریضہ سمجھا۔ اور اللہ کی توفیق سے یہ نہایت کڑوا گھونٹ پی لیا۔ اس کی مثال میں جماعت اسلامی پاکستان کے اکابر و خواص میں سے مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا حکیم عبد الرحیم اشرف، مولانا عبد الغفار حسن (حال استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) غازی عبد الجبار صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جیسے حضرات کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اور ہندوستان کی جماعت اسلامی کے ممتاز ارکان مولانا وحید الدین خاں صاحب (مدیر الرسالہ دہلی) اور مولانا حکیم ابو الحسن عبید اللہ خاں صاحب رحمانی (مقیم کشمیر) کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ یہ سب

وہ حضرات ہیں جو طویل مدت تک جماعت اسلامی کے صف اول کے ارکان اور اس کے سرگرم داعی بلکہ قائد و رہنما رہے تھے۔

ان حضرات کے علاوہ خود اس عاجز کی اس سلسلہ کی سرگزشت آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ اسی کے ضمن میں مولانا سید محمد جعفر ندوی پھلواروی کے جماعت کے ساتھ تعلق اور پھر قطع تعلق کا ذکر بھی آچکا ہے۔ موصوف بھی جماعت اسلامی کی تاسیس میں شریک اس کے بانیوں اور "السابقون الاولون" میں سے تھے۔ اور ملک کے ایک پورے منطقہ کے لیے نائب امیر بھی نامزد کیے گئے تھے۔ انہی کے ساتھ قمر الدین خاں صاحب ایم۔ اے علیگ کے تعلق اور قطع تعلق کا ذکر بھی سرگزشت کے ضمن میں آچکا ہے یہ بھی جماعت کی تاسیس میں شریک، اُس کے بڑے پرجوش کارکن اور عہدہ کے لحاظ سے جماعت کے پہلے قیم تھے ——— رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری بھی جماعت کے صرف رکن نہیں بلکہ اُس کے اکابر اور رہنماؤں میں سے تھے۔ سرگزشت کے ضمن میں مولانا بختیاری کے بارہ میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ پورے جنوبی ہند کے لیے وہ جماعت کے نائب امیر بنائے گئے تھے۔ ان دونوں حضرات کی سرگزشت بھی یہی ہے کہ ایک مدت کے بعد جب اس نتیجہ پر پہونچے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے میں ہم سے غلطی ہوئی اور اس میں دینی نفع نہیں خسارہ ہے تو قطع تعلق کا فیصلہ کرلیا۔ جو اُس وقت ان حضرات کے لیے یقیناً بڑا ہی کڑوا گھونٹ تھا۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ہیں جو جماعت اسلامی سے وابستہ تھے، مدت تک وابستہ رہے اور پھر دین ہی کی بنیاد پر انھوں نے اپنے کو الگ کرلیا[1]۔ لیکن راقم سطور نے یہاں صرف انہی حضرات کا ذکر مناسب سمجھا ہے جو جماعت کے قائدین اور رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے بلکہ ان میں سے اکثر کے متعلق واقفین جانتے ہیں کہ مولانا مودودی صاحب کے علاوہ جماعت میں کوئی دوسری شخصیت ان کے درجہ کی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ نہ ہندوستان میں نہ پاکستان میں ——— اس موقع پر خود مولانا مودودی کی ایک شہادت کا یاد دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

[1] "سرگزشت" میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ جس زمانہ میں جماعت اسلامی پاکستان کے اکابر اور ارباب حل وعقد میں سے مولانا اصلاحی، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب وغیرہ نے قطع تعلق کیا تھا اُس وقت قریباً نشر ارکان نے استعفادیا تھا۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جماعت اسلامی کے بالکل ابتدائی دور میں جن اہل علم حضرات کی طرف سے شدت کے ساتھ اختلاف کا اظہار کیا گیا ان میں ایک مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم بھی تھے، اس سلسلہ کی ان کی اور بعض دوسرے اکابر اہل علم کی بھی تحریریں ناظرین کو یہ تاثر دیتی تھیں کہ مودودی صاحب جس طرف جا رہے ہیں وہ زیغ وضلال اور فتنہ کا راستہ ہے ——— تو اسی زمانہ میں مولانا مودودی نے اپنے رفقائے جماعت میں سے اس عاجز راقم سطور، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری، مولانا سید جعفر صاحب پھلواروی کا نام بنام ذکر کر کے گویا اپنی صفائی میں تحریر فرمایا تھا کہ

"ان میں سے کون ایسا ہے جس کے متعلق کوئی اللہ کا بندہ، اللہ کو سمیع وبصیر سمجھتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ کبھی اہل زیغ وضلال میں سے رہے ہیں یا فتنے کی طرف کبھی اُن کا میلان رہا ہے۔ یا علمی وعملی بدراہیوں میں یہ بھٹکتے رہے ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں نہ سہی طبقہ ثانیہ میں تو شاید ان لوگوں کا شمار ہندوستان کے بہترین اشخاص میں ہو سکتا ہے۔"

(ترجمان القرآن جنوری فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۳)

لیکن اللہ کی شان جیسا کہ معلوم ہو چکا ان سب ہی حضرات نے مختلف اوقات میں جماعت سے قطع تعلق کیا اور دین ہی کی بنیاد پر کیا اور ان میں سے ایک بھی مودودی صاحب کے ساتھ نہیں رہا ——— ظاہر ہے کہ جماعت اسلامی کے مخلصین کے لیے یہ بات بہت سوچنے کی ہے فہل من مدکر؟

الغرض جماعت اسلامی کی تاریخ نہ صرف قادیانیت اور خاکسار تحریک کے مقابلہ میں بلکہ جہاں تک راقم کا مطالعہ ہے قریباً ۱۳-۱۴ سو سال کی مدت میں امت مسلمہ میں اٹھنے والی ساری تحریکوں اور فرقوں کے مقابلہ میں اس لحاظ سے بہت ہی ممتاز بلکہ منفرد ہے کہ جو حضرات اس کی تاسیس اور پھر تعمیر وخدمت میں پوری سرگرمی سے شریک رہے تھے اور جن کی قربانیاں اس راہ میں کسی دوسرے سے کم نہیں تھیں، وہ اس کے سابقون الاولون اور جماعت کے اہل حل وعقد میں سے تھے اور جن کی دینی بصیرت اور حق پرستی وتقویٰ شعاری جماعت کے اندر اور باہر بھی مسلّم ومعروف تھی اور جماعت کے لیے جن کے تعلق کو جماعت کے برحق ہونے کی علامت اور دلیل سمجھا اور کہا جاتا تھا ان سب ہی نے مختلف اوقات میں جماعت سے قطع تعلق کیا اور کتاب وسنت کی روشنی

میں اپنے لیے جماعت سے وابستہ رہنے کا جواز نہیں سمجھا کیونکہ انھوں نے مودودی صاحب میں اور اُن کے اثر سے پوری جماعت کے مزاج میں دینی لحاظ سے زیغ و انحراف محسوس کیا۔ ان میں سے بعض حضرات نے امکانی حد تک اصلاح حال کی کوشش اور اتمام حجت کر کے مایوس ہونے کے بعد یہ فیصلہ کیا۔[۴۴]

بہرحال جماعت اسلامی کی اس تاریخ اور اس امتیاز کو پیش نظر رکھ کر ہی یہ عاجز جماعت سے تعلق رکھنے والے تمام مخلصین اور خاص کر اس کے عمائد اور ذمہ داروں کی خدمت میں اپنی یہ معروضات پیش کر رہا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اس سلسلۂ مضمون میں مولانا مودودی مرحوم کی جن چند سنگین اور خطرناک غلطیوں کے بارہ میں اس عاجز نے گفتگو کی ہے، خدارا اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں جوابدہ سمجھ کر غور فرمائیے کہ کیا دینی لحاظ سے ان کے سنگین اور خطرناک اور موجب فتنہ ہونے میں کوئی شک شبہ ہے!

---

[۴۴] مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے (جو جماعت اسلامی پاکستان کے بلکہ اس کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین اور ممتاز رہنماؤں میں تھے اور ان کا ہفتہ وار "المنیر" لائل پور سالہا سال تک جماعت کا گویا آرگن اور سرگرم داعی رہا تھا) انھوں نے جماعت سے مستعفی ہونے سے پہلے اور اس کے بعد (۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۸ء میں) جو مضامین "المنیر" ہی میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت کے غلط رویہ اور انحراف کے بارہ میں لکھے اُن سے اس سلسلہ کی پوری تفصیلات سامنے آجاتی ہیں — ان کے علاوہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا بھی ایک طویل مکتوب مئی ۱۹۵۸ء میں پاکستان کے بعض اخبارات میں شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے بہت تفصیل سے لکھا تھا کہ انھوں نے اصلاح کی کیا کیا کوششیں کیں اور پھر کس طرح مایوس ہو کر جماعت سے مستعفی ہوئے۔ مولانا اصلاحی کا یہ مکتوب پاکستانی اخبارات ہی کے حوالہ سے نقل ہو کر "سہ روزہ مدینہ بجنور" کی ۵ رجون ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں بھی شائع ہوا تھا — ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تصنیف "تحریک جماعت اسلامی — تحقیقی مطالعہ" اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب ہے — مولانا وحید الدین خاں صاحب کی "تعبیر کی غلطی" اور "دین کی سیاسی تعبیر" بھی اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل مطالعہ ہیں۔ مولانا حکیم عبیداللہ خاں صاحب (مقیم کشمیر) قریباً ۲۰ سال تک جماعت اسلامی کے سرگرم داعی رہے، اس کے بعد جب انھوں نے مولانا مودودی صاحب اور ان کی پیروی میں جماعت اسلامی میں زیغ و ضلال اور صراط مستقیم سے انحراف محسوس کیا تو قطع تعلق کر لیا اور اظہار حقیقت و اتمام حجت کے لیے "اسلامی سیاست یا سیاسی اسلام" کے نام سے پورے تین سو صفحے کی کتاب لکھی جو شائع ہو چکی ہے۔ ۴۴

---

۴۴ : واقعہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے علاوہ کسی جماعت اور تحریک کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملے گی کہ اس کے صف

جو حضرات جماعت اسلامی اور مولانا مودودی مرحوم کے ساتھ اس عاجز کے تعلق کی تاریخ سے واقف ہیں اُن کے علم میں ہوگا، اور خود راقم سطور نے "سرگزشت" میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے، کہ جماعت سے قطع تعلق کے بعد طویل مدت تک اس ناچیز کا حال یہ رہا کہ مودودی صاحب پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے میں چونکہ دیانت داری سے ان کو غلط فہمی پر مبنی سمجھتا تھا اس لیے خود ان کی طرف سے مدافعت اور جوابدہی کرتا تھا —— جماعت سے میرے قطع تعلق کے قریباً آٹھ دس سال بعد کا ۵۱ء کا واقعہ ہے اُس زمانے میں بعض حضرات کی طرف سے ایسی تحریریں شائع ہوئیں جن میں مودودی صاحب پر اعتراضات تھے تو میں نے ذیقعدہ ۷۰ھ (اگست ۵۱ء) کے الفرقان میں مولانا موصوف کی طرف سے جوابدہی کی تھی اور صفائی پیش کی تھی۔

لیکن راقم سطور نے اس سلسلۂ مضمون میں جن چند غلطیوں پر گفتگو کی ہے میں غور و فکر کے بعد بھی ان کی کوئی تاویل اور کوئی توجیہ نہیں کر سکا میں اپنے خدا کے سامنے عرض کر سکوں گا کہ میں نے کتاب و سنت کی روشنی میں ان غلطیوں کو دین میں زیغ و ضلال اور فتنہ ہی سمجھا تھا —— اور اسی لیے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ پوری وضاحت کے ساتھ اپنا مافی الضمیر آپ حضرات کے سامنے پیش کر دوں۔

اگرچہ جماعت کے مزاج سے واقفیت اور ذاتی تجربہ کی بنا پر قریب بہ یقین اندازہ ہے کہ جماعت کے اہل قلم کی طرف سے اس کا جواب نہیں، بلکہ جوابات دیے جائیں گے۔ لیکن میں پیشگی عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے جواب کے لیے نہیں لکھا بلکہ اپنی عمر کے پیش نظر موت کا وقت قریب سمجھتے ہوئے شہادتِ حق، براءت ذمہ اور اصلاح کی امکانی کوشش کا فریضہ ادا کرنے ہی کی نیت سے لکھا ہے —— اس کے آگے معاملہ بس خدا کے سپرد ہے۔

فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ

محمد عارف لاہور

دنیائے اسلام کی اوّلین درسگاہ

اسلام کی درخشندہ تاریخ میں یوں تو صدہا مدرسے اپنی آب و تاب کے اعتبار سے لازوال حیثیت رکھتے ہیں مگر ان میں درس گاہ نبوی "مدرسۃ الصفہ" کو اولیت اور اولویت کے اعتبار سے جو تفوق و امتیاز حاصل ہے وہ کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔ مدرسہ صفہ کو اگرچہ کسی معروف طرز کی درسگاہ کے معیار پر نہیں جانچا جا سکتا مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس میں موجودہ مدارس و خانقاہی نظام کے لیے بہت سی قابل تقلید مثالیں موجود تھیں۔ جن کی بعد کے زمانے میں تقلید کی گئی۔ اس لحاظ سے "مدرسۃ الصفہ" ایک بے مثال اور بے نظیر درسگاہ قرار دی جا سکتی ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے استفادہ کرنے والے ہزاروں تھے۔ ان میں اہل و عیال والے بھی تھے اور مجرّد بھی، مالدار بھی تھے اور نادار و مفلس بھی، گھروں اور جائیداد والے بھی تھے اور بے گھر بھی، الغرض ہر نوع اور ہر صنف کے افراد کشاں کشاں شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے تھے مالدار اور اہل و عیال والے تو اپنے اپنے گھروں میں رہائش پذیر تھے مگر بے گھر اور مفلس و نادار لوگ کہاں جاتے ان کے لیے تو نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن والی بات تھی، یہی لوگ تھے جن سے صفہ کی بنیاد پڑی اور جنھوں نے اپنے وطنوں، گھروں اور جائدادوں پر مسجد نبوی کے اس گوشے کو ترجیح دی تھی۔

لفظ صُفّہ کی تحقیق | صفہ اس چبوترے کو کہا جاتا ہے جس پر گھاس پھوس کی چھت ہو[1] دوسرے لفظوں میں اسے سائبان بھی کہا جا سکتا ہے[2] اس کے

---

[1] ابن منظور، لسان العرب بذیل مادہ ص ف ف
[2] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی،

باقاعدہ آغاز و ابتدا کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملتی۔ تاہم قیاس کہتا ہے کہ اس کا آغاز مسجد نبوی کے ساتھ ہی ہو گیا ہو گا۔ کیونکہ ہجرت کے فوراً بعد عرب کے گوشہ گوشہ سے ایسے نادار و مفلس لوگوں کے قافلے پہنچنے شروع ہو گئے تھے جن کی رہائش کے لیے مسجد نبوی کا یہ گوشہ ہی موزوں ہو سکتا تھا۔ اس کا محل وقوع مسجد نبوی کا شمالی سرا تھا۔

اہل الصفہ

اہل الصفہ میں ایسے مہاجر شامل ہوتے تھے جن کا مدینہ منورہ میں کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ ان کے لیے آپ نے مسجد نبوی کے شمالی سرے پر ایک سائبان اور نیچے ایک چبوترہ تعمیر فرما دیا تھا، جو ان حضرات کے بیٹھنے لیٹنے اور ذکر و اذکار کرنے کے کام آتا تھا۔ اصحاب الصفہ کو احادیث میں اضیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) کہا گیا ہے[1]۔ یہ اسلام کے مہمان درحقیقت آپؐ کے مہمان تھے ان کے خورد و نوش اور دیگر مصارف کا انتظام آپؐ کے ذمے تھا۔ آج بھی مدارس عربیہ اسلامیہ کے طلباء کرام اس حدیث نبوی کے مطابق اضیاف الاسلام یا اضیاف النبی ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔

داخلہ کے لیے سوائے خانماں برباد ہونے کے کوئی شرط نہ تھی، گویا عشاق نبوی کے لیے پہلی شرط یہی تھی ؎

در رہِ منزل لیلیٰ خطر ہاست بجاں
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

تاہم علوم اسلامیہ کی تحصیل و طلب کا شوق مہمیز و محرک کا کام دیتا تھا، ایک دفعہ جس کا داخلہ ہو جاتا وہ اس وقت تک اس درسگاہ کا طالب علم رہتا جب تک (۱) اس کی شادی ہونے کی صورت میں رہائش کا بندوبست نہ ہو جاتا (۲) کسی جگہ تبلیغ و تعلیم کے لیے مبلغ اسلام کی مانگ آتی تو آپ انہی سے انتخاب کر کے کسی آدمی کو بھیج دیتے تھے۔

تعلیم و تربیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات کی تعلیم و تربیت کا خصوصی خیال رہتا تھا۔ آپ کو جب بھی فرصت ملتی تو آپ اُن کے پاس تشریف لے جاتے اور بذاتِ خود ان کی تعلیم و تربیت فرماتے رہتے، یہ حضرات بھی جو آپ کے عشق و محبت کا نمونہ تھے آپ کی مجلس میں ہمیشہ شریک رہتے اور جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے سنتے اسے

---

[1] [illegible] مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۵۱۰

اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے آپ کو کوئی عمل کرتا دیکھتے تو بعینہ اس کی اتباع کرتے جب آپؐ تشریف فرما نہ ہوتے تو قرآن پڑھتے، مسائل سیکھتے، علمی مباحثے کرتے۔ ذکر و اذکار میں مصروف رہتے۔ ان کے ذکر و فکر کی مجلسوں کو ہمیشہ تحسین کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ قرآن کریم میں ان کی مدح سرائی کی گئی۔ ایک مقام پر آپ کو ان کی مجالس کا التزام کرنے کی نصیحت فرمائی گئی ہے[1] آپ کے علاوہ دوسرے معلم کبھی (مثلاً حضرت ابیؓ بن کعبؓ سید القراء، حضرت عبادہؓ بن الصامتؓ نقیب انصار) ان کی تعلیم پر مامور تھے۔ ان میں سے جو طلباء قرآن کریم کے کچھ حصّوں کو یاد کر لیتے انھیں "قاری" کا لقب دیا جاتا تھا۔ جب کبھی کہیں کسی معلّم و مبلّغ اسلام کی مانگ آتی آپ انہی صحابہ کو روانہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ۴ھ میں ایک سردار قبیلہ کی خواہش پر آپ نے دس صحابہ کی جماعت کو روانہ فرمایا جنہیں رجیع کے مقام پر شہید کر دیا گیا۔ اسی سال ماہ صفر میں بنو کلاب کے سردار ابو براء بن مالک الکلابی کی درخواست پر آپ نے ستر قراء کی ایک جماعت کو المنذر بن عمر بن خنیس الساعدی الخزرجی کی زیر قیادت نجد کے علاقے کی طرف بھیجا جنھیں بنو کلاب کے سردار عامر بن الطفیل نے بنو سلیم کے دو سو جنگ جوؤں کی مدد سے شہید کر دیا۔ ان دو واقعات نے ذات رسالت کے صبر و سکون کو ہلا کے رکھ دیا اور آپ مسلسل ایک مہینہ تک ان شقی القلب لوگوں کے حق میں فجر کی نماز میں بددعا فرماتے رہے۔

یہ حضرات زہد و ورع تقویٰ و طہارت کا احسن ترین نمونہ تھے یہی وجہ ہے کہ تصوف و زہد کی کتابوں میں انھیں زہد و تقویٰ کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے تقویٰ و طہارت کی حقیقی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے انہی حضرات کی مثالوں کو پیش نظر رکھا ہے[2] تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ صوفی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے کردار میں اصحاب صفہ سے مشابہ ہو[3]

---

[1] سورۃ ۱۸ (الکہف ۲۸) اور اس کے ذیل میں کتب تفاسیر [2] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ج ۱ ص
[3] رسالہ فی اہل الصفہ در مجموعہ من الرسائل و المسائل، طبع قاہرہ ۱۳۴۹ھ، اردو ترجمہ از عبدالرزاق ملیح آبادی طبع لاہور ۱۹۳۲ء۔ [4] الکلابادی۔ التعرف، باب اوّل ص ۵

خوردونوش کے مصارف

چونکہ یہ حضرات بے گھر اور بے اہل وعیال تھے اور ان کے ساتھ ساتھ اکثر ایسے تھے جو دنیا جہان کے دھندوں سے یکسو رہتے تھے (جبکہ بعض مشاغل دینی کے ساتھ ساتھ کاروبار بھی کرتے تھے) ان کے خوردونوش کے لیے کوئی متعین بندوبست نہ تھا۔ کبھی یہ ہوتا کہ کچھ حضرات ان میں سے جنگل چلے جاتے اور تمام دن لکڑیاں چنتے۔ شام کو لا کر بازار میں فروخت کر دیتے اور اس طرح قیمت سے کھانے کا بندوبست ہو جاتا۔

آپؐ کے پاس جو تحائف اور ہدایا آتے وہ آپ ان کے پاس پہنچا دیتے۔ کھانے کے لیے ایک اور بندوبست بھی تھا، وہ یہ کہ آپؐ مالدار صحابہؓ کے درمیان ان کو بانٹ دیتے۔ آپؐ فرماتے کہ اگر کسی کے پاس ایک آدمی کا کھانا ہے تو وہ دو آدمی لے جائے اور جس کے پاس دو کا کھانا ہے وہ چار کو لے جائے۔ الی آخرہ۔ حضرت سعد بن عبادہ ایک ایک وقت میں اسّی اسّی آدمیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ مگر اس کے باوجود مستقل انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو مسلسل فاقے سہنے پڑتے تھے۔ بعض اوقات کئی کئی روز تک ان کے منہ میں کچھ نہ جاتا۔ ایسی صورت میں بھوک اور نقاہت کی وجہ سے یہ حضرات بے ہوش ہو ہو کر گر پڑتے، نماز کے دوران غشی پڑ جاتی، پیٹ جسم سے لگ جاتا، مگر اس کے باوجود کسی کے سامنے ان کو دست سوال دراز کرتے نہ دیکھا گیا۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ "ان کو ناواقف آدمی سوال سے احتراز کرنے کی وجہ سے غنی (مالدار) سمجھتا ہے، [illegible] کے چہرے سے ان کی بھوک کو پہچان لیتا ہے، (لیکن) وہ کسی سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"[1] حضرت ابوہریرہؓ بھی انہی حضرات میں شامل تھے۔ ایک دفعہ ان کی حالت بھوک کی وجہ سے نازک ہو گئی۔ انھوں نے ایک علمی سوال کے بہانے سے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کو روکنا چاہا مگر وہ ان کے کنایہ سے مطلع نہ ہوئے۔ بالآخر آپؐ تشریف لائے تو حضرت ابوہریرہؓ کے مطلب سے آگاہ ہوئے تو اپنے ساتھ لے گئے اور دودھ کے ایک پیالے سے جو کہیں سے ہدیۃً آیا تھا حیرت انگیز طور سے ستر آدمی اور خود ابوہریرہؓ اور بعد میں خود ذات رسالت سیراب ہو گئے۔[2] یہ حضرات نیکی و پارسائی

---

[1] سورہ ۲ (البقرہ) ۲ : ۲۷۳ — [2] معین الدین ندوی، سیر الصحابہ مہاجرین ج ۲ بذیل ابوہریرہؓ

کے ساتھ ساتھ استقلال اور پامردی کا بھی بہترین نمونہ تھے۔

تعداد ان حضرات کی تعداد وقتاً فوقتاً گھٹتی بڑھتی رہی۔ کم سے کم تعداد ۱۰ اور زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ (چار سو) بیان کی جاتی ہے[1]۔ مرتضیٰ الزبیدی نے تحفۃ اہل الزلفۃ فی التوسل باہل الصفۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں ترانوے صحابہ کا ذکر کیا گیا تھا۔ علامہ سیوطی نے اپنے ایک رسالے میں تقریباً سو صحابہ کا ذکر کیا ہے[2]۔ ان میں چند بزرگوں کے اسماء یہ ہیں۔ ابوہریرہؓ، ابولبابہ، واثلہ بن الاسقع، ابوذر غفاری، قیس غفاری، عبدالرحمن بن کعب الاصم، جرہد بن رزاح الاسلمی، ابوطلحہ بن عبداللہ النضری اللیثی، البراء بن مالک وغیرہ[3]۔ یہ حضرات یک وقت مدینے میں نہیں آئے تھے بلکہ بتدریج آتے رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا سال قدوم ۷ھ ہے۔ دوسرے صحابہ بھی اسی طرح متفرق سالوں میں تشریف لاتے رہے۔

نصاب اہل الصفہ جیسا کہ ابتدا میں اشارہ کیا گیا تھا کہ گو یہ رسمی طرز کا مدرسہ نہ تھا مگر اس میں ابتدائی مدارس کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں مثلاً یہ کہ طلبا دور دراز سے آتے تھے۔ ان کے لیے دارالاقامہ (BOARDING HOSE) الصفہ مسجد کے صحن کے شمالی سرے پر تعمیر کیا گیا۔ ان کا مقصد قدوم سوائے حصول تعلیم کے کچھ نہ تھا۔ ان کے لیے باقاعدہ پڑھانے والے متعین تھے ان کے لیے باقاعدہ ایک نصاب ـــــــ (COURSEOPEDUCAT.ION) متعین تھا جس کی انھیں تعلیم دی جاتی تھی اور فارغ التحصیل طلبہ کو لفظ "قاری" (TITLE) ملتا تھا۔ نصاب تعلیم میں قرآن کریم کی تعلیم کو اولین اہمیت حاصل تھی۔ اس درسگاہ میں سب سے زیادہ زور قرآن کریم پر ہی دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم ابھی پورا نہیں اترا تھا۔ اس کے کچھ حصے ہی ابھی نازل ہوئے تھے اس لیے جوں جوں قرآن نازل ہوتا یہ حضرات اسے اپنے سینوں میں جگہ دیتے رہتے۔ لفظی تعلیم کے ساتھ ساتھ معنوی تفسیر و تعلیم کا بھی سلسلہ

---

[1] تاج اللغات بذیل مادہ ص۔ ف۔ ف) [2] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، بذیل صُفّہ
[3] الہجویری، کشف المحجوب — شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، بذیل واقعہ غزوۂ بدر۔

جاری رہتا۔ اس میں مہارت ہی درحقیقت ان کی کامیابی کی ضمانت ہوتی تھی۔

دوسرے درجے میں احادیث نبویہ کو اہمیت حاصل تھی گو کہ اس کی تحریری صورت موجود نہ تھی مگر ان کے سامنے خود ذات رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جن کی مجلس دن رات میں نور و عرفان کی بارشیں برساتی تھی۔ یہ حضرات [illegible] دن ان سے کسب فیض کرنے میں مصروف رہتے تھے اور اس بارے میں ایک ذرا سی بھی غفلت نہ کرتے تھے۔

اس کے علاوہ فن کتابت کی تعلیم بھی ان حضرات کو دی جاتی تھی۔ اساری بدر کو آپ نے رہائی کی منجملہ شرائط میں سے ایک یہ شرط بھی پیش کی [illegible] کہ دس آدمیوں کو کتابت سکھا دو تو آزاد ہو جاؤ۔ تو اس طرح متعدد لوگوں کو فن کتابت کی تعلیم دی گئی۔

الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم نمبر ۴ دیکھئے قاعدہ نمبر ۸)

مقام اشاعت ــــــــــ لکھنؤ

وقفہ اشاعت ــــــــــ ماہانہ

اڈیٹر، پرنٹر، پبلشر اور پروپرائٹر کا نام ــــ محمد منظور نعمانی

قومیت ــــــــــ ہندوستانی

پتہ ــــــــــ ۳۱، نیا گاؤں مغربی، لکھنؤ ۱

میں محمد منظور نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

(دستخط) محمد منظور نعمانی

یکم مارچ سنہ ۱۹ء

جناب عبدالرؤف ظفر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ

(سیر و سوانح اور افکار و عقائد)

دُنیا کی تمام زندہ قومیں اپنے مشاہیر کی یاد سے اپنے دلوں کو گرماتی اور تازہ دم ہو جاتی ہیں لیکن ملّتِ اسلامیہ اپنے مزاج کے لحاظ سے بالکل جداگانہ نوعیت کی ہے۔ یہ قوم اپنی روح کی تازگی کے لیے ہمیشہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے حصول فیض کرتی ہے۔ اور ان برگزیدہ شخصیتوں کی یاد سے اپنے دلوں کو گرماتی ہے جن کی زندگیاں اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھلی ہوں اور انسانیت کا جیتا جاگتا نمونہ بن گئی ہوں۔ یہ شخصیتیں جہانِ فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد ختم نہیں ہوتیں بلکہ حیات جاوید پاتی ہیں۔ حافظ شیرازی نے خوب فرمایا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ان ہی بزرگ شخصیتوں میں ایک نمایاں اور ممتاز شخصیت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی ہے۔ آپ توحید خالص، اتباع رسول، اقامتِ دین، اصلاح معاشرہ اور احیائے اسلام کے علمبردار تھے۔ آپ کو اس جہانِ رنگ و بو سے رخت سفر باندھے ہوئے آٹھ سو سال گذر چکے ہیں لیکن آپ کی یاد زندہ اور ذکر خیر گلاب و یاسمین کی مانند عطر بیز ہے۔

ولادت باسعادت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کی ولادت ایران کے ایک صوبہ جیلان (گیلان) میں ۴۷۰ھ[1] میں ہوئی۔

---

[1] دائرۂ معارف (البستانی)، ۲ منتظم (ابن جوزی)، البدایہ والنہایہ (حافظ ابن کثیر)، ذیل طبقات الحنابلہ (ابن رجب)، ... فتوح الغیب، بہجۃ الاسرار، ... (تقریباً ناقابلِ خواندگی) سیر و شیخ عبدالقادر ... مرتضیٰ

نسب نامہ

آپ کا سلسلہ نسب تمام مستند کتابوں میں مرقوم ہے، اور جو آپ کی آل اور اولاد مریدین و معتقدین کے پاس ابتدا ہی سے نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلا آتا ہے۔

آپ کا آبائی سلسلہ حضرت حسنؓ اور مادری سلسلہ حضرت حسینؓ سے ملتا ہے اسی لیے آپ حسنی حسینی سید تھے۔[۳] مختلف قرابتوں کے لحاظ سے آپ کا نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بھی جا ملتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صدیقی، فاروقی اور عثمانی بھی ہیں۔

تعلیم و تربیت

آپ نے ایک علمی گھرانے میں جنم لیا تھا۔ آپ کے والد سیدنا ابو صالح موسیٰ اپنے وقت کے ممتاز عارف باللہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ ام الخیر فاطمہ ثانیہ بھی عظیم المرتبت نیک خاتون تھیں۔ لہٰذا آپ کی سب سے بڑی تربیت گاہ آغوشِ والدین اور ان کا گھر تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ قرآن مجید ان ہی سے حفظ کیا۔ ابھی آپ دس برس کے ہی تھے کہ اچانک ۴۸۰ھ میں آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ آپ کو داغ یتیمی سہنا پڑا۔ آپ کی والدہ جو ایک نہایت زیرک خاتون تھیں اور سچی مسلمان تھیں نے اس درِ یتیم کی مستقبل کی تمام راہوں اور زندگی تمام گوشوں کو سنوارنے اور چمکانے کی جانب پوری توجہ دی۔ آپ نے اپنی عظیم ماں کی نگرانی میں اٹھارہ سال کی عمر تک جیلان ہی میں تعلیم حاصل کی۔

مزید اعلیٰ تعلیم کا جیلان میں انتظام نہیں تھا ان کی بلند حوصلہ والدہ نے بخوشی آپ کو ۴۸۸ھ میں بغداد روانہ کر دیا۔ یہی وہ سال ہے جس میں امام غزالیؒ نے تلاش حق و حصول یقین کے لیے بغداد کو خیرباد کہا تھا۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ ایک جلیل القدر امام سے جب بغداد محروم ہوا تو دوسرا جلیل القدر مصلح اور داعی الی اللہ وہاں وارد ہوا۔[۵]

اساتذہ و شیوخ

مملکت اسلامیہ کے دار الخلافہ بغداد میں آپ شیخ طریقت ابو الخیر حمّاد[۶] بن مسلم الدباس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے رموزِ طریقت حاصل کیے۔ پھر زہاد میں بلند مرتبت قاضی ابو سعید مخزمی[۶] سے تکمیل کی اجازت حاصل کی۔ ان کے علاوہ ان کے اساتذہ میں ابو الغدا، ابن عقیل بغدادیؒ محمد بن حسن الباقلانی اور ابو زکریا تبریزی

---

[۳] البدایہ والنہایہ ص ۲۴۹ جلد ۱۲ [۴] شعرانی [۵] ابن کثیر میں حدیث میں کمال کا ذکر ہے۔

جیسے [illegible] اور دائرۂ فنون شامل ہیں۔ عبادات و مجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود آپ نے تحصیل علم میں [illegible] قناعت و زہد سے کام نہیں لیا بلکہ پوری دستگاہ حاصل کی۔

حلیہ مبارک آپ کا بدن مبارک نحیف۔ قد میانہ۔ رنگ گندم گوں۔ سینہ چوڑا۔ ریش اقدس عریض و طویل۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو پیوستہ۔ آواز بلند اور اس میں ایک گونہ [illegible] تھی۔ آپ کے کلام کے رعب سے سننے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی۔ یہی حالت آنکھوں کی تھی جس کی طرف ایک بار نظر اٹھا کر دیکھ لیتے وہ مطیع ہو جاتا۔

محامد اخلاق ظاہری اور باطنی تکمیل کے بعد اصلاح و ارشاد کی طرف متوجہ ہوئے۔ مسند درس اور مسند ارشاد کو بیک وقت زینت دی۔ بغداد کے رہنے والے آپ کی تقاریر [illegible] پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آپ کو اللہ نے ایسی وجاہت و قبولیت عنایت فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہ ہوئی۔ بادشاہ و زراء آپ کی مجلسوں میں نیازمندانہ حاضر ہوتے۔

باوجود رفعت و منزلت کے درجہ منکسر المزاج تھے۔ غریبوں اور فقیروں کے ساتھ بیٹھتے اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکان سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے۔ خلیفہ کی آمد پر قصداً گھر میں چلے جاتے۔ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا تو پھر تشریف لاتے تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے۔ آپ کے دیکھنے والے اور [illegible] آپ کے حسن اخلاق، علو حوصلہ، تواضع و انکساری، سخاوت و ایثار اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ الامام الحافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف [illegible] الاشبیلی [illegible] آپ کی تعریف کرتے ہیں:

[illegible] الدعوة سريع الدمعة [illegible]	آپ مستجاب الدعوات تھے، اگر کوئی
دائم [illegible] رقيق القلب	عبرت اور رقت کی بات کی جاتی تو جلدی
دائم البشر كريم [illegible] سخي اليد	آنکھوں میں آنسو آجاتے، ہمیشہ ذکر و فکر میں
غزير العلم شريف الاخلاق	مشغول رہتے، بڑے رقیق القلب تھے، خندہ
[illegible]	پیشانی، شگفتہ رو، کریم النفس، فراخ دست
في العبادة والاجتهاد [illegible]	وسیع العلم، بلند اخلاق، عالی نسب، عبادت

[illegible]

[illegible] الکبریٰ [illegible] جلد ا ص ۱۲۷ [illegible] الطبقات الکبریٰ [illegible] جلد ا ص ۱۲۰ [illegible] قلائد الجواہر

ایک بزرگ حرادہ فرماتے ہیں :-

ما رأت عيناي احسن خلقاً ولا اوسع صدراً ولا اكرم نفساً ولا الطف قلبا ولا احفظ عهداً وودّاً من سيدنا الشيخ عبد القادر لقد كان مع جلالة قدره وعلو منزلته وسعة علمه يقف مع الفقير ويوقر الكبير ويبدأ بالسلام ويجالس الضعفاء ويتواضع للفقراء وما قام لاحد من العظماء ولا الاعيان ولا الم بباب وزير ولا سلطان۔	میری آنکھوں نے شیخ عبد القادر سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ، کریم النفس رقیق القلب، محبت اور تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اپنی عظمت علو مرتبہ اور وسعت علم کے باوجود چھوٹے کی رعایت فرماتے، بڑے کی عزت کرتے، سلام میں سبقت کرتے، کمزوروں کے پاس اٹھتے بیٹھتے، غریبوں کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آتے، حالانکہ آپ کسی بر آوردہ یا رئیس کے لیے کھڑے نہیں ہوتے اور نہ کسی وزیر یا حاکم کے دروازہ پر گئے۔

مفتی عراق محی الدین ابو عبد اللہ محمد بن حامد بغدادی لکھتے ہیں :-

ابعد الناس عن الفحش - اقرب الناس الى الحق - شديد الباس اذا انتهكت محارم الله عز وجل لا يغضب لنفسه ولا ينتصر لغير ربه۔	غیر مہذب بات سے انتہائی دور، حق اور معقول بات سے بہت قریب اگر حدود الٰہی اور احکام الٰہی پر دست درازی ہوتی تو آپ کو جلال آجاتا اپنے معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا۔ اللہ کے علاوہ کسی چیز کے لیے انتقام نہ لیتے

آپ بہت سخاوت فرماتے۔ حکم دیا تھا، رات کو وسیع دسترخوان بچھے۔ خود مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی فرماتے۔ طلبا کی باتوں کو برداشت فرماتے اور تحمل سے کام لیتے۔ ہر شخص یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی اُن کا مقرب نہیں۔ ساتھیوں میں سے جو غیر حاضر ہوتا اس کا حال دریافت فرماتے اور اس کی فکر کرتے۔ تعلقات کا بڑا پاس اور لحاظ تھا، غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگذر کرتے۔ اگر کوئی کسی بات پر قسم کھا لیتا تو اس کو مان لیتے

اور جو کچھ جانتے تھے اس کا اخفا فرماتے تھے

روحانیت کی لہر

آپ نے خلوص کے ساتھ وعظ و ارشاد، اصلاح نفوس اور تزکیہ قلوب کی طرف توجہ دی۔ اور نفاق و حب دنیا کی تحقیر و تذلیل، ایمانی شعور کے احیاء، عقیدۂ آخرت کی تذکیر اور اس سرائے فانی کی بے ثباتی کے مقابلے میں اس حیات جاودانی کی اہمیت، تہذیب اخلاق، توحید خالص اور اخلاص کامل کی دعوت پر پورا زور صرف کیا۔ آپ کی کرامت کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے۔ شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام اور امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ شیخ کی کرامتیں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی کرامت عالم اسلام میں روحانیت کی نئی لہر پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی۔ آپ کا وجود اسلام کے لیے باد بہاری تھا۔ جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی روح ڈال دی۔

شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں اور رہزن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف ہوتے ہوں۔ فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔

جبائی کا بیان ہے کہ مجھ سے شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ زمانہ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں۔ نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اس کو دیکھوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں۔ عیار اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

اس سلسلہ میں بچپن ہی سے آپ لوگوں کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ کبھی کسی پر زیادتی نہ کرتے۔ کبھی گالی نہ نکالتے۔ ہمیشہ سچ بولتے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں جب آپ حصول علم کے لیے بغداد جا رہے تھے تو راستہ میں آپ کا قافلہ لٹ گیا۔ ایک ڈاکو نے آخر کار آپ سے بھی پوچھ لیا کہ تمہارے پاس کیا ہے۔ فرمایا چالیس اشرفیاں ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں۔ فرمایا گدڑی میں بغل کے نیچے سلی ہوئی ہیں۔ وہ ٹھٹھا مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ ایک دوسرے نے پوچھا تو پھر اس کو بھی

قلائد الجواہر ص [illegible]　ذیل طبقات حنابلہ ابن رجب　جلاء العینین ص ۱۴۰　قلائد الجواہر

توحید کا صحیح تصور

اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسان کا مقصد ہی اپنی عبادت قرار دیا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ۔ اسی لحاظ سے تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث ہی توحید کی اشاعت کے لیے کیا۔

وما ارسلنا من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون

علامہ اقبالؒ نے اسی تصور کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

حضور علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اس توحید کے تصور کو ہی لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا۔ قرآن مجید میں ہے اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِنْہُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں نذیر اور بشیر ہوں (پ ۱۱ ہود)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بہت بڑے موحد تھے۔ آپ کے درس و اسباق میں ہمیشہ توحید کے پیمانے چھلکتے رہے۔ توحید کا مضمون آپ کے مقالات کی جان اور مواعظ کی روح رواں تھا۔ آخری دم تک آپ توحید کی نشر و اشاعت میں منہمک رہے۔ زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بیٹے شیخ عبدالوہاب کو فرماتے ہیں۱؎۔

عَلَیْکَ بتقوی اللہ ولا تخف احداً سوی اللہ ولا ترج احداً سوی اللہ وکل الحوائج الی اللہ عز وجل ولا تعتمد الا علیہ واطلبہا جمیعاً منہ ولا تثق باحد غیر اللہ عز وجل التوحید التوحید۔	خدا کا خوف لازم کر۔ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈر اور نہ ہی اس کے سوا کسی سے امید رکھ اپنی تمام حاجتیں اللہ ہی کو سونپ اور اسی کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کر جو مانگنا ہو اسی سے مانگ۔ اس کے سوا کسی کی مدد پر تکیہ نہ کر اللہ بڑی عزت و جلال والا ہے توحید کو مضبوط پکڑ، توحید کو لازم پکڑ۔

۱؎ ملاحظہ فتوح الغیب

نافع وضار اللہ تعالیٰ ہی ہے

لامحیص لمخلوق من القدر المقدور الذی خطّ فی لوح المسطور وانّ الخلائق لوجهدوا ان ینفعوا المرء بما لم یقضہ اللہ تعالیٰ لم یقدروا علیہ و لوجهدوا ان یضرّوہ بما لم یقضہ اللہ لم یستطیعوا کما ورد فی خبر ابن عباس قال قال اللہ تعالیٰ وان یمسسک اللہ بضرٍ فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیرٍ فلا رادّ لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ[1]

کسی مخلوق کو اس ارادہ سے کہ خدا نے کیا اور لوح محفوظ میں رکھ دیا چارہ نہیں ہے اگر تمام مخلوق کسی کو نفع پہنچانا چاہے جو اللہ نے اس کی قسمت میں نہیں کیا تو مخلوق اس کو نفع پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتی۔ اور اگر تمام مخلوق کسی کو نقصان پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں نہیں کیا تو مخلوق اس کو نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کردہ وہ حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا "فرمان الٰہی ہے، اگر تجھے اللہ تکلیف پہنچانا چاہیں تو اس کو اُس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور اگر اللہ تجھے بھلائی دیں تو اس کے فضل وکرم کو روکنے والا کوئی نہیں۔ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل وکرم پہنچاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے سامنے مخلوق کی مثال

فرماتے ہیں:۔ کل مخلوق کو خدا تعالیٰ کے سامنے ایسے سمجھ جیسے ایک بادشاہ ہے جس کا ملک بہت وسیع ہے حکم سخت اور دل ہلا دینے والا رعب ہے۔ اس نے ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر ایک صنوبر کے درخت کے ساتھ ایک دریا کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود بادشاہ ایک نفیس اور بلند کرسی پر ہے کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے اور اس بادشاہ کے پاس تیر، تلوار، نیزہ و کمان وغیرہ آہنی ہتھیار ہیں کہ اس کا اندازہ اس بادشاہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اب ان چیزوں میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر مارتا ہے

---

[1] فتوح الغیب

اور قیدی چونکہ جکڑا ہوا ہے اونچی جگہ لٹکا ہوا ہے اس لیے نہ وہ ہل سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی چھڑا سکتا ہے۔ جو لوگ اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں وہ اگر اس قیدی سے ڈریں اور نفع و نقصان کی امید رکھیں اور بادشاہ سے نہ رکھیں تو ان کے لیے افسوس ہے۔ کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل۔ بے ادراک دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہے یعنی یقیناً وہ ایسا ہی ہے [۱]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق اس بے بس قیدی کی مانند ہے، زندگی اور موت، خوشی اور غمی سب کچھ مخلوق کو اسی کی طرف سے آتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔

لفظ الٰہ کے معنی

ان الخلق یفزعون ویتضرعون الیہ فی الحوادث والحوائج فھو یالھھم ای یجیرھم یسمی الٰھاً [۲]

بیشک اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کی بارگاہ میں عاجزی گریہ زاری سے اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش کرتی ہے پس وہ ان کی رفع حاجات فرماتا ہے اور پناہ دیتا ہے۔ اس لیے اس کا نام اِلٰہ (معبود) ہے۔

مسئول و معطی

نبیتک ان الک مسئول واحد ومعطی واحد وھو ربک عز وجل الذی نواصی الملوک بیدہ وقلوب الخلق بیدہ [۳]

"تجھے ایک ہی سے مانگنا چاہیے اور تیرا دینے والا بھی صرف ایک ہے اور تیرا مقصود بھی ایک ہے اور وہ تیرا پروردگار ہے جس کے قبضہ میں بادشاہوں کی پیشانیاں ہیں اور جس کے قبضہ میں تمام مخلوق کے دل ہیں۔"

بقول اقبال اس کے باوجود ہماری حالت یہ ہے:۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "جب بندہ کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پہلے خود اس سے نکلنے

---

[۱] فتوح الغیب مقالہ ۱۱　[۲] خطبہ غنیۃ الطالبین　[۳] فتوح الغیب۔ مقالہ ۲۰

کی کوشش کرتا ہے۔ اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوقات یعنی اوروں سے مدد مانگتا ہے مثلاً بادشاہوں یا حاکموں یا دنیاداروں یا امیروں سے اور دکھ درد میں طبیبوں سے۔ جب اُن سے بھی کام نہیں نکلتا۔ اُس وقت اپنے پروردگار کی طرف دعا، گریہ زاری و حمد و ثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ پھر جب خدا کی طرف سے بھی مدد و نصرت نہیں آتی تو بے بس ہو کر خدا کا ہی ہو رہتا ہے۔ ہمیشہ سوال و دعا اور گریہ زاری اور درخواست و اظہار حاجتمندی رجا و خوف کے ساتھ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کو دعا سے تھکا دیتا ہے اور قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ تمام اسباب علاحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس میں قضا و قدر کا نفاذ ہوتا ہے اور اس کے اندر کام کرتا ہے تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پروا ہو جاتا ہے اور روح صرف رہ جاتی ہے۔ اُسے فعل حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور وہ ضرور بالضرور صاحب یقین موحد ہوتا ہے۔ قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی کچھ کرنے والا ہے نہ حرکت و سکون دینے والا ہے۔ نہ اُس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی، برائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشائش و بندش، موت و زندگی، عزت و ذلت، اغنا و فقر۔ اس وقت احکام قضا و قدر میں بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے، جیسے شیر خوار بچہ دایا کی گود میں یا مردہ غسّال کے ہاتھ میں یا پولو کی گیند سوار کے ہاتھ میں اُلٹ پلٹ جاتا ہے اور بگاڑا بنایا جاتا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں، نہ اپنے لیے نہ کسی اور کے لیے یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس میں غائب ہو جاتا ہے اور اپنے مالک اور اس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے، نہ کچھ سوچتا سمجھتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے تو اُس کی صنعت، اگر سنتا ہے تو اُس کا کلام، اس کے علم سے ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے۔ اس کے قرب سے سعادت پاتا ہے۔ اُس کے وعدہ سے خوش ہوتا سکون اور اطمینان حاصل کرتا ہے۔ اُس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے۔ اور اُس کے غیر سے نفرت کرتا ہے۔ اس کی یاد میں مشغول ہوتا ہے اور دل لگاتا ہے۔ اُس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔ اُس کے نور معرفت سے ہدایت پاتا اور اسی کا خرقہ و لباس پہنتا ہے۔ اس کے علوم عجیب و نادرہ پر مطلع ہوتا ہے۔ اس کی قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے۔ اسی کی ذات پاک سے سنتا اور اسے یاد رکھتا ہے۔ پھر ان نعمتوں پر حمد و ثنا و شکر و سپاس بجا لاتا ہے [۲۲]

---

[۲۲] فتوح الغیب [illegible]

وحدانیت اور غیر اللہ کی بے ثباتی | اللہ کے علاوہ ہر چیز کے فنا ہونے کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمھارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے۔ اس کی مانو جو تمھیں بلاتا ہے۔ ہاتھ اُسے دو جو تمھیں گرنے سے سنبھالے گا۔ اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکالے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا۔ نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کر دے گا۔ تم کو تمھاری سڑاند اور بدبو اور پست ہمتی اور نفس بدکار اور رفیقانِ گمراہ و گمراہ کُن سے نجات دے گا، جو شیاطین خوا[ہ]ں اور تمھارے جاہل دوست، خدا کی راہ کے راہزن اور تم کو ہر نفیس، ہر عمدہ اور پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک تن؟ کب تک رعونت؟ کس وقت تک دُنیا؟ کب تک آخرت؟ کب تک ماسوائے حق؟ کہاں چلے تم؟ (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے۔ اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان، گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف ہے اور اُسی کی طرف سے اُس کا صدور ہے۔"[۴۳]

ایک دوسرے مقالہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:-

"ساری مخلوق عاجز ہے نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ حق تعالیٰ اسی کو اُن کے ہاتھوں سے کرا دیتا ہے۔ اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے جو کچھ تیرے لیے مفید ہے یا مضر ہے۔ اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو موحد اور نیکوکار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں۔ بعض اُن میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں۔ گو دولت مند ہیں لیکن حق تعالیٰ اُن کے اندر ان پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں۔ جو شخص اس پر قادر ہوا اُس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی۔ بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوائے اللہ سے پاک کر لیا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوق میں سے

---

[۴۳] فتوح الغیب مقالہ ۶۲

کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے۔ شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت اس کے باطن کو مہذب بناتی ہے[۲۴]

ایک جگہ دنیا کی بے ثباتی کا یوں ذکر فرماتے ہیں :۔

"آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر اپنے درہموں پر، اپنی خرید و فروخت پر اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز جس پر تو اعتماد کرے تیرا معبود ہے۔ اور ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع کرے وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا معبود ہے[۲۵]"

"دنیا میں اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو۔ دنیا خدمت کرتی ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور جو شخص دنیا کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے۔ کھا حق تعالیٰ کے ساتھ عزت و تونگری کے قدم پر[۲۶]"

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :۔

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے کبھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کو کھڑا ہونا جائز، باقی دروازے سے آگے گھسنا نہ جائز ہے نہ تیرے لیے عزت ہے[۲۷]"

حکام سے دوری اور اُن کو خدا خوفی کی تعلیم

آپ کبھی کسی خلیفہ یا وزیر کے دربار میں نہ گئے بلکہ دوسرے حضرات کو بھی اس قسم کی خوشامد سے روکتے تھے۔ درباری علماء کی پرزور تردید فرماتے تھے۔ اور خوف خدا پیدا کرتے تھے۔ ارشاد عالیہ ہے :۔

"اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسول

[۲۴] فیوض یزدانی ترجمہ فتح ربانی مجلس ۱۳
[۲۵] فیوض یزدانی مجلس ۲۰
[۲۶] فیوض یزدانی مجلس ۲۳
[۲۷] فیوض یزدانی مجلس ۵۱

کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکو ڈ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں ہو۔ یہ نفاق کب تک رہے گا۔ اے عالمو! اے زاہدو! اخبار ان وسلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہو گے؟ کہ اُن سے دنیا کا زر و مال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں۔ بارالہا! منافقوں کی شوکت توڑ دے اور اُن کو ذلیل فرما یا اُن کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما اور زمین کو اُن سے پاک و صاف کر دے یا ان کی اصلاح فرما دے[۲۸]

وہ عالم کی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ عالم ہو کر امراء، وزراء کے در کا بھکاری بنے۔ کیونکہ علم غیور ہوتا ہے۔ یہ غیروں کے دروازوں پر نہیں جاتا بلکہ وقت کے فراعین و نماردہ کے سامنے نعرہ حق لگاتا ہے۔ اقبالؔ نے فرمایا تھا۔

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن　　　نعرۂ لا پیش نمرود بزن

ایک جگہ اس گروہ کو فرماتے ہیں:۔

"تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمت گاری اور حرام خوری پر آمادہ کر دیا ہے تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان بادشاہوں کا خدمت گار بنے رہے گا جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ ان کی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑے گا جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں[۲۹]

مرشد جیلانیؒ ہمیشہ حکام وسلاطین کے غلط افعال پر تنقید کرتے اور اس میں کسی وجاہت اور اثر و نفوذ کی مطلق پروا نہ کرتے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

"کان یامر بالمعروف وینھی	آپ خلفاء، وزراء، سلاطین، قضاۃ، خواص و
عن المنکر للخلفاء والوزراء	عوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
والسلاطین والقضاۃ والخاصۃ	فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ
والعامۃ ویصدعھم بذلک علی	ان کو بھرے مجمع میں علی الاعلان ٹوک
رؤس الاشھاد ورؤس المنابر	دیتے، جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر

۲۸ فیوض یزدانی مجلس ۵۱ ترجمہ فتح الربانی　　۲۹ فتح الربانی مجلس ۱۳

وفی المحافل وینکر علی من یولی الظلمة ولا تاخذه فی الله لومة لائم[۳۱]
اعتراض کرتے اور خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ پروا نہ کرتے تھے۔

تصرف الٰہی

حضرت جیلانیؒ ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور ملنے والوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

ایک جگہ فرمایا:۔

لا معین الا الله[۳۲] اللہ کے سوا کوئی نرتب الاسباب مدد گار و مشکل کشا نہیں۔

ان هذه الامور کلها بید الله یصرفها فی طرائقها ویمضیها فی حقائقها لا مقدم لما اخر ولا مؤخر لما قدم ولا یجتمع اثنان الا بقضائه وقدره[۳۳]
تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ انہیں ان کے طریقوں پر جس طرح چاہے پھیرتا ہے اور اُن کی حقیقتوں پر گزارتا رہتا ہے جس کو خدا پیچھے کرے اُسے کوئی آگے کرنے والا نہیں جب تک اس کی قضا و قدر نہ چاہے دو آدمی باہم مل بھی نہیں سکتے۔

معلوم ہوا کہ تصرف فی الامور کا مقام کسی کو خدا کے سوا حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ خاصہ خدائی ہے۔ ایک جگہ انبیاء کے نام گن کر تحریر فرماتے ہیں۔

لم یستغن من التوبة والاستکانة والافتقار الی الله عز وجل[۳۴]
تمام انبیائے کرام خدا کے حضور توبہ کرنے عاجزی کرنے اور اس کے محتاج ہونے سے بے نیاز نہیں ہیں۔

بلکہ یہاں تک ارشاد ہے :۔

لا تحرک الا بالله[۳۵]
اللہ کے سوا کسی اور کے لیے حرکت بھی نہ کر

اللہ کی توحید کو تصرف فی الامور میں عجیب طریقہ سے پیش کرتے ہیں۔ کہیں فرمایا:۔

---

[۳۰] فوائد ... ص ۹ [۳۱] [۳۲] [۳۳] [۳۴] غنیۃ الطالبین

لا یاتی بالخیر الا اللہ — اللہ کے سوا کوئی بھلائی نہیں لا سکتا۔

کہیں فرمایا:-

لا یصرف السوء الا اللہ — خدا کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔

سلطان باہوؒ نے اسی کی ترجمانی کرکے فرمایا تھا۔

چو تیغ لا بدست آرمی۔ بیا تنہا چہ غم داری
مجو از غیر حق یاری۔ کہ لا فتاح الا ہو

حقیقی شرک — شاہ صاحب نے شرک کی بہت مذمت کی ہے اور توحید کا پرچم دنیا میں بلند کیا۔ فرماتے ہیں

الا ان الرجل منهم اشرك بالله عز وجل حيث طمع من مخلوق مثله لا يملك ضرا و لا نفعا ولا اعطاء ولا منعا[۲]

خبردار جس نے اپنے جیسی مخلوق سے امید رکھی اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا مخلوق میں سے کوئی نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع نہ کسی کے اختیار میں عطا ہے نہ منع۔

مخلوق سے دل لگانے کو بھی شاہ صاحب نے شرک قرار دیا۔ فرماتے ہیں:-

ليس الشرك عبادة الاوثان بل هو متابعتك لهواك و ان تختار مع ربك عز وجل شيئاً سواه من الدنيا و ما فيها و الاخرة و ما فيهما سواه عز و جل غيره فاذا ركنت الى غيره فقد اشركت[۳]

صرف بت پرستی ہی شرک نہیں بلکہ تیری اپنی خواہشات کی اتباع کرنا اور اللہ کے سوا کسی ذرہ بشر کو اللہ تعالیٰ کی طرح پسند کرنا بھی شرک ہے چنانچہ دنیا و آخرت کی کسی شے کی طرف بھی جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے دل لگانا جیسا کہ اللہ کی طرف لگانا چاہیے سب شرک ہے۔

آپ کی ساری زندگی ہی توحید کی اشاعت میں گذری۔

کتاب و سنت کی تعلیم — حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا توکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنة رسولہ[۴]

---

[۱] غنیۃ الطالبین ... [۲] فتوح الغیب [۳] ... [۴] موطا امام مالکؒ

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

حضرت شیخ جیلانی ؒ نے اسی کی اتباع میں ارشاد فرمایا:۔

ان کمال الدین فی شیئین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ واتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۳۸]

(دین کامل دو چیزوں میں ہے، اللہ کی معرفت (جو قرآن سے حاصل ہوتی ہے) اور سنت (حدیث) کی پیروی)

یہی نہیں بلکہ آپ نے ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑنے کے بارے میں فرمایا:۔

فعلیک بالتمسک بالکتاب والسنۃ والعمل بہما امراً ونہیاً اصلاً وفرعاً فیجعلہما جناحین یطیر بہما فی الطریق الواصل الی اللہ عز وجل [۳۹]

(آپ (ہر امتی مرید) پر لازم ہے کہ قرآن و حدیث کو مضبوط پکڑو اور ان دونوں پر ہی عمل کرو۔ ان کے امر کو بجا لاؤ اور نہی سے باز رہو، اصول اور فروع میں ان کے پابند رہو۔ یہ دو پر ہیں جن سے پرواز کر کے آدمی اللہ تک پہنچتا ہے۔)

قرآن وسنت کو شاہ جیلانی ؒ نے ان دو بازوؤں کے برابر قرار دیا ہے جن کے ذریعے اڑ کر اللہ کی ملاقات کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان کو ان کے ارشاد پر عمل کر کے قرآن وسنت کو دین قرار دے کر ماسوا سے بے نیاز ہونا ضروری ہے۔ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:۔

فیعمل ما فی الکتاب والسنۃ ویصم عما سوی ذلک [۴۰]

(صرف قرآن وسنت پر عمل ہو اس کے سوا ہر چیز سے بہرے ہو جاؤ۔)

آپ نے دین کی تکمیل ہی قرآن وسنت پر بتائی ہے۔

اذا تمت الاوامر والنواھی انزل اللہ علی رسولہ فی حجۃ الوداع الیوم اکملت لکم دینکم [۴۱]

(جب دین اسلام کے اوامر و نواہی پورے ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے حجۃ الوداع میں اپنے رسول پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم اتاری (یعنی اے مسلمانو تمہارا دین مکمل ہو گیا۔))

---

[۳۸] [۳۹] [۴۰] [۴۱] غنیۃ الطالبین

ان کے نزدیک راہِ نجات صرف قرآن وسنت ہے۔ در اصل انہی دو چیزوں سے ہر قسم کا اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔ ان کے علاوہ ہلاکت اور تباہی ہے۔

لیس لنا نبی غیرہ فنتبعه ولا کتاب غیر القرآن فنعمل به فلا تخرج عنهما فتهلك [۳۲]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نبی نہیں جن کی ہم تابعداری کریں اور قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں جس پر عمل کریں اگر ان کے علاوہ کسی اور طرف گیا تو ہلاک ہو جائے گا۔

اور پھر سلامتی بھی ان دو چیزوں میں فرمائی۔

والسلامة مع الکتاب والسنة والهلاکة مع غیرهما بهما یرتقی العبد الی حالة الولایة والبدلیة [۳۳]

صرف قرآن وحدیث پر عمل کرنے میں سلامتی ہے اس کے علاوہ جس چیز پر عمل کرے گا برباد اور ہلاک ہوگا۔ صرف قرآن وحدیث پر عمل کر کے اولیاء اور ابدال بن سکتے ہیں۔

مرشد جیلانیؒ کی تعلیمات مسلمانوں کے لیے چراغِ راہ ہیں۔

تصانیف حضرت شیخ کی تصانیف متعدد کتابیں ہیں۔ غنیۃ الطالبین۔ فتوح الغیب۔ الفتح الربانی۔ فیوضات ربانیہ۔ بشائر الخیرات [۳۴] ان کے علاوہ آپ کی کتابوں میں جلاء الخاطر۔ الیواقیت والحکم اور مواہب الربانیہ شامل ہیں۔ آپ کی کتابوں کی شہرت تمام اہل اسلام میں ہوئی۔

وفات حضرت شیخ ۹۰ سال تک اس دنیا فانی میں رہے۔ آخر ۵۶۱ھ میں بغداد ہی میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ وہیں اپنے استاد ابوسعید مخرمی کے مدرسے باب الازج میں مدفون ہوئے۔ بیماری کی حالت میں وفات سے قبل آپ نے اپنے بیٹے عبد الوہابؒ کو توحید پر قائم رہنے کی وصیت کی۔ آپ کے صاحبزادے سید عبد الجبار نے پوچھا، جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ تو فرمایا میرے کل اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہے۔ پھر آپ کا وقتِ اخیر آیا تو فرمانے لگے: میں اس خدا سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی

---

[۳۲] فتوح الغیب [۳۳] ... [۳۴] معجم المطبوعات

معبود نہیں۔ وہ پاک و برتر ہے اور زندہ ہے جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں۔ پاک ہے وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں؛ اور آپ کے صاحبزادہ شیخ موسیٰ فرماتے ہیں کہ آپ نے لفظ "تعزز" فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا۔ تب آپ بار بار اسے دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے آواز بلند کر کے اور تحتت کر کے لفظ "تعزز" اپنی زبان سے ٹھیک ٹھیک فرمایا۔ پھر (تین بار) اللہ اللہ اللہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ کی آواز بند ہو گئی۔ اور زبان تالو سے چپک گئی۔ اور روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی ۵۵ھ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ۔

(ماہنامہ "محدث لاہور" کے شکریہ کے ساتھ)

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

مرتبہ — مولانا محمد منظور نعمانی

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی مکمل سوانح حیات آپ کی عرفانی اور ارشادی خصوصیات اور اس عظیم تجدیدی کارنامہ کی تفصیل جس کے نتیجہ میں اکبر اور اس کے حواریوں کا چلایا ہوا "دین الٰہی" تارِ کہنہ ہو کر رہ گیا اور سلطنت مغلیہ کا رخ الحاد سے ہٹ کر اسلام کی طرف مڑ گیا۔ قیمت مجلد -/۱۲ روپے

تجلیاتِ ربانی

تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

(از — مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

امت مسلمہ کے دینی کتابی ذخیرے میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا ایک خاص مقام ہے۔ اسمیں تجدید دین، تبلیغ شریعت، تعمیر باطن، احسان و تصوف کی دعوت و ترغیب اور امت مسلمہ کے عام و خاص طبقات، ارباب حکومت اور علماء و صوفیاء کے بگاڑ و فساد کی اصلاح کا پورا سامان موجود ہے۔ جلد اول -/۱۲ جلد دوم ۱۱/۵۰

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

(از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد آپ کی مسند اصلاح و ہدایت کو آپکے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ نے سنبھالا اور آپ کا نام نامی ثبت ہو گیا۔ آپکے مکتوبات کا ذخیرہ جو فارسی میں تین جلدوں میں ہے مولانا فریدی نے تلخیص کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے۔ یہ مکتوبات حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے بڑے کام کا آئینہ ہیں۔ قیمت مجلد -/۸

ناشر: کتب خانہ الفرقان۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

یادِ رفتگاں

اللہ کی ایک بندی :-

[illegible] حضرت مولانا [illegible] عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے مسترشدین اور پھر مجازین میں ہمارے محترم [illegible] دوست مولانا [illegible] محمد صاحب (میواتی ثم دہلوی) ہیں ان کی والدہ ماجدہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت [illegible] ایک مثالی خاتون تھیں "بی بی جی" کہلائی جاتی تھیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے انتقال ہوا۔ میں نے مولانا [illegible] محمد صاحب کو لکھا تھا کہ ان کے کچھ حالات لکھ کر بھیج دیجئے۔ اس کے جواب میں مولانا نے جو مکتوب [illegible] اختصار [illegible] اپنی اور ناظرین کی سبق آموزی کے لیے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

"بی بی جی نماز [illegible] تہجد و اشراق وغیرہ کی پابند تھیں۔ حضرت مرشدی قدس سرہٗ سے بیعت ہونے کے بعد "نفی اثبات" گیارہ سو تسبیح۔ اسم ذات چار ہزار۔ اس کے علاوہ کلمہ سوم، درود شریف، استغفار کی تسبیحات اور نوافل چھتیس رکعات یومیہ پوری کر لیتی تھیں۔ جمعہ اور دوشنبہ کے دن ان سب کے علاوہ دو ہزار دو سو کی تعداد میں درود شریف پڑھتی تھیں ایام بیض کے روزے رکھنے کا بھی معمول تھا۔ اکثر باوضو رہتیں اور کلمہ شریف وغیرہ پڑھ کر ہمیشہ [illegible] آخرت کی فکر سے غالباً کبھی خالی نہ رہتیں۔[1]

[1] [illegible] معمولات پڑھ کر ناظرین کو خیال ہوگا کہ وہ امیر گھرانے کی خاتون ہوں گی [illegible] کام کاج [illegible] کرتی ہوں گی۔ خود فارغ البال رہتی ہوں گی۔ واقعہ [illegible] زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے گھر کے اندر خود [illegible] محمد صاحب ہی نے ایک دوسرے مکتوب میں یہ حال لکھا تھا۔

حج ۱۳۹۳ھ میں بکثرت طواف اور عمرے کیے حالانکہ ضعیفہ تھیں۔ وہاں سے واپسی کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوتی تھیں، مجھ سے فرماتی تھیں یہیں رہو کچھ کام کر لو، نہیں تو مجھے کسی مدرسہ میں برتن دھونے کھانا پکانے پر لگوا دو۔ جب میں نے سعودی حکومت کے قانون اور اس سلسلہ میں تشدد اور سزا کا ذکر کر کے معذرت کی تو ٹھنڈا سانس لے کر بس خاموش ہو گئیں۔ واپس تو آ گئیں مگر اس کے بعد ہمیشہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانے اور قیام کرنے کی حسرت و آرزو کا اظہار کرتی رہتی تھیں۔

گذشتہ رمضان مبارک میں سخت بیمار اور بے حد کمزور تھیں لیکن روزہ قضا کرنے پر آمادہ نہ تھیں۔ بہت اصرار کرنے سے دس روزے رکھنے کے بعد افطار اور فدیہ دینے پر آمادہ ہوئیں۔ بیماری کا سلسلہ برابر چلتا رہا اور نقاہت انتہا کو پہونچ گئی ــــ ۱۰ر ذیقعدہ کا دن ختم کر کے مغرب کی نماز ادا کی اور رو کر کہا۔ مدینے نہ جا سکی کہاں جا کر مروں۔ ۱۱ر ذیقعدہ کو فرمایا ساری عمر ڈرتی رہی اب اطمینان ہوا ہے۔ انشاء اللہ آٹھوں دروازے جنت کے کھول دیے جائیں گے۔ انشاء اللہ جنت الفردوس ملے گی۔

اللہ تعالیٰ پر بڑا اعتماد تھا اور بھروسہ تھا۔ اور دعا میں بہت اثر تھا جب کسی مشکل مہم کا ذکر کیا جاتا تو بڑے یقین اور اعتماد سے فرماتیں اللہ بہت بڑا ہے اور اکثر وہ کام ہو ہی جاتا۔ بڑی راسخ العقیدہ اور متبع سنت تھیں۔ بصد اصرار مستورات کی تبلیغی جماعت کی امیر بنا دی گئی تھیں۔ علاج کے لیے پرائیویٹ کمرہ لے کر جب اسپتال میں داخل کیا گیا تو وہ کمرہ خانقاہ بن گیا خود ذکر کرتیں اور دوسروں کو ذکر میں مشغول ہونے کے لیے کہتیں۔ فرماتی تھیں کہ مجھے اس سے آرام ملتا ہے۔ کسی آن غفلت برداشت نہ تھی۔ نقاہت برابر بڑھتی گئی آخر کار گھر لے آئی گئیں ـــــ بالآخر وقت موعود آ گیا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے روح پرواز کر گئی اللھم اغفرلھا وارحمھا وادخلھا الجنۃ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ایک مخلص بھائی (غلام قادر چغتائی مرحوم)

یہ لاہور (پاکستان) کے متوطن تھے طویل مدت سے بسلسلہ ملازمت کوہاٹ میں مقیم تھے۔ "الفرقان" کے بڑے قدردان بلکہ عاشق اور اس عاجز سے بڑا مخلصانہ تعلق رکھتے

تھے تبلیغی کام سے تعلق بھی اللہ نے نصیب فرمایا تھا۔ اس دور کی غلط اور گمراہ کن تحریکوں اور دعوتوں کے خلاف ان کے دل میں شدید جذبہ تھا۔ کئی مہینے ہوئے ان کا خط آیا تھا کہ اب میں ملازمت کا سلسلہ ختم کر کے جلدی ہی وطن جانے والا ہوں اس کے بعد وہیں سے اب انشاء اللہ خط لکھوں گا۔ پھر ایک عرصہ تک ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ کچھ دن بعد کویت سے ایک دوسرے دوست آئے جو سیوان (بہار) کے رہنے والے ہیں اور یہ بھی بسلسلۂ ملازمت کویت میں مقیم ہیں۔ ان سے میں نے چغتائی صاحب کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے بتلایا کہ وہ تو اللہ کو پیارے ہو گئے اور انتقال کی کیفیت بیان کی جس نے اس عاجز کو بہت متاثر کیا اور ان کی موت پر رشک آیا میں نے ان سے کہا کہ اس کو لکھ کر بھیج دیجئے۔ انھوں نے لکھ کر بھیجا وہی ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

"مہینہ کی ۳۰ تاریخ کو چھٹی ہونے والی تھی۔ چغتائی صاحب اگلے مہینے کی ۳ تاریخ کو یعنی ۳ر۴ روز بندی کے بعد گھر جانے والے تھے۔ ۲۹ تاریخ کو مسجد آئے، دیرینہ رفیق حاجی اظہر حسین صاحب سے ملاقات ہوئی سینے سے لپٹ گئے اور خوب روئے۔ مسجد میں تبلیغی حلقہ لگا ہوا تھا اس میں بیٹھ گئے۔

اگلے دن ۳۰ کی صبح طبیعت زیادہ علیل ہوئی قریبی اسپتال لے جائے گئے، ڈاکٹر نے آرام کرنے اور ایڈمٹ ہو جانے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا ۳ تاریخ کو گھر جانے کا ارادہ ہے انشاء اللہ وہیں جاکر اطمینان سے علاج اور آرام کر لوں گا۔ اس وقت تو بس دوا دیجئے۔ ڈاکٹر نے دوا دے دی بہرحال وہ اسپتال میں داخل نہیں ہوئے تبلیغی مرکز لوٹ آئے دوا سے کچھ سکون اور فائدہ ہو گیا۔

پھر اسی دن عصر سے کچھ پہلے پھر تکلیف شروع ہوئی۔ اسی تکلیف کی حالت میں مسجد کے صحن میں سجدہ کیا۔ دیر تک سجدے میں پڑے رہے۔ جب سجدے سے اٹھے تو تکلیف بہت بڑھ چکی تھی، دوبارہ اسپتال لے جانا طے ہوا موٹر تک پہنچا دیا گیا، ایک شخص نے ان کو گود میں لے لیا وہ اس حال میں بھی مسلسل ذکر میں مشغول رہے۔ بار بار سورہ اخلاص پڑھ رہے تھے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیسی

قابلِ رشک ہے یہ موت ــ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا وہ معاملہ فرمائے جس کی اس کی رحمت سے امید ہے۔ افسوس ہے کہ ان کے پسماندگان کے بارے میں کچھ علم نہیں اس لیے تعزیتی خط بھی نہیں لکھ سکا۔

ایک مثالی مردِ مومن (حافظ محمد عمر علیہ الرحمہ)

راقم الحروف کا حلقۂ تعلق و تعارف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بہت وسیع ہے۔ مختلف بیرونی ملکوں کا بھی بار بار سفر ہوا ہے، اور بہت سے ایسے بندے اور گھرانے دیکھے ہیں جنھیں دیکھ کر دل نے کہا کہ ان پر ان کے پروردگار کا خاص الخاص فضل و کرم ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ بھی دیا ہے جس کی اس دنیا میں چاہت ہوتی ہے اور وہ ایمان اور ایمان والی زندگی بھی عطا فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے۔ جس کے نتیجہ میں رضائے الٰہی، جنت اور وہاں انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی رفاقت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

راقم سطور کے ایک مخلص اور عنایت فرما سورت کے حافظ محمد عمر صاحب مرحوم جن کا زیادہ تر قیام کاروباری سلسلہ سے بمبئی میں رہتا تھا (حقیقت کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) اس عاجز کے نزدیک اللہ کے اسی طرح کے ایک بندے تھے۔ رب کریم کی عطا فرمائی ہوئی دنیوی نعمتوں سے بھی نہال و مالا مال اور اسی کے ساتھ مثالی دینداری اور تقویٰ شعاری کا نمونہ۔ ما احسن الدین والدنیا لو اجتمعا کی ایک مثال ــــ نہ کسی دار العلوم کے تعلیم یافتہ مولانا، نہ خانقاہ سے نکلے ہوئے صوفی لیکن اللہ تعالیٰ کا خاص کرم کہ زندگی میں وہ سب کچھ جو بالعموم دینی تعلیم اور صحیح تصوف کے نتیجہ میں پایا جانا چاہیے جیسا کہ معلوم ہے عبادات کی پابندی، معاملات کی صحت کا اہتمام اور "تخلقوا باخلاق اللہ" کی نصرت ــــ اللہ تعالیٰ نے [illegible] بھی [illegible] عطا فرمائی، [illegible] ان میں سے ہر ایک "ولد صالح" اور کم [illegible] حافظ صاحب کے نقشِ قدم پر (اور اللہ تعالیٰ کے لیے کیا مشکل کہ ان میں سے کچھ کی [illegible] زیادہ [illegible]) [illegible] سبھی بھائیوں کا تبلیغی جماعت کے کام سے گہرا تعلق ہے۔ اس سلسلہ میں دور دراز ملکوں کے سفر بھی کرتے ہیں۔ ۲ر فروری کو حافظ صاحب نے بمبئی میں

انتقال فرمایا تو ایک بیٹے آسام میں تبلیغی جماعت کے ساتھ تھے اور ایک بیٹے بنگلادیش کے تبلیغی اجتماع میں۔

حافظ صاحب کے سفر آخرت کی روداد ان کے صاحبزادے برادر عزیز و کرم مولوی محمد علی صاحب کے بھیجے ہوئے خط سے یہ معلوم ہوئی ہے کہ ۲۰ر فروری شنبہ کے دن گردے میں درد کی تکلیف ہوئی۔ رات کو عشا کی نماز بھی مسجد جاکر باجماعت ادا کی، رات بھر بے چینی رہی، آخر شب میں تہجد کی رکعتیں بھی پڑھیں، فجر کے وقت مسجد جانے کے لیے کپڑے بھی پہن لیے لیکن تکلیف کی شدت سے جانے کی ہمت نہ ہوئی تو گھر ہی پر ادا کی۔ قریب ہی رہنے والے ایک مخلص مولوی خلیل صاحب کو حافظ صاحب کی تکلیف کی اطلاع ہوئی وہ دس بجے سے کچھ پہلے دیکھنے آئے، نبض دیکھی تو اس میں غیر معمولی کمزوری محسوس ہوئی انھوں نے سورہ یٰسٓ شروع فرمائی ابھی پوری سورت پڑھ بھی نہ پائے تھے کہ حافظ صاحب کی روح قالب سے مفارقت اختیار کر کے ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ صاحب کے دوسرے بیٹے بھائی محمد خالد صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ والد صاحب کو قرآن مجید سے عشق تھا وہی ان کا وظیفہ تھا۔ قریباً روزانہ موٹر میں ان کے ساتھ چلا جاتا تھا، راستہ قریباً ایک گھنٹے میں طے ہوتا تھا، اس وقت میں بھی پابندی سے روزانہ مجھے قرآن شریف سناتے تھے میں چونکہ حافظ نہیں ہوں اس لیے دیکھ کر سنتا تھا۔ ایک دن پہلے سورہ مومنون تک سنایا تھا جو اس آیت پر ختم ہوتی ہے۔ وقل رّبّ اغفر وارحم وانت خیر الرّاحمین۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے ساتھ اس سے بھی بہتر رحم و کرم کا معاملہ فرمائے جس کی ہم بندے امید کرتے ہیں۔

رفیق قدیم و محترم مولانا ابو الوفا شاہجہاں پوری (علیہ الرحمہ)

۲۰ر فروری کے اخبار سے اچانک معلوم ہوا کہ ہمارے رفیق قدیم مولانا ابو الوفا شاہجہاں پوری، ۲۰ر فروری کو شاہجہاں پور ہی میں رحلت فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اس خبر کو پڑھ کر پوری نصف صدی پہلے گزرا ہوا وہ دور آنکھوں کے سامنے آگیا جب

دینِ حق اور اہلِ حق کی حمایت میں۔ ہم دونوں ساتھ رہا کرتے تھے۔ جلسوں میں ساتھ جاتے مناظروں میں ساتھ رہتے، اس دور کی جمعیۃ العلماء کی خاص و عام میٹنگوں میں ساتھ شرکت کرتے اور اکثر معاملات میں ہم دونوں کی رائے ایک ہوتی۔ مجلس احرار بھی اس وقت مسلمانوں کی متحرک و فعال اور بااثر مذہبی و سیاسی جماعت تھی مولانا ابوالوفا کا اس سے بھی گہرا تعلق تھا بلکہ وہ اس کے صوبہ یوپی کے رہنماؤں میں تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے ساتھ ہندوستان میں مجلس احرار گویا ختم ہوگئی۔ جمعیۃ العلماء سے مولانا ابوالوفا صاحب کا تعلق برابر اور گہرا رہا، جہاں تک معلوم ہے وہ طویل مدت سے "جمعیۃ علمائے ہند" کے نائب صدر تھے۔

مولانا مرحوم راقم سطور سے کئی سال پہلے دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تھے علمی اور درسی استعداد بہت اچھی تھی، شروع میں خاصی مدت تک اصل مشغلہ تدریس و تعلیم ہی رہا شاہجہاں پور کے ایک مدرسہ سے تعلق تھا، دوسرے مشاغل کا درجہ ثانوی تھا۔ لیکن بعد میں وعظ و تقریر ہی کا مشغلہ غالب آگیا۔ اب سے قریباً ۴۰ سال پہلے کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تبلیغ سے بھی تعلق رہا۔ مولانا کا اصل وطن لاہرپور ضلع سیتاپور تھا۔ تدریس ہی کے تعلق سے شاہجہاں پور میں قیام ہوا تھا، پھر یہیں کے ہوگئے اور اسی کو وطن بنالیا۔ قادیانیت کے رد میں مولانا کو تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ اب سے نصف صدی پہلے ریاست بہاولپور کا وہ تاریخی مقدمہ جس نے ہندوستان میں غیر معمولی اہمیت اختیار کرلی تھی۔ جس میں سرکاری عدالت سے قادیانیوں کے مسلمان یا نامسلمان ہونے کا فیصلہ ہونا تھا اور اس میں بیان دینے کے لیے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے بیماری اور سخت ضعف و نقاہت کی حالت میں سفر فرمایا تھا اور جاکر عدالت میں بیان دیا تھا اس پورے کیس کی پیروی آخر میں مولانا ابوالوفا صاحب ہی نے کی تھی اور آخرکار جج کی عدالت نے پہلی دفعہ قادیانیوں کے "نامسلمان" ہونے کا فیصلہ دیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ بڑے کتابی سائز کے ڈیڑھ سو صفحے پر تھا۔

کئی سال پہلے مولانا پر فالج کا حملہ ہوا تھا طویل مدت تک صاحب فراش اور چلنے پھرنے سے معذور رہے، زبان پر بھی بہت اثر تھا۔ پھر الحمد للہ حالت کافی بہتر ہوگئی۔ بقدر ضرورت سفر بھی کرتے تھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ دن پہلے فالج کا دوسرا سخت حملہ ہوا اور ۶ فروری کو اپنے رب کے حضور

حاضر ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

ناظرین کرام سے اس عاجز محمد منظور نعمانی کی گزارش ہے کہ ان مرحومین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا فرمائیں اور ہو سکے تو کم از کم ۳ بار سورہ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب ـــ یہ آپ کا احسان ہو گا۔ واللہ یحب المحسنین۔

کچھ قابلِ مطالعہ کتابوں کے جدید ایڈیشن

عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح

(جدید ایڈیشن اہم اضافوں کے ساتھ) از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی مشہور کتاب "قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں" پر خصوصیت کے ساتھ اور ان کی تفہیم و تشریح پر عمومیت کے ساتھ سنجیدہ علمی تبصرہ کیا گیا ہے — یہ کتاب "الدین النصیحۃ" کے حکم پر عمل کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ اس کی کوئی سیاسی غرض ہے نہ جماعتی مقصد، جو لوگ دین کی سنجیدہ اور مخلصانہ خدمت کرنا چاہتے ہیں اور ان میں طلبِ حق کی سچی جستجو کا جذبہ پایا جاتا ہے انھوں نے ہمیشہ صحت مند اور مخلصانہ مشورہ کی قدر کی ہے یقینی طور پر یہ کتاب ان کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ —— قیمت صرف ۷/۰

سیرتِ طیبہ

(مرتبہ قاضی زین العابدین میرٹھی) — طلبا و طالبات اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے ایک جدید و مفید کتاب جس میں سیرتِ نبوی کے تمام واقعات قرآن و حدیث و سیرت کی مستند قدیم کتابوں کی بنیاد پر شیریں زبان میں جدید اندازِ تعبیر کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ قیمت مجلد پلاسٹک کور ۱۰/۰

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

(از مولانا محمد منظور نعمانی) قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، بالکل نئے طرز کی کتاب ہے جو قرآنی دعوت و تعلیم سے روشناسی کے ساتھ قرآن کے اعجازِ بیان سے بھی لذت شناس کرتی ہے۔ نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ ۲۶×۲۰ سائز پر بہترین گلیز کاغذ اعلیٰ طباعت۔ قیمت مجلد -/۱۳

آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ اور آپ کی منزل کیا ہے؟

یہ کتابچہ مولانا محمد منظور نعمانی کی [illegible] کی ایک تقریر پر مشتمل ہے جس میں دینی مدارس کے طلبا کے لیے ایک جامع پیغام ہے۔ نیا [illegible] کے ساتھ ۲۰×۳۰ سائز پر۔ قیمت ۱/۲۵

میری طالب علمی

یہ تقریر دار العلوم دیوبند [illegible] کی گئی تھی۔ [illegible] مولانا [illegible] نے اپنی طالب علمی زندگی کے مختصر حالات نہایت سادہ انداز میں بیان کیے ہیں۔ نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ ۲۰×۳۰ سائز پر قیمت -/۷۵

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان ۳۱- نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

نئی اور اہم کتابیں
قرآن پاک کی تعلیم کے لیے بہترین کتاب
تیسیر القرآن
از مولانا عبدالوحید صاحب فتحپوری
آخری پارہ کا سہل ترجمہ، آسان تفسیر مع لغات القرآن
قرآن پاک سمجھنے کا شوق رکھنے والوں بالخصوص طلبہ کے لیے نہایت مفید کتاب ہے ـــ اوپر قرآن مجید کا متن، بین السطور میں ترجمہ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن سے لیا گیا ہے ـــ پھر مدرسانہ انداز میں لغات کی ضروری اور متوسط درجہ کی تحقیق ـــ اس کے بعد "ترجمہ و مطلب" کے عنوان سے دلنشین انداز میں تشریح و تفسیر ـــ یہ کتاب قریباً ۴۰ سالہ درسی تجربہ کے بعد لکھی گئی ہے۔ مدیر الفرقان حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ اس کی مستحق ہے کہ ہمارے تمام دینی مدارس اس کو اپنے تعلیمی نصاب کا لازمی جز بنالیں۔
۲۰×۲۶ سائز، ۱۹۲ صفحات، عمدہ کاغذ بہترین طباعت۔ ہدیہ -/۱۰
تمدن اسلام کی کہانی
از مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم
کیا اسلام کسی خاص تہذیب و تمدن کا خالق ہے؟ اور کیا مسلمانوں نے اپنی صدیوں کے دور حکمرانی میں کسی تمدن کو جنم دیا نیز دنیا کی بے شمار تہذیبوں میں اسلام کی تہذیب کیا ہے؟ اس مختصر سی کتاب میں ان تمام سوالات کا جواب انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ دیا گیا ہے اس کتاب میں خود تمدن اسلام نے واحد متکلم کے صیغے میں اپنی حکایت جو افسانہ نہیں بلکہ سرتاسر حقیقت ہے پورے خطیبانہ انداز میں اور انتہائی دلنشین اسلوب سے سنائی ہے۔ قیمت صرف ۱/۵۰
گلشن اخلاق
اپنے نام، مقصد اور موضوع، ہر گوشہ اور ہر زاویہ سے صدا بہار گلشن ہے۔ اس الحادی اور مادہ پرستانہ دور میں جبکہ اخلاق و اوصاف حمیدہ کا عام قحط ہے۔ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی ـــ اس میں حضرت سعدی شیرازی اور ان ہی جیسے حکمائے اسلام اور صوفیائے عظام کی اخلاقی و اصلاحی کتب سے قیمتی و انتہائی مفید مواد جمع کیا گیا ہے۔ مصنفہ جناب اشتیاق ... قیمت صرف -/۱۰
دیوبند سے بریلی تک
از مولانا مفتی عبدالقدوس رومی۔ علماء دیوبند پر بے بنیاد الزامات کا حقیقت افروز جائزہ۔ یہ اپنے موضوع پر بڑی حد تک جامع اور بہترین کتاب ہے۔ قیمت -/۱۰
ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

محمد منظور نعمانی
آسان حج
مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی
کتب خانہ الفرقان

Regd. No. LW/NP-62

Monthly **ALFURQAN** 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 48 NO. 2 & 3 FEB., MAR. 1980 Phone : 45547

الفرقان لکھنؤ

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/۰
پاکستان سے ۳۰/۰
بنگلادیش سے ۱۶/۰
فی شمارہ ۱/۵۰

ممالک غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ
کے بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جلد (۴۸) | بابت مئی ۱۹۸۰ء مطابق جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ | شمارہ (۵)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	محمد منظور نعمانی	۲
۲	دار العلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ	"	۹
۳	درس قرآن	"	۱۱
۴	معارف الحدیث	"	۱۸
۵	کردار سازی میں مدارس اور دینی تعلیم کا حصہ	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۲۵

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرنے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ ان کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس روپے ہندوستانی سکہ میں بذریعہ بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں! یا پاکستانی سکہ میں تیس روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر وایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

محمد منظور نعمانی

"مولانا مودودی (مرحوم) کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت ۔ اور اب میرا موقف" کے عنوان سے جو مضمون نومبر سے مارچ تک کے "الفرقان" کے شماروں میں شائع ہوا ہے اس کی پہلی قسط کی اشاعت کے بعد ہی سے "جماعت اسلامی" سے تعلق رکھنے والے پرجوش حضرات کے "عتاب نامے" آنا شروع ہو گئے تھے اور اب تک ان کا سلسلہ جاری ہے، ان میں مختصر بھی تھے جن میں صرف غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا تھا اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا اور کئی کئی صفحے کے بھی تھے۔ جن میں مضمون لکھنے والے کی کچھ زیادہ تفصیل سے خبر لی گئی تھی۔ اس عاجز نے اس سلسلہ کے ہر خط کو اس نظر سے پڑھا کہ اگر میرے مضمون کی کسی غلطی کی اس میں نشاندہی کی گئی ہو تو اس کے بارے میں غور کروں اور اگر معلوم ہو جائے کہ میرے قلم سے کوئی بات غلط لکھی گئی ہے تو اس کا اعتراف کر کے اس کی تصحیح کر دی جائے ـــــ لیکن کسی خط سے بھی ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔

قریباً ان تمام ہی خطوط سے یہ اندازہ ہوا کہ ان کے لکھنے والے چاہے زبان سے نہ کہتے ہوں اور شاید ان کو شعور بھی نہ ہو لیکن اُن کے تصور میں مودودی صاحب مرحوم کم از کم "امام معصوم" تھے جن پر اس طرح کی تنقید بھی جیسی کہ الفرقان کے اس مضمون میں کی گئی ہے عداوت اور دین دشمنی کے سوا کچھ نہیں ہے ـــــ جہاں تک میرا علم و اندازہ ہے مودودی صاحب مرحوم نے اپنے بارے میں کبھی اس طرح کا تاثر دینے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن فارسی کی پرانی مثل ہے "پیراں نمے پرند

مریداں می پرانند"۔ اللہ تعالیٰ ان بھائیوں کے حال پر رحم فرمائے۔

اسی عرصہ میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے بعض اخبارات و رسائل نے (غالباً اپنے حلقہ کی تسکین خاطر ہی کے لیے) چند اہل علم حضرات کے ایسے خطوط اور مضامین شائع کیے ہیں جن میں مولانا مودودی مرحوم کے علمی و فکری امتیازات و کمالات کا اعتراف اور ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے —— ان اخبارات و رسائل کے ارباب ادارت کو یقیناً معلوم ہوگا کہ خود یہ عاجز طویل مدت تک مودودی صاحب مرحوم کے بارے میں اس طرح کے خیالات ظاہر کرتا رہا ہے، اور اب بھی ایک حد تک اُن کے علمی و فکری امتیاز و کمال اور اُن کی خدمات کا معترف ہے —— خود اس مضمون کے آغاز میں بھی یہ اعتراف موجود ہے اور "الفرقان" کے گزشتہ ستمبر کے شمارے میں بذیل "وفیات" "مودودی صاحب مرحوم پر جو نوٹ قریباً ۔ ۔ ہ صفحے کا لکھا گیا تھا اس میں زیادہ تفصیل اور صراحت کے ساتھ یہ اعتراف کیا گیا تھا —— بہرحال اس عاجز کے نزدیک یہ اعتراف اور خراج تحسین بھی برحق اور عدل و انصاف کا تقاضا ہے ——

اور اس کے ساتھ اور اسی طرح یہ بھی ناقابل انکار واقعہ ہے کہ دین کے بارہ میں اُن سے بعض ایسی سنگین فکری غلطیاں ہوئی ہیں جن سے دین کی روح بدل جاتی ہے اور جو امت کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا سبب بن سکتی ہیں۔ (راقم سطور نے اِن غلطیوں کی نشان دہی پوری وضاحت کے ساتھ اپنے مضمون میں کر دی ہے اور وہی اس مضمون کا اہم مقصدی حصہ ہے) اور یہی خدا پرستی اور آخرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مسئلہ پر اُس سنجیدگی سے غور فرمائیں جس کا یہ مستحق ہے —— آج کل کی سیاسی قسم کی ترکیبوں سے اپنے حلقہ کے لوگوں کی توجہ اس سنگین مسئلہ کی طرف سے ہٹانا اور کچھ محترم حضرات کے خطوط یا مضامین شائع کر کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرنا ممکن ہے مودودی صاحب مرحوم اور جماعتی مصالح کے ساتھ وفاداری ہو، لیکن دین کے ساتھ اور عام رفقائے جماعت اور خود اپنے ساتھ بے وفائی ہے۔

اسی سلسلہ میں اور انہی دنوں میں جماعت کے کچھ اخبارات نے بعض معروف اور محترم

عرب علماء کے انٹرویو حاصل کر کے بھی شائع کیے ہیں جن میں مولانا مودودی مرحوم کے بارے میں بہت اچھی اور عقیدت مندانہ رائے ظاہر کی گئی ہے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ یہ عرب علمائے کرام مودودی صاحب مرحوم کے بارے میں جو کچھ اور جتنا کچھ جانتے ہیں اس کی بنیاد پر ان کو یہی رائے ظاہر کرنا چاہیے ـــــ جب تک اس عاجز راقم سطور اور اسی طرح رفیق محترم مولانا علی میاں ندوی اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب وغیرہ اُن حضرات کے جو اس معاملہ میں ہمارے شریک حال ہیں مولانا مودودی صاحب کے بارہ میں معلومات و تصورات صرف اسی قسم کے تھے جو اِن محترم عرب علماء کے ہیں تو ہم لوگوں نے صرف زبان و قلم سے اُن کے بارہ میں اچھے خیالات اور اچھی رائے کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ ان کو باصطلاح شرعی "امیر" مان کر سمع و طاعت فی المعروف کا عہد کیا تھا اور اس کے بعد وہ سب کچھ کیا تھا جس کا کچھ ذکر "سرگزشت" کے ضمن میں کیا جا چکا ہے، لیکن جب اُن کے وہ افکار اور وہ اقدامات سامنے آئے جن کو ہم نے کتاب و سنت کی روشنی میں زیغ و ضلال اور دین میں فتنہ سمجھا تو اپنے اس موقف کا اظہار بھی ہم نے اپنا ایمانی فریضہ سمجھا اور اللہ کی توفیق سے بلا خوف لومۃ لائم اور جماعت اسلامی کی پریس کی طاقت اور وسائل نشر و اشاعت کی وسعت کا لحاظ کیے بغیر یہ فریضہ ادا کیا، اگر ہم یہ فرض ادا نہ کرتے تو خدا کے مجرم ہوتے ۔ فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ

"جماعت اسلامی" سے تعلق رکھنے والے مخلصین غور فرمائیں کیا یہ محترم عرب علما جن کے انٹرویو شائع کیے جا رہے ہیں، مولانا مودودی مرحوم کی شخصیت اور اُن کے افکار سے ایسے ہی واقف ہیں جیسا کہ مثلاً یہ عاجز راقم سطور اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور مولانا عبدالغفار حسن (استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) اور مولانا وحید الدین خاں، اور مولانا حکیم عبید اللہ رحمانی وغیرہ جو طویل مدت تک جماعت اسلامی کے صرف رکن نہیں بلکہ سرگرم داعی رہے ہیں۔

جن لوگوں کا عرب علماء سے زیادہ واسطہ نہیں پڑتا وہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہمارے اس برصغیر کے اس طرح کے مسائل کے بارہ میں اُن حضرات کے علم و واقفیت کا حال کیا ہے ۔

ناظرین کرام بطور مثال ایک واقعہ پڑھ لیں ــــ سنہ ۵۲ء میں کراچی میں عالم اسلام کی عظیم شخصیت مفتی امین الحسینی علیہ الرحمہ کی صدارت میں "عالمی مؤتمر العلماء" کا اجلاس منعقد ہوا تھا، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اس کے اصل محرک و داعی تھے، اس میں شرکت کے لیے رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور اس عاجز کو بھی دعوت دی گئی تھی، مولانا علی میاں تو کسی وجہ سے تشریف نہیں لے جا سکے تھے راقم سطور نے شرکت کی تھی۔ وہاں پہنچ کر مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم سے ملاقات ہوئی (وہ غالباً اس وقت مجلس تحفظ ختم نبوت" کے صدر تھے) اُن کے ساتھ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلف اکبر مولانا سید ابو ذر بخاری بھی تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرات اس غرض سے اور اس کوشش میں آئے ہیں کہ مؤتمر میں شرکت فرمانے والے عرب علماء کرام سے ہندو پاکستان کے علماء کے اس متفقہ اور اجماعی موقف کی تائید و توثیق حاصل کر لیں کہ "قادیانی اسلام سے خارج ہیں۔" غالباً یہ حضرات یہ بھی چاہتے تھے کہ اس مسئلہ سے متعلق ایک تجویز بھی مؤتمر میں پاس ہو جائے[1]۔ کسی نے ان کو بتلایا کہ عرب علماء کا اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے آپ پہلے صدر اجلاس مفتی صاحب سے بات کر لیں، چنانچہ ان حضرات نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں مفتی صاحب سے بات کی، اُس وقت یہ عاجز بھی وہاں موجود تھا، دیر تک گفتگو ہوئی لیکن مفتی صاحب اُن کے موقف سے متفق نہیں ہو سکے ــــ ظاہر ہے کہ اس عدم اتفاق کی وجہ یہ نہیں تھی کہ دعوائے نبوت اور انکار ختم نبوت کے موجب کفر ہونے میں مفتی صاحب کو کوئی ترکیب شبہ یا توقف تھا، بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ قادیانیوں اور قادیانیت کا مسئلہ ہندوستان و پاکستان کے علماء کے لیے جیسا صاف اور روشن تھا عرب علماء کے لیے ایسا نہیں تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں اور قادیانیت کے خلاف برپا ہونے والی عوامی تحریکوں اور انکے نتیجہ میں ہونے والے حکومتی فیصلہ سے پہلے عرب علماء کا حال بالعموم یہی تھا کہ وہ قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھتے تھے اور ان میں سے جو حضرات قادیانیوں کی "خدمت اسلام" اور

---

[1] اس وقت تک پاکستان میں یہ مسئلہ عوامی نہیں بنا تھا، جہاں تک معلوم ہے مجلس تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ والے مسلمانوں کی کسی قابل ذکر جماعت کو اس دور میں یہ مسئلہ [illegible] نہیں تھی۔

"اشاعت اسلام" کے پروپیگنڈے سے متاثر تھے وہ تو قادیانیوں کی تکفیر کرنے والے ہندو پاکستان کے علماء ہی کو امت میں تفریق کا مجرم گردانتے تھے اور اس سلسلہ میں کچھ سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے تھے۔ راقم سطور کو اس کا ذاتی تجربہ ہے ــــــ بلکہ اب بھی بعض عرب علماء اسی حال میں اور اسی ذہن کے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے قادیانیت کا مسئلہ اس طرح واضح اور روشن نہیں ہے جس طرح ہمارے سامنے ہے اور یہ بالکل فطری بات ہے، اس لیے ہم ان کو ایک درجہ میں معذور سمجھتے ہیں۔

انتباہ | اس مثال سے اگر کوئی کرم فرما یہ نتیجہ نکالیں کہ راقم سطور نے مولانا مودودی مرحوم کو قادیانیوں کے ساتھ جوڑ دیا، تو یہ بڑا ظلم ہوگا، میرا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ عرب علماء مولانا مرحوم کی شخصیت اور ان کے افکار سے (خاص کر ان نظریات اور اقدامات سے جن پر راقم سطور نے اپنے مضمون میں گفتگو کی ہے) ہم لوگوں کی طرح واقف نہیں ہیں اور ان سے اس واقفیت کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی ــــــ

"ایشیا لاہور" کا تبصرہ یا جواب:۔

ناظرین کو جیسا کہ معلوم ہے مولانا مودودی مرحوم سے متعلق راقم سطور کے مضمون کی پہلی قسط الفرقان کے نومبر دسمبر ۱۹۷۹ء کے مشترک شمارے میں شائع ہوئی تھی ــــــ "جماعت اسلامی پاکستان کے سرکاری ترجمان" "ایشیا لاہور" کے محترم مدیر صاحب نے اس کی ۶ جنوری کی اشاعت میں اس قسط پر تبصرہ فرمایا تھا ــــــ الفرقان کے فروری و مارچ کے مشترک شمارے میں "نگاہ اولیں" ہی کے ذیل میں اس کا تذکرہ کر دیا گیا تھا لیکن اُس پر کسی طرح تبصرہ کرنے سے دانستہ گریز کیا گیا تھا تاکہ بحث و مباحثہ کا دروازہ نہ کھلے ــــــ اب "ایشیا" کا ۱۳ اپریل کا شمارہ مہینے کے آخری عشرہ میں پہنچا ہے، اُس میں مضمون کی دوسری قسط پر تبصرہ فرمایا گیا ہے گویا اس کا جواب دیا گیا ہے۔ یہ قسط جنوری کے الفرقان میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں مولانا مودودی صاحب کے "دین میں حکمت عملی" کے فلسفہ پر گفتگو کی گئی تھی جس کو راقم سطور اُن کی ایسی سنگین غلطی سمجھتا ہے جو امت اور خاص کر اُن کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال کا سبب بن سکتی ہے۔ اس سلسلہ

میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اس عاجز کے نزدیک اب بھی دو اور دو چار کی طرح واضح اور نا قابل تردید ہے ـــــــ

"ایشیا" کے دونوں تبصروں کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ان کے مطالعہ سے کوئی شخص بھی راقم سطور کے مدعیٰ اور موقف کو صحیح طور سے نہیں سمجھ سکتا۔ اس طرح کا تبصرہ یا جواب "فن کاری" ہو تو ہو دیانت داری نہیں ہے ـــــــ جماعت اسلامی کے اخبارات و رسائل میں اس طرح کی چیزیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مزاج پر سیاست کاری کس قدر غالب آگئی ہے بہر حال "ایشیا" کے ان تبصروں پر کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے یہ عاجز جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے حضرات اور خاصکر "ایشیا" کے ناظرین سے صرف یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ میرے اصل مضمون کو (جو اب کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے) سامنے رکھ کر "ایشیا" کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں ـــــــ میں اس مضمون کے آخر میں لکھ چکا ہوں کہ میں نے یہ مضمون بحث و مباحثہ کے لیے نہیں لکھا بلکہ اپنی عمر کے پیش نظر موت کا وقت قریب سمجھتے ہوئے صرف شہادت حق، برائت ذمہ، اور اصلاح کی امکانی کوشش کا فریضہ ادا کرنے کی نیت سے لکھا ہے۔ فستذکرون ما اقول لکم و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ۝

عجیب و غریب جسارت :-

اس شمارے کے لیے "نگاہ اولیں" کے ذیل میں جو کچھ لکھنا تھا وہ "ایشیا" کے تبصروں سے متعلق اوپر کی سطریں لکھ کر ختم کیا جا چکا تھا کہ "روز نامہ جسارت کراچی" کے "سید مودودی نمبر" کے ایک مضمون کی عکسی نقل کسی عنایت فرما کی بھیجی ہوئی ڈاک سے موصول ہوئی ـــــــ اس مضمون کے لکھنے والے کوئی حکیم اقبال حسین صاحب ہیں۔ اس میں مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی کے ساتھ اس عاجز کے تعلق اور پھر قطع تعلق کا بھی ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں بعض باتیں صحیح بھی لکھی ہیں لیکن بعض واقعات کے سلسلہ میں ایسی عجیب و غریب جسارت کے ساتھ غلط بیانی کی ہے کہ یہ توجیہ و تاویل بھی مشکل ہے کہ یہ اُن کے بالواسطہ معلومات کی یا حافظہ کی غلطی ہو گی ـــــــ اس میں متعدد ایسی باتیں بھی ہیں جن کا غلط اور خلاف واقعہ ہونا خود مودودی

صاحب مرحوم کے اُن مکاتیب سے معلوم ہو جاتا ہے جو اب سے چند ہی ہفتے پہلے "ایشیا لاہور" کے ۲۴ر فروری کے شمارے میں شائع ہوئے ہیں ——— (ان میں ایک مکتوب اس عاجز کے نام میرے خط کے جواب میں ہے اور چند اور مکاتیب مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے نام ہیں) ——— معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب نے "جسارت" کے نمبر کے لیے یہ مضمون "ایشیا" کے اس شمارے کی اشاعت سے پہلے لکھا تھا۔ اگر وہ مکاتیب اُن کے مطالعہ میں آچکے ہوتے تو اس طرح کی غلطیاں اُن سے سرزد نہ ہوتیں ——— اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ غلطی اسی لیے کرائی ہو کہ اُن کے بیان کے ناقابل اعتبار ہونے کے بارہ میں راقم سطور کو اپنی طرف سے کچھ کہنا نہ پڑے۔ "اِنَّ ربی لطیف لما یشاء وھو العلیم الحکیم"

محمد منظور نعمانی

دارالعلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

الفرقان کے فروری و مارچ کے مشترکہ شمارے میں جو اجلاس سے قریباً ایک ہفتہ پہلے شائع ہوا تھا، اسی عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اپنے دینی انحطاط دارالعلوم کے موجودہ حالات اور زمانہ کی رفتار سے کچھ خطرات محسوس کرتے ہوئے لکھا گیا تھا، لیکن جو وقوع میں آیا اُس نے بتلایا کہ ہم اُس سطح سے بہت نیچے گر چکے ہیں جس کا خطرہ تھا۔

اس عاجز کا دین و دنیا کا سارا سرمایہ بس وہ تھوڑا سا (بہت تھوڑا سا) علم ہی ہے جو از اول تا آخر دارالعلوم ہی کا صدقہ ہے —— اس مادر علمی کا باقاعدہ طالب علم بنکر تو اب سے قریباً ۵۰ سال پہلے صرف آخری دو درجوں کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن اس سے پہلے بھی جو کچھ کہیں پڑھا، دارالعلوم کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض یافتہ اساتذہ ہی سے پڑھا، اس طرح جو کچھ پایا اُس کا سرچشمہ دارالعلوم ہی ہے —— اس کے علاوہ دارالعلوم اور مسلک دارالعلوم سے ایک اختصاصی تعلق یہ بھی رہا کہ مختلف میدانوں میں اس کی نمائندگی اور وکالت و ترجمانی کا شرف بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور اس بارے میں اپنے اکابر و معتمدین کا پورا اعتماد نصیب رہا۔ ولا فخر!

ایک ضابطہ کا اور کسی درجہ میں ذمہ داری کا تعلق یہ بھی رہا کہ یہ عاجز قریباً چالیس سال سے اس کی مجلس شوریٰ کا رکن رہا ہے۔

اِن سب تعلقات کا تقاضا اور حق تھا کہ میں اجلاس میں نہ صرف شریک ہوتا بلکہ اس میں

پر انا یاں حصہ ہوتا ـــــ اجلاس کے بہت پہلے سے میں مختلف ممالک کے دوستوں کے خطوط کے جواب میں لکھتا رہا تھا کہ انشاءاللہ دارالعلوم کے اجلاس میں ملاقات ہوگی ـــــ پھر جب تاریخ قریب آنے لگی تو رزرویشن بھی کرالیا، لیکن صرف تین دن پہلے (جس دن مجھے دیوبند کے لیے روانہ ہونا تھا) اطلاع ملی کہ اجلاس کے منتظمین اور ذمہ دار حضرات نے اجلاس کے پروگرام کے سلسلہ میں (کسی مجبوری سے یا اپنے نزدیک صحیح ومناسب سمجھ کر) بعض ایسے فیصلے کرلیے ہیں جن سے بہرحال مجھے شدید اختلاف ہے اور دارالعلوم دیوبند جیسے مقدس روایات رکھنے والے علوم نبوی اور ہدایت وارشاد کے کسی مرکز کے لیے میرے نزدیک ایسی کسی بات کا کوئی جواز نہیں ہے۔

یہ اطلاع ملنے کے بعد میں غور وفکر کرکے اس نتیجہ پر پہنچا کہ اب وہاں پہنچکر میرے برملا اظہار اختلاف سے صرف انتشار ہی پیدا ہوگا، پروگرام میں کسی تبدیلی کا اب کوئی امکان نہیں ہے ـــ اس لیے میں نے اپنے بارے میں اجلاس میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ کرلیا اور سفر کا ارادہ فسوخ کردیا۔

ممکن ہے کہ جن حضرات نے وہ فیصلے کیئے جن سے مجھے اختلاف ہے اُن کے پاس اس کی کچھ وجوہ ہوں جن پر وہ فیما بینہم وبین اللہ مطمئن ہوں، لیکن اس عاجز کا نقطۂ نظر وہی ہے جس کو ان سطروں میں عرض کیا گیا۔ "کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ"

گزشتہ دو تین ہفتوں میں اندرون ملک اور بعض بیرونی ممالک سے بھی راقم سطور کے پاس بکثرت خطوط آئے ہیں جن میں دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم سے میرے تعلق کی بنیاد پر اجلاس سے متعلق مختلف قسم کے سوالات کیے گئے ہیں، بعض اخبارات ورسائل نے بھی اس سلسلہ میں مجھے مخاطب کیا ہے اور میرا موقف دریافت کیا ہے۔ بعض خطوط میں میری عدم شرکت کے بارے میں بھی دریافت کیا گیا ہے۔ میں نے ان خطوط ومراسلات کا الگ الگ جواب دینے کے بجائے الفرقان ہی میں یہ سطریں لکھ دینا مناسب سمجھا۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

- رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام و مرتبہ اور آپ کی بعثت کی غایت
- آپ سے بیعت کرنے والے خدا سے بیعت کرتے ہیں
- بیعت کے بعد عہد شکنی اپنے ہی پر ظلم ہے، اربابِ وفا کے لیے اجر عظیم ہے

حمد و صلوٰۃ　اعوذ　اور بسم اللہ کے بعد

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (سورۃ الفتح آیات ۸-۱۰)

(اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو بھیجا ہے شہادت دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہی دینے والا بنا کر، تاکہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور اس کی مدد کرو اور اس کی توقیر و تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ (اے ہمارے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے ان کے ہاتھ پر، پس جو کوئی عہد شکنی کرے گا تو اس کی عہد شکنی کا وبال خود اسی پر پڑے گا، اور جو اس عہد کو پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

(سورۃ الفتح آیات ۸ تا ۱۰)

(تفسیر و تشریح) اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے ان عظیم انعامات کا ذکر کیا گیا تھا جو واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں اور اس کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے رفقا پر ہوئے تھے۔ اس کے بعد اسی واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں منافقین اور مشرکین پر نازل ہونے والے خدا کے غضب اور عذاب کا ذکر کیا گیا تھا اور ان کو سخت انتباہ دیا گیا تھا ـــــ اب ان آیتوں میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ ہمارے ان رسول کا مقام و مرتبہ کیا ہے اور اہل ایمان کا معاملہ اور رویہ آپ کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔

بظاہر ان آیتوں میں روئے سخن خصوصیت سے مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے ان اعراب (بدویوں) کی طرف ہے جو اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل تو ہو گئے تھے لیکن اُن کے دلوں کو ایمان و یقین کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی تھی، اپنے اسی حال کی وجہ سے یہ حدیبیہ والے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوئے تھے، اوپر والی آیت "لِيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ ..... الآية" میں ان کو منافقین کہا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اپنے اس منافقانہ کردار اور رویہ کی وجہ سے وہ خدا کے عذاب اور غضب و لعنت کے مستحق ہو چکے ہیں ـــــ آگے کی آیتوں میں ان اعراب (بدویوں) کا ذکر صراحت کے ساتھ آ رہا ہے۔

بہر حال ان آیتوں (إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ..... أَجْرًا عَظِيمًا) میں سب سے پہلے یہ بتلایا گیا ہے کہ ہمارے رسول کی حیثیت کسی قبیلہ کے سردار، کسی جماعت، کسی حلقے کے امیر و سربراہ اور سیاسی لیڈر کی نہیں ہے بلکہ اُن کا مقام و مرتبہ اور ان کی شان یہ ہے کہ وہ ہمارے بھیجے ہوئے رسول اور پیغمبر ہیں، ہم نے ان کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

یہاں آپ کا پہلا وصف "شاہد" (شہادت دینے والا) ذکر کیا گیا ہے، یہ لفظ قرآن مجید میں (اور ہماری زبان میں بھی) اُس گواہی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو اپنے علم و مشاہدہ کی بنا پر کسی متنازعہ معاملہ اور مقدمہ میں عدالت کے سامنے دی جاتی ہے ـــــ اور کسی اہم غیبی حقیقت پر اپنے کامل یقین اور اذعان و ایمان کے اظہار کے لیے اور دوسروں

کو اُس سے باخبر کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ "ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول برحق ہیں"

اللہ کے پیغمبروں کا سب سے اہم امتیازی وصف یہی ہوتا ہے کہ وحی الٰہی کے ذریعہ ان کو جن غیبی حقائق کا علم و انکشاف ہوتا ہے (جو ہمارے مشاہدہ والے علم سے بھی زیادہ یقینی اور بدیہی ہوتا ہے)، وہ دوسرے بندگانِ خدا کے سامنے اُن کو بیان فرماتے اور ان کی شہادت دیتے ہیں، اور ان پر ایمان لانے کی ان کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ یہ "شہادت" تمام انبیاء علیہم السلام کا امتیازی وصف و منصب اور ان کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے —— تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حیثیت سے بھی "شاہد" ہیں اور اس بارہ میں آپ کو یہ اختصاص و امتیاز حاصل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب پر فائز کیا اور توحید اور آخرت اور جنت، دوزخ وغیرہ غیبی حقائق اور خداوندی احکام کا وحی کے ذریعہ علم و یقین عطا فرما کر اس فریضہ "شہادت" کے لیے مامور کیا اور آپ نے زندگی کے آخری دن اور آخری وقت تک یہ فریضہ شہادت ادا کیا —— پھر آپ کی نیابت میں اور گویا آپ ہی کی طرف سے امت کو "شہادت" کا یہ فریضہ ہمیشہ ادا کرنا ہے، اس طرح آپ کی "شہادت" قیامت تک کے لیے ہے —— بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حیثیت سے بھی "شاہد" ہیں اور ایسے شاہد ہیں کہ کوئی دوسرا اس طرح کا شاہد نہیں —— اور دوسری حیثیت آپ کے شاہد ہونے کی یہ ہے کہ قیامت میں آپ بارگاہِ خداوندی میں اپنی امت کے رویہ کے بارے میں اور انبیاء سابقین کے فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بارے میں شہادت اور گواہی دیں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

بہرحال اس آیت (إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے آپ کا پہلا وصف و امتیاز یہی ذکر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ کو "شاہد" بنا کر بھیجا ہے —— اور بلاشبہ یہ بہت بلند مقام ہے —— اس کے آگے دو وصف اور بیان کیے گئے ہیں "مُبَشِّر" اور "نذیر" یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے وفادار اور نیکو کار بندوں کو اُس کی رحمت و رضا اور جنت وغیرہ کی خوشخبری سنانے والے اور مجرموں، نافرمانوں کو اس کے غضب و عذاب

کی آگاہی دینے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں ـــــ مطلب یہ ہے کہ آپ جو بشارت سناتے اور جو آگاہی دیتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول اور نمائندے ہونے کی حیثیت سے دیتے ہیں اس لیے ان کی دی ہوئی خوشخبری اور اُن کی آگاہی دراصل اللہ تعالیٰ کی خوشخبری اور اسی کی آگاہی ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے "لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ آپ کو رسول اور شاہد اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی تعلیم و ہدایت کو قبول کر کے تم سچے پکے مومن بن جاؤ اور شہادتِ حق اور دعوت الی اللہ کا جو مشن آپ لیکر آئے ہیں اور جس کے لیے آپ جد و جہد کر رہے ہیں، اس میں آپ کے مددگار اور دست و بازو بن جاؤ اور آپ کی وہ تعظیم و توقیر کرو جو اللہ کے اس رسول کی کرنی چاہیے جو اُس کی طرف سے شاہد اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہو ـــــ اور اس کی تعلیم و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے صبح و شام اللہ کی تسبیح و عبادت کرو ـــــ بظاہر یہاں تسبیح کا مطلب صرف "سبحان اللہ" کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا عنوان ہے جس میں اس کی تسبیح و تقدیس بھی ہوتی ہے، نماز اُس کی کامل ترین صورت ہے ـــــ تو مطلب یہ ہوگا کہ صبح و شام کے اوقات میں خاص طور سے اللہ کا ذکر، اُس کی تسبیح و تقدیس اور عبادت کرو ـــــ اللہ کے ذکر و عبادت اور حمد و تسبیح کے لحاظ سے ان دو وقتوں کو بلاشبہ خاص اہمیت حاصل ہے۔ ایک رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ اور دوسرا دن کا آخری اور رات کا ابتدائی حصہ ـــــ انہی دو وقتوں کو "بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس آیت نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد اور بشیر و نذیر بنا کر بھیجے جانے کی غایت اور خاص مقصد یہ ہے کہ جن کو آپ کی دعوت پہنچے ان کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی حقیقت نصیب ہو، وہ سچے پکے مومن ہو جائیں اور آپ کی دینی دعوت اور جد و جہد میں دل و جان سے آپ کے ساتھ اور آپ کے مددگار رہیں اور اُن کے دلوں میں آپ کی کماحقہ عظمت ہو، جس کے نتیجہ میں وہ آپ کے پورے فرمانبردار اور تابعدار

ہوں اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور اس کی عبادت اُن کا معمول ہو۔

اس آیت کی روشنی میں ہم سب کو اپنے کو دیکھنا اور جانچنا چاہیے کہ ان باتوں کے لحاظ سے ہمارا کیا حال ہے۔ یقیناً بہت کمی کسر ہے ہمیں اس کمی کسر کو پورا کرنے کی اور اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش کرنی چاہیے۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ...... فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا"

اس آیت میں بھی ایمان لانے والوں اور اسلام قبول کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل فرمانبرداری اور وفاداری اور ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اور اس کے لیے نہایت بلیغ اور بہت ہی مؤثر اور دل آویز عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن میں رکھ لیجیے کہ عہد نبوی میں عام دستور یہ تھا کہ جو لوگ ایمان لاتے اور اسلام قبول کرتے وہ اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس طرح دے کر کہ اُن کا ہاتھ نیچے اور حضور کا دست مبارک اُس کے اوپر ہوتا بیعت کرتے تھے۔ یہ بیعت اس بات کا عہد اور اقرار ہوتا تھا کہ ہم نے آپ کو اللہ کا رسول مان لیا اور آپ کا لایا ہوا دین قبول کر لیا، اب ہم ایک امتی کی حیثیت سے آپ کی فرمانبرداری اور پیروی کریں گے اور دین کی دعوت اور جد و جہد میں آپ کا ساتھ دیں گے یہ بیعت —— "بیعتِ اسلام" کہلاتی تھی —— اس کے علاوہ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں سے بھی جو اسلام لا چکے ہوتے تھے "جہاد" یا جہاد میں ثابت قدمی پر یا دوسرے اعمال خیر پر بھی بیعت لیتے تھے۔ چنانچہ اسی حدیبیہ کے واقعہ میں جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں ایک مرحلہ پر آپ نے جہاد اور اس میں استقامت پر اپنے تمام رفقا سے بیعت لی تھی جو اسلام کی تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے معروف ہے اور اس کا ذکر اسی سورت میں آگے آ رہا ہے۔ اور مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیعت لی تھی اہتمام سے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور اس بات پر کہ میں ہمیشہ امت مسلمہ کے ہر فرد کے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین طرح کی بیعتیں ثابت ہیں ـــــ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا بیعت کا طریقہ یہی ہوتا تھا کہ بیعت کرنے والا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس طرح اپنا ہاتھ دے کر بیعت اور عہد و اقرار کرتا تھا کہ اس کا ہاتھ نیچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اس کے اوپر ہوتا تھا ـــــ انہی بیعت کرنے والوں کے بارے میں اس آیت میں فرمایا گیا ہے "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ" ...... "الآیۃ" ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت اور معاہدہ کرتے ہیں انھیں سمجھنا چاہیے کہ وہ فی الحقیقت اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت اور عہد معاہدہ کر رہے ہیں، اس بیعت کے وقت اُن کے ہاتھ پر جو آپ کا ہاتھ ہوتا ہے وہ اللہ کے ہاتھ کے قائم مقام ہوتا ہے اور اس لحاظ سے گویا وہ اللہ ہی کا ہاتھ ہوتا ہے، کیونکہ آپ یہ بیعت اپنی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور سفیر کی حیثیت سے اور اللہ ہی کے احکام کی تعمیل اور اس کے دین کی راہ میں جد و جہد ہی کے لیے لیتے ہیں اس لیے یہ بیعت درحقیقت براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے جو علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہے، ہر بندے کے ظاہری اعمال و احوال کی طرح اس کا باطن اور دل کے راز بھی جانتا ہے اور ہر ایک کو مرنے کے بعد اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ پھر ہر ایک اپنے عمل و کردار کی جزا یا سزا پائے گا ـــــ آگے فرمایا گیا ہے "فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا" مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت فی الحقیقت اللہ جل جلالہ سے بیعت اور عہد معاہدہ ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ جو شخص اپنی بدبختی سے بیعت کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کرے گا وہ اپنے کو خدا کے غضب و عذاب کا مستحق بنائے گا اور جو بندے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں گے وہ خداوندی انعام کے مستحق ہوں گے اور وہ رب کریم اس وفاداری پر ان کو اجر عظیم سے نوازے گا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا بظاہر ان آیتوں کا روئے سخن خصوصیت سے مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے اُن اعراب (بدویوں) کی طرف ہے جو اسلام تو قبول کر چکے تھے لیکن

ابھی اُن کے ایمان میں کمزوری تھی۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ جب حضور نے عمرہ کے لیے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی تو دوسرے مخلص اہل ایمان کی طرح یہ بھی لبیک کہہ کے ساتھ ہو لیتے۔ لیکن انھوں نے حیلے بہانے کیے اور حضور کے ساتھ نہیں نکلے، یہ ان کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی تھی۔

تو بظاہر اس آیت میں خصوصیت سے ان لوگوں کو اور بالعموم تمام بیعت کرنے والوں کو آگاہی دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کے ہاتھ پر بیعت اور عہد معاہدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی اور عہد شکنی اپنے ہی نفس پر بڑا ظلم اور بدترین قسم کی خودکشی ہے۔ لیکن اگر وہ سچے دل سے تائب ہو کر آئندہ کے لیے صدق و وفا کا طریقہ اپنا لیں تو اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرمانے والا ہے اور وہ اس کی کریمی سے "اجر عظیم" کی توقع کر سکتے ہیں۔

اس آیت کے حقیقی مصداق تو بلاشبہ وہی صحابہ کرام ہیں جن کو حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت کرنا نصیب ہوا لیکن تنا شرف ہم کو اور آپ کو بھی حاصل ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان کر اور کلمہ پڑھ کر حضور سے غائبانہ بیعت کی ہے اور آپ کی فرماں برداری اور پیروی کا عہد کیا ہے تو آیت کے آخری حصہ میں ہمارے آپ کے لیے بھی آگاہی اور بشارت ہے کہ فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہٖ ومن اوفیٰ بما عٰھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیماً ۝

کتاب المعاملات

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

(مسلسل)

نظام حکومت ـــــ خلافت و امارت (۲)

خلیفہ اپنا جانشین نامزد بھی کر سکتا ہے
اور اہل حل وعقد کے انتخاب پر بھی چھوڑ سکتا ہے

دور حاضر کے مغربی نظام جمہوریت سے مرعوبیت کے نتیجہ میں کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ "اسلامی نظام" میں استخلاف (یعنی سربراہ حکومت کی طرف سے اپنے جانشین کی نامزدگی) کی گنجائش نہیں ہے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف مرعوبیت کی پیداوار ہے۔ استخلاف اور نامزدگی کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا انحصار حالات اور اشخاص پر ہے، اگر خلیفہ وقت (موجودہ سربراہ حکومت) کسی شخص کے بارے میں پوری دیانت داری کے ساتھ سو فی صدی مطمئن ہے کہ اس منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت ہے اور عوام بھی اس کی سربراہی کو بخوشی قبول کر لیں گے تو اس صورت میں خلافت کے لیے اس کی نامزدگی نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہوگی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی صورت حال میں خلیفہ نامزد کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں صدیق ابو بکر کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر آپ کو یہ انکشاف ویقین ہو گیا کہ آپ کے بعد آپ کے

خلیفہ اور جانشین صدیق اکبر ہی ہوں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہی مسلمانوں کا فیصلہ ہوگا، تو آپ نے ان کو باضابطہ نامزد نہیں کیا۔ اگرچہ اپنے مرض وفات میں اپنی جگہ انہی کو امام نماز بنا کر اس طرف کھلا اشارہ فرمادیا۔

الغرض اگر خلیفۂ برحق دین اور امت کے حق میں کسی اہل کی نامزدگی کو بہتر سمجھے تو اُس کو اس کا حق ہے اور اس طرح وہ نامزد شخص خلیفہ برحق ہوگا —— اور اگر خود نامزد کرنے کے بجائے ارباب حل و عقد کی ایک مجلس کو انتخاب کا اختیار دینا مناسب سمجھے اور ایسا کرے تو یہ بھی صحیح ہوگا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا —— اور اگر کسی وقت دین اور امت کے حق میں انتخاب کے دائرہ کو وسیع کرنا مناسب سمجھا جائے تو ایسا کرنا بھی درست ہوگا —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے طرز عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل قابل لحاظ چیز مقصد ہے، استخلاف اور انتخاب امیر کا کوئی خاص طریقہ اور ضابطہ متعین نہیں ہے وہ دینی مقاصد اور شرعی حدود و احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے حالات کے مطابق تجویز کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَرَضِهِ اُدْعِي لِي اَبَا بَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّي اَخَافُ اَنْ يَتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُولَ قَائِلٌ اَنَا. وَلَا وَيَابَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ۔ رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن بن ابی بکر) کو میرے پاس بلا دو تاکہ میں (خلافت کے بارہ میں) تحریر لکھوا دوں، مجھے اندیشہ ہے کہ خلافت کی تمنا رکھنے والا کوئی آدمی اس کی تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے میں ہوں اس کا مستحق اور وہ نہیں ہوگا مستحق، اور اللہ تعالیٰ کو اور مومنین کو ابو بکر کے سوا کوئی منظور نہ ہوگا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ارادہ فرمایا تھا کہ اپنے بعد خلیفہ کی حیثیت سے ابو بکر صدیق کو نامزد فرمادیں اور "خلافت نامہ" تحریر

کرادیں اور اس کی تکمیل کے لیے حضرت ابوبکر اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلوانا بھی چاہا تھا لیکن پھر آپ کو یہ انکشاف و یقین ہوگیا کہ مشیت الٰہی میں یہی طے ہو چکا ہے اور میرے بعد اہل ایمان ابوبکر کے سوا کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے تو آپ نے اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہی مناسب سمجھا کہ میری نامزدگی کے بغیر ہی اہل ایمان کے انتخاب سے وہ خلیفہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ——— بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ استخلاف اور نامزدگی بھی ایک طریقہ ہے جس کے بارے میں آپ نے سوچا تھا اور اس کا اظہار بھی فرما دیا تھا ——— صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بعد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو غالباً ان کے سامنے دلیل کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارادہ تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لیے خلیفہ کو خود نامزد کرنے کے بجائے مسئلہ کو ایک مجلس شوریٰ کے سپرد کیا تو انھوں نے حضور کے عمل سے روشنی حاصل کی ——— الغرض اسی ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ استخلاف و نامزدگی بھی درست ہے اور انتخاب بھی۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ صرف ۳۰ سال

عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ ——— رواہ ابوداؤد

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافۃ النبوۃ (یعنی نبوی اصول و طریق کار کی پابندی کے ساتھ نظام حکومت کی سربراہی) صرف ۳۰ سال تک رہے گی، اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف کر دی گئی تھی کہ آپ کی امت میں آپ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ یعنی ممکن حد تک آپ کے اصول اور طور طریقوں کے ساتھ نظام حکومت صرف ۳۰ سال تک چلے گا۔ اس کے بعد بس بادشاہی اور حکمرانی کا دور آجائے گا ——— چنانچہ ایسا ہی ہوا ——— حضور کی وفات کے ٹھیک تیسویں سال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے

حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین اور خلیفہ ہوئے۔ لیکن انھوں نے چند ہی مہینے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی کے مطابق حضرت معاویہ سے صلح کر لی اور اُن کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت حسن کی خلافت کے یہ چند مہینے بھی شامل کر لیے جائیں تو پورے تیس سال ہو جاتے ہیں ــــ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور خلافت راشدہ، جس کو اس حدیث میں "خلافۃ النبوۃ" کہا گیا ہے بس ان تیس سالوں تک رہی ــــ اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا اور رشد و رشدہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی جگہ بادشاہت کا رنگ آ گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ آپ کی وفات کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا جس کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا آپ نے اس کی اطلاع دی۔ اور وہی وقوع میں آیا۔ ظاہر ہے کہ آپ کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ہی ذریعہ ہوا تھا۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کا صحیح طریقہ:۔

عَنْ عِيَاضِ بْنِ غَنْمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْصَحَ لِذِىْ سُلْطَانٍ بِاَمْرٍ فَلَا يُبْدِهٖ لَهٗ عَلَانِيَةً وَلٰكِنْ لِيَاْخُذْ بِيَدِهٖ فَيَخْلُوْ بِهٖ فَاِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ وَاِلَّا كَانَ قَدْ اَدّٰى الَّذِىْ عَلَيْهِ ــ

ــــــــــ رواہ احمد

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی صاحب حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ علانیہ (اور دوسروں کے سامنے) نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے۔ پھر اگر وہ اس کو قبول کرلے اور مان لے تو فبہا (یعنی مقصد حاصل ہو گیا۔) اور اگر اس نے نصیحت قبول نہیں کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کردیا۔ (مسند احمد)

(تشریح) بیشک حکمتِ نصیحت کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کر اہل حکومت اور اصحاب وجاہت کو نصیحت اُن سے تنہائی میں ملاقات کر کے کی جائے، یہ طرزِ عمل مخاطب کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ نصیحت کرنے والا مخلص اور میرا خیر خواہ ہے اور اگر اچھی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت سے اس کا دل بالکل خالی اور محروم نہیں ہے تو قبول کرنے کی پوری امید ہوتی ہے ـــــ اس کے برخلاف علانیہ اور دوسروں کے سامنے نصیحت میں وہ اپنی توہین محسوس کر سکتا ہے اور اس کا ردعمل بہت برا بھی ہو سکتا ہے ـــــ رازدارانہ خط وکتابت کے ذریعہ نصیحت کرنا بھی تنہائی کی ملاقات ہی کے حکم میں ہے۔

حکمرانوں کا ظلم وتشدد ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ اور خدا کا عذاب ہوتا ہے لہذا اربابِ حکومت کو کوسنے کے بجائے خدا کی طرف رجوع ہو اور اس سے دعا کرو!

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مَالِکُ الْمُلُوْکِ وَمَلِکُ الْمُلُوْکِ قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ فِیْ یَدِیْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْکِہِمْ عَلَیْہِمْ بِالرَّحْمَۃِ وَالرَّاْفَۃِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَہُمْ بِالسَّخْطَۃِ وَالنَّقْمَۃِ فَسَامُوْہُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْکِ وَلٰکِنْ اَشْغِلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالذِّکْرِ وَالتَّضَرُّعِ کَیْ اَکْفِیَکُمْ مُلُوْکَکُمْ ـــــ رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں، میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہانِ عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) کہ جب میرے بندے میری اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں تو میں اُن کے حکمرانوں کے دلوں کو رحمت وشفقت کے ساتھ اُن بندوں پر متوجہ

کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں اُن کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور عذاب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لیے بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ مشغول کرو اپنے کو میری یاد میں اور میری بارگاہ میں الحاح وزاری میں، تاکہ میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لیے۔ (حلیۃ الاولیا لابی نعیم)

(تشریح) اس دنیا میں جو اچھے برے حالات آتے ہیں تو ان کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنکو دنیا کی عام سمجھ رکھنے والے سمجھ لیتے ہیں۔ اور کچھ غیبی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خداوند تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے کہ بندوں پر دنیا میں جو اچھے برے حالات اُن کے حکمرانوں کی طرف سے آتے ہیں وہ دراصل ان کے اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں بادشاہوں کا بادشاہ اور سب حاکموں کا حاکم ہوں، سب حکمرانوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں۔ اور میرا یہ قانون و دستور ہے کہ جب بندوں کی عام زندگی اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے تو میں اُن کے حاکموں کے قلوب میں ان کے لیے رحمت و شفقت ڈال دیتا ہوں تو ان کا برتاؤ رحمت و شفقت کا ہوتا ہے اور اگر ان کی زندگی نافرمانی و بدکرداری کی ہوتی ہے اور معصیت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں ان کے حاکموں کے قلوب میں اُن کے لیے غصہ اور تکلیفیں دینے کا جذبہ ڈال دیتا ہوں پھر وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں اور ستاتے ہیں، تو دراصل یہ میرا عذاب ہوتا ہے، تمہارے حکام صرف آلۂ کار ہوتے ہیں ——— آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جب حاکموں سے تم کو تکلیفیں پہنچیں تو ان کے لیے بددعائیں نہ کرو ان کو نہ کوسو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا ——— مجھے یاد کرو معصیتوں کی زندگی سے توبہ کر کے میری فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرو، آہ وزاری کے ساتھ میری طرف رجوع ہو، اس طرح تم حاکموں کے مظالم سے نجات پا سکو گے

جب نادر شاہ نے دلی کو تاراج کیا اور دلی والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو اس وقت کے عارف حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے فرمایا تھا

"شامتِ اعمال ما صورتے نادر گرفت"

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
استاذ حدیث و تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

کردار سازی میں مدارس اور دینی تعلیم کا حصہ

[یہ مقالہ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس (منعقدہ ۲۱-۲۲-۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء) کے لیے لکھا گیا تھا، لیکن وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اجلاس کی ایک مخصوص نشست میں اس کا بہت تھوڑا حصہ پڑھا جا سکا تھا۔ اب محترم مقالہ نگار نے الفرقان میں اشاعت کے لیے مرحمت فرمایا ہے۔

اس مقالہ کی خاص نوعیت کا تقاضا تھا کہ ایک ہی شمارہ میں یہ شائع کیا جائے اس غرض سے کچھ اختصار کا عمل بھی کرنا پڑا ہے، اور وہ تمہید جو اجلاس میں شریک ہونے والے سامعین کو چشم تصور کے سامنے رکھ کر لکھی گئی تھی، اس ناگزیر اختصار کی خاطر اس کو بھی حذف کرنا پڑا ہے۔ اس کے لیے ہم محترم مقالہ نگار سے معذرت خواہ ہیں۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

..... وقت کی قلت اور آپ حضرات کے مبارک اوقات کی قیمت کا خیال کرتے ہوئے تمہید کو مزید طول دیے بغیر اپنے موضوع "کردار سازی میں مدارس اور دینی تعلیم کا حصہ" کی طرف آتے ہوئے آپ جیسے باخبر حضرات کو یہ بتانا تو قطعاً غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معیاری اور آئیڈیل پہلا وہ مدرسہ ہے جس کی بنیاد خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں انہی کی بابرکت مسجد کے اندر "صفہ" پر رکھی گئی تھی، اور ایک جلیل القدر داعی و مورخ کے الفاظ میں "عظیم النسب اور عالی قدر مدرسہ وہی ہے جس کا شجرۂ نسب صفۂ نبوی پر جا کر ختم ہو"

اس بنا پر معیاری تعلیم کے لیے ہی نہیں معیاری معلّم و متعلم کے لیے بھی اُسی مدرسہ کو اسوہ (آئیڈیل) سمجھنا ہوگا۔ اُس سے جو مدرسہ اور معلم و متعلم جتنا قریب ہوگا اُتنا ہی بلند مرتبہ پانے کا مستحق بنے گا، اسی طرح کردار سازی اور کردار میں جو درسگاہ اور اس کے وابستگان اس سے جتنے مشابہ ہوں گے اُتنے ہی وہ کامیاب قرار دیے جائیں گے۔ اسی وجہ سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ سب سے پہلے اولین مدرسہ اور اس کے معلم کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) نیز متعلمین کے کردار کا ـــــ مختصر ترین ہی سہی ـــــ تذکرہ کریں، اس کے بعد صحیح النسب مدارس اور ان میں ڈھلنے اور پلنے والوں کا جائزہ لیکر دیکھیں کہ ان کا کردار سازی میں کتنا حصہ ہے؟ بلکہ زیادہ صحیح تعبیر شاید یہ ہو کہ کردار سازی صرف انہی کا حصہ ہے۔

اولین معلم (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے خود خالق نے "انک لعلیٰ خلق عظیم" کی سند دی ہو اور جس کے شمائل و خصائل سب ہی حمید ہوں اور اس کے علاوہ ایسے واضح اور روشن بھی ہوں کہ دشمن بھی ان الفاظ میں اعتراف کرنے پر مجبور ہو کہ ـــــ "کوئی شخص سیرت نبوی کے متعلق نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، کیونکہ یہاں دن کی پوری روشنی ہے[1]" ـــــ ایسی ذات گرامی کی حیات طیبہ کا بیان آپ جیسے ذی علم حضرات کے سامنے اور اتنے مختصر وقت میں جرأتِ بیجا اور بحر ناپیدا کنار میں شناوری کی طفلانہ کوشش کے سوا اور کسی عنوان کا مستحق نہ ہوگا۔

اسی طرح "مدرسۂ اولیٰ" کے تمام متعلمین کے کردار پر مختصر روشنی ڈالنا بھی کسی مقالہ کا نہیں ضخیم کتاب کا موضوع ہے۔ اس لیے یہاں "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اس بابرکت درسگاہ کے صرف ایک نمونہ (حضرت ابو ہریرہؓ) کی ہلکی سی جھلک دکھانے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

اُن کا تحصیل علم میں انہماک کا یہ حال تھا کہ وہ معلم انسانیتؐ کے گویا سایہ بن گئے تھے کہ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لیجاتے یہ بھی جاتے اور اکتساب علم کا جذبہ انہیں اتنے قریب رہنے پر آمادہ کرتا کہ "فکانت یدہ مع ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" والی کیفیت ہو جاتی۔[2]

---

[1] لائف آف محمد، باسورتھ اسمتھ ص۳۴۱ بحوالہ تدوین حدیث ص۵۵ للفاضل الگیلانی۔ [2] الاستیعاب للحافظ ابن عبدالبر ص۲۱۹ ج ۲۔ (ترجمہ) ان کا ہاتھ اللہ کے رسول کے ہاتھ سے ملا رہتا۔

اور اس کا ذکر تو صحیحین میں بھی ملتا ہے کہ انھوں نے جب سے آستانۂ نبوی پر قدم رکھا (سنہ میں) تو اسی کے ہو رہے، نہ گھر بار سے خاص سروکار رکھا نہ کسب معاش کے جھمیلوں میں خود کو ڈالنا گوارا کیا، اور نہ بھوک اور پیاس کی پرواہ کی، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ بھوک کی وجہ سے کھڑا ہونا بلکہ بیٹھنا تک مشکل ہو جاتا اور بے تاب ہو کر زمین سے لپٹ لپٹ جاتے اور پیٹ سے پتھر باندھنے پڑتے، مگر خودداری کا یہ حال کہ اور کسی سے تو کیا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنا حال صاف الفاظ میں نہ ظاہر کرتے۔ ان کی ایسی وارفتگی اور علم کی سچی پیاس دیکھ کر معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے حریص فی العلم ہونے کی شہادت دی اور پھر انھیں وہ امتیاز بخشا جو شاید کسی بڑے سے بڑے صحابی کو بھی عطا نہیں کیا۔ یعنی وہ آپ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات کے حجروں میں بھی آتے جاتے تھے[1]۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ موصوف بالاتفاق احفظ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے اور ان کے اس امتیاز کا اعتراف فاروق اعظم جیسے عظیم مبصر نے کیا[2]۔ پھر اگر بعد کے محدثین نے جن میں امام شافعی اور امام بخاری جیسے محتاط محدث و ناقد بھی شامل ہیں انھیں اپنے زمانہ میں حدیث کا سب سے بڑا حافظ راوی کہا تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔

صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حفظ احادیث کا ان کے کردار و عمل پر جو اثر پڑنا چاہیے تھا وہ بھی ظاہر ہوا۔ کہ ابن جوزی جیسے متشدد ناقد و محدث ابو عثمان النہدی سے نقل کرتے ہیں۔ "تضیفت اباهريرة سبعاً فكان هو وامرأته وخادمه يعتقبون الليل اثلاثاً يصلي هذا ويوقظ هذا ويصلي هذا ثم يوقظ هذا"[3]

اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذوق عبادت کی تسکین اس پر بھی نہیں ہوتی تھی اس لیے ہر روز جیسا کہ ابن سعد نے نقل کیا ہے بارہ ہزار مرتبہ تسبیح پڑھتے اور "اسبح بقدر ذنبي"

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ" ص ۲۰۷ ج ۷ میں حضرت ابو ہریرہ کا یہ بیان نقل کیا ہے "ادور معه في بيوت نسائه"۔ [2] السنۃ ومکانتها في التشریع الاسلامي ص ۲۰۳ للعلامۃ الدکتور مصطفی السباعی۔
[3] صفة الصفوة ص ۲۹۰ ج ۱ میں ابو ہریرہ کا سات دن تک مسلسل مہمان رہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی بیوی، خادم اور خود انھوں نے رات کو تین حصوں میں اس طرح تقسیم کر لیا ہے کہ پوری رات کوئی نہ کوئی نماز میں رہتا ہے۔

(میں اپنے گناہوں کے بقدر تسبیح پڑھتا ہوں) کے الفاظ میں مومنانہ تواضع اور خشیت کا اظہار فرماتے۔[1] حق گوئی اور بیباکی اس درجہ کی تھی کہ اپنے زمانہ کے سخت گیر اور جابر ترین حکمراں مروان کو بھی برملا ٹوک دیتے تھے بلکہ عواقب سے بے خوف ہوکر سرزنش تک کر ڈالتے اس طرح کے واقعات تاریخ ہی میں نہیں احادیث صحیحہ کی معتبر ترین کتابوں بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔[2] اس ہمہ خوف آخرت کا یہ حال تھا کہ ابن جوزی ناقل ہیں "ان ابا هريرة بكى في مرضه فقيل له ما يبكيك قال اما انه ما ابكي على دنياكم هذه ولكن ابكي على بعد سفري وقلة زادي"[3] (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

اوپر ہزاروں میں سے ایک ہلکا سا نمونہ اس درسگاہ کے ایک ایسے فیض یافتہ کا پیش کیا گیا جسے لمبی مدت نہیں قریبًا تین ہی سال کا مختصر وقت معلم کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں رہنے کا میسر آیا۔

حضرت ابوہریرہؓ بحیثیت استاد و مدرس کے کتنے معیاری اور اعلیٰ ثابت ہوئے اس کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں صحابۂ کرام کی بھی ایک تعداد ہے۔ جن میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ ابن عباسؓ اور جابرؓ و انسؓ جیسے اصحاب علم بھی شامل ہیں اور جلیل القدر تابعی شاگردوں کا تو پورا شمار ہی مشکل ہے۔ محتاط ترین اندازہ امام بخاریؒ جیسے ذمہ دار محدث و مؤرخ کے بیان کے مطابق آٹھ سو ہے۔[4]

یہ ہے وہ نمونہ جو پہلے معیاری مدرسہ نے پیش کیا اب آئیے دیکھیں کہ اس درسگاہ کی نسل کہاں کہاں تک پہونچی اور کیسی پھلی پھولی اور کس طرح کے نمونے پیش کیے۔ اس مقصد کے لیے "اسلام کے مرکز" اور "مہبط وحی" سے ہٹ کر نظر ڈالیں اور جائزہ لیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ ہم جب اس مقدس سرزمین سے دور رہنے والے "فقیہ عراق" اور "رجل من ابناء فارس"

---

[1] السنۃ و مکانتہا ص ۲۷۶ [2] مثال کے طور پر: دیکھیے صحیح بخاری ج ۱۔ ص ۱۳۱؛ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۰ و ج ۲ ص ۵۲۔ [3] صفۃ الصفوۃ ص ۱۸۹ ج ۱ [4] الاصابہ ص ۲۳۲ ج ۷۔

[3] کہ ابوہریرہؓ مرض وفات میں رویا کرتے تھے ان سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں دنیا چھوٹنے پر نہیں روتا بلکہ طویل سفر اور سامان کی قلت پر روتا ہوں۔

کو دیکھتے ہیں تو ٹھیک اُسی معیار پر پاتے ہیں جو مدرسۂ اولیٰ نے پیش کیا۔ اس موقع پر پہلے یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ امتیازات اور بنیادی اوصاف کون سے ہیں جن کا اس معیار پر ٹھیک اترنے والوں کے اندر پایا جانا ضروری ہے۔ انھیں جان لینے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے بعد لوگوں کا جانچنا۔ اور اگر اللہ کا کوئی باتوفیق بندہ وہ بلند مرتبہ حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے منزل تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ "کردار" جیسے ذو معنیٰ اور ایک حد تک مبہم لفظ کا مفہوم بھی متعین ہو جائے گا۔

اس بارے میں سب سے زیادہ جامع مختصر اور بلیغ کلام امام غزالیؒ کی معرکۃ الآراء تصنیف "احیاء علوم الدین" میں ملتا ہے موصوف نے یہ پانچ اوصاف ضروری بتائے ہیں عبادت، زہد، علم، تفقہ، اخلاص، اور اس میں سے ہر وصف کی تشریح و تفصیل بھی کی ہے[1]۔ مگر اس وقت ان اوصاف خمسہ میں سے علم و تفقہ کو چھوڑ کر باقی تین وصفوں کی روشنی میں ہی معیاری افراد اور کردار کا جائزہ لینے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے کیونکہ علم و تفقہ کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لحاظ سے ایک مختصر وقت میں جائزہ لینا ناممکن ہوگا۔

اگرچہ کہنے کو تو یہ تین اوصاف ہیں لیکن سارے عملی کمالات ان تین ہی میں سما جاتے ہیں بلکہ اصلاً دو ہی وصفوں میں۔ تیسرے وصف "اخلاص" سے ان سب کی تکمیل ہوتی ہے۔

اصل بات یہ چل رہی تھی کہ صفّہ کی سرزمین پر اُگنے والے شجرۂ طوبیٰ کی ان شاخوں کے ثمرات کو بھی ذرا دیکھیں جو ارضِ مقدسہ سے نکل کر دور تک پھیلیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے اسی کا تذکرہ مناسب ہوگا جس کے ذکر کو مشک کی طرح "عطر بیز" قرار دیا گیا ہے۔ جب ہم تاریخ کے جھروکے سے ساڑھے بارہ سو تیرہ سو سال کی طرف جھانکتے ہیں تو ہمیں ایک ایسی عجمی قد آور شخصیت نظر آتی ہے جس کی عظمت کے سامنے عجم ہی نہیں عرب بھی جھکا جھکا سا نظر آتا ہے۔ کہ خالص عربی النسل فرمانروا اس کو جج ہی نہیں چیف جسٹس بنانے پر اصرار کر رہا ہے مگر اس کی طرف سے ع "عنقا را بلند آشیانہ" کی صدا کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں ملتا[2]۔ جس کی نظر میں دنیا واقعی مچھر کے پر کی طرح حقیر تھی اس کے بارے میں حضرت

---

[1] دیکھیے احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۲ تا ۳۰ [2] مقدمہ ہدایہ اخیرین ص ۲

عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام نے اگر یہ اطلاع دی کہ "عرضت علیہ الدنیا بحذافیرھا فنفر منھا" تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ جس کی دینی غیرت وحمیت کے علاوہ ذوقِ عبادت کا پتہ اس واقعہ سے چلتا ہے جو امام غزالی نے نقل کیا ہے کہ شروع میں امام صرف آدھی رات تفرع وزاری اور اپنے خدا کو راضی کرنے میں مشغول رہتے تھے مگر جب کسی نے یہ کہکر اشارہ کیا کہ "ھو الذی یحیی اللیل کلہ" تو پھر ساری عمر کے لیے یہی معمول بنا لیا اور یہ کہتے سنے گئے "انا استحی من اللہ سبحانہ ان اوصف بما لیس فی من عبادتہ" اور جو صرف بدنی ابھی نہیں، مالی ذریعہ سے بھی خدا کے قرب کے لیے ایسے اور اتنے کام کرتا تھا اور جس کی جود وسخا اور ورع وتقوے کے اتنے واقعات ہیں کہ ان پر اس کے مقلد وتبع ہی نہیں اس کے ناقد ومنتقد بھی منہ بھر بھر کر تعریف کرنے پر مجبور رہتے ہیں اس کے لئے تذکرہ کا خاتمہ اندلس کے علماء کا خاتم، جیسے کہا گیا اسی کے بیان پر کیا جاتا ہے "قال عیسیٰ ابن یونس لا تتکلمن فی ابی حنیفۃ بسوءٍ ولا تصدقن احدًا یسئی القول فیہ فانی واللہ ما رأیت افضل منہ ولا اورع منہ ولا افقہ منہ"[عہ]

عرب وعجم کے دو نمونے دیکھ لینے کے بعد اب ذرا اس سرزمین کے علمی گلستانوں اور ان میں کھلنے والے پھولوں اور پھیلنے والے درختوں کی بھی تھوڑی سی سیر کر لیں جس میں صدیوں بعد اسلام کی بہار آئی اور علوم دینیہ کی کھیتی لہلہائی۔ شاید دیر آید درست آید، کے مصداق، شرک کی ظلمتوں اور کفر کی اندھیاریوں میں نامعلوم مدت تک ڈوبی رہنے کے بعد، ایمان وعرفان اور علم واحسان کے نور سے پھر تو یہ سرزمین ایسی جگمگائی کہ اس کی تابانی پر رشک اور برتری کا اعتراف کرنے پر وہ سرزمین بھی مجبور ہوئی جو قرنِ اول ہی میں قافلۂ ایمان وشریعت کا گرمجوشی سے استقبال کر چکی اور اپنے سینہ پر ہی نہیں دل میں اسے جگہ دے چکی تھی۔ پھر جس طرح فصل بہار کے موقعہ پر پھولوں کا شمار ناممکن ہوتا ہے اسی طرح علم وعرفان کے ان ازہار کی گنتی بھی ممکن

۱-۲ احیاء العلوم ج ۲۵ ۳- "الانتقاء" لحافظ ابن عبد البر بحوالہ فتح الملہم صفحہ ۱۲

عہ دنیا ان پر پوری رعنائیوں کے ساتھ پیش ہوئی مگر انھوں نے دامن بچا لیا۔

عہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ ہرگز نہ کالنا اگر کوئی شخص ان کی طرف کوئی نامناسب بات منسوب کرے تو ہرگز اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ افضل متقی اور فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔

نہیں جو چمنستانِ ہند میں کھلے اور ایک عالم کو مدت تک اپنی مہک سے معطر کرتے رہے۔ مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر ان میں سے بس چند کی نکہت سے مشامِ جاں کو۔ آج کی محفل میں آسودہ کرنا مقصود ہے۔

گیارھویں صدی ہجری میں مولانا نور الحق (ابن شیخ عبد الحق محدث دہلوی) کے ایک مشہور شاگرد سید محمد مبارک نامی بڑے جلیل القدر عالم بلگرام میں گذرے ہیں، ان کی خودداری اور غیرتِ ایمانی ہی کا نہیں حمیتِ علمی کا ایک ایسا واقعہ مطالعہ میں آیا کہ جسے ذکر کیے بغیر گذر جانا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ محدث موصوف اُس زمانہ کے بہت سے علماء کی طرح لوجہ اللہ درس دیا کرتے تھے۔ ع "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے" کے قاعدہ سے انھیں بھی اکثر "مشکل" پیش آتی ہی رہتی تھی۔ ایک مشکل کا حال ان ہی کے شاگرد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ :۔ محدث ممدوح وضو کرنے کے لیے اٹھے ہی تھے اچانک گر پڑے ایک گھنٹہ بے ہوش رہے۔ افاقہ ہو جانے کے بعد جب سعادت مند شاگرد نے سبب دریافت کیا تو بہت ردو قدح کے بعد مشکل بتایا کہ تین دن سے منھ میں کھیل بھی اڑ کر نہیں گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شاگرد کو یہ حال معلوم ہوا تو ان کا دل بھر آنا ہی چاہیے تھا، فوراً اپنے گھر گئے اور عمدہ و مرغوب کھانے کا خوان سجا کر لائے۔ استاد نے اپنے تلمیذ کی اس سعادت مندی پر بہت خوشی کا اظہار کیا، مگر اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ وہی سننے کی بات ہے! شاگرد کی دل شکنی بھی گوارہ نہ تھی، دلداری کرنے کے لیے کھانا گوارِ خاطر نہ ہو تو ایک بات کہو لے شاگرد کے لیے سننے کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا، فرمایا: با صطلاحِ فقراء ایں طعام را طعامِ اشراف گویند، ہر چند نزد فقہاء اکل آں جائز است و در شرع بعد از سہ روز میتہ حلال، اما در طریقہ فقراء اکل طعامِ اشراف جائز نیست" اس کو سن کر شاگرد نے کیا کیا؟ اس کا تعلق استاذ سے نہیں شاگرد کی کمال ادب شناسی اور ذہنی سلامتی سے ہے کہ شاگرد نے بغیر کسی اصرار اور ردوکد کے کھانا سامنے سے اٹھایا اور لیکر چلے گئے اور کچھ دیر بعد کھانا لیکر پھر لوٹے، استاد کے سامنے اسے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: "حالا ایں طعام بے توقع حضرت آوردہ ام طعامِ اشراف نماند۔"[1]

اور یہ فقر و فاقہ نیز حسرت والی زندگی کی عادت حق گوئی و بے باکی کے علاوہ جود و سخا

---

[1] مآثر الکرام، (بحوالہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت للفاضل الگیلانی)

اور عجز و انکسار کے لیے بھی بہت بڑا ہتھیار ہے اور یہ ہتھیار صرف مدارس عربیہ ہی کے سلاح خانوں میں رہا اور وہیں سے ملتا یا مل سکتا ہے (عصری درسگاہیں تو جان بوجھ کر زبردستی اسے چھین لینے کی کوشش کرتی ہیں) کیونکہ جو عسرت کی زندگی کا عادی ہو وہ کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں "سلطانوں" کی طرف سے وظائف سے معزول اور معاشی فارغ البالی سے محروم بھی کر دیا جائے تو اس کے لیے زندگی وبالِ دوش نہیں بن سکتی۔ یہ وہ نکتہ ہے جو اس طریق کے راہ نوردوں بلکہ راہ نماؤں نے سمجھ لیا تھا، چنانچہ مشہور محدث محمد ابن نصر مروزی نے اس وقت جبکہ انھیں کسی خیر خواہ نے فکر فردا کی خاطر مال کو پس انداز کرنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے جواب دیا: یاسبحان اللہ! انا بقیت بمصر کذا و کذا سنۃ فکان...... جمیع ما انفقتہ علیٰ نفسی فی السنۃ عشرین درھما افتریٰ ان ذھب ھذا الایبقیٰ ذلک[۱]

اور جنھوں نے یہ راز پالیا تھا وہ شاہانِ سلطنت اور والیانِ مملکت کو بھی نگاہ میں نہیں لاتے تھے اور انھیں ان کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی ذلت نہیں اٹھانا پڑتی تھی، بلکہ انھیں وقت کے فرعونوں کے سامنے پیر پھیلانے میں بھی باک نہیں ہوتا تھا جیسا کہ گذشتہ صدی کے ایک مشہور شامی عالم شیخ سعید حلبی کا معروف واقعہ ہے کہ ان کی خدمت میں شام کا گورنر ابراہیم پاشا جو اس زمانہ میں بڑا سفاک اور جلاد مشہور تھا، جب حاضر ہوا تو وہ پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے: اس کی آمد کے بعد بھی جنبش نہیں کی، مصاحبین نے خطرہ سے آگاہ بھی کیا مگر وہ خدا کا بندہ اسی طرح پاؤں پھیلائے بیٹھا رہا۔ حاضرین کو ڈر بھی معلوم ہوا۔ بلکہ یقین ہو گیا کہ بس انھیں گرفتار کر کے اب لیجایا جائے گا اور اس "گستاخی" پر سزا دی جائے گی لیکن وہ جابر، اخلاص اور حق کی قوت سے زیر ہو چکا تھا۔ اس نے بجائے سزا دینے کے اشرفیوں کی بڑی مقدار بھجوائی اور انھیں قبول کر لینے کی مؤدبانہ درخواست کی، مگر شیخ حلبی نے اس کا جو جواب دیا وہ تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کیلیے آب زر سے لکھا جا چکا ہے فرمایا "ان الذی یمد رجلہ لا یمد یدہ"[۲]

---

[۱] تاریخ بغداد للخطیب ج۳ ص۱۶۳ (بحوالہ نظام تعلیم و تربیت ص۲۶) [۲] پا جا سراغ زندگی" ص۱۹۶ از مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ [۳] میں مصر میں مدت دراز تک رہا میرا خرچ و آمدنی صرف ۲۰ درہم سالانہ تھا تو کیا اب گھٹ کر اس سے بھی کم ہو جائے گا۔ [۴] یعنی جو شخص پیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلایا کرتا۔

یہی وہ سبق تھا جو علوم دینیہ کے درسی اسباق کے ساتھ مدارس میں پڑھایا جاتا رہا اور آج ہم جس عظیم درسگاہ کا جشن زریں منانے اکٹھا ہوئے ہیں اُس کے بانیوں اور اولین معماروں نے عملاً ہی نہیں عملاً بھی یہی درس دیا، اور شاید یہ کہنا بیجا نہ ہو کہ اولین سبق بلکہ اس کا امتیاز ہی یہ قرار دیا گیا۔ پورا عالم گواہ ہے کہ اس چمنستان علم میں پروان چڑھنے والی بلبلوں نے زریں زندانوں اور طلائی زنجیروں کے مقابلہ میں سنگین قید خانوں اور آہنی بیڑیوں کو ہی ترجیح دی ہے، اور جب بھی دونوں میں سے ایک کے انتخاب کا مرحلہ آیا دوسری ہی قسم کا بطیب خاطر انتخاب کیا ہے، یہ انقرہ، مصر، کابل، جرمنی اور روس وغیرہا کی سرزمین، اور سہارنپور، مظفر نگر، مراد آباد، کراچی، بمبئی اور برصغیر کے چپہ چپہ کے جیل گھر بھی اس دعوے کی صداقت پر شہادت دینے کے لیے آج بھی موجود ہیں، اگرچہ ان شہادتوں کے مٹانے کی پوری کوششیں ہو رہی ہیں اور اغیار ہی نہیں بلکہ اپنے بھی اس "مبارک" کام میں اُن کا ہاتھ بٹانے ہی میں خیر کا پہلو دیکھ رہے ہیں، مگر جریدۂ عالم پر جن کی عظمتوں کا "دوام ثبت" کر دیا گیا ہو وہ بھلا ان طفلانہ کوششوں سے محو کیا جا سکے گا؟

حق کی خاطر دنیوی ہر مفاد کو ٹھکرا دینے کا جذبہ اسی تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتا تھا جو مدارس میں دی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ عجز و انکسار، نیز خدمت خلق جیسی صفات انہی مدارس کے مستفیدین کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔ یہ صفات یونہی اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہو جاتی تھیں بلکہ اُن کے لیے مختلف موثر تدابیر اختیار کی جاتی تھیں، مثلاً بانی دارالعلوم حضرت نانوتوی کے بارے میں "ارواح ثلاثہ" میں نقل کیا گیا ہے کہ :۔ "حضرت مولانا قاسم صاحب جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اُس سے کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے، اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے"[۱] فاضل گیلانی نے اپنی مایۂ ناز کتاب "نظام تعلیم و تربیت" میں نقل کیا ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں نے مطبخ کا نظام قائم کرنے کی بابت قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے استمزاج کیا، حالانکہ حضرت کو طلبا کی راحت اور ان کی عزت نفس کی حفاظت کا جس درجہ خیال تھا، اس کا کچھ اندازہ "تذکرۃ الرشید" میں

[۱] ارواح ثلاثہ صفحہ　[۲] تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۴۹

موجود اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ:۔ ایک دن کسی طالب علم کو کھانا لاتے ہوئے آپ نے دیکھ لیا (کھانے میں روٹی کے ٹوٹے ٹکڑے بھی تھے) اس کو بلا کر پوچھا کہ تمھارا کھانا کہاں مقرر ہے؟ اس نے حضرت ہی کے کسی رشتہ دار کا نام بتلایا، اس پر فرمایا "اب وہاں سے کھانا نہ لانا ہمارے گھر سے آیا کرے گا" اور اُن رشتہ دار صاحب کی سرزنش بھی فرمائی، لیکن جب حضرت ہی سے مطبخ قائم کرنے کی اجازت لی گئی تو فرمایا: "دل کی پوچھتے ہو تو میرے نزدیک ایام طلب کے ان چند دنوں میں طلبۂ علم کا دوسروں کے در پر جا کر کھانا، دوسروں کے گھروں میں رہنا اپنے اندر ایک بڑے اصلاحی راز کو پوشیدہ رکھتا ہے"۔ مزید فرمایا کہ "علم بہرحال آدمی کو بلندی اپنی اپنی حیثیت سے عطا کرتا ہے...... یہی وقت ہوتا ہے جب ہنگام طلب کی خواریاں، بیداری اور تنبیہ کا کام دیتی ہیں۔ عوام کا مجمع مولوی کے ہاتھ چومنے کے لیے ٹوٹتا ہے، اس وقت مولوی کا یہ خیال کہ ابھی کچھ دن پہلے گلیوں کی ٹھوکریں اور دروازہ کی جھڑکیاں کھاتا پھرتا تھا، سعید روحوں کو بے راہ روی سے باز رکھتی ہیں[۵۵]" ـــــ اگرچہ حضرتؒ نے اپنی اس رائے کو قبول کر لینے پر منتظمین کو مجبور نہیں کیا لیکن بعد کے تجربات نے ثابت کر دیا کہ اُس "مردِ حق آگاہ" کی ہی رائے صائب تھی، کیونکہ مطبخی نظام، کردار ہی کے نہیں، علمی اعتبار سے بھی اُس مقدار میں ایسے معیار کے افراد پیدا نہ کر سکا جیسے مسجدی نظام ـــــ یعنی مسجدوں میں طلبہ کے قیام اور محلہ والوں کے یہاں کھانے کے نظام میں مسلسل پیدا ہو رہے تھے۔

اگرچہ قدیم نظام پر یہ اعتراض بار بار کیا گیا، اور آج بھی کیا جاتا ہے کہ اس...... سے طلبہ کی خودی اور عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ لیکن مولانا گیلانیؒ ہی کے الفاظ میں یہ اُن کی طرف سے کہا جاتا ہے جن کے اندر ہی میں نہیں باہر بھی اپنا کچھ باقی نہیں، چہرہ سے، پیشانی سے، گریبانوں سے، آنکھوں سے، الغرض ہر جگہ سے جہاں اُس کا امکان تھا اپنی خودی کو پوچھ پوچھ کر دوسروں کو بھرا گیا ہے" ـــــ مگر ہم جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف منسوب مشہور مقولہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" کو سامنے رکھ کر جانچتے ہیں تو اُس قدیم نظام کے تحت تعلیم و تربیت پانے والوں کی طرف سے خودی اور خودداری، نیز اپنا تشخص قائم رکھنے اور عزت نفس

---

[۵۵] "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ص۵۵ ج۱ از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ [۵۶] ایضاً ص۵۱

کی حفاظت کرنے کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کی ایسی اور اتنی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ دوسرا کوئی بھی نظام تعلیم و تربیت اُن کے ہم پلہ تو کیا اُس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کرسکا اور شاید نہیں کرسکتا، دیکھیے حضرت نانوتویؒ کا نواب رامپور کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردینا اور نواب صاحب کی طرف سے اشتیاق ملاقات کا پیغام ملنے پر یہ جواب دینا کہ "ملاقات کا شوق تو آپ کو ہو اور جاؤں میں؟"[1] اسی طرح مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کا نواب چھتاری کی یہ آرزو کہ "ایک ہی مرتبہ حضرت مولانا یعقوب صاحب چھتاری تشریف لے آئیں" پوری نہ کرنا، بلکہ یہ کہنا کہ "ہم وہاں جاکر مولویت کو بٹہ نہیں لگاتے"[2] ایسے ہی حضرت تھانویؒ کا نظام دکن (جو نواب نہیں فی الواقع ایک خاصی بڑی سلطنت کا سلطان تھا جس کے دربار کی باریابی بخت کی معراج سمجھی جاتی تھی) ایسے تاجور کی خواہش ملاقات کو ٹھکرا دینا اور حیدرآباد میں ہوتے ہوئے بھی ملنے نہ جانا۔ حضرت مولانا مدنیؒ کا کراچی جیل سے رہائی کے وقت) چالیس ہزار روپے نقد اور ڈھاکہ میں پانسو روپے ماہوار کی پروفیسری کو اس لیے ٹھکرا دینا کہ اسکی قیمت ضمیر کی آواز دبانا اور خودی کو قربان کرنا، یعنی آزادی کی تحریکات میں صرف خاموش رہنا ٹھہرائی گئی تھی[3] (یاد رہے کہ یہ ۱۹۲۳ء کے چالیس ہزار ہیں، یعنی آج کے تقریباً آٹھ لاکھ اور اس وقت کے پانسو آجکل کے تقریباً دس ہزار) قدیم نظام تعلیم و تربیت کے ہزاروں نمونوں میں سے چند ہی یہاں پیش کیے گئے ہیں۔

اور آج جب کہ بڑی تنخواہوں کے لالچ میں لوگ اپنے ادارے ہی نہیں ملک چھوڑ چھوڑ کر جارہے ہیں اور تنخواہیں بڑھوانے کے لیے زبانی اصرار ہی نہیں اسٹرائکیں اور مظاہرے ہورہے ہیں۔ مگر گذشتہ نظام تعلیم و تربیت نے ایک نہیں ہزاروں اس طرح کے نمونے پیش کیے کہ مثلاً مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے ۴۰ روپے کے مشاہرہ کو چھوڑ کر اس گھٹی تنخواہ پر یعنی تین سو روپے ماہانہ کی پیش کش پر جانا اور محسن ادارے اور محسنوں کے سائے سے جدا ہونا گوارہ نہیں کیا۔ اسی چمنستان علم کے گل سرسبد حضرت شیخ الہندؒ کی تنخواہ میں جب اضافہ کیا

۱؎ تاریخ دیوبند ص۱۵۱ ۔ از مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری ۲؎ ارواح ثلاثہ ص۲۳۳

۳؎ اکابر کا تقویٰ ص۵۱ از حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم ۔ مرتبہ صوفی محمد اقبال صاحب مدنی

گیا تو اس پر خوشی کے بجائے ناپسندیدگی کا اظہار اس طرح فرمایا: "مجھ سے انہی کا حق ادا ہونا مشکل ہے"[1]۔ اور ایسا ہی واقعہ اسی آسمان علم کے دمکتے تارے (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ) کا بھی ہے کہ موصوف نے نینی تال جیل سے رہائی کے بعد (ایک خاص عذر کو بنیاد بنا کر ذمہ داروں کی طرف سے تنخواہ دینے پر اصرار کے باوجود) تنخواہ لینے سے ہی انکار فرما دیا[2] اور اُن کے سچے جانشین (حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم) نے تو اس بارے میں ایسا نمونہ پیش فرمایا کہ شاید اس کا ملنا ہی مشکل ہو کہ اپنی تنخواہ کی جمع شدہ خطیر رقم کو وصول کرنے ہی سے شدت کے ساتھ انکار کر دیا حالانکہ ذمہ داروں کی طرف سے اُس کے دینے پر حد درجہ اصرار ہوا اور حضرت مدظلہ نے اُس کے نہ لینے کے سلسلہ میں ایسی ایسی تدابیر اختیار فرمائیں کہ آج شاید کوئی لینے کے لیے بھی اختیار نہ کر سکے! (یہ بہت دلچسپ قصہ ہے، تفصیل کے لیے حضرت ہی کی املائی سوانح "آپ بیتی" یا حضرت کے مسترشد و مجاز الحاج صوفی محمد اقبال صاحب مدنی کے مرتب کردہ رسالہ "اکابر کا تقویٰ"[3] دیکھا جائے) پھر حضرت نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بعد میں حساب لگا کر وہ تمام رقم بعنوان چندہ مدرسہ کو واپس فرما دی جو پوری مدت ملازمت میں حضرت کو مدرسہ سے ملی تھی، اسی طرح حضرت مدظلہ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ قدس سرہٗ بھی ہمیشہ بلا تنخواہ درس دیتے رہے۔

ان حضرات کا مدرسہ کی رقم اور عوامی چندہ کے خرچ کے بارے میں احتیاط کا یہ حال تھا کہ آج کے جیسے بے احتیاطی کے دور میں اُس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے مثلاً حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اگر بضرورت کبھی مدرسہ کے دوات و قلم سے کوئی اپنا خط لکھ لیتے تو فوراً ایک آنہ مدرسہ کے خزانہ میں داخل کر دیتے، اور فرماتے کہ "یہ بیت المال کی چیز ہے ہم کو اس پر تصرف جائز نہیں"[4] اور اس سے بھی عجیب تر واقعہ انہی مولانا محمد یحییٰ صاحب کا ہے (جو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بلا تنخواہ درس دیتے رہے) وہ یہ کہ سردی کے موسم میں سالن کے برتن کو مدرسہ کی مسجد کے حمام کے سامنے (اندر نہیں، بلکہ باہر) رکھوا دیتے تھے، اُس کی تپش سے وہ گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ کے طور پر دیتے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے[5]۔

---

[1] "مشائخ دیوبند" ص۲۰۳ [2] "حیات خلیل" ص۲۲۴ از مولانا محمد ثانی حسنی [3] اکابر کا تقویٰ ص۹۳ تا ۹۵۔
[4] سوانح قاسمی ص۵۳۴/۱۲ از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ [5] اکابر کا تقویٰ ص۲۸

ان اکابر کا مفوضہ فرائض کی انجام دہی اور احساسِ ذمہ داری میں یہ حال تھا کہ (آج یعنی ذمہ داریوں سے لاپرواہی، تن آسانی اور غفلت مجرمانہ کی وبا کے زمانہ میں) اس کا باور کرنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اختصار کے پیش نظر اس کی صرف ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے،

استاذ العلماء حضرت مولانا اعزاز علی (جو اس دارالعلوم کے لائق ترین فرزند بھی تھے جنھیں ان کے تلامذہ شفیق ترین باپ کی طرح سمجھتے تھے اور جن پر فن تدریس کا کمال گویا ختم سمجھا جاتا ہے۔ ان کا درس دینے میں پابندیٔ اوقات کے لحاظ سے، یہ حال تھا کہ "سردی ہو یا گرمی، جاڑا ہو یا برسات، بیماری ہو یا تندرستی شادی ہو یا غمی، بہرحال سبق ہونا ہے ــــــ ابھی درس کا وقت شروع ہونے میں دس منٹ باقی ہیں کہ مولانا نے بغل میں کتابیں دبائیں اور اقامتی کمرہ کو مقفل کرنا شروع کر دیا، ابھی پانچ منٹ باقی ہیں مگر مولانا کا اضطراب نہ پوچھیے! مدرسہ کے گھنٹہ پر چوٹ پڑی اور مولانا نے درسگاہ کی طرف عجلت کے ساتھ قدم بڑھانا شروع کر دیا۔ گھنٹہ بجانے والا ابھی بجانے سے فارغ نہیں ہوا کہ درسگاہ پہو نچ گئے، پورے ساٹھ منٹ، بلامبالغہ سبق ہوا، چھ چھ گھنٹے مسلسل اسی بشاشت اور نشاط سے درس دیا ہے" اور سنیئے! "وہ کئی بیمار ہوتے ہیں، معالجین اور متعلقین کا اصرار ہوتا ہے کہ اس وقت سبق نہ پڑھائیے، مگر وہ نہیں مانتے، بلکہ فرماتے ہیں کہ :۔ "اسی میں میرے لیے شفا ہے" اور سب سے بڑھ کر تو یہ واقعہ ہے کہ مولانا اہلیہ محترمہ کی تدفین سے فارغ ہو کر عصر کے قریب لوٹے تو مغرب کے بعد شمائل ترمذی پڑھانے کے لیے درسگاہ میں موجود ــــــ یہ واقعات کسی دور کے تماشائی نے نہیں، ہمہ وقت حاضری دینے والے مولانا کے شاگرد (مولانا انظر شاہ کشمیری) نے بیان کیے ہیں[1]۔ موصوف کے علاوہ اور بھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد ان واقعات کے شاہد ہیں، جن کی بڑی تعداد آج بھی بحمد اللہ موجود بلکہ شاید یہاں اس اجلاس میں تشریف فرما ہو گی۔

ان قدسی صفات حضرات کے طرز عمل نے ان کے منتسبین و ہمنشین افراد کا مزاج بھی یہی بنا دیا تھا، چنانچہ اُس زمانہ کے اکابر ہی نہیں ان سے کم مرتبہ حضرات بھی اسی رنگ میں رنگے، بلکہ ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں، جس پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رابع حضرت مولانا منیر صاحبؒ کا یہ سبق آموز واقعہ بھی شاہد ہے کہ :۔ ایک مرتبہ مدرسہ کے روداد لیکر دہلی طبع کرانے دہلی

---

[1] نقش دوام ص ۱۲۶ … مولانا انظر شاہ کشمیری

تشریف لے گئے، اتفاق سے روپے چوری ہو گئے، مولوی صاحب نے اس واقعہ کی اطلاع کسی کو نہیں دی، بلکہ گھر واپس آکر اپنی زمین وغیرہ بیچی، اور اُس کی رقم سے مدرسہ کی روئداد چھپوا کر لے آئے، کچھ دنوں بعد اس واقعہ کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی، انھوں نے مولانا گنگوہیؒ کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا وہاں سے جواب آیا کہ "مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے (یعنی اُن کی کسی کوتاہی کے بغیر) ضائع ہوا اس لیے اُن پر ضمان نہیں" اس فتویٰ کے بعد مدرسہ کے ذمہ داروں نے مولوی محمد منیر صاحب کو وہ روپیہ دینے کی کوشش کی۔ سننے کی بات یہ ہے کہ یہ فتویٰ جو جماعت کے سب سے بڑے عالم اور مدرسہ کے سرپرست کی طرف سے تھا، مولانا منیر صاحب کی خوشی کا سبب بننے کے بجائے اُن کے ملال خاطر کا باعث ہوا، انھوں نے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے کہا کہ "میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھا تھا ـــــ جاؤ لے جاؤ اس فتوے کو میں ہرگز وہ پیسے کبھی نہیں لوں گا۔"[1]

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات دوسروں سے وصول کرنے کے باب میں جتنے "عسیر" واقع ہوئے تھے، اوروں پر خرچ کرنے کے سلسلہ میں اُتنے ہی "یسیر" تھے ان کا زہد، زاہد خشک کا زہد نہ تھا، بلکہ وہ تھا جو امام مالکؒ نے ان الفاظ میں بتایا: "لیس الزهد فقد المال وانما الزهد فراغ القلب"[3] یا امام غزالیؒ نے فرمایا: "راس الزهد السخا"[2] (اصل زہد سخاوت ہے) چنانچہ ان حضرات کے دستر خوان پر کھانے والوں کی تعداد، اور ان کی سیر چشمیوں کو دیکھ کر کوئی کبھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ وہی محتاط اشخاص ہیں جو کہ مدرسہ کے قالین پر بیٹھ کر دوستوں سے گفتگو کرنا بھی اس لیے نامناسب سمجھتے ہیں کہ "قالین صرف تدریس کے لیے دیا گیا ہے۔"[3]

حضرت نانوتوی قدس سرہ اور ان کے رفقاء کے دستر خوان کی وسعت دیکھنے والے تو غالباً اس عالم میں اب موجود نہ ہوں گے، مگر اُس زمانہ کی روایات تو بہر حال محفوظ ملتی ہی ہیں (جو سوانح قاسمی وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں) لیکن حضرت شیخ الہند، حضرت رائے پوری، حضرت سہارنپوری

---

[1] اکابر کا تقویٰ ص۱۴ [2] احیاء علوم الدین ص ۲۳ و ۲۵ / ج ۱ الامام الغزالی

[3] یہ واقعہ حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کا ہے، دیکھیے "اکابر کا تقویٰ" ص۲۷

[4] زہد، مال پاس نہ ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ زہد قلب کی وسعت کا نام ہے۔

اور حضرت مدنی (قدس اللہ اسرارہم) کی مہمان نوازیوں اور دریا دلیوں کے واقعات دیکھنے والے بحمداللہ ابھی موجود ہیں بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دسترخوان کی وسعت پر شاہد، بلکہ اس کے خوشہ چین — بلامبالغہ ہزاروں کی تعداد میں اب بھی اور اُن میں سے بہت سے یہاں اس مجمع میں موجود ہیں (جن میں یہ حقیر راقم سطور بھی ہے) جن کے سامنے وہ مناظر ہیں، وہ گواہی دیں گے کہ ان فقیروں کے دسترخوان کی شاہانہ وسعت کے سامنے، شاہوں کی رونق بھی ماند پڑ گئی تھی، اور فقیری میں امیری کرنے والے کی سنتوں پر مر مٹنے والوں نے اس باب میں بھی اُسی کے عمل کو اسوہ بنایا (اللھم صلّی وسلم علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ ومتبعیہ) اور ان سب پھولوں کے "عطر مجموعہ" یعنی سب کے معتمد اور سچے جانشین سیدی ومولائی حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے تو اس باب میں بھی وہ نقش قائم کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ دور نہیں ابھی رمضان (۱۳۹۹ھ) کے آخری عشرہ میں حاضری کی سعادت جن کے حصہ میں آئی وہ سب ہی اس رنگ کی میزبانی پر کہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مہمان ہوں اور ہر ایک کی مہمان نوازی اعلیٰ درجہ، اور اس طور پر ہو کہ معمولات یکسر میں فرق نہ آئے۔ اس پر حیران اور بجز کرامت کے کوئی توجیہ نہیں کر سکتے۔ (اطال اللہ بقاءہ ومتعنا اللہ بفیوضہ)

معزز حضرات! میں نے آپ کا قیمتی وقت بہت لے لیا، اس گستاخی کا پورا احساس ہے اور اس پر ندامت بھی، مگر "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" کے عذر اور کرام الناس کے مجمع نے جری بنا دیا۔

بزرگانِ محترم! اس موقع پر یہ بھی عرض کر لینے کی اجازت دیجیے کہ اپنے شاندار ماضی یعنی عالی قدر اور برگزیدہ اسلاف کے کارناموں کی بنا پر اگرچہ ہمیں پورا حق ہے کہ زمانہ کو مخاطب بنا کر، بلکہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرزدق کی زبان میں کہیں:- ع
اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم
لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سوچیں کہ آج ان ہی اسلاف کے نام لینے والوں میں سے اکثریت کی (اور اکثریت بھی کیسی؟ غالباً ننانوے فیصد (۹۹) کی جو حالت ہے اُسے سامنے رکھتے ہوئے کیا زمانہ ہماری قدردانیوں کے لیے سر و قد محض اس وجہ سے کھڑا ہو جائے گا، اور زمامِ کار صرف اس بنیاد پر ہمارے ہاتھوں میں دیدے گا کہ ہم

"پدرم سلطان بود" کا نعرہ بہت زور سے لگاتے یا لگا سکتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور اندازہ ہے کہ یقیناً آپ سبھی کا جواب نفی میں ہی ہوگا۔ تو شاید اپنی ہی نہیں، آپ سب کی طرف سے بھی اپنے بزرگوں کی خدمت میں بصد ادب و بہزار معذرت یہ سوال پیش کرنے کا مجاز ٹھہرایا جاؤں گا کہ انہی گلستانوں میں ایسے پھول کھلنے اور انہی باغوں میں ایسے پھل اترنے اب اس قدر کم کیوں ہوگئے؟ (یہ نہیں کہتا کہ بند ہوگئے، کہ "غیر" ہی نہیں "اپنے" بھی اس قسم کے سوال کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں ——— اس اجمال کی تفصیل کے لیے نہ وقت ہے اور نہ اس کی چنداں ضرورت؛ کیونکہ ہر دردمند کم و بیش تفصیلات سے واقف ہے، اگر اس تاریخی بلکہ تاریخ ساز موقع پر اس امر کا جائزہ لینے اور اداروں کی روز افزوں کثرت کے باوجود بے خبری یا کم خبری کا علاج ڈھونڈنے میں آپ کامیاب ہوگئے تو اکیلا یہی کام اس عظیم الشان اجلاس کی عظیم ترین کامرانی قرار پانے کا مستحق ہوگا۔

آخر میں طویل سمع خراشی پر معذرت اور سامعین کرام کا لفظی شکریہ ادا کرنے کی رسم پوری کرنے کے بجائے اسوۂ رسول کی اتباع میں دعا و استغفار پر آپ حضرات سے رخصت کی اجازت چاہتا ہوں۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

ایک ضروری تصحیح

گزشتہ دو شماروں (فروری مارچ و اپریل ۱۹۸۰ء) میں ہماری دو نئی مطبوعات ۱۔ "تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات" اور ۲۔ "دربار نبوت کی حاضری" کے شائع ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ ان کی قیمتیں کتابت کی غلطی سے الٹ گئی تھیں۔ اب ان کی تصحیح کردی گئی ہے۔ پہلی کتاب "تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات" کی قیمت اب بجائے ۲/۵۰ کے ۳/- روپے اور "دربار نبوت کی حاضری کی قیمت ۳/- کے بجائے ۲/۵۰ ہے۔ ناظرین نوٹ فرمالیں۔

منیجر کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

گرمیوں میں
اور تازگی کی سوغات
شربت روح افزا

الفرقان
لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

مولانا مودودی صاحب مرحوم سے متعلق جو مضمون نومبر ۷۹ء سے مارچ ۸۰ء تک کے شماروں میں شائع ہوا تھا راقم سطور نے اُس کے آخر میں عرض کیا تھا:

"اگرچہ جماعت (اسلامی) واقفیت اور ذاتی تجربہ کی بنا پر قریب بہ یقین اندازہ ہے کہ جماعت کے اہلِ قلم کی طرف سے اس کا جواب نہیں بلکہ جوابات دیے جائیں گے، لیکن میں پیشگی عرض کر دوں گا کہ جو کچھ اس عاجز نے لکھا ہے "جواب" اور بحث کے لیے نہیں لکھا، اپنی عمر کے پیشِ نظر موت کا وقت قریب سمجھتے ہوئے نصح دینی اور شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرنے اور براءتِ ذمہ کی نیت سے لکھا ہے۔ آگے معاملہ بس خدا کے سپرد ہے۔ فستذکرون ما اقول لکم و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد"

ان ہی سطروں پر وہ مضمون ختم ہوا تھا — جیسا کہ اس عاجز کا اندازہ بلکہ ایک درجہ میں یقین تھا، جماعت کے اہلِ قلم کی طرف سے اس کا جواب نہیں بلکہ جوابات لکھے گئے[1]، اور بعید نہیں کہ ابھی اور بھی لکھے جائیں۔ سب سے پہلے جماعت اسلامی پاکستان کے سرکاری ترجمان "ایشیا" لاہور میں جواب آیا جس کی دو قسطوں

---

[1] "جماعت اسلامی" کے ایک صاحبِ قلم کی طرف سے، جماعت کے ترجمان "دعوت دہلی" میں الفرقان کے اس مضمون کا ایک جواب چند قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ ان صاحب نے راقم سطور کی ان سطروں کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ یہ عاجز جماعت کے اہلِ قلم سے جواب لکھے جانے کی درخواست یا کم از کم اپنی اس خواہش کا اظہار کر رہا ہے۔ حالانکہ اس عاجز نے انہی سطروں میں اپنے اس قریب بہ یقین اندازہ کا ذکر کیا ہے کہ "جماعت کے اہلِ قلم کی طرف سے [illegible] کے اس مضمون کا جواب نہیں بلکہ جوابات لکھے جائیں گے" — بہرحال میرے گریباں کا اسے کیا کیجیے۔

کا تذکرہ گذشتہ شمارے میں کیا جا چکا ہے تیسری اور آخری قسط ابھی اس کے بعد مئی کے شمارے میں آگئی ہے۔

ـــــ اگر یہ جوابی مضمون "جماعت اسلامی پاکستان" کے حالیہ مزاج و انداز کی صحیح طور پر عکاسی کرتا ہے۔ تو مجھ جیسے لوگوں کو جنھوں نے جماعت کا پہلا دور دیکھا ہے اس میں بہت تسفّل محسوس کر کے اذیت ہوگی

مودودی صاحب مرحوم کی تحریر منطق و معقولیت کے لحاظ سے بڑی بلند پایہ ہوتی تھی لیکن "ایشیا" کے اس مضمون میں افسوسناک حد تک اس کا فقدان ہے۔ علاوہ ازیں مجھے اُن کی کوئی ایسی تحریر دیکھنا یاد نہیں جس میں انھوں نے اپنے کسی مخالف یا معترض کی بات کا جواب دینے کے لیے اُس کے موقف کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہو، مگر "ایشیا" کے اس جواب میں یہ صنعت خوب استعمال کی گئی ہے۔

جماعت اسلامی ہند کے ترجمان "دعوت دہلی" میں بھی ۳،۴ قسطوں میں ایک تفصیلی جواب آیا ہے۔ ان کے علاوہ جماعت اسلامی مدھیہ پردیش کے امیر محترم انعام الرحمٰن خاں صاحب کے قلم سے بھی قریباً پورے مضمون کا جواب "دعوت" ہی میں شائع ہوا ہے ـــــ اس عاجز نے "ایشیا" اور "دعوت" کے ان جوابات کو غور سے پڑھا ہے قدرتی طور پر طبیعت میں ان پر تبصرہ اور جواب الجواب کا تقاضہ بھی ہے۔ لیکن یقین ہے کہ اگر میں لکھوں تو ان حضرات کی طرف سے اس کا بھی جواب لکھا جائے گا اور اگر میں خود اس سلسلہ کو اپنی طرف سے ختم نہ کروں تو یہ میری زندگی کے خاتمہ سے پہلے ختم نہ ہوگا ـــــ (اور میں اپنا فرض ادا کر کے بری الذمہ ہو چکا ہوں قلوب اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں)

بعض جماعتوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ جو چیز بھی ان کے خلاف ایسی لکھی جائے جس کے متعلق ان کا اندازہ ہو کہ وہ ہمارے حلقہ پر اثر انداز ہو سکتی ہے تو اس کا جواب دینا بلکہ متعدد جوابات سے اپنے حلقہ کی فضا کو بھر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے ـــــ ایک زمانہ میں شیعہ اصحاب علم و قلم کے یہاں اس کا بڑا اہتمام و التزام تھا ـــــ گزشتہ تیرھویں صدی میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی "تحفہ اثنا عشریہ" لکھی گئی جو بلاشبہ اسلامی ہند میں اپنے موضوع پر پہلی نہایت کامیاب اور مؤثر لاجواب تصنیف تھی۔ شیعہ حضرات کی طرف سے اس کے متعدد جوابات لکھے گئے۔ ان میں سے چار کا راقم سطور کو بھی علم ہے جن میں سے ہر ایک ہزاروں صفحات اور کئی کئی جلدوں میں ہے۔ انہی میں ایک وہ بھی ہے جو ایک بڑے نامور صاحب علم مجتہد نے لکھنا شروع فرمایا تھا، وہ زندگی بھر جلد پر جلدیں لکھتے رہے، ان کے بعد ان کے مجتہد صاحبزادے صاحب نے تکمیل کی، اس کا نام عبقات ہے۔ سنا تھا کہ اس کی قریباً ۲۰ جلدیں چھپ گئی تھیں اور ابھی اس سے زیادہ لکھی جانے والی تھیں (راقم نے اب سے قریباً پچاس سال پہلے اس کی بعض جلدوں کی صرف صورت دیکھی تھی) ـــــ بعد میں حضرت شاہ صاحب کے بعد مستند علماء کی طرف سے اس موضوع پر جو بھی اچھی کتاب لکھی گئی، شیعہ حضرات کی طرف سے اس کا

جواب بلا ذرائع شائع ہوا اور بعض کے کئی کئی جواب۔ یہ سب جوابات جیسے بھی تھے، بہرحال "جواب" تھے۔

قادیانیوں کی دونوں شاخوں کا معمول بھی یہی تھا کہ مرزا غلام احمد صاحب یا اُن کی جماعت کے خلاف جو بھی ایسی چیز شائع ہوتی جو ان کے اندازے میں موثر ہو سکتی تو قادیان کے "الفضل" اور لاہور کے "پیغام صلح" میں اس کے جوابات ضرور شائع ہوتے اور اگر اس کے جواب الجواب کے طور پر کچھ لکھا جاتا تو اس کا بھی جواب ضرور شائع ہوتا۔

جماعت اسلامی کے پاس تو ماشاء اللہ اہل قلم کی فوج ہے اور اتنے اخبارات و رسائل ہیں کہ مسلمانوں کی کسی جماعت بلکہ ہندوستان کی بڑی سے بڑی کسی سیاسی پارٹی کے پاس بھی غالباً نہیں ہیں ـــــ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کے راقم سطور نے یہ طے کر لیا تھا کہ جماعت اسلامی کی طرف سے میرے مضمون کے جو جوابات دیے جائیں گے میں ان کو غور سے دیکھوں گا۔ اگر مجھے معلوم ہوگا کہ میں نے اس مضمون میں مودودی صاحب کے بارے میں کوئی غلط بات لکھ دی ہے تو اس کا اعتراف کر کے اعلان کر دوں گا۔ جواب الجواب اور بحث و مباحثہ کے چکر سے اپنے کو اور اپنے وقت کو بچانے کی کوشش کروں گا ـــــ

چنانچہ "ایشیا" اور "دعوت" کے ان مضامین کو اسی نیت سے بغور دیکھا، لیکن مجھے ان میں سے کسی مضمون سے معلوم نہیں ہو سکا کہ میں نے اپنے مضمون میں مولانا مودودی کی جن بے شمار سنگین غلطیوں کی نشاندہی کی ہے ان میں کوئی ایک بھی غلط اور واقعہ کے خلاف ہے ـــــ ہاں میرا اندازہ ہے کہ جن لوگوں نے میرا وہ مضمون نہیں پڑھا یا اس کے بنیادی نکات جن کے ذہن میں محفوظ نہیں ہیں وہ شاید ان جوابات کو "کافی شافی جواب" سمجھیں گے۔ اس لیے میری درخواست ان حضرات سے صرف یہ ہے کہ میرے مضمون کو (جواب کتابی شکل میں بھی شائع ہو گیا ہے) سامنے رکھ کر ان جوابات پر غور فرمائیں، ان شاء اللہ کسی ذہین و فہیم آدمی کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ راقم سطور نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ اپنی جگہ پر ہے۔

ہاں "ہم بنی" کے "ایشیا" میں "غلاف کعبہ کی گشتی نمائش" سے متعلق مولانا مودودی مرحوم کا ایک مضمون بھی اپریل ۴۷ء کے "ترجمان القرآن" کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے جس میں مولانا نے اس مسئلہ سے متعلق اپنی صفائی پیش فرمائی ہے ـــــ مولانا موصوف کے ذاتی واقفیت کی بنا پر اس عجیب و غریب مضمون سے متعلق میرا احساس یہ ہے کہ مولانا بلاشبہ قلم کے بادشاہ تھے، یہ اُن کا کمال ہے کہ "غلاف کعبہ کی گشتی نمائش" جیسے تماشے کو انھوں نے اتنے اچھے اور معصومانہ انداز میں پیش فرما دیا۔ اگر کسی دوسرے دینی حلقہ کی طرف سے اس طرح کا "دینی تماشہ" ہوا ہوتا اور مولانا (سیاسی قسم کی مصلحتوں سے آزاد ہو کر) اپنے قدیم انداز میں اس کا احتساب اور اس پر بے لاگ تنقید فرماتے تو دیکھنے والے اُن کی بے پناہ شمشیر قلم کے جوہر دیکھتے۔ مولانا کے اس مضمون سے "غلاف کعبہ کی گشتی نمائش" کے مسئلہ میں میری رائے کے متاثر نہ ہونے کی ایک اور کبھی وجہ ہے اور وہ اہم ہے لیکن اس کا اظہار خود اس عاجز کے لیے بھی ناخوشگوار ہے اور اُن کے عقیدت مندوں کے لیے غالباً تکلیف دہ ہوگا اس لیے اس وقت اُس سے قلم روکنے ہی کا فیصلہ کیا۔

تبلیغی جماعت:-

"ایشیا" اور "دعوت" کے تعجیل ہوائی مضمونوں میں "تبلیغی جماعت" سے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے ـــــ اس شمارہ میں گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے اس سلسلہ میں اس وقت صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ میرے مضمون کا تبلیغی جماعت سے اور تبلیغی جماعت کا میرے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ صرف خلط مبحث کی کوشش ہے جو کسی حق پرست فرد یا جماعت کے لیے زیبا نہیں تاہم ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں اس سلسلہ میں بھی کچھ عرض کیا جائے گا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

● سفر حدیبیہ کے سلسلہ میں ایک گروہ کے منافقانہ کردار کی پردہ دری
● اِن منافقوں کو خیبر کی مہم میں شریک ہونے کی اجازت نہیں
● عنقریب ان کے ایمان و اخلاص کے امتحان کا ایک موقع آئے گا

حمد و صلوٰۃ اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ج يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ط قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ
لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ط بَلْ كَانَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ
إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَ
كُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ۝ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ
سَعِيرًا ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ
مَنْ يَشَاءُ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ
إِلَى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ج يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا
كَلَامَ اللَّهِ ط قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ج فَسَيَقُولُونَ
بَلْ تَحْسُدُونَنَا ط بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ
مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ

أَوْ يُسْلِمُونَ ۚ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

سورۃ الفتح آیات ۱۱—۱۶

جو بدو لوگ پیچھے ڈال دیے گئے تھے وہ عنقریب (جب آپ مدینہ پہنچیں گے معذرت کے طور پر) آپ سے کہیں گے کہ ہمارے اموال اور اہل و عیال نے ہمیں (گھر سے نکلنے کی) فرصت نہیں دی تو آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی کی دعا کر دیجیے —— یہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہیں گے جو ان کے دلوں میں نہیں ہے —— آپ اُن سے کہیے کہ وہ کون ہے جو تمھارے لیے اللہ سے کچھ اختیار رکھتا ہو اگر وہ تم کو کوئی نقصان یا نفع پہنچانا چاہے، یقین رکھو اللہ تمھارے اعمال (اور کرتوتوں) سے پوری طرح باخبر ہے۔ بلکہ (اصل واقعہ یہ ہے کہ) تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول اللہ اور (اُن کے ساتھ جانے والے) مومنین اب کبھی اپنے گھر والوں کے پاس واپس نہ لوٹ سکیں گے، اور یہ بات تمھارے دلوں کو بہت خوشنما معلوم ہوئی اور تم نے برے برے گمان قائم کر لیے اور بالآخر تم ہو گئے تباہ و برباد —— اور جو ایمان نہ لاویں اللہ اور اس کے رسول پر تو ہم نے ایسے کافروں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے —— اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے سزا اور عذاب دے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے ——

عنقریب جب تم غنیمتیں لینے کے لیے چلو گے تو یہ مخلفین (پیچھے ڈالے ہوئے بدو لوگ) کہیں گے کہ ہم کو بھی (اجازت دی جائے) آپ لوگوں کے ساتھ ہم بھی چلیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل ڈالیں، آپ (صاف) کہہ دیں کہ تم لوگ ہرگز (اس موقع پر) ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ ایسے ہی فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی۔ تو وہ کہیں گے آپ لوگ ہم سے حسد رکھتے ہو۔ بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں (اس لیے ایسی احمقانہ باتیں کرتے ہیں) —— آپ اہل بدو میں کے ان مخلفین سے (یہ بھی کہہ دیں) (عنقریب تم لوگوں کو ایک سخت جنگ آزما قوم (سے جہاد و قتال) کے لیے دعوت

دی جائے گی، اُن سے یا تو تم قتال کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں، پس اگر
تم نے (اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے) اطاعت و فرمانبرداری کا رویہ اختیار کیا
تو اللہ تعالیٰ تم کو (اس فرمانبرداری اور جہاد و قربانی کا) بہتر اجر عطا فرمائے گا، اور
اگر تم نے روگردانی اور نافرمانی کی جیسے کہ پہلے کی تھی تو وہی اللہ تم کو سخت ترین
عذاب دے گا۔
(سورۂ فتح آیات ۱۱ تا ۱۶)

(تفسیر و تشریح) یہ بات تفصیل سے ذکر کی جا چکی ہے کہ یہ سورۂ فتح ۶ھ میں صلح حدیبیہ
والے سفر سے واپسی میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے چاہا تھا کہ اس سفر میں (جو عمرے کے لیے تھا) مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد
آپ کے ساتھ ہو تاکہ کفار مکہ مرعوب ہو جائیں اور مزاحمت کا ارادہ نہ کریں۔ اس وجہ سے
آپ نے عام مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار اہل ایمان نے آپ کے
ساتھ یہ سفر کیا اور وہ واقعات پیش آئے جو تفصیل سے ذکر کیے جا چکے ہیں — اس سلسلہ میں
یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں کچھ اعراب یعنی بدوی لوگ تھے، ان کا
حال یہ تھا کہ بظاہر یہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے لیکن
ان کے دلوں کو حقیقی ایمان نصیب نہیں ہوا تھا، یہ ایک طرح کے منافق تھے۔ لیکن مسلمانوں کی
جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کو بھی عمرے کے لیے ساتھ چلنے کی دعوت دی گئی تھی،
لیکن حقیقی ایمان نصیب نہ ہونے کی وجہ سے ان کا خیال تھا کہ یہ سفر بہت خطرناک ہے۔ اہل
مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو عمرے کے لیے مکہ میں داخل ہونے کی
اجازت نہیں دیں گے، مزاحمت ضرور کریں گے اور لامحالہ جنگ کی نوبت آئے گی اور اہل
مکہ کو اس جنگ میں یہ سہولت حاصل ہو گی کہ وہ اپنے شہر اور اپنے گھروں میں ہوں گے، انکی
ضرورت کی ساری چیزیں ان کے پاس ہوں گی اور مسلمان اپنے مرکز مدینہ سے ڈھائی سو میل
دور ہوں گے اس لیے جنگ میں ان کی پوزیشن بہت کمزور ہو گی، نتیجہ یہ ہو گا کہ مکہ والے
ان سب کا صفایا کر دیں گے اور ان کو مدینہ لوٹنا بھی نصیب نہ ہو گا — الغرض
مدینہ کے قرب و جوار کے یہ اعراب یہی سب سوچ کر عمرے کے اس سفر میں حضور کے ساتھ نہیں

گئے ــــــ لیکن اس سفر کا انجام حدیبیہ کے معاہدہ صلح پر ہوا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "فتح مبین" فرمایا اور بعد کے واقعات سے سب کو معلوم ہو گیا کہ واقعی وہ صلح مسلمانوں کے حق میں "فتح مبین" تھی ــــــ میں عرض کر رہا تھا کہ اس سفر سے واپسی ہی میں یہ سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں اُن مضامین کے بعد جو اوپر کی آیتوں میں بیان ہوئے ہیں ان آیتوں میں (جن کا سلسلہ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ سے شروع ہوا ہے) ان منافق اعراب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشگی ہی بتلایا گیا ہے کہ جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو یہ آپ کے پاس آئیں گے اور اس طرح کے جھوٹے حیلے بہانے کریں گے، آپ اِن کے بارے میں یہ رویہ اختیار کریں۔ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ ...... بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ہ"

اس آیت میں ان اعراب کو "مُخَلَّفُونَ" کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں پیچھے ڈالے ہوئے۔ بظاہر واقعہ تو یہ تھا کہ یہ لوگ حدیبیہ والے اس سفر میں حضور کے ساتھ نہیں گئے تھے بلکہ خود ہی سوچ سمجھ کے خطرہ محسوس کر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لیے یہ "متخلفین" تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے "مخلفون" کا لفظ استعمال فرما کر اشارہ فرمایا کہ ان کے نفاق اور بدباطنی کی وجہ سے اللہ نے ان کو اس مبارک سفر کی توفیق نہیں دی اور یہ پیچھے ڈھکیل دیے گئے اور اس سفر کی عظیم برکات سے محروم رکھے گئے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو یہ اعراب "مُخَلَّفِين" سفر میں ساتھ نہ جانے کی معذرت کرتے ہوئے آپ سے کہیں گے شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا، یعنی ہمارے مال مویشی اور ہمارے اہل و عیال سے متعلق کچھ ضروری کام تھے ہم اُن میں پھنسے رہے اور سفر میں آپ کے ساتھ جانے کی فرصت نہیں پا سکے۔ آپ ہمارے اس قصور کی معافی اور مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا کہ وہ اس عذر معذرت میں جھوٹے ہیں، اُن کے دلوں میں وہ بات نہیں ہے جو وہ کہہ رہے ہیں (يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم

مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ "

آگے ارشاد فرمایا: "قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا" یعنی آپ ان سے کہیں کہ بتلاؤ اگر اللہ تم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع پہنچانا چاہے تو کون ہے جو اس میں کسی ردو بدل کا کچھ اختیار رکھتا ہو؟ یعنی کسی کی مجال نہیں ہے کہ ارادۂ الٰہیہ کے خلاف کچھ کرسکے۔ جو نقصان یا نفع اللہ تعالیٰ تم کو پہنچانا چاہے گا وہ پہنچ کے رہے گا —— اگر یہ ایمان و یقین ہو تو اللہ و رسول کے احکم کی تعمیل کے سلسلہ میں آدمی کسی خطرے کی بھی پروا نہ کرے —— آگے ارشاد فرمایا: "بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا" مطلب یہ ہے کہ جھوٹے بہانے نہ بناؤ۔ تم نے جو کچھ کیا اور جس خیال سے کیا اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے —— تم کیسے امید کرسکتے ہو کہ وہ اللہ تم کو اس منافقانہ عذر معذرت میں سچا سمجھ کر معاف کردے گا اور بخش دے گا۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ...... وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا" —— اس آیت میں ان منافق اعراب کے باطن کو بالکل کھول دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ اے منافقو اصل حقیقت یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھا تھا اور یہ خیال قائم کرلیا تھا کہ اللہ کے رسول اور اس حدیبیہ والے سفر میں ان کے ساتھ جانے والے مومنین مخلصین زندہ سلامت واپس نہیں لوٹ سکیں گے، کفار مکہ ان سب کا صفایا کردیں گے —— اور تمہارے قلبی مرض نفاق کی وجہ سے یہ بات تمہارے دلوں کو بہت خوشنما لگی تھی، اور یہ تم نے بہت برا خیال قائم کیا تھا، اور تم اپنے اس منافقانہ کردار کی وجہ سے دینی و ایمانی نقطۂ نظر اور آخرت کے انجام کے لحاظ سے بالکل ہی تباہ و برباد ہوگئے۔

آگے ارشاد ہوا ہے "وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا"

اس موقع پر اس آیت کا مقصد وہی بظاہر ان اعراب منافقین کو جن کا ذکر ہو رہا ہے یہ جتلانا ہے کہ اگرچہ تم لوگ بظاہر اسلام قبول کرکے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوگئے ہو لیکن اللہ تمہارے اس حال سے واقف ہے کہ تم ابھی دل سے ایمان نہیں لائے ہو، تمہارے

دل کافر ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اگر تم اسی حال میں رہے تو دوزخ کی وہ آگ تمہارا ٹھکانا ہوگا۔

آگے ارشاد ہے۔ "وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا" ——— مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ ہی کی بادشاہی اور فرمانروائی ہے وہ جس کو چاہے بخش دے، اور جس کے بارے میں چاہے عذاب کا فیصلہ فرمائے اس کے فیصلے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا ——— آخر میں فرمایا گیا ہے "وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا" یعنی وہ اللہ جو زمین و آسمان کا بادشاہ و فرمانروا ہے اور جس کے اختیار میں بندوں کی مغفرت یا عذاب کا فیصلہ ہے اُس کی خاص اور غالب صفت یہ ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، اس لیے کسی بڑے سے بڑے مجرم کافر یا منافق کو بھی یہ خیال کر کے اس کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے کہ میرا جرم اور گناہ ناقابل معافی ہے میری بخشش تو ہو ہی نہیں سکتی ——— آیت کے اس آخری جزء میں بظاہر ان اعراب منافقین کو اشارہ دیا گیا ہے کہ اگر اب بھی تم دل سے ایمان لے آؤ، اور اب تک جو منافقانہ رویہ رہا تھا اس سے سچے دل سے توبہ کر لو، اپنے اندر صدق و اخلاص پیدا کر لو تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے وہ تم کو بخش دے گا اور رحم و کرم کا معاملہ فرمائے گا۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
گر ہزار بار توبہ شکستی باز آ

اس کے آگے کی آیتوں کی تشریح سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھ لینی چاہیے کہ حدیبیہ کے اس سفر سے واپسی ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ آپ اور آپ کے وہ اصحاب جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے عنقریب ہی اللہ تعالیٰ اُنکے ہاتھوں خیبر فتح کرا دیگا، اور اس مہم میں آپ کے ساتھ صرف اصحاب حدیبیہ ہی ہوں گے ——— اور اس فتح میں مال غنیمت بھی بڑی مقدار میں حاصل ہوگا، یہ گویا حدیبیہ کے سفر میں

آپ کے ساتھ جانے والے مخلصین کی مخلصانہ قربانی اور سرفروشی کا نقد انعام ہوگا) ساتھ ہی آپ کو یہ بھی اطلاع دی گئی کہ جب آپ حکم الٰہی کے مطابق اپنے ان مخلص رفقا کے ساتھ خیبر فتح کرنے کے لیے چلیں گے تو مدینہ کے قرب و جوار کے یہ اعراب منافقین جن کا اوپر ذکر ہوا اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے "مُخَلَّفِینَ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، یہ بھی آپ کے ساتھ چلنا چاہیں گے۔ آپ ان کو ہرگز ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیں، ان سے صاف کہدیا جائے کہ اللہ کا حکم نہیں ہے کہ تم اس مہم میں ہمارے ساتھ چلو۔

اس صورت حال کو ذہن میں رکھ کر اب آگے کی آیتیں پڑھیے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "سَیَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ .... بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا" ـــــــ مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے رسول، جب تم اور تمھارے رفقا اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور حکم کے مطابق خیبر فتح کرنے اور وہاں کی غنیمتوں پر قبضہ کرنے کے لیے چلو گے تو یہ اعراب مخلفین کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دی جائے کہ آپ لوگوں کے ساتھ چلیں ـــــــ یہ منافقین اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بدل دینا چاہتے ہیں کہ انکو سفر میں ہرگز ساتھ نہیں لیا جائے گا "كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی یہ فرمان آگیا ہے ـــــــ تو یہ جواب سنکر یہ جاہل اعراب کہیں گے۔ "بَلْ تَحْسُدُونَنَا" کہ آپ لوگ حسد اور ہماری بدخواہی کرتے ہیں اس لیے ہم کو ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دیتے (غالباً ان کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے حکم کی بات صرف بہانہ ہے، ہم کو ساتھ نہ لے چلنے کی اصل وجہ حسد اور بدخواہی ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا" یعنی واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بہت کم فہم ہیں، یہ اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیبر کی غنیمتوں کی شکل میں اپنے ان وفادار بندوں کو نقد انعام سے نوازنا چاہتا ہے جو حدیبیہ کے انتہائی خطرے والے سفر میں ساتھ جاکر اپنی کامل وفاداری اور راہِ خدا میں جانوں کی بھی قربانی پر آمادگی کا ثبوت دے چکے ہیں۔

اس آیت سے ضمنی طور پر ایک بہت اہم اور اصولی بات معلوم ہوئی۔ اعراب منافقین کو فتح خیبر کے سفر میں ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ "لَن تَتَّبِعُونَا"

(یعنی تم لوگوں کو ہرگز ساتھ چلنے کی اجازت نہ دی جائے گی) اس کے آگے فرمایا گیا ہے کَذٰلِکُمْ قَالَ اللّٰہُ مِنْ قَبْلُ " (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی ایسا فرمان آگیا ہے) حالانکہ قرآن پاک میں کہیں بھی اس فرمان کا ذکر نہیں ہے ۔۔۔ ہاں حدیث شریف میں ہے کہ حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت تھی کہ جب آپ خیبر فتح کرنے کے لیے چلیں تو آپ کے ساتھ وہی وفادار مخلصین ہوں جو حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ تھے دوسرے لوگ نہ ہوں۔ قرآن مجید کے ان الفاظ "کَذٰلِکُمْ قَالَ اللّٰہُ مِنْ قَبْلُ" میں اللہ تعالیٰ کی اسی ہدایت اور اسی فرمان کا حوالہ دیا گیا ہے ۔۔۔ اس لیے یہ آیت اس بات کا نہایت واضح اور روشن ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ ایسی ہدایتیں اور ایسے احکام بھی ملتے تھے جو قرآن پاک میں نہیں ہیں صرف حدیثوں میں مذکور ہیں ۔۔۔ آجکل کے بہت سے گمراہ لوگ اس سے انکار کرتے ہیں ۔۔۔ بہرحال قرآن مجید کی یہ آیت اس کی واضح اور روشن دلیل ہے، جو شخص قرآن کو مانتا ہے اُس کو یہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ قرآن کے علاوہ بھی حضور پر وحی ہوتی تھی اور احکام آتے تھے۔

آگے کی آیت میں ان "مخلفین" سے جن کو غزوۂ خیبر میں ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دی گئی ایک آخری بات فرمائی گئی ہے۔

ارشاد ہے: قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ .... یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔۔۔

مطلب یہ ہے کہ اے رسول آپ ان "مخلفین" سے (جن کو غزوۂ خیبر میں ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے) کہدیں کہ عنقریب وقت آئے گا کہ اہل ایمان اللہ کے حکم سے ایک بڑی طاقتور اور جنگ آزما قوم سے جہاد کے لیے اٹھیں گے۔ اس قوم کے لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رہے گی کہ وہ اسلام لے آئیں (سر تسلیم خم کردیں) اس فیصلہ کن جنگ میں شرکت کی تم لوگوں کو بھی دعوت دی جائے گی، اُس وقت تمہارے ایمان و اخلاص کا امتحان ہو جائے گا، اگر تم نے اس وقت اللہ و رسول کی وفاداری، فرمانبرداری کا رویہ اختیار کیا اور مومنین مخلصین کی طرح تم بھی سر بکف اُس طاقتور اور جنگ آزما قوم سے جنگ کے لیے ہمارے ساتھ نکلے تو اللہ تم کو اپنی شان کریمی کے مطابق اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے پچھلے قصور

معاف ہو جائیں گے) اور اگر اُس وقت بھی تم نے حیلوں بہانوں کا وہی پہلا والا منافقانہ رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت ترین عذاب دے گا۔

مفسرین کی رائیں اس بارے میں مختلف ہیں کہ اس آیت میں ایک طاقتور اور سخت جنگ آزما قوم سے عنقریب ہونے والی جس جنگ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد کون سی جنگ ہے ــــ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جنگیں ہیں جو حضور کے بعد عہد صدیقی و فاروقی میں روم و فارس کی منظم اور طاقتور حکومتوں کے خلاف لڑی گئیں جنکو فوجی طاقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں بے حساب برتری حاصل تھی ــــ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ کی مہم ہے اور "طاقتور اور جنگ آزما قوم" سے مراد مکہ کے کفار قریش ہیں ــــ میرے نزدیک یہی دوسری بات زیادہ قرین قیاس ہے ــــ فتح مکہ والا غزوہ حدیبیہ اور غزوہ خیبر کے صرف دو سال بعد ہوا ہے اور اس کے لیے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل ایمان کو عام دعوت دی گئی تھی اور اس سفر میں تقریباً دس ہزار مسلمان آپ کے ساتھ تھے۔ اور اس موقع پر کفار مکہ کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک جنگ یا اسلام یعنی سر تسلیم خم کر دینا۔ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ کا یہی مطلب تھا۔ واللہ اعلم
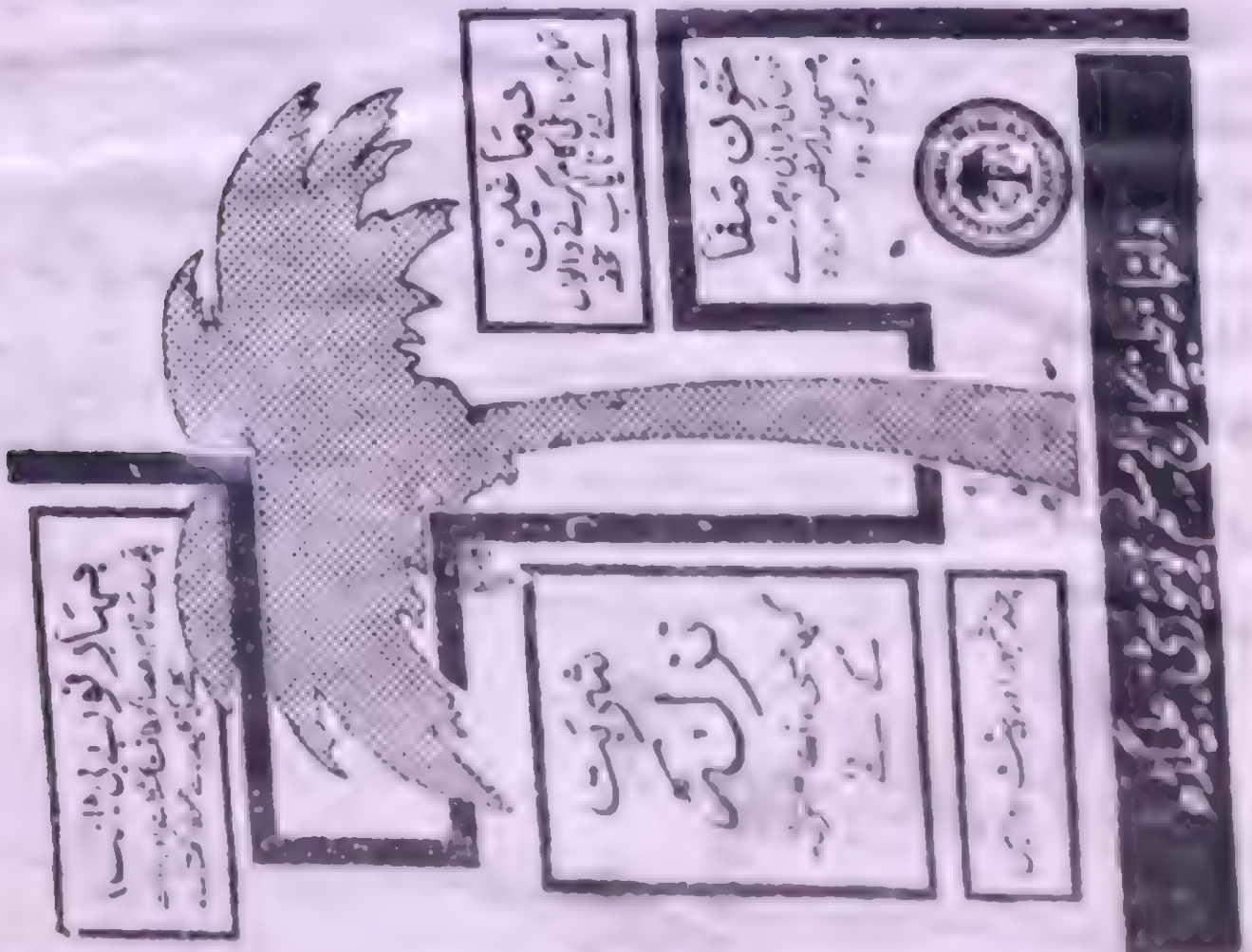
محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

کتاب العلم

دینی اصطلاح اور قرآن و حدیث کی زبان میں علم سے مراد وہی علم ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لیے آتا ہے۔

اللہ کے کسی نبی و رسول پر ایمان لانے اور ان کو نبی و رسول مان لینے کے بعد سب سے پہلا فرض آدمی پر یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرے اور جاننے کی کوشش کرے کہ میرے لیے یہ پیغمبر کیا تعلیم و ہدایت لیکر آئے ہیں، مجھے کیا کرنا اور کیا چھوڑنا ہے —— سارے دین کی بنیاد اسی علم پر ہے، اس لیے اس کا سیکھنا اور سکھانا ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ ہے —— یہ سیکھنا سکھانا زبانی بات چیت اور مشاہدہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ عہد نبوی اور آپ کے بعد کے قریبی دور میں تھا۔ صحابہ کرام کا سارا علم وہی تھا جو ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سننے اور آپ کے افعال و اعمال کے مشاہدہ سے یا اسی طرح آپ کے فیض یافتہ دوسرے صحابہ کرام سے حاصل ہوا تھا، علیٰ ہذا اکثر تابعین کا علم بھی وہی تھا جو صحابہ کرام کی صحبت و سماع سے حاصل ہوا تھا —— اور یہ علم نوشت و خواند اور کتابوں کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتا ہے جیسا کہ بعد کے زمانوں میں اس کا عام ذریعہ کتابوں کا پڑھنا اور پڑھانا رہا اور اب بھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں بقدر ضرورت علم دین حاصل

کرنا ہر اُس شخص کے لیے فرض و واجب بتلایا ہے جو آپ کو اللہ کا پیغمبر مان کر آپ پر ایمان لائے اور اللہ کا دین اسلام قبول کرے اور اس علم کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کو آپ نے ایک طرح کا "فی سبیل اللہ" جہاد اور قرب الٰہی کا خاص الخاص وسیلہ اور اس بارے میں غفلت و بے پرواہی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے۔ یہ علم انبیاء علیہم السلام اور خاص کر رسول اللہ علیہ وسلم کی خاص میراث اور اس پوری کائنات کی سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی دولت ہے، اور جو خوش نصیب بندے اس کو حاصل کریں اور اس کا حق ادا کریں وہ وارثین انبیاء ہیں، آسمان کے فرشتوں سے لیکر زمین کی چونٹیوں اور دریا کی مچھلیوں تک تمام مخلوقات اُن سے محبت رکھتی اور اُن کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں رکھ دی ہے اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی اس مقدس میراث کو غلط اغراض کے لیے استعمال کریں وہ بدترین مجرم اور خداوندی غضب و عذاب کے مستحق ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

اس مختصر تمہید کے بعد علم اور تعلیم و تعلم کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے!

ہر مسلمان پر علم کی طلب و تحصیل فرض ہے:-

عن انسٍ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

— رواہ البیہقی فی شعب الایمان وابن عدی فی الکامل —
ورواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس وفی الکبیر والاوسط عن ابی مسعود وابی سعید وفی الصغیر عن الحسین

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم کی طلب و تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے ———

(یہ حدیث حضرت انس سے بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عدی نے کامل میں روایت

کی ہے ـــــ اور طبرانی نے معجم اوسط میں یہی حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس سے اور معجم کبیر و معجم اوسط میں ابن مسعود اور ابو سعید خدری سے اور معجم صغیر میں حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) سے بھی روایت کی ہے۔)[1]

(تشریح) مسلم وہی شخص ہے جس نے دین اسلام قبول کیا اور طے کیا کہ میں اسلامی تعلیم و ہدایت کے مطابق زندگی گزاروں گا۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ اسلام کے بارہ میں ضروری معلومات حاصل کرے، اس لیے ہر مومن و مسلم پر فرض بلکہ پہلا فرض ہے کہ وہ بقدر ضرورت اسلام کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس حدیث کا یہی مدعیٰ اور پیغام ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ علم صرف گفت و شنید اور صحبت سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور دوسرے تعلیمی ذرائع سے بھی۔ بہر حال حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے ہر مسلمان پر "عالم" "فاضل" بننا فرض ہے بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اسلامی زندگی گزارنے کے لیے جتنے علم کی ضرورت ہے اُس کا حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔

بعض کتابوں میں یہی حدیث لفظ "کلِ مسلمٍ" کے بعد "مُسْلِمَةٍ" کے اضافہ کے ساتھ نقل

---

[1] کنزل العمال ج۵ صفحہ ۲۰۲ و مجمع الفوائد ج۱ صفحہ ۴۴ ـــ اس حدیث "طلب العلم فریضةٌ علیٰ کل مسلمٍ" کے بارہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ یہ اتنی مشہور ہے کہ علماء کے علاوہ بہت سے عوام کو بھی یاد ہوتی ہے اور حدیث کی مختلف کتابوں میں یہ متعدد صحابہ کرام سے روایت کی گئی ہے (اور مفہوم و مدعیٰ کے لحاظ سے اس کے صحیح ہونے میں تو کسی شک شبہہ کی گنجائش ہی نہیں) لیکن یہ عجیب بات ہے کہ محدثین کے اصول و معیار کے مطابق اس کی کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ ہر سند میں ضعف ہے، اس لیے تمام متقدم محدثین نے اس کو ضعیف ہی قرار دیا ہے ـــــ البتہ حافظ سیوطیؒ نے کہا ہے کہ میں نے حدیث کی کتابوں میں تلاش کرکے اس کی روایت کے قریباً پچاس طریقے دریافت اور جمع کیے ہیں، اس کثرت طرق کی بنا پر میں اس کو "صحیح" قرار دیتا ہوں اگرچہ مجھ سے پہلے تمام محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے ـــــ اور حافظ سخاوی نے کہا ہے کہ ابن شاہین نے اس حدیث کو حضرت انسؓ سے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے سب راوی ثقہ ہیں (تو اس سند کے لحاظ سے یہ حدیث محدثین کے اصول و معیار پر بھی صحیح ہے۔)

(المذہب المواد فی تخریج جمع الفوائد ـــــ بحوالہ فیض القدیر ج۴ صفحہ ۲۶۸)

کی گئی ہے لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں "مسلمة" کا اضافہ ثابت اور صحیح نہیں ہے۔ البتہ "مسلم" کا لفظ معنوی حیثیت سے ہر مسلمان مرد و عورت کو شامل ہے۔

دین نہ جاننے والوں کا فرض ہے کہ وہ جاننے والوں سے سیکھیں اور جاننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُن کو سکھلائیں:-

عن ابزى الخزاعى والد عبد الرحمن قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فاثنى على طوائف من المسلمين خيرا . ثم قال ما بال اقوام لا يفقهون جيرانهم ولا يعلمونهم ولا يعظونهم ولا يامرونهم ولا ينهونهم وما بال اقوام لا يتعلمون من جيرانهم ولا يتفقهون ولا يتعظون . والله ليعلمن قوم جيرانهم ويفقهونهم ويعظونهم ويامرونهم وينهونهم وليتعلمن قوم من جيرانهم ويتفقهون ويتعظون او لاعاجلنهم بالعقوبة في دار الدنيا — ثم نزل فدخل بيته — فقال قوم من ترونهم عنى بهؤلاء؟ فقالوا نراه عنى به الاشعريين ، هم قوم فقهاء ولهم جيران جفاة من اهل المياه والاعراب — فبلغ ذلك الاشعريين فاتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا يا رسول الله ذكرت قوما بخير وذكرتنا بشر فما بالنا؟ فقال ليعلمن قوم جيرانهم وليفقهنهم وليعظنهم وليامرنهم ولينهونهم وليتعلمن قوم من جيرانهم ويتعظون ويتفقهون او لاعاجلنهم بالعقوبة في دار الدنيا فقالوا يا رسول الله ابطير غيرنا؟ فاعاد قوله عليهم واعادوا قولهم ابطير غيرنا؟ فقال ذالك ايضا . فقالوا امهلنا سنة فامهلهم سنة ليفقهوهم ويعلموهم ويعظوهم ثم قرء رسول الله صلى الله عليه وسلم . لعن الذين كفروا من بني اسرائيل على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون ○

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۔"

رواه ابن راهويه والبخاری فی الوحدان وابن السکن وابن مندة والطبرانی فی الکبیر[۱]

(مشہور صحابی عبد الرحمن بن ابزی الخزاعی رضی اللہ عنہما کے والد) ابزیٰ الخزاعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد میں منبر پر) خطاب فرمایا۔ اس میں آپ نے مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تعریف فرمائی (کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں) اس کے بعد آپ نے (مسلمانوں کے بعض دوسرے گروہوں کو تنبیہ اور سرزنش کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ کیا حال ہے اُن لوگوں کا (اور کیا عذر ہے اُن کے پاس) جو اپنے پڑوس والے (اُن مسلمانوں کو جو دین سے واقف نہیں ہیں) دین نہیں سکھاتے اور دین کی تعلیم نہیں دیتے اور وعظ و نصیحت نہیں کرتے اور ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام نہیں دیتے، (اسی کے ساتھ آپ نے فرمایا) اور کیا حال ہے ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے اُن کے پاس جو دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں ہیں۔ اس کے باوجود) وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے (اُن مسلمانوں سے جو دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں) دین سیکھنے اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی اور اُن کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے ——— (اس کے بعد آپ نے قسم کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ (جو دین کا علم رکھتے ہیں علم نہ رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ اُن میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں ——— اور (جو لوگ دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں ہیں ان کو بھی لازماً کرنا ہے کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھنے والے (اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور اُن کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں ورنہ (یعنی اگر ان دونوں فریقوں نے اس ہدایت پر عمل نہیں کیا تو) میں ان کو اس

---

[۱] کنز العمال صفحہ ۲۸۴ ج ۳ و جمع الفوائد صفحہ ۵۲ ج ۲ (بحوالہ معجم کبیر طبرانی عن عبد الرحمن بن ابزی)

دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا ———

اس کے بعد (یعنی یہ تنبیہی خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد) آپ منبر سے اتر آئے اور گھر کے اندر تشریف لے گئے ——— اس کے بعد لوگوں نے آپس میں کہا کہ کیا خیال ہے، حضور کی مراد کون لوگ ہیں؟ (یعنی آپ نے اس خطاب میں کن لوگوں کی تنبیہ اور سرزنش فرمائی ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ کی مراد اشعریین (یعنی ابو موسیٰ اشعری کے قبیلہ کے لوگ) ہیں انہی کا یہ حال ہے کہ وہ فقہاء ہیں (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھتے ہیں) اور ان کے جوار میں پانی کے چشموں کے پاس رہنے بسنے والے اور ایسے بدوی لوگ ہیں جو بالکل اجڈ (اور دین سے بالکل ناواقف) ہیں ———

یہ ساری بات اشعریین کے علم میں آئی تو وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (معلوم ہوا ہے کہ) آپ نے بعض گروہوں کا ذکر تعریف کے ساتھ فرمایا اور ہم لوگوں کی مذمت فرمائی، ہمارا کیا معاملہ (اور کیا قصور) ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرا کہنا بس یہی ہے کہ دین کا علم و فہم رکھنے والے، لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ (دین نہ جاننے والے) اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کریں ——— اور جو دین کو نہیں جانتے ان کا فرض ہے کہ وہ (جاننے والے) اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہوا کریں اور دین کی سمجھ بوجھ ان سے حاصل کریں۔ یا پھر میں ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا ——— اشعریین نے عرض کیا کہ کیا دوسرے لوگوں کے جرم اور کوتاہی کی بھی سزا ہم کو بھگتنا ہوگی؟ ——— آپ نے اس کے جواب میں اپنی وہی بات دوہرا دی جو فرمائی تھی۔ اشعریوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے عرض کیا تھا کہ کیا دوسروں کی غفلت و کوتاہی کی سزا بھی ہم پائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ بھی (یعنی دین کے جاننے والے اگر نہ جاننے والے اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے میں کوتاہی کریں گے تو وہ اس کی بھی سزا پائیں گے) اشعریوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کو ایک سال کی مہلت دی جائے! تو آپ نے ان کو ایک سال کی مہلت اس کام کے لیے دیدی کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین

سکھائیں، اُن میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور وعظ و نصیحت سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اس کے بعد آپ نے (سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

لعنت ہوئی ہے بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنھوں نے کفر کا ارتکاب کیا، داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برائیوں اور گناہوں سے نہیں روکتے تھے جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ بُرا تھا اُن کا یہ فعل

(مسند ابن راہویہ۔ کتاب الوحدان للبخاری۔ صحیح ابن السکن۔ مسند ابن منذہ۔ معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) حدیث کا مطلب سمجھنے کے لیے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ کسی آبادی یا علاقے کے جو لوگ دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں اُن کی یہ ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے کہ وہ اپنے قرب و جوار کے اُن لوگوں کو جو دین سے ناواقف ہوں للہ فی اللہ دین سکھائیں اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی دینی اصلاح و ترقی کی کوشش کرتے رہیں اور اس تعلیمی خدمت کو اپنی زندگی کے پروگرام کا خاص جز بنائیں۔

اور دین کی واقفیت نہ رکھنے والے مسلمان اس کو اپنا فرض اور زندگی کی ضرورت سمجھیں کہ دین کے جاننے والوں سے رابطہ قائم کر کے دین سکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں غفلت اور کوتاہی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا تھا۔

دینی تعلیم و تربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ کے اور بغیر کتاب اور کاغذ قلم کے اور بغیر کچھ لکھے پڑھے بھی دین کا ضروری علم حاصل کر سکتا تھا

بلکہ اپنی محنت و صلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کر سکتا تھا۔ صحابہ کرام نے اور اسی طرح تابعین کی غالب اکثریت نے بھی علم دین اسی طرح حاصل کیا تھا، ان کا علم یقیناً ہمارے کتابی علم سے زیادہ گہرا اور قابل اعتماد تھا، اُن کے بعد امت میں جو کچھ علم دین رہا ہے اور آج ہے وہ سب انہی کا ترکہ ہے ——— افسوس ہے کہ بعد میں امت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو امت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی فرد بھی دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا ——— اس نظام تعلیم کی یہ بھی خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچہ میں ڈھلتی چلی جاتی تھی ———

حدیث کے آخر میں ہے کہ اشعریین کے وفد نے حضور سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دیدی جائے، ہم اس مدت میں انشاء اللہ یہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے۔ آپ نے ان کی یہ بات منظور فرمائی۔ یہ گویا اس علاقہ کی پوری آبادی کے لیے "ایک سالہ تعلیمی منصوبہ" تھا ———

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اگر آج بھی ہر ملک اور ہر علاقے کے مسلمان خواص و عوام اس طریق کار کو اپنالیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس مقصد کے لیے جدوجہد کریں تو امت کے تمام طبقوں میں ایمانی زندگی اور ضروری درجہ کی دینی واقفیت عام ہو سکتی ہے۔

سلسلۂ کلام کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی جو دو آیتیں (۷۸-۷۹) تلاوت فرمائیں ان میں بیان فرمایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں پر اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت ہوئی اور ان کی ملعونیت کا اعلان ہوا ان کا ایک خاص جرم جو لعنت کا موجب ہوا یہ تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو گناہوں اور برائیوں سے روکنے کی اور ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی کوئی فکر اور کوشش نہیں کرتے تھے ——— معلوم ہوا کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اللہ کی اور اسکے پیغمبروں کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے ———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں جو تنبیہ۔ اور سرزنش فرمائی تھی یہ آیتیں اس کی قرآنی سند ہیں۔ آپ نے یہ آیات تلاوت فرما کر گویا بتلایا کہ جو کچھ میں نے خطبہ میں کہا ہے اور جس پر تنبیہ فرمائی ہے، یہ وہی ہے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی ان آیتوں میں فرمائی ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی محفل ارشاد

فرمایا کہ عورتوں کے اندر نرمی اور انفعال کی شان زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان کی اصلاح جلد اور آسان طریقہ سے ہو سکتی ہے، اور ان کی اصلاح ہو جانے سے آئندہ اولاد تربیت یافتہ ہو سکتی ہے کیوں کہ ماں کی صحبت کا اثر بچوں پر شروع ہی سے پڑتا ہے۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی جانب علماء و صلحاء و طلباء اور غرباء کا رجوع تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے زمانہ میں مثل حضرت شاہ سید احمد صاحبؒ کے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے فیوض و برکات بہت پھیلے۔ بڑے بڑے علماء آپ کے خادم اور سچے معتقد اور کمالات کے دل سے قائل تھے۔

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں تھا کہ نہایت نورانیت مسجد میں معلوم ہوئی۔ مجھے اس کی ٹٹول ہوئی، دیکھا کہ ایک صاحب ہیں جن کا باطن نہایت نورانی تھا اور ان کے تمام لطائف ذاکر تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے مجاہدہ و ریاضت کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں تو —— البتہ تھوڑی دیر حضرت سید احمد شہید صاحبؒ کی خدمت میں بیٹھا ہوں۔

فرمایا کہ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ حسین، نازک اور سراپا نور ہی نور تھے۔ چھوٹے قد کے تھے۔

ایک مولوی صاحب نے مثنوی کے اس شعر کا مطلب دریافت کیا۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

حضرت والا نے فرمایا کہ اس میں مولانا کی مراد اشغال نہیں ہیں بلکہ نامرضیات حق سے پرہیز کرنا ہے۔

فرمایا کہ عورتوں کی اصلاح کے لیے بس یہ کافی ہے کہ وہ کتب دینیہ کا مطالعہ کریں۔ باقی آجکل ایسا نمونہ کہ جس کو وہ خود مشاہدہ کر کے اپنے اخلاق درست کریں عورتوں میں قریب بہ محال ہے۔ اور خاوندوں کی معتقد نہیں ہوتیں اس لیے بس کتاب پڑھا یا سنا کریں۔ خاوندوں کو ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ آگے اصلاح چاہے ہو یا نہ ہو بس ان کو کتابیں پڑھ کر سناتے رہیں تو مواخذہ سے بری ہو جائیں گے۔

فرمایا کہ علماء جو تحصیل دنیا کی ترغیب نہیں دیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے ساتھ پیٹ اور تن خود ایسے لگے ہوئے ہیں کہ وہ دنیا کی تحصیل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں پھر علماء کو کیا ضرورت کہ دنیا کی طرف راغب کریں۔ لوگ تو خود ہی راغب ہیں۔ ہر شخص کو کھانے پہننے کی خود فکر لگی ہوئی ہے۔ البتہ علماء کا کام انہماک دنیا سے منع کرنا ہے۔

فرمایا کہ ہر زمانہ کی ضرورت کی چیز اللہ پاک اس زمانہ میں ضرور پیدا فرماتے ہیں، چنانچہ پہلے زمانہ میں حافظ غضب کے ہوتے تھے۔ اب چونکہ دین تمام اور مکمل و مدون ہو گیا اس لیے آجکل ویسے حافظہ کی ضرورت نہیں رہی جیسے کہ پہلے ہوتے تھے۔ اسی طرح تجربہ کاروں سے سنا ہے کہ جب پہلے نہریں نہ تھیں تو بارش زیادہ ہوتی تھی اور آجکل اس قدر نہیں ہوتی کیوں کہ اس قدر کی ضرورت نہیں رہی۔

فرمایا کہ اپنے مقام پر رہنے سے تو حکام کی طرف سے ایک حد تک ہی نگرانی ہوتی ہے اور سفر میں جانے سے چونکہ ہجوم ہوتا ہے اس سے حکام کو شک ہوتا ہے کہ ذی اثر ہیں۔ اسی لیے میں استقبال کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ جب کسی کے بلانے پر سفر کرتا ہوں تو جہاں جانا ہوتا ہے وہیں کا ایک آدمی بلالیتا ہوں تاکہ مقام پر پہنچ کر سواری وغیرہ کے انتظام میں آسانی ہو، اور لوگوں کو استقبال وغیرہ کے لیے آنے کی ضرورت نہ رہے۔

فرمایا کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی[1] میں کثرت سے دیہاتی آئے تھے مگر تعجب ہے کہ اس کثرت پر شور وغل کا پتہ نہیں تھا۔ صاحب جنٹ خود اس جلسہ میں موجود تھے۔ وہ بہت تعجب سے کہتے تھے کہ میں نے کوئی جلسہ ایسا نہیں دیکھا کہ جس میں اس قدر کثرت سے آدمی ہوں اور سب مہذب —— پھر فرمایا کہ وہاں کسی کی کوئی چیز گم نہیں ہوئی حالانکہ اسباب

---

[1] یہ سنہ ۱۳۲۸ھ میں ہونے والے جلسہ دستاربندی کا ذکر ہے جس میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے اکابر امت نے اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا تھا۔ اس جلسہ کی روداد تاریخ دار العلوم دیوبند سے اخذ کر کے بطور اختصار ذیل میں درج ہے:

"سنہ ۱۳۰۱ھ کے بعد سے مسلسل کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے رہے کہ گذشتہ ۲۷ سالوں میں کوئی جلسہ نہ ہو سکا۔ اس سال بر گذشتہ سالوں کی تلافی کے طور پر ربیع الآخر کی ۶، ۷، ۸ تاریخوں میں نہایت عظیم الشان پیمانے پر جلسۂ دستار بندی منعقد کیا گیا۔ ہندوستان کے مدارس عربیہ کی تاریخ میں ایسے زبردست اجتماع کی نظیر بمشکل مل سکے گی۔ اس جلسے کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس میں باہر سے شریک ہونے والوں کی تعداد تیس ہزار سے اوپر تھی جس میں ملک کے ہر خطے سے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لوگ شریک تھے۔ قرب و جوار کے قصبات و دیہات سے پیدل آنے والوں کی تعداد اس میں شامل نہیں ہے۔"

روداد میں مرقوم ہے کہ جس کشادہ پیشانی اور مسرت کے ساتھ دور و نزدیک کے لوگ آکر جمع ہوئے اور جو اثر اپنے دلوں میں لے گئے اس کی مثال بمشکل مل سکے گی۔ علماء اور رؤسا اور اعلیٰ عہدیداروں سے لے کر ادنیٰ کاشتکار اور معمولی مزدور تک سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کسی کو کسی پر فوقیت اور برتری کا خیال

(باقی اگلے صفحہ پر)

لوگوں کا بے ترتیب پڑا ہوا تھا مگر تلاش کرنے پر اپنی چیز وہیں مل جاتی تھی کیوں کہ وہاں کوئی لینے والا تو تھا ہی نہیں ــــ اور جلسوں میں تو ہر طبیعت کے لوگ آتے ہیں مگر اس میں کوئی ایسی طبیعت کا نہیں تھا ــــ میں نے خود انسپکٹر پولیس سے جلسہ کے حاضرین کی تعداد پوچھی تو انھوں نے [illegible] ہزار بتلائی۔ مہتمم صاحب نے ایک لاکھ آدمیوں کے کھانے کا سامان کر لیا تھا۔ جنٹل مین لوگ حیرت میں تھے کہ یہ ملّا نے اتنا بڑا انتظام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

تک نہ تھا۔ جلسے میں سب کی نشست یکساں تھی۔ سب لوگ مواعظ حسنہ سے محظوظ، پُراثر نظارہ سے متاثر اور اس دل فریب منظر پر فریفتہ نظر آتے تھے۔ روحانی برکات و کرامات کا نزول بھی ایسا کھلا ہوا تھا کہ غیر حساس اشخاص تک اسے محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔ جلسے کے دوران میں عجیب طرح کی اسلامی شان نمایاں تھی۔ دارالعلوم کی مغربی جانب تالاب کے کنارے دور تک خیموں کا طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ نماز کے لیے خیموں کے سامنے میدان میں ہزاروں آدمیوں کی بڑی بڑی صفیں قائم ہوتی تھیں۔ راتوں کو ذکر و شغل کی آوازوں سے جنگل گونجتا تھا۔ ہر شخص کو برکت اور روحانی مسرت محسوس ہوتی تھی۔ جلسے کے ایام میں بعض صلحاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ــــ

اس اجتماع کی معمولی کرامت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس قدر بڑے مجمع میں ایک بھی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور نہ کسی کو اپنے اموال کے نقصان یا چوری ہو جانے کی شکایت ہوئی۔ کھانا ہر شخص کو بروقت مل جاتا تھا جس کا منجانب دارالعلوم مفت انتظام تھا۔

اس جلسے دستار بندی کے زمانے میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب دارالعلوم کے مہتمم تھے۔ موصوف نے اسی موقع پر ایک طویل خطبہ "دارالعلوم کا زریں ماضی و مستقبل" کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا جس میں دارالعلوم کے قیام اور اس کی خدمات کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اور ۴۰ سال کے آمد و خرچ کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سب سے بڑی بات جس پر اسلامیہ دیوبند فخر کرے تو بے جا نہیں ہے کہ اس نے مسلمانوں کے روپئے کو اچھی طرح ٹھکانے سے لگایا۔ تھوڑے خرچ میں وہ کام کر دکھایا جو دوسری جگہ دس گنا خرچ کرنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند مؤلفہ سید محبوب رضوی "مخصوص اشاعت الرشید ساہیوال" ص۲۰۴)

کس طرح کریں گے، مگر بحمد اللہ بہت اچھا رہا۔ کھانا وقت پر ملا اور نہایت صفائی و نفاست کے ساتھ تیار کیا گیا تھا۔ میں نے تو اس خیال سے کھایا نہیں تھا کہ ہم چندہ دینے سے تو رہے اور الٹا کھانا کھائیں، مگر معلوم ہوا کہ بہت اچھا کھانا تیار کرایا گیا تھا۔

فرمایا کہ عرب میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اول اس کو حرم شریف میں لاتے ہیں کہ پہلی نظر حرم شریف پر پڑے۔ مگر وہاں لانے کا بہت اچھا طریقہ ہے کہ ایک چمڑا جو بچے کے گلے تک آتا ہے اس میں رکھ کر لاتے ہیں تاکہ پاخانہ پیشاب وغیرہ سب اسی کے اندر رہے اور مسجد کی بے ادبی نہ ہو۔ اسی طرح مردے کو بھی اول وہیں لاتے ہیں اور دل کبھی یہی چاہتا ہے اگرچہ حنفیہ تو اس کو منع کرتے ہیں مگر اس امر میں وہاں سب کا امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل ہے۔ وہاں ہر مذہب کے لوگ ہیں مگر آپس میں تعصب نہیں ہے۔

دوران درس مثنوی شریف میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو مثنوی شریف میں اس قدر مہارت حاصل تھی کہ جونسا مقام چاہو نکال بیٹھ جاؤ حضرتؒ اس کے متعلق تقریر شروع کر دیتے تھے۔ ہم لوگ جانتے تھے کہ ہم علم رکھتے ہیں مگر یہ بات حاصل نہیں۔ حالانکہ حضرت کی علمی تحصیل صرف کافیہ تک تھی۔ البتہ حضرت کی تقریر مجمل ہوتی تھی زیادہ مفصل نہ ہوتی تھی اور سننے والوں میں سمجھ دار کم ہوتے تھے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ چونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی تقریر مجمل ہوتی تھی، لوگوں کو شبہات ہوتے تھے۔ حضرت سے جب دریافت کرتے تھے تو حضرت فرما دیتے تھے کہ فلاں شخص سے سمجھ لینا۔ مگر وہ لوگ جو بڑے بنتے تھے دوسروں سے پوچھتے نہ تھے اس لیے وہ شبہات دل کے دل ہی میں رہتے تھے۔ پھر وہی غلط باتیں یہاں آکر بیان کرتے تھے کہ حضرت یوں فرماتے تھے کہ حضرت یوں فرماتے تھے اور یوں فرماتے تھے۔

فرمایا کہ نواب سعادت علی خاں نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ جو شخص تحریر میں کوئی غلطی کرے

اس پر اس لفظ کے اعداد کی برابر جرمانہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ قاعدہ خود اپنے اوپر بھی جاری کرتے تھے۔ اگر کوئی غلطی ہوتی تھی تو جرمانہ داخل کرتے تھے۔ ایک منشی بیچارے جدید ملازم ہوئے ان سے کسی پروانہ میں لفظ "نوع" کے لکھنے میں "ع" رہ گیا۔ نواب صاحب نے حکم جاری فرمایا جس کی یہ عبارت تھی:-

منشی لفظ نوع را بطرز نو نوشتہ عین خطا کرد ـــــ بمقدار روپیہ جرمانہ۔

فرمایا کہ مولانا نانوتویؒ کی شان نہ عالمانہ تھی اور نہ درویشانہ تھی بلکہ عاشقانہ شان تھی اور آپ کی مجلس دوستانہ ہوتی تھی۔ گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے۔

فرمایا کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ دونوں میں وعدہ تھا کہ دونوں ایک جگہ مرید ہوں گے۔ اتفاق سے حضرت حاجی صاحب کو یاد نہ رہا اور وہ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ سے بیعت ہو گئے۔ جب حافظ صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے حاجی صاحب سے شکایت کی۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ بھائی مجھے خیال نہیں رہا۔ پھر حافظ صاحب حاجی صاحب کے ہمراہ حضرت میاں جی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لیے عرض کیا۔ حضرت میاں جی صاحب نے انکار کر دیا۔ حافظ صاحب خاموش ہو گئے۔ مگر تیسرے چوتھے دن وہیں کھڑے رہتے تھے۔ بیعت کرنے پر اصرار نہیں کیا۔ آخر کار جب میاں جی صاحب نے کثرت سے آمد و رفت دیکھی تو فرمایا کہ کیا اب بھی وہی خیال ہے۔ عرض کیا کہ حضرت درخواست کو بے ادبی سمجھتا ہوں۔ محبت و عقیدت کا یہ حال ہے اور جگہ تو بیعت ہوں گا نہیں۔ حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا کہ اچھا وضو کر لو پھر دو رکعتیں پڑھ لیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ان واقعات سے میں سمجھتا ہوں کہ بیعت کو آج کل ایک رسم سمجھتے ہیں۔ حقیقت بیعت کی نہیں سمجھتے ہیں۔ بیعت ہو جانے کو کرنے سے حقیقت سمجھ میں آ جائے۔ کسی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اور جگہ تو کوئی ایسا نہیں کرتا۔ اگر ایک بھی ایسا کرے تو ہو سکتی۔ فرمایا کہ ان میں یہ باتیں

پڑھو جائیں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کو خطاب کیا دس نے سنا۔ ان کو نفع ہوتا ہے۔

فرمایا کہ میاں جی محمد بشیر صاحب بلی کھیت والے ان پڑھ تھے۔ مگر سمجھدار بہت تھے۔ ان میں دین کی سمجھ اچھی تھی۔ مجھ سے کانپور اور بیلی بھیت میں ملاقات ہوئی تھی۔ اول ملاقات میں میں نے پوچھا کہ حضرت ایسا طریقہ بتلائیے جس سے خدا کی محبت پیدا ہو۔ مجھ سے فرمایا کہ ہاتھ تو لو۔ میں نے پکڑے۔ پوچھا کہ کچھ گرم بھی ہوئے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ بس یوں ہی رگڑتے رگڑتے اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

فرمایا کہ عبد اللہ چکڑالوی فرقہ قرآنیہ (اہل قرآن) کا موجد تھا۔ اس نے نماز میں سنتیں وغیرہ سب اڑا دیں پھر جہال ایسی آسانی کی طرف کیوں نہ متوجہ ہوں۔

فرمایا کہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ بہت بھولے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ جب ہم جنت میں جاویں گے اور حوریں ہمارے پاس آئیں گی تو ہم صاف کہدیں گے کہ بی قرآن پڑھو تو بیٹھ جاؤ ورنہ جاؤ۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جو نماز میں مزہ ہے وہ نہ کوثر میں ہے نہ اور کسی چیز میں ہے۔ جب نماز میں سجدہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے پیار کر لیا۔ پھر فرمایا کہ جب شاہ صاحب شیر خوار تھے تو اپنی والدہ کو ایسی جگہ جہاں ڈھولک وغیرہ بجتی ہو نہیں بیٹھنے دیتے تھے اور خوب رونا پیٹنا مچاتے تھے۔ ان کو اٹھا کر چھوڑتے تھے۔

ایک مرتبہ حیدرآباد کے وزیر حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا کہ نکالو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وزیر ہیں فرمایا کہ ارے میں کیا کروں۔ وزیر ہیں تو گیا میری ہی تنخواہ مقرر ہے ان کے یہاں ۔۔۔ پھر دو بجے رات تک ٹھہرنے کی اجازت دی۔ وزیر نے برا نہیں مانا۔ بلکہ لوگوں نے کہا کہ صاحب ٹھہر جائیے۔ جواب دیا کہ بزرگوں کی حکم عدولی کرنی مناسب نہیں اور چلے گئے۔

فرمایا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے جلسۂ دستار بندی میں یہ مضمون فرمایا کہ اکثر لوگوں کو اس مدرسہ کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علوم معاش کا کچھ انتظام نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لیے ہے ہی نہیں۔ نہ ہم نے دعویٰ کیا کہ اس میں تمام علوم کی تعلیم ہوگی۔ یہ تو صرف ان کے لیے ہے جن کو فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہے۔

له غالباً یہ ۱۳۰۱ھ میں ہونے والے جلسہ دستار بندی کا ذکر ہے جو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ھ) کے عہد کا آخری جلسہ تھا۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی بھی اسی سال فراغت ہوئی تھی۔

۱۳۰۱ھ میں دستار بندی کا چوتھا جلسہ حسب معمول عظیم الشان پیمانہ پر منعقد ہوا۔ جلسے میں دو ڈھائی ہزار بیرونی حضرات نے شرکت کی۔ مہمانوں کے کھانے کا انتظام اہل شہر کی جانب سے کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدر دار العلوم نے مدرسہ کی کارگزاری اور اس کے نتائج بیان فرمائے۔ روداد میں مذکور ہے:۔

"باوجود پریشانی اور بے سروسامانی کے طلبہ کو علم میں ایسی ترقی ہوئی کہ دہلی کے مدرسے یاد آگئے، اور سعادت و نیکوکاری ان سعید نوجوانوں کی اور تہذیب نو عمروں کی ایسی ظاہر ہوئی کہ مدرسہ خانقاہ کا نمونہ ہوگیا۔ برکت اسی کا نام ہے اور اللہ کا ایسا ہی کام ہے۔ آج اس نونہال کو انیسواں سال ہے۔ تین بار یہ جلسہ دستار بندی پہلے ہو چکا ہے۔ پہلا ۱۲۹۰ھ میں سات سال کے بعد ہوا اس میں پانچ مولویوں کی دستار بندی ہوئی۔ دوسرا جلسہ ۱۲۹۲ھ میں ہوا اس میں بھی پانچ ہی کے سر پر دستار باندھی گئی۔ تیسرا ۱۲۹۶ھ میں ہوا اس میں سات طلبہ کی دستار بندی ہوئی۔ اب ۱۳۰۱ھ میں گیارہ صاحب فارغ التحصیل قابل دستار بندی موجود ہیں جن کی دستار بندی میں آپ صاحبوں کو تکلیف قدم رنجہ فرمانے کی دی گئی ہے۔ اس ۱۸ سال میں سترہ پہلے اور گیارہ اس مرتبہ کے اٹھائیس مولوی ہوئے۔ اور یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ ہر مرتبہ میں چند مولوی فارغ اللائق اس شرف کے اس مدرسہ کے تحصیل یافتہ اور بھی تھے جو اپنے وطنوں کو چلے جانے کے سبب نہ آسکے، اگر ان کا عدد بھی لیا جائے تو وہ بھی اس عدد سے کم نہیں۔

۱۳۰۱ھ کے آخر تک پچاس حافظ تیار ہوئے۔ اسی طرح مکتب فارسی سے بہت سے طلبہ نے اچھی اچھی استعداد حاصل کی۔"

(تاریخ دار العلوم دیوبند، مؤلفہ سید محبوب رضوی خصوصی اشاعت الرشید ساہیوال ص ۲۰۳-۲۰۴)

فرمایا کہ اہل باطل کی تصانیف میں جو بظاہر مفید ہوں باطل کی جھلک ہوتی ہے اور اہل حق اس کا پردہ فاش کر دیتے ہیں۔ اس لیے باطل کی تصانیف مفیدہ کا دیکھنا بھی مضر ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں ایک عیسائی نے مجھ سے کہا کہ تم انجیل دیکھا کرو کہ اس میں بہت علوم ہیں۔ میں نے کہا کہ تم قرآن دیکھا کرو اس میں اس سے زیادہ علوم ہیں۔ اس نے کہا کہ ہم قرآن دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا تو اس سے معلوم ہوا کہ تمہاری شریعت خود تمہارے نزدیک بھی کافی نہیں ہے جو دوسروں کی کتابوں سے علوم ڈھونڈتے ہو اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے اس لیے ہمیں انجیل وغیرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب میں تصنع بالکل نہیں تھا جیسے معصوم بچہ ہوتا ہے ایسی حالت تھی۔

فرمایا کہ بعض حضرات اہل اللہ میں بھی رعب ہوتا ہے چنانچہ مولانا محمد قاسمؒ نہایت نرم مزاج تھے۔ مگر جب تک وہ نہ بولیں کسی کو ان کے سامنے بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ یہ رعب معیت حق کا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے انا جلیس من ذکرنی۔

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ دو باتیں مجھے بہت ناپسند ہیں۔ ایک تو تقریر میں لغت بولنا دوسرے تحریر میں شکستہ لکھنا۔ مقصود تحریر و تقریر سے افہام ہے اور یہاں ابہام ہو جاتا ہے۔

فرمایا ہمارے بزرگوں کے خط نہایت صاف تھے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا خط تو نہایت صاف تھا۔ نقطے اور شوشے تک سب پورے ہوتے تھے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا دیا تھا جس سے فتوحات مکیہ کے دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی میں حضرت حاجی صاحبؒ کو شیخ اکبرؒ سے کم نہیں سمجھتا بڑے بڑے علوم اور معارف حضرت کی زبان مبارک سے نکلتے تھے اور پھر شریعت مطہرہ کے مطابق —— فرمایا کہ*

---

*حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ جہاں میں بیٹھتا ہوں یہ مکان شیخ اکبرؒ کا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے یہ تقریر دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر اس عظیم مجمع کے سامنے کی تھی جس میں ہندوپاک کے لاکھوں فرزندانِ توحید کے علاوہ ایشیا و افریقہ خصوصاً عالم عربی کے بیشتر تعلیمی مراکز کے اہم اور ممتاز منتخب نمائندے موجود تھے۔

پاکستان کے متعدد عالم مولانا مفتی محمود صاحب نے مولانا کی تقریر کی تائید کی اور اس پر ان کو مبارکباد دی۔ سامعین کی اکثریت نے مولانا کی تقریر کو اس محفل جلسہ اور اس سفر کا بہترین تحفہ قرار دیا۔

اس تقریر کی تلخیص دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پندرہ روزہ "تعمیر حیات" میں شائع ہوئی تھی۔ اب مولانا ممدوح کی نظر ثانی اور بعض اصلاحات کے بعد یہ نذرِ ناظرینِ الفرقان کی جا رہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فآواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون۔

میرے بھائیو! عزیزو اور دوستو!

میں نے آپ کے سامنے سورۃ انفال کی یہ آیت پڑھی جو فوری طور پر میرے ذہن میں آ گئی۔ کسی غیبی ہاتف نے میرے کان میں کہا، اس عظیم مجمع کو دیکھ کر جو لاکھوں کی تعداد میں تھا۔۔۔

سامنے ہے۔ اس غیر معمولی تعداد کا تصور پہلی صدی ہجری میں غیر معمولی دور بیں، حوصلہ مند، صاحب فراست اور بڑے سے بڑا پیشین گوئی کرنے والا بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دنیا ہی میں نہیں پورے کرۂ ارض میں کہیں نہیں، ایک ایسے قصبہ میں ۔۔۔ جو جزیرۃ العرب سے سات سمندر پار ہے اور جو زبان، تہذیب، قانون، تومیت اور نسل و مذہب کسی بھی رشتہ سے جزیرۃ العرب سے منسلک نہیں ۔۔۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جمع ہو سکے گی۔ قرآن مجید کی اس آیت پر دوبارہ غور کیجیے اور پہلی صدی ہجری کے ان حالات کو یاد کیجیے جو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ طیبہ میں پیش آئے تھے۔

قرآن مجید مسلمانوں کو مخاطب کر کے (جن کی تعداد اس وقت چند ہزار سے زیادہ نہ تھی) کہتا ہے، "جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، ہر وقت ڈرتے تھے کہ تم کو کوئی جھپٹا مار کے اچک نہ لے جائے" یہاں پر قرآن مجید نے تخطفہ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی جھپٹا مارنا اور اڑا کر لے جانا ہیں، حالت یہ تھی کہ تم لقمۂ تر تھے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو تو چھوڑیے کہ حجاز بلکہ صرف قریش کا قبیلہ ہمیشہ کے لیے اس چراغ کو گل کرنے کے لیے کافی ہوتا۔ قرآن مجید کے اندر مندرجہ ذیل آیت میں پھونک مار کر بجھانے کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم یہ صرف ادبی لفظ نہیں اس کے سارے الفاظ معجز ہیں، اس لفظ میں ایک سچی اور صحیح تصویر ہے۔ حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کی زندگی کا چراغ اور اسلام کے چراغ نور کو ہر وقت گل کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بجھانے کے لیے کسی پنکھے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ منھ کی پھونک سے بجھایا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو تین جگہ قرآن مجید میں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کے حالات کی صحیح اور سچی تصویر پیش کی گئی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فآواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون ۝ اور تم کو پناہ دی اور نصرت خداوندی اور آسمانی مدد کے ذریعہ تمہاری تائید کی اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے تم کو بہت کچھ عطا فرمایا تاکہ تم شکر ادا کرو۔ طیبات کا لفظ عام ہے۔ بااختیار سلطنت اور سلطنت کی بنیادوں میں جو عزت ہوتی ہے، جو اعزاز و امتیازات حاصل ہوتے ہیں، قانون سازی کی طاقت، آزادی و خود مختاری اور بلندی و برتری یہ سب طیبات میں آتا ہے۔ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون ۝

شاید تم شکر کرو، اور تمہارے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

آج میں انسانوں کا جنگل دیکھ رہا ہوں اور اس وقت کو یاد کر رہا ہوں جب چند ہزار مسلمانوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتلایا تھا، لیکن آج ہماری کیا حالت ہو گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ایک قصبہ میں دین کے خادموں کی ایک آواز پر دنیا کے دور دراز گوشوں سے کتنے انسانوں کو جمع کر دیا ہے۔ ہر ملک کے لوگ یہاں اس طرح جمع ہو گئے ہیں ـــــ اگر بے ادبی نہ ہو تو بلا تشبیہ میدان عرفات کا نقشہ یہاں دکھائی دے رہا ہے۔ جو طاقت مسلمانوں کو میدان عرفات میں جمع کرتی ہے وہی طاقت اور سنت ابراہیمی کی وہی کشش ہے جس نے آج اس قصبہ میں لاکھوں مسلمانوں کو یکجا کر دیا ہے۔

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ

مکہ مکرمہ میں اگر مسلمان جمع ہوتے ہیں تو سنت ابراہیمی اور سنت محمدی کی وجہ سے مدرسہ میں اگر مسلمان جمع ہوتے ہیں تو اس میں بھی سنت ابراہیمی اور نظام محمدی کی کشش کو دخل ہے، اور آج بھی ایمان کی اس آواز میں وہ غیر معمولی طاقت اور کشش ہے جو دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت کی آواز میں نہیں، اقوام متحدہ سو بار جئے سو بار مرے، امریکہ اور روس جیسی بڑی بڑی طاقتیں مر مر کے زندہ ہوں پھر بھی ان کی آواز میں وہ طاقت و تاثیر نہیں جو ایمان کی آواز میں ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسی طرح آج بھی اس آواز میں وہ کشش، توانائی اور سچائی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں ہے۔

ع "تیری سیہ انس و جن تو ہے امیر جنود"

میں نے عربوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو لا شئ سے کل شئ بنا دیا۔ اور میں آپ سے ایک بار نہیں چار بار کہتا ہوں کہ آپ کچھ نہ تھے سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام کے طفیل میں عطا کیا،

ذرا سوچئے تو سہی، آپ ہندوستان میں کس چیز کی پرستش کر رہے تھے؟ شجر و حجر سے لے کر ہر چیز آپ کے لیے معبود و مسجود بننے کے لائق تھی۔ پستیوں، ذلتوں، جہالتوں اور

منافقتوں کے اس بحرِ ظلمات سے آپ کو کس نے نکالا؟ یہ وہی انبیائے کرام کی دعوت تھی جو آخری طور پر قیامت تک کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس دنیا کو پہونچی۔ اگر عربوں پر یہ احسان ایک مرتبہ ہے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان سو بار ہے۔ میں عربوں سے بار بار خطاب کرتا ہوں اور ان کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوں، یہ ان کی عالی ظرفی اور کریم النفسی ہے کہ جب میں نے ان کو جھنجھوڑا تو جھک گئے اور جب کبھی میں نے ان کو پکارا تو انھوں نے آواز دی اور جب کبھی ان کا ایک محتسب کی طرح احتساب کیا انھوں نے اس کو برداشت کیا حالانکہ مجھے اس کا کوئی حق نہ تھا میں تو اس میخانہ کا ایک ادنیٰ میخوار ہوں۔ اب میں آپ سے کہوں گا اور سو بار کہوں گا کہ خود کو یاد کریں کہ آپ کہاں تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہاں پہونچا دیا؟

میرے دوستو اور بزرگو! آپ اپنی حقیقی عظمت کے راز کو سمجھئے کہ دنیا میں اب تک ہزاروں طوفان، آندھی اور سیلاب کے باوجود آپ اب تک کیوں باقی ہیں؟ ایک نظر تو ان ہی کی تاریخ کو دیکھ لیجیے، یہ زمین جس کو حالی نے اکّال الامم سے تعبیر کیا ہے یعنی جو قوم یہاں آئی وہ تحلیل ہو گئی اور اس نے اپنی قومی خصوصیات و امتیازات کو کھو دیا اور "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا منظر سامنے آتا رہا۔ اس میں نہ تو آریائی نسلیں باقی رہیں اور نہ دوسری قومیں، جو بھی یہاں آیا وہ اس کے رنگ میں رنگ گیا۔ لیکن وہ کیا چیز تھی جس نے آپ کو اپنے تشخص کے ساتھ باقی رکھا ہے؟ وہ ہے عقیدۂ توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستگی۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار اور اس کے سامنے ساری طاقتوں کا انکار ــــ اور ــــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی محبت کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر ہم اس قابل ہوئے کہ اس منظر کو دیکھ سکیں۔ ہم ان عربوں کو اس لیے جمع کرتے ہیں کہ ان سے کہیں کہ اے ہمارے مرشدو! اے ہمارے استاذو! تم نے ہم کو جو سبق پڑھایا تھا اور جو مبلغ ہندوستان بھیجے تھے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہم کندۂ ناتراش نہیں ثابت ہوئے۔ محمد بن قاسم الثقفی اور بزرگانِ دین (خواہ وہ براہِ راست

عرب سے آئے یا دوسرے ملکوں سے ہو کر، جو سبق لے کر آئے تھے وہ سبق ہم نے یاد رکھا اور ہم نے آپ کو اسی لیے بلایا ہے کہ ہم اپنا سبق سنائیں اور یہ زبان حال سے سن رہے ہیں اور حیرت زدہ ہیں کہ اس ہندوستان میں اتنے غیور مسلمان، شمع اسلام کے اتنے پروانے، اسلام کی شمع اور علم کی شمع پر اتنے پروانے جمع ہو سکتے ہیں۔ ہم نے ان عربوں کو دارالعلوم کی تاریخ سنانے اور اس کے کارناموں کی عظمت سے باخبر کرنے کے لیے جمع نہیں کیا ہے بلکہ ہم انھیں کے مشہور شاعر ابو فراس ہمدانی کا وہ شعر سنانا چاہتے ہیں جس میں اس نے کہا تھا

صنائع فاق صانعها ففاقت   وغرس طاب غارسه فطابا

وكنا كالسهام اذا اصابت   مراميها فراميها اصابا

(وہ کارنامے جن کے انجام دینے والے بڑے بلند و عالی مرتبہ تھے۔ بڑے روشن ہیں؛ وہ پودا جس کا لگانے والا بڑا کریم، بڑا شریف، بڑا عالی استعداد تھا وہ پودا خوب برگ و بار لایا۔

ہم تو تیر تھے۔ جب تیر انداز نے کمان میں جوڑ کر ان تیروں کو چلایا تو وہ اپنے نشانے پر بیٹھے۔ تو تیروں کی بھی تعریف ہے اور تیر انداز کی بھی تعریف ہے۔)

حضرات! میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی عظمت اور تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہئے۔ ہم مسلمان ہیں، ہم کو اس کا اقرار ہے، ہم اس ملک میں پورے اسلامی امتیازات اور مکمل اسلامی تشخصات کے ساتھ باقی رہیں گے یہ ہمارا فیصلہ ہے۔

بزرگو اور دوستو! ہجرت کا فلسفہ کیا ہے، ہجرت کا شرعی حکم کیوں ہے؟ اسی لیے کہ جس زمین پر احکام اسلام پر عمل نہ ہو سکے اس سرزمین کو چھوڑ دینا فرض ہے، ہم اس ملک میں اس حالت میں نہیں رہ سکتے کہ ہم اپنے تمام تشخصات و امتیازات سے دستبردار ہو جائیں اور اپنے امتیازی عقائد کو چھوڑ دیں، اپنے عقیدۂ توحید و رسالت، ایمان بالآخرۃ سے دست کش ہو جائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور آپ کی سنت پر چلنے کے جذبے سے ہم خالی اور عاری ہو جائیں۔

ہم صاف اعلان کرتے ہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں۔ کہ ہم ایسے

جانوروں کی زندگی گذارنے پر ہرگز راضی نہیں جن کو صرف راتب چاہیئے اور تحفظ SECUVITY چاہیے کہ ان کو کوئی مارے نہیں ——— ہم ہزار بار ایسی زندگی گذارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہم اس سرزمین پر اپنی اذانوں اور نمازوں کے ساتھ رہیں گے بلکہ ہم تراویح اور اشراق و تہجد تک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، ہم ایک ایک سنت کو سینے سے لگا کر رہیں گے۔ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو سامنے رکھ کر کسی ایک نقش بلکہ کسی نقطہ سے بھی دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ لیکن ——— عزیزو اور دوستو! اس وقت جب کہ پورے ملک اور عالم اسلام کا جوہر اور دل و دماغ ایک جگہ جمع ہے اور یہاں ایسے لوگ جمع ہیں جن کا فتویٰ سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتا ہے۔ میں ان تمام حضرات کی موجودگی میں کہتا ہوں آپ یہاں سے عہد کر کے جائیں کہ ہم کو اس ملک میں مسلمان بن کر ہی رہنا ہے اور ہم کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔

میرے بھائیو! تم اپنی طاقت اور اپنی قوت سے آشنا ہو ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

آپ اپنے ساتھ انصاف کیجیے، مسئلہ ایک مدرسہ یا کسی جامعہ کا نہیں، نہ کسی مکتب خیال کا مسئلہ ہے اور نہ کچھ تنصیبوں اور عمارتوں کی تکمیل کا مسئلہ ہے۔ مسئلہ صرف علوم ایمانی کے باقی رکھنے اور اسلامی شخصیت کے تحفظ کا ہے۔ آج مسئلہ ہے اس ملک کی قیادت کا۔ آپ دوسروں کے پیچھے چلنے کے لیے ہرگز نہیں پیدا کیے گئے، اور نہ خدا نے آپ کو اس ملک میں اس لیے بھیجا ہے کہ آپ دوسروں کے حاشیہ بردار رہیں اور آپ لوگوں کے چشم و ابرو کو پہچاننے کی کوشش کریں کہ ملک کس رخ پر جا رہا ہے، ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں ہم تو صرف اسلامیت کے دھارے کو جانتے ہیں۔ ہم تو دنیا کی قیادت و امامت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ؏

"توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے"

حضرات! آج ملک خودکشی کے لیے قسم کھا چکا ہے، وہ آگ کے خندق میں گرنے کے لیے تیار ہے، وہ بداخلاقی اور انسانیت کشی کے دلدل میں ڈوب رہا ہے، آپ ہی ہیں جو

ہندوستان میں کیا پورے ایشیا میں اس ملک کو بچا سکتے ہیں، آپ اللہ و رسول کی بات کہئے، آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نیلام کی منڈی میں اتر آئیں اور آپ سودا کرانے لگیں کہ ہماری بولی بولی جائے، آپ متاعِ نایاب ہیں اللہ کے سوا آپ کی خریداری کا کوئی حوصلہ نہیں کر سکتا اس لیے میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں، کاش میں آپ کے دلوں اور دماغوں پر چوٹ لگا سکتا۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس ملک کو تنہا آپ بچا سکتے ہیں اس لیے کہ آپ کے پاس عقیدۂ توحید اور انسانی مساوات کا اصول ہے آپکے پاس اجتماعی عدل کا مکمل نظام موجود ہے، آپ ہی ہیں جو ہر چیز سے بالاتر ہیں، ——— آپ ہی ہیں جن کے پاس ایمان بالآخرۃ ہے اور جو والعاقبۃ للمتقین پر یقین رکھتے ہیں، آپ ان لوگوں میں سے نہیں جنکی نظر طاقت اور قوت پر رہا کرتی ہے اور جن کی نگاہ میں مال و متاع اور اکثریت ہی سب کچھ ہے اور نہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو انتخابات میں کامیابی اور پارلیمنٹ تک پہنچ جانے ہی کو سب سے بڑی معراج سمجھتے ہیں۔

بزرگو اور دوستو! جو دولت کے فلسفہ پر ایمان رکھتا ہے اور ہر چڑھتے سورج کو پوجنے لگتا ہے وہ ڈوب کر رہے گا، اس کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ عرب ممالک بھی بہت بہتر حالت میں نہیں اور یہ میں آپ سے اردو میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں ان سے ڈرتا ہوں میں نے ان سے بارہا کہا ہے لا الفقر اخشیٰ علیکم ولکن اخاف ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علیٰ من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلککم کما اھلکتھم اس کو میں نے مکہ اور مدینہ میں کہا اور ہر جگہ میں نے یہی صدا لگائی کہ وہی بچ سکتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اور جو شریعت کو دائمی سمجھتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین اور اس کی نصرت پر بھروسہ رکھتا ہے ——— اگر ہندوستانی مسلمان اپنے اندر ایمانی خصائص پیدا کر لیں تو آج بھی آتش نمرود سرد پڑ سکتی ہے اور وہی انداز گلستاں پیدا ہو سکتا ہے۔

میرے عزیزو اور دوستو! میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کی روح کا یہی پیغام رہا ہے، حضرت شیخ الہندؒ اسی فکر میں گھلتے اور گھلتے رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مولانا مدنی اپنے اپنے خاص طرز اور اسلوب سے اسی کے لیے ہمیشہ سوزاں اور لرزاں رہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات اور ملی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہیں، قرآن وسنت کو سینے سے لگائے رکھیں، اختلافی مسائل چھیڑنے کے بجائے توحید وسنت پر زور دیں۔ دیوبند کا یہی پیغام ہے اور اس کی یہی خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے سرمایہ ملت کو بچانے کی کوشش کی اور اختلافی مسائل کو عوام کے سامنے نہیں لائے۔

یہ دیوبند وارث ہے حضرت مجدد الف ثانی کا، اور اگر کوئی نہیں سمجھتا تو اس کو سمجھنا چاہیے۔ یہ میرا مقام نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کے وارث ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مقتدر بزرگوں میں سے کسی کو بھی اس میں کلام نہیں کہ یہ حضرت شاہ ولی اللہ کا گلستاں اور ان کا مکتب فکر ہے جو دیوبند کی شکل میں اس وقت سامنے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں جہاں صحیح العقیدہ درسگاہیں ہیں وہ شاہ ولی اللہؒ کی شمع فروزاں اور اس کی تجلیات ہیں۔

حضرات! میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے لیے قائد کا مقام اختیار کیجیے، آپ سمجھیے کہ آپ کی حیثیت ملک میں قائد کی ہے۔ میرے لیے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مسلمانوں کو یہ کرنا چاہیے، کون یہ کہنے کا حق رکھتا ہے۔ کیا نبی عربی کے بعد کوئی اور پیغمبر پیدا ہوگا، کیا کتاب اللہ کے بعد اور کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوگی، کیا شریعت محمدیؐ کے بعد کوئی اور شریعت آئے گی؟ ہم سے کہنے والا صرف اللہ کا رسول ہے، ہمارا ساتھ دینے والی ہماری آسمانی کتاب اور سنت رسول ہے —— آپ یہ عہد کرکے یہاں سے جائیے کہ آپ کو ان خصوصیات کے ساتھ اس ملک میں رہنا ہے اور کتاب وسنت کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھنا اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار رہنا ہے۔ اگر آپ ان خصوصیات کے ساتھ اس ملک میں ہیں تو ان شاء اللہ آپ عزت کے ساتھ سربلند اور سرخرو ہیں۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

حضرات! یہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء جن کو دستار فضیلت ملنے والی ہے ان سے اس

درس گاہ کی تین چار اہم خصوصیات کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔

● اس درس گاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اختلافی مسائل کے بجائے توحید و سنت پر اپنی توجہ مرکوز کی (اور یہ وہ وراثت اور امانت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کے وسیلہ سے اس کو ملی اور ابھی تک اس کو عزیز ہے۔)

● اتباع سنت کا جذبہ اور فکر۔

● تعلق مع اللہ کی فکر اور ذکر و حضوری اور ایمان و احتساب کا جذبہ

اور

● چوتھا عنصر ہے اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اور کوشش اور دینی حمیت و غیرت۔

یہ چار عناصر مل جائیں تو دیوبندی بنتا ہے، اگر ان میں سے کوئی عنصر کم ہو جائے تو دیوبندیت ناقص۔ فضلائے دار العلوم دیوبند کا یہ شعار رہا ہے اور وہ ان چار چیزوں کے جامع رہے ہیں۔

اب میں عام آدمیوں سے کہنا چاہتا ہوں اس میں آپ کا بھی حصّہ ہے اور یہ صرف فضلاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے آپ بھی یہاں سے پیام لے کر جائیے کہ عقیدۂ توحید کو سینے سے لگانا ہے اور آپ کے گرد جو شرک و بدعت کا دھارا بہہ رہا ہے اس سے الگ رہنا ہے، توحید پر آپ قائم رہیں۔ اتباع سنت اور فرائض کی پابندی کا جذبہ آپ کے اندر ہو اور تعلق مع اللہ کی کوشش کرتے رہیں، آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاکر و مذکور، محب و محبوب اور عبد و معبود کا ہونا چاہیے، یہی تعلق آپ کے دل و دماغ اور آپ کے اعصاب پر حاوی ہونا چاہیئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

وفیات

حضرت مولانا مفتی محمد حسن علیہ الرحمہ (پرنام بٹ، مدراس)

مولانا مرحوم مغفور جنوبی ہند کے ممتاز اور متبحر عالم اور صاحبِ ارشاد شیخ تھے۔ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، پہلے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی علیہ الرحمہ سے بیعت کی اور اُن کی تربیت میں رہے۔ پھر مفتی صاحب کے پاکستان تشریف لیجانے کے بعد ان کی اجازت سے اصلاحی تعلق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کیا اور سلوک کی تکمیل کی اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ جنوبی ہند میں اُن سے بڑی تعداد میں طالبانِ خدا فیضیاب ہوئے ——— معلوم ہوا کہ ۷ مارچ کو دماغ کے فالج کا دورہ پڑا۔ ہر ممکن علاج ہوا لیکن قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور ہو چکا تھا۔ ۱۰ مارچ کو وقتِ موعود آگیا اور روح ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی ——— اللہ تعالیٰ اپنی شانِ عالی کے مطابق مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے اور علاقہ کے لوگوں کو آپ کا نعم البدل دے۔

حضرت مولانا سعید احمد علیہ الرحمہ (پاکستان)

ضلع بھاولنگر (پاکستان) میں ایک بستی "ڈونگہ بونگہ" ہے مرحوم مغفور حضرت مولانا سعید احمد صاحب اسی بستی کے متوطن تھے مرشدنا حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز مسترشدین اور مجازین میں تھے، اُن کو حضرت سے عشق تھا، اور حضرت کو بھی اُن سے خاص تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص والہانہ کیفیت عطا فرمائی تھی۔ چند روز ہوئے اُن کے صاحبزادے مولانا محمود الحسن صاحب کا خط ملا، اُس سے معلوم ہوا کہ یکم اپریل کو مولانا وفات پاگئے، انہوں نے وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

"عشا کے وقت فرمایا وضو کراؤ، ہم نے عرض کیا تیمم کرلیں بخار ہے۔ فرمایا نہیں وضو کراؤ، ہم نے کہا جب ہمیں مولوی بنایا ہے تو ہمارا مسئلہ بھی مانیں، تیمم سے نماز ہو جائے گی، فرمایا بھائی آخری وضو ہے کرادو۔ وضو کرایا، مصلّیٰ بچھایا، بیٹھکر نماز ادا فرمائی، دیر تک نوافل پڑھتے رہے پھر فرمایا میرے بستر کی چادر بدل دو، چادر بدل دی گئی، بستر پر لٹادیا گیا، فرمایا تسبیح دیدو، پڑھنے لگے اور ہنس کر فرمایا بھئی میری تجہیز تکفین اور تدفین میں کوئی عمل خلافِ سنت نہ ہو..... میری نماز جنازہ حضرت مولانا عبد العزیز رائے پوری پڑھائیں ——— ہم نے عرض کیا ابا جان آپ خلافِ معمول ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں، حالانکہ طبیعت پہلے کی نسبت اچھی ہے۔ مسکرا کر فرمایا تمہارے شہر کا فقیر آج جا رہا ہے..... تسبیح پر چند دانے پڑھے ہوں گے، اگلے دانے پر انگشت تھی کہ چہرے پر زبردست مسکراہٹ نمودار ہوئی اور گردن قبلہ رو ڈھلک گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ——— رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

موت کے ایسے واقعات سنکر قدرتی طور پر بڑا ہی رشک آتا ہے ——— لیکن عارفین سے سنا ہے کہ بندے کو دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ اور وہ موت نصیب فرمائے جو اس کے نزدیک میرے لیے بہتر ہو۔

Regd. No LW/NP-62

Monthly ALFURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow (U.P.)

VOL. 48 NO. 6 JUNE 1980 Phone : 45547

مدیر

محمد منظور نعمانی

ممالک غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ
کے بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ۳۰/-
بنگلا دیش سے ۱۶/-
فی شمارہ ۱/۵۰

جلد (۴۸) بابت جولائی سنہ ۱۹۸۰ء مطابق شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۰ھ شمارہ (۷)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	محمد منظور نعمانی	۲
۲	درس قرآن	"	۴
۳	معارف الحدیث	"	۱۲
۴	حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی مجلس ارشاد	مولانا نسیم احمد فریدی امروہی	۲۱
۵	مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی	۲۸
۶	دعوت تبلیغ کی حقیقت اور اصول و آداب	ایک محترم بزرگ	۳۱
۷	تبلیغی جماعت اور اس کے کام سے متعلق ہدایت	حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ	۳۷
۸	ایک ضروری وضاحتی بیان	جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۳۹
۹	وفیات	محمد منظور نعمانی	۴۰

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کریں جو چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات چندہ تیس روپے ہندوستانی سکہ میں بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں۔ پاکستانی سکہ میں تیس روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

اب سے ۵۶، ۵۷ سال پہلے جب یہ عاجز ایک طالب علم کی حیثیت سے دار العلوم دیوبند میں دو سال مقیم رہا تھا تو حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے، اُن کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید اصغر حسین عرف حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ صف اول کے اکابر اساتذہ میں تھے۔ یہ حضرات صرف اساتذۂ درس ہی نہیں تھے بلکہ جہاں تک بشری اندازہ ہو (والعلم عند اللہ) یہ اپنے اپنے رنگ میں سراپا اخلاص و تقویٰ "رجال اللہ" اور "رجال آخرت" تھے۔ ان کو دیکھ کے دل کہتا تھا کہ ان کی فکر بس رضائے الٰہی اور آخرت کی فکر ہے ـــــ ان کے علاوہ دوسری صف کے جو حضرات اساتذہ تھے قریبًا وہ سب بھی کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے ـــــ فطری طور پر طلبہ پر بھی اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق اس کا اثر پڑتا تھا اور کم از کم یہ آرزو ضرور پیدا ہوتی تھی کہ اس دولت کا ہمیں بھی کچھ حصہ نصیب ہو۔ بہرحال میری طالب علمی کے اس دور میں دار العلوم کی عام فضا پر اخلاص للہ اور فکر آخرت کا غلبہ تھا۔[1]

اس دور کے بعد کچھ تغیرات اور زمانے کی رفتار کے فطری نتیجہ میں دار العلوم کی اس فضا میں فرق پڑنا شروع ہوا لیکن حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی جامع اور طاقتور شخصیت سے اس فضا کو طویل مدت

[1] راقم سطور کا قیاس بھی ہے اور اساتذہ اور اکابر سے سنا بھی ہے کہ دار العلوم کی اس سے پہلے کے دور (حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند کی صدارت تدریس کے دور) اخلاص و تقویٰ کے لحاظ سے اس سے بھی کامل اور مبارک تر تھے۔

یک سہارا ملتا رہا، مگر حضرت ممدوح کے بعد اس فرق و انحطاط کی رفتار تیز اور ادھر کے آخری چند سالوں میں تو بہت ہی تیز ہو گئی، ہمارے اس گھر میں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری اس برادری میں اس لحاظ سے جو زوال و انحطاط آیا ہے اور ہم نے جو کچھ کھویا ہے، اگر ہم میں احساس ہو تو وہ بڑا المناک حادثہ ہے ۔۔ آج کل اخبارات اور دوسرے ذرائع سے بھی دارالعلوم سے متعلق فتنہ و فساد کی جو انتہائی تکلیف دہ خبریں پہنچتی رہتی ہیں اُن کی جڑ بنیاد در اصل یہی تغیر حال اور یہی فساد مزاج ہے خواہ اس کا ذمہ دار کوئی بھی عنصر ہو۔

اس عاجز کا جو تعلق دارالعلوم سے ہے وہ کسی ادارے سے نہیں اور جو جماعت دیوبند سے ہے وہ کسی جماعت سے نہیں اس لیے اس صورت حال کے احساس سے شدید قلبی و روحانی اذیت ہے۔
"انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ"

میں قریباً ۳۵ - ۴۰ سال سے اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بھی ہوں (جس کے ہاتھ میں) دستور کے لحاظ سے دارالعلوم کے سارے اختیارات ہیں) اس طویل تجربہ کے بعد میرا یہ یقین ہے کہ جس تغیر حال کا ذکر میں نے کیا ہے، اور جو میرے نزدیک موجودہ افسوسناک حالات کا اصل سبب ہے اس کا علاج نہ موجودہ مجلس شوریٰ کر سکتی ہے نہ باہر کی کوئی تحریک اور کوشش، اس کی اصلاح کی صورت صرف یہ ہے کہ ہم سب جن کا دارالعلوم سے ذمہ دارانہ اور عاملانہ تعلق ہے اگر اللہ توفیق دے تو خود اپنا احتساب کریں اور اخلاص و صدق دلی سے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست کریں ظاہر ہے کہ علماء کی ذمہ داری عوام سے بہت زیادہ ہے ۔۔۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اللہ کا قانون بڑا بے لاگ ہے ۔۔ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی ایک نسل کے بارہ میں فرمایا گیا ہے

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○

یہ عاجز اپنے بارے میں ہرگز کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہے۔ "من آنم کہ من دانم" اسکی بھی کوئی خاص امید نہیں ہے کہ اس گزارش کا کوئی بڑا اثر ہوگا جو کچھ عرض کیا گیا ہے بس معذرة الی ربکم عرض کیا گیا ہے۔

حصہ نہ لینے والوں میں ہیں، تو کیا اس جرم و گناہ کی پاداش میں ہم بھی جہنم کے "عذاب الیم" میں جھونکے جائیں گے۔

اس آیت "لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ" میں وضاحت فرمادی گئی کہ جو بندے اس طرح کی کسی معذوری اور مجبوری سے جنگ و قتال میں حصہ نہ لے سکیں، اُن سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، وہ جہاد و قتال کے مکلف ہی نہیں ہیں ـــــ اُن کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ اللہ و رسول کے جن احکام کے وہ مکلف اور مخاطب ہیں اپنی استطاعت کے بقدر اُن کی تعمیل کریں، کامیابی اور جنت کے استحقاق کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا" ـــــ اوپر کی آیت کا تعلق "اعراب مخلفین" سے تھا درمیان میں معذورین کے بارے میں گویا استدراک کیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں نجات و عذاب کا یہ عام ضابطہ اور قانون بیان فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا اُس کا آخرت میں جنت میں مقام ہوگا اور جو کوئی روگردانی کا رویہ اختیار کرے گا اس کو دوزخ میں عذاب الیم دیا جائے گا ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ پہلے گروہ میں شامل ہوں ـــــ اور اس کا راستہ یہی ہے کہ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کریں اور ان کی نافرمانی سے بچیں۔

آگے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن مخلص اور وفادار رفقاء کے بارہ میں جو حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ تھے اور جنھوں نے اس سفر میں سخت خطرہ کی حالت میں آپ کے ہاتھ پر مرتے دم تک جہاد میں ثابت قدم رہنے کی بیعت کی تھی اپنی خاص رضامندی کے اظہار و اعلان، اور دنیا و آخرت میں ان پر ہونے والے انعامات کا بیان فرمایا ہے ارشاد ہے ـــــ "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ......" مطلب یہ ہے کہ اے رسول، اللہ تعالیٰ آپ کے مومن و مخلص رفقائے سفر اصحاب حدیبیہ کے اس عمل بیعت سے بہت ہی راضی اور خوش ہے۔ اس آیت

میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا یہ جو اعلان ہے اسی کی وجہ سے اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے ـــــ میں اس بیعت کا واقعہ پوری تفصیل سے پہلے بیان کر چکا ہوں، غالباً یہ بھی ذکر کر چکا ہوں کہ یہ بیعت جس درخت کے نیچے ہوئی تھی وہ کیکر کا درخت تھا ـــــ یہ بیعت اللہ ورسول کی وفاداری اور اُن کے راستہ میں جان تک کی قربانی کا عہد تھا، جو حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کیا گیا تھا ـــــ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں سب سے پہلے اِن بیعت کرنے والے اہل ایمان سے اپنی خاص الخاص رضامندی کا اعلان فرمایا (لقد رضی اللہ عن المومنین) اس کے بعد آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو گوناگوں انعامات سے نوازنے کی بشارت سنائی ہے ـــــ ارشاد ہے فَعَلِمَ مَا فِی قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ .... وکان اللہ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ـــــ مطلب یہ ہے کہ بیعت کے وقت ان اہل ایمان کے قلوب کی جو کیفیت تھی وہ اللہ کے علم میں تھی تو اس نے اُن پر سکینت اور طمانیت نازل فرمادی ـــــ اس کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ جس وقت یہ بیعت ہوئی ہے اندازہ یہی تھا کہ کفار مکہ سے جنگ ہوگی، اور جنگی نقطۂ نظر سے اُس وقت مسلمانوں کی پوزیشن بہت کمزور تھی اور وہ سخت خطرے میں اور گویا موت کے منہ میں تھے، چونکہ وہ عمرے ہی کی نیت سے آئے تھے اس لیے جنگ کا ضروری سامان بھی ساتھ نہیں لیا تھا اور وہ اپنے مرکز مدینہ منورہ سے ۱۰-۱۲ دن کی مسافت کے فاصلہ پر تھے اس لیے فطری طور پر اس وقت مسلمانوں کے دل پورے اضطرار اور الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ غالباً مسلمانوں کے دل کی یہی وہ کیفیت ہے جس کو فرمایا گیا ہے۔ "فَعَلِمَ مَا فِی قُلُوْبِهِمْ الخ" کہ اُن کے دلوں کے حال سے اللہ واقف تھا، اس نے اُن کے دلوں پر سکینت اور اطمینان کی کیفیت نازل فرمادی یعنی اُن کے قلوب میں یہ اعتماد ویقین پیدا ہو گیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اس کو سب کچھ قدرت ہے اور اگر یہاں موت ہی مقدر ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی حیات جاودانی اور جنت ملے گی اور یہ بڑا نفع مند سودا ہے ـــــ تو حدیبیہ میں بیعت کرنے والے اہل ایمان کے قلوب پر جو یہ سکینت نازل فرمائی گئی

یہ رضامندی کے اعلان کے بعد پہلا روحانی انعام تھا۔ (فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ)
آگے فرمایا گیا ہے۔ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا o وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا o مطلب یہ ہے کہ اس روحانی نعمت "سکینت" کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان بعیت کرنے والے اہل ایمان کے لیے بطور انعام ایک عنقریب ہونے والی فتح اور اس کے ساتھ بہت سے اموال غنیمت عطا فرمانے کا بھی فیصلہ فرمادیا۔
جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے یہ خیبر کا علاقہ فتح ہونے کی اور اس کے ساتھ بڑی مقدار میں اموال غنیمت حاصل ہونے کی بشارت تھی جو حدیبیہ کے سفر سے واپسی ہی میں ان آیتوں کے ذریعہ آپ کے رفقاء سفر اصحاب حدیبیہ کو دی گئی تھی ———
آگے فرمایا گیا" وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا "یعنی اللہ تعالیٰ زبردست اور غالب ہے خیبر کا علاقہ فتح کرا دینا اور وہاں کے اموال غنیمت پر تم کو قبضہ دلا دینا اس کے لیے مشکل نہیں، اس کے سامنے ساری طاقتیں کمزور اور مغلوب ہیں اور وہ "حکیم" ہے، اس کی صفت حکمت کا تقاضا ہے کہ اپنے وفادار اور صالح بندوں کو اس انعام سے نوازے اور ان کو معاشی حیثیت سے بھی مطمئن اور مادی لحاظ سے بھی طاقتور بنائے۔ تاکہ ان کے ایمان و یقین میں اور جہاد و قربانی کے جذبہ میں اور اضافہ ہو۔
آگے ارشاد فرمایا گیا ہے" وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا .... وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا o"
مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ تم کو بہت سی فتوحات دیگا اور ان فتوحات میں بڑی مقدار میں اموال غنیمت تم کو حاصل ہوں گے۔ سو ان موعودہ فتوحات اور غنیمتوں میں سے یہ خیبر کی فتح تو تم کو ابھی ہاتھ کے ہاتھ گویا دیدی گئی۔ اور اس فتح خیبر ہی کے سلسلہ میں تم پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام و کرم ہوا کہ اس نے فریق مخالف کے یعنی اہل خیبر کے ہاتھ روک دیئے وہ تم پر دست درازی نہیں کرسکے۔ (وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال کے گویا ان کے ہاتھ باندھ دیے۔ آگے فرمایا گیا ہے۔ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ

صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا" مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار بندوں کو خیبر کی یہ فتح اور اس میں بڑی مقدار میں اموالِ غنیمت عطا فرمانے کا اور دشمنوں کے ہاتھ روک دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا ہے کہ ان مومنین باوفا کو اطمینان اور فراغت حاصل ہو اور وہ اللہ کی مدد کی ایک نشانی اور معجزہ دیکھیں جس سے ان کے ایمان و یقین میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل میں ترقی ہو اور اس طرح صراطِ مستقیم کی کامل ہدایت ان کو نصیب ہو جو اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن بہت سی فتوحات اور غنیمتوں کے وعدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اُن میں عرب و عجم کی وہ ساری غنیمتیں اور فتوحات شامل ہیں جو صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو عطا ہوئیں خاص طور سے قرن اول کی فتوحات۔ اس آیت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس غزوۂ خیبر میں اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ہاتھ روک دیے، وہ تم پر کوئی دست درازی نہیں کر سکے۔ یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ خیبر کے یہودی جن کے پاس ہر طرح کے وسائل تھے، اگر حوصلہ سے ادر جم کر مقابلہ کا فیصلہ کرتے تو ان کو شکست دینا اور خیبر کا فتح ہونا آسان نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ وہ جم کر جنگ کی ہمت نہیں کر سکے اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد انھوں نے گویا شکست قبول کر لی ـــــ اس کے علاوہ روایات میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ غطفان جو ایک لڑنے مرنے والا بہادر قبیلہ تھا وہ خیبر کے یہودیوں کا حلیف تھا جب اس کو خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی مدد کے لیے لشکر مرتب کیا، لیکن پھر اُن کے دلوں میں منجانب اللہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خیبر والوں کی مدد کو جائیں اور مسلمان پیچھے سے ہمارے گھروں پر حملہ کر دیں، یہ سوچ کر انھوں نے خیبر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا ـــــ یہ بھی منجانب اللہ ہوا۔ یہ سب "وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ" کا ظہور تھا۔

آخر میں فرمایا گیا ہے "وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا" ـــــ اس آیت میں فتح مکہ کی خوشخبری دی گئی ہے جو یقیناً رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی اس وقت سب سے بڑی تمنا اور آرزو تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فتح کرا دینا اور اس پر مسلمانوں کا اقتدار قائم کر کے اس کو دارالاسلام بنا دینا گویا نعمت کا اتمام تھا۔

اوپر کی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا تم سے وعدہ تھا اور ہے کہ وہ تم کو بہت سی فتوحات اور ان میں بہت سی غنیمتیں عطا فرمائے گا، تو ان موعودہ فتوحات میں سے خیبر کی فتح تو تم کو گویا ابھی فوری طور پر دیدی گئی۔ اب اس آیت "وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا ..." میں فرمایا جا رہا ہے کہ ایک اور اہم فتح بھی تم کو عنقریب ہی عطا ہوگی تم سردست اس پر قابو نہیں پا سکے ہو۔ فی الحال وہ تمہارے قابو سے باہر ہے لیکن اللہ کی طرف سے فیصلہ ہو گیا ہے اور اس نے اس کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے (قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا) اور وہ قادر مطلق ہے، کوئی چیز اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں۔ (وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا) اس لئے اس فتح میں کسی شک شبہہ کی گنجائش نہیں، وہ بھی جلد ہی تم کو عطا ہوگی۔

سفر حدیبیہ سے واپسی میں جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اُس وقت کفار مکہ کے مقابلہ میں مسلمان ظاہری اسباب و وسائل کے لحاظ سے بہت کمزور تھے اور یہ بات بظاہر بہت بعید از قیاس تھی کہ مسلمان مکہ کو فتح کر سکیں گے اور اس پر اُن کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ "لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا" سے اسی صورت حال کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے (واللہ اعلم) اس کے آگے فرمایا گیا ہے "قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس فتح مکہ کو تمہاری فتوحات میں شامل کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے اور اپنے احاطہ میں لے لیا ہے اور وہ قادر مطلق ہے یہ بات اس کی قدرت میں ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں اس کو فتح کرا دے لہٰذا کسی کو اس میں شک شبہہ نہ ہونا چاہئے، یہ دوسری فتح بھی تم کو جلدی ہی عطا ہوگی، تم اللہ کی قدرت کاملہ کا یہ کرشمہ بھی عنقریب ہی دیکھو گے۔

ان آیتوں کی ضروری تشریح تو کر دی گئی ــــ اب انہی کے مضمون سے متعلق دو باتیں اور عرض کرنی ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حدیبیہ کے سفر میں درخت کے نیچے ہونے والی بیعت کا ذکر فرمایا ہے اور جن خوش نصیب اہل ایمان نے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کے بارہ میں

اپنی خاص الخاص رضا کا اظہار و اعلان فرمایا ہے (لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ) رضائے الٰہی کا یہ اعلان امتیوں کے لیے سب سے بڑا سرٹیفکٹ اور تمغہ ہے بندۂ مومن کی اعلیٰ سے اعلیٰ تمنا اور آرزو یہی ہوسکتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے۔

دوسری قابل ذکر بات اس آیت سے متعلق یہ ہے کہ حدیبیہ کے میدان کا یہ درخت جس کے نیچے بیٹھ کے آپ نے بیعت لی تھی جیسا کہ میں نے ذکر کیا تھا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ببول کا درخت تھا۔ بلاشبہ یہ بڑا مبارک درخت تھا کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر فرمایا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نیچے بیٹھ کے وہ بیعت لی جس پر اللہ تعالیٰ نے سب بیعت کرنے والوں کے لیے اپنی رضا کا اعلان فرمایا —— لیکن اسلامی تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حدیبیہ جا جا کر اُس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے ہیں اور غالباً آپ نے خطرہ محسوس کیا کہ لوگ آئندہ اس درخت کی تعظیم میں غلو کرنے لگیں اور یہ امت کے لیے فتنہ بن جائے تو آپ نے حکم دے کر اُس درخت کو جڑ سے کٹوا دیا —— حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اسی درخت کے نیچے حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی —— لیکن وہ دین کی روح کو سمجھتے تھے فتنہ سے اور شرک سے امت کی حفاظت کے لیے انھوں نے اس مبارک اور متبرک درخت کو کٹوا دینا ضروری سمجھا۔ حضرت عمر کے اس اقدام میں امت کے لیے بڑی روشنی اور بڑا سبق ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ بزرگوں کی قبروں کو معبود بنا لیا گیا ہے۔ اُن پر سجدے کیے جاتے ہیں، نذریں چڑھائی جاتی ہیں، وہ سب کچھ ہوتا ہے جو مشرکین اپنے دیوتاؤں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے تو ان عالیشان مزاروں اور ان پر بنے ہوئے گنبدوں کو اکھاڑ کے برابر کر دینے کا حکم دیتے۔

اگلا شمارہ

اگست ستمبر کا مشترکہ شمارہ ہوگا، جو انشاء اللہ وسط ستمبر تک شائع ہوسکے گا، جن حضرات کو آخر ستمبر تک نہ ملے، وہ دفتر کو اطلاع دیں۔

ناظم دفتر الفرقان لکھنؤ

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

کتاب العلم (۲)

علم دین اور اس کے سیکھنے سکھانے والوں کا مقام و مرتبہ

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ بِہٖ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ، وَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَہَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ یَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْہَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستہ پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا ــــــ اور (آپ نے فرمایا کہ) اللہ کے فرشتے طالبانِ علم کے لیے اظہار رضا اور اکرام و احترام کے طور پر اپنے بازو جھکا دیتے ہیں۔ اور (فرمایا کہ) علم دین کے حامل کے لیے آسمان و زمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے

مغفرت کی استدعا کرتی ہیں یہاں تک کہ دریا کے پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی۔
اور آپ نے فرمایا، عبادت گذاروں کے مقابلہ میں حاملین علم کو ایسی برتری حاصل ہے جیسی کہ چودھویں رات کے چاند کو آسمان کے باقی ستاروں پر۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے دیناروں اور درہموں کا ترکہ نہیں چھوڑا ہے بلکہ انھوں نے اپنے ترکے اور ورثے میں صرف علم چھوڑا ہے تو جس نے اس کو حاصل کرلیا اس نے بہت بڑی کامیابی اور خوش بختی حاصل کرلی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) فی الواقع انبیاء علیہم السلام کی میراث ان کا لایا ہوا وہ علم ہی ہے جو بندوں کی ہدایت کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہ بازار کی طرف سے گزرے، لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم یہاں ہو اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آکر کہا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں بٹ رہا، کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں کچھ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، کچھ لوگ حلال وحرام کی یعنی شرعی احکام ومسائل کی باتیں کر رہے ہیں ——— حضرت ابوہریرہ نے فرمایا یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث اور آپ کا ترکہ ہے۔ (جمع الفوائد ص ۳۲ ج ۱)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ

(رواہ الترمذی والضیاء المقدسی کنز العمال)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ علم کی طلب وتحصیل میں گھر سے یا وطن سے نکلا وہ اس وقت تک اللہ کے راستے میں ہے جب تک واپس آئے۔ (جامع ترمذی، مختارہ للضیاء المقدسی)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ

وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةِ فِىْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ۔

——— رواه الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اُس کے فرشتے اور آسمان و زمین میں رہنے والی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور (پانی میں رہنے والی) مچھلیاں بھی اس بندے کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی اور دین کی تعلیم دیتا ہے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِىْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ، اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ۔

——— رواه الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو مجلسوں پر ہوا جو آپ کی مسجد میں قائم تھیں، آپ نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں خیر کی اور نیکی کی مبارک مجلسیں ہیں (ایک مجلس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) یہ لوگ اللہ سے دعا اور مناجات میں مشغول ہیں، اللہ چاہے تو عطا فرماوے اور چاہے تو عطا نہ فرمائے (وہ مالک مختار ہے) اور (دوسری مجلس کے بارہ میں فرمایا کہ) یہ لوگ علم دین حاصل کرنے میں اور نہ جاننے والوں کو سکھانے میں لگے ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا درجہ بالاتر ہے اور میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ انھیں میں بیٹھ گئے۔ (مسند دارمی)

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِىَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ

النَّبِيِّينَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ـــــ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حسن بصری نے بطریقہ ارسال[1] روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ اس نیت سے علم دین کی طلب و تحصیل میں لگا ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے، تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان بس ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (مسند دارمی)

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْآخَرُ يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِي يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ ــــــ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حسن بصری نے بطریق ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کے لوگوں کو اچھی نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا۔ ــــ اور دوسرے صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ دن کو برابر روزہ رکھتے اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے (آپ سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں سے کون افضل اور اعلیٰ ہے؟ ــــ آپ نے فرمایا کہ یہ عالم جو فرض نماز ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دین اور

---

[1] جیسا کہ معلوم ہے حضرت حسن بصری تابعی ہیں، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا، مختلف صحابہ کرام کے ذریعہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پہنچی ہیں، انھوں نے یہ حدیث اور اس سے آگے درج ہونے والی حدیث بھی براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، ان صحابی کا نام نہیں لیا جن سے ان کو یہ حدیث پہنچی ہے۔ محدثین کے اس طریقہ روایت کو "ارسال" اور ایسی حدیث کو "مرسل" کہا جاتا ہے۔

نیکی کی باتیں سکھانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے، اُس کو اُس صائم النہار اور قائم اللیل عابد کے مقابلہ میں اس طرح کی فضیلت حاصل ہے جس طرح کی تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مسند دارمی)

(تشریح) مندرجہ بالا حدیثوں میں "علم"، "طالبین علم"، "علماء" اور "معلمین" کی جو غیر معمولی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اُن کی لِم اور اُن کا راز یہی ہے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نورِ ہدایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا ہے، اور دنیا سے آپ کے اٹھالیے جانے کے بعد آپ کا لایا ہوا الٰہی علم (جو قرآن و حدیث میں ہے) امت کے لیے آپ کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہے اور جو اس کے حامل اور امین علماء و معلمین ہیں وہ زندہ انسانوں کی شکل میں حضورؐ کے قائم مقام ہیں، وہ نبی تو نہیں ہیں لیکن وارث انبیاء ہونے کی حیثیت سے کارِ نبوت سنبھالے ہوئے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، گویا آپ کے دست و بازو، اور آلۂ کار ہیں۔ —— اسی خصوصیت نے اُن کو اُس مقام و مرتبہ پر پہنچایا ہے اور اُن غیر معمولی انعامات الٰہیہ کا مستحق بنادیا ہے جن کا مندرجہ بالا حدیثوں کے ذریعہ اعلان فرمایا گیا ہے ——

لیکن جیسا کہ آگے درج ہونے والی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوگا اس کی شرط یہ ہے کہ علم دین کی یہ طلب و تحصیل اور تعلیم و تدریس خالصاً لوجہ اللہ اور اجر آخرت کے لیے ہو، اگر خدانخواستہ یہ دنیوی اغراض کے لیے ہو تو بدترین معصیت ہے اور ایک صحیح حدیث کی صراحت کے مطابق ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللّٰھم احفظنا

ایک ضروری وضاحت —— اس سلسلہ میں یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے —— ہمارے اس زمانے میں دینی مدارس اور دارالعلوموں کی شکل میں علم دین کی تحصیل و تعلیم کا جو نظام قائم ہے اس کی وجہ سے جب ہمارے دینی حلقوں میں "طالب علم" کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن اِن دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے "طالب علموں" ہی کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرح عالم دین یا معلم دین کا لفظ سنکر ذہن اصطلاحی و عرفی علماء اور دینی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر اس کا قدرتی نتیجہ

یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اور اسی طرح اس باب کی دوسری حدیثوں میں، علم دین کی طلب و تعلیم، یا طالبان علم دین اور معلمین دین کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جن غیر معمولی انعامات کی بشارتیں دی گئی ہیں عملاً ان سب کا مصداق ان مدارس ہی کے تعلیمی سلسلہ کو اور ان کے طلبہ اور معلمین ہی کو سمجھ لیا جاتا ہے ــــــــ حالانکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے عہد نبوی میں اور اس کے بعد صحابہ کرام بلکہ تابعین کے دور میں بھی اس طرح کا کوئی تعلیمی اور تدریسی سلسلہ نہیں تھا، نہ مدارس اور دار العلوم تھے، نہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کا کوئی طبقہ تھا، بلکہ سرے سے کتابوں ہی کا وجود نہیں تھا۔ بس صحبت و سماع ہی تعلیم و تعلم کا ذریعہ تھا۔ صحابہ کرام نے (ان کے درجہ اول کے علماء و فقہاء مثلاً خلفائے راشدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی) جو کچھ حاصل کیا صرف صحبت و سماع کے ذریعہ حاصل کیا تھا۔ پھر صحابہ کرام سے تابعین نے ان کے اکابر علماء و فقہاء نے بھی جو علم حاصل کیا وہ اسی طرح صحبت و سماع ہی کے ذریعہ حاصل کیا تھا ــــــــ اور بلاشبہ وہ حضرات ان حدیثوں کے اور بشارتوں کے اولین مصداق تھے ــــــــ

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ آج بھی جو بندگانِ خدا کسی غیر رسمی طریقے سے مثلاً صحبت و سماع ہی کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ دین سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں وہ بھی یقیناً ان حدیثوں کے مصداق ہیں اور بلاشبہ ان کے لیے بھی یہ سب بشارتیں ہیں ــــــــ بلکہ ان کو اصطلاحی و عرفی طلبہ اور معلمین پر ایک فضیلت و فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ ہمارے موجودہ مدارس اور دار العلوموں میں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اس طلب و تعلیم کے کچھ دنیوی منافع بھی ہو سکتے ہیں (اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لحاظ سے ہماری برادری کا کیا حال ہے) لیکن جو بیچارے اصلاح و ارشاد کی مجالس میں یا کسی دینی حلقہ میں اپنی دینی اصلاح اور دین سیکھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں یا دین سیکھنے سکھانے والی کسی جماعت کے ساتھ اس مقصد سے کچھ وقت گزارتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی دنیوی منفعت کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کی یہ غیر رسمی طالب علمی یا معلمی بالکل بے غل و غش صرف اللہ ہی کے لیے

اور آخرت ہی کے واسطے ہوتی ہے ——— اللہ کے ہاں اسی عمل کی قدر و قیمت ہوتی ہے جو خالصاً لوجہ اللہ ہو ——— اس عاجز نے اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے دیکھے ہیں۔ ان میں متعدد ایسے بھی پائے جن سے ہم جیسے لوگ (جن کو دنیا عالم فاضل سمجھتی ہے) حقیقتِ دین کا سبق لے سکتے ہیں۔

یہ وضاحت یہاں اس لیے ضروری سمجھی کہ ہمارے اس زمانے میں "عالم"، "معلم" اور "طالب علم" کے مصداق کے بارہ میں مذکورہ بالا غلط فہمی بہت عام ہے اگرچہ بغیر شعوری طور پر ہے۔

دنیوی اغراض کے لیے علم دین حاصل کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ، وہ جنّت کی خوشبو تک سے محروم:۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا ———

(رواه احمد وابو داؤد وابن ماجه، مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ علم جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے (یعنی دین اور کتاب و سنت کا علم) اگر اس کو کوئی شخص دنیا کی دولت کمانے کے لیے حاصل کرے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَ اَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

——— رواه الترمذی (جمع الفوائد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جس کسی نے علمِ دین، اللہ کی رضا کے لیے نہیں، بلکہ غیر اللہ کے لیے (یعنی اپنی دنیوی اور نفسانی اغراض کے لیے) حاصل کیا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اور آخر میں سیدنا حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ اس لیے نازل فرمایا کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں اس کے بندے اللہ کی رضا کے راستہ پر چلتے ہوئے اس کے دار رحمت جنت تک پہنچ جائیں ــــ اب جو بدنصیب آدمی اس مقدس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی دولت کمانے کا وسیلہ بناتا ہے اور اسی کے واسطے اس کی تحصیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس مقدس علم پر ظلم عظیم کرتا ہے اور یہ شدید ترین معصیت ہے اور ان حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ اس کی سزا جنت کی خوشبو تک سے محرومی اور جہنم کا عذاب الیم ہے۔ اللّٰھم احفظنا

بے عمل عالم اور معلم کی مثال اور آخرت میں اس کا حال :-

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْعَالِمِ الَّذِیْ یُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَیَنْسٰی نَفْسَهٗ کَمَثَلِ السِّرَاجِ یُضِیْئُ لِلنَّاسِ وَیُحْرِقُ نَفْسَهٗ ــــ رواہ الطبرانی والضیاء (کنز العمال)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عالم کی مثال جو دوسرے لوگوں کو تو نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے کو بھولے رہتا ہے اس چراغ کی سی ہے جو آدمیوں کو روشنی فراہم کرتا ہے لیکن اپنی ہستی کو بس جلاتا رہتا ہے۔

(معجم کبیر طبرانی، مختارہ للضیاء المقدسی)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ عِلْمُهٗ ــــ رواہ الطیالسی فی مسندہ وسعید بن منصور فی سننہ وابن عدی فی الکامل والبیہقی فی شعب الایمان۔ (کنز العمال)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اُس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم دین نے نفع نہیں پہنچایا (یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا)

(مسند ابوداؤد طیالسی، سنن سعید بن منصور، کامل ابن عدی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: بعض گناہ ایسے ہیں جن کو بلا تفریق مومن و کافر سب ہی انسان شدید و سنگین جرم اور سخت سزا کا مستوجب سمجھتے ہیں، جیسے ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا بالجبر، چوری، رشوت ستانی، یتیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر ظلم زیادتی اور ان کی حق تلفی جیسے ظالمانہ گناہ۔ لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو عام انسانی نگاہ اس طرح شدید و سنگین نہیں سمجھتی لیکن اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ ان کبائر و فواحش ہی کی طرح یا اُن سے بھی زیادہ شدید و سنگین ہیں۔ شرک و کفر بھی ایسے ہی گناہ ہیں، اور علم دین جو نبوت کی میراث ہے اس کا بجائے دینی مقاصد کے دنیوی اغراض کے لیے سیکھنا اور دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا، یعنی بجائے اپنی عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا بلکہ اس کے خلاف زندگی گزارنا یہ بھی اسی قبیل سے ہیں ـــــ پہلی قسم کی معصیتوں میں مخلوق کا مخلوق پر ظلم ہوتا ہے اس لیے اُس کو خدا نا آشنا کافر بھی محسوس کرتا اور ظلم و پاپ سمجھتا ہے ــــــ لیکن دوسری قسم کے گناہوں میں اللہ و رسول اور اُن کی ہدایت و شریعت اور اس کے مقدس علم کی حق تلفی اور ان پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے، اُس کی سنگینی اور شدت کو وہی بندے محسوس کر سکتے ہیں جن کے قلوب اللہ و رسول اور دین و شریعت اور اُن کے علم کی عظمت سے آشنا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم دین کو بجائے رضائے الٰہی اور اجر اخروی کے دنیوی اغراض کے لیے سیکھنا اور اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا، اسی طرح خود اس کے خلاف زندگی گزارنا، شرک و کفر اور نفاق کے قبیلہ کے گناہ ہیں اس لیے ان کی سزا وہ ہے جو مندرجہ بالا حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہے (یعنی جنت اور اس کی خوشبو تک سے محروم رہنا اور دوزخ کا عذاب) ــــــ

اللہ تعالیٰ حاملین علم دین کو توفیق عطا فرمائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات و تنبیہات ہمیشہ اُن کے سامنے رہیں ــــــ

انتخاب

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کی محفل ارشاد

فرمایا کہ خورجہ میں مولانا احمد حسن صاحب امروہی اور ہمارے سب بزرگ تشریف لے جاتے تھے ایک بڑی بی نے وہاں ایک خواب دیکھ لیا تھا۔ وہ مولانا احمد حسن صاحب سے بہت عقیدت رکھتی تھیں۔ ویسے بھی مولانا سید تھے۔

فرمایا کہ ڈھاکہ نواب کے تین چار بی بیاں تھیں۔ جب میں وہاں گیا تھا تو بیگمات اپنے ہاتھ سے کھانے طرح طرح کے پکا پکا کر بھیجتی تھیں۔ وہ کھانے بہت تکلف کے ہوتے تھے مگر آب و نمک درست نہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے میرا جی بھلا نہ ہوتا تھا۔ ان کھانوں میں گھی بہت کثرت سے پڑا ہوا ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ اس قدر گھی کھانے کے عادی نہیں ہیں۔ علاوہ اس کے قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ گھی زیادہ مرغوب ہونے کے قابل نہیں ہے کیوں کہ جنت میں چار نہریں بتلائی گئی ہیں مگر یہ نہیں بتلایا گیا کہ ایک گھی کی بھی نہر ہوگی۔

فرمایا کہ شاہ عبد الغنی صاحبؒ پر علم غالب تھا اور ان کے بھائی شاہ احمد سعید صاحبؒ بہت بھولے تھے مگر ان کی نسبت شاہ عبد الغنی صاحبؒ سے بھی قوی تھی۔ اسی سلسلہ میں کچھ اور مضامین بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ میں اول علم میں شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا مرتبہ

شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے بڑا سمجھتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔

فرمایا کہ جب میں اول اول کانپور آیا تھا تو میری عمر بیس برس کی تھی۔ لوگوں نے مجھ سے مولد متعارف کو پوچھا۔ میں نے کہہ دیا کہ بدعت ہے۔ وہاں کے لوگ مولد کے بدعت بتانے والے کو ایذا پہنچاتے ہیں مگر مجھ سے کسی کو خشونت نہیں ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ کسی طرح بھی جائز ہے میں نے کہا کہ ہاں میں بتاؤں گا کہ اس طرح جائز ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے۔ وہاں کے بعض مشاہیر علماء بھی شریک تھے۔ عوام میں کانا پھوسی ہوئی کہ قیام ہوا ہی نہیں۔ یہ کیسا مولد ہے۔ افسوس ہے کہ ان علماء نے میری تائید نہ کی۔

فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ایسے خلوص سے رکھی تھی کہ اب تک اس کا اثر ہے۔ بڑے بڑے مدرسے دیکھے مگر آخر کار کچھ بھی نہ دیکھا۔ مدرسہ دیوبند کی تعلیم کی بابت بڑے بڑے انگریزوں کی یہ تحریر ہے کہ اگر اس مدرسہ کی مذہبی تعلیم میں دنیاوی تعلیم شامل کی گئی تو اس کا مذہبی خالص رنگ باقی نہ رہے گا، جو اس مدرسہ کا مایۂ ناز ہے۔

رام پور میں ایک مرتبہ ایک بزرگ کا وعظ ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ اسلام اس وقت ایسا ہو گیا ہے جیسے بیوہ عورت کہ وہ ہر طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ میری کوئی دستگیری کرنے والا نہیں ہے۔ پھر جب میرا بیان ہوا تو میں نے کہا کہ اسلام کو کسی کی امداد کی حاجت نہیں۔ وہ نہ عورت ہے اور نہ بیوہ ہے۔ وہ مرد ہے، جو کوئی اس کی خدمت کرے گا اپنی سعادت کے لیے کرے گا، اسلام کو حاجت نہیں —— یہ سن کر پٹھان جوش میں آ گئے اور بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا کہ جو کچھ بیان کیا گیا تھا وہ خلوص سے بیان کیا گیا تھا۔ نیت دونوں بیان کرنے والوں کی اچھی تھی۔

فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ ؎

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر[1] ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

یہ مولانا رومیؒ کا قول نہیں ہے بلکہ بہاء الدین عاملی (آملی) کا ہے۔ میں تو اس کے بجائے یہ کہا کرتا ہوں ؏ ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

خالی الذہن ہو کر آدمی اللہ اللہ کرے۔ دیکھیں کہ کیسے اثر نہ ہو گا۔ البتہ ریا بھی نہ ہونی چاہیے۔ اس بات کا تجربہ ہے کہ ضرور اثر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ رعب جتنا شفقت سے ہوتا ہے اس قدر تخویف سے نہیں ہوتا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بڑا رعب تھا۔ لوگوں کی جان نکلتی تھی۔ حالانکہ ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔

فرمایا کہ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت کی ضیاء القلوب کی بہت بڑی شرح ہو سکتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ متن ہم نے لکھ دیا ہے شرح تم لکھ دو۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ مولانا نے ایک مسودہ حضرت حاجی صاحبؒ کا دیا ہوا نقل کیا۔ اس میں ایک لفظ سہواً غلط لکھا گیا تھا اس کو مولانا نے صحیح نہیں کیا ادب کی وجہ سے ـــــ بلکہ وہاں جگہ چھوڑ دی۔ حضرت حاجی صاحب نے درست فرما دیا۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ علم، مولانا محمد قاسم صاحبؒ پر کہاں سے کھلا؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کے اسباب متعدد ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ مولانا فطری طور پر معتدل القویٰ اور معتدل مزاج تھے۔ پھر ان کے استاد بے مثل تھے۔ پھر پیر کامل ملے

---

[1] ترجمہ: زبان پر تسبیح ہو اور دل میں دنیا کی حقیر چیزیں ہوں ایسی تسبیح کب اثر کرتی ہے۔

جن کا نظیر نہیں۔ ان کی وجہ سے فن کی حقیقت منکشف ہو گئی۔ اساتذہ کا ادب بہت کرتے تھے اور متقی بہت تھے۔ جب اتنی چیزیں جمع ہوں تو پھر کیوں نہ کامل ہوں۔

ایک صاحب نے حضرت والا سے تفسیر بیان القرآن کے متعلق کچھ باتیں دریافت کیں کہ اس کی کتنی جلدیں ہیں اور پوری طبع ہو چکی ہے یا ابھی کچھ باقی ہیں۔ ان صاحب کے سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرمایا کہ میں زمانۂ تصنیف تفسیر میں بالکل بیمار نہیں ہوا۔ کان بھی گرم نہیں ہوا۔ اس زمانے میں یہاں طاعون بہت تھا۔ میں اللہ سے دعا مانگتا تھا کہ اے اللہ میں تفسیر لکھنے سے پہلے نہ مروں۔

فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کے الفاظ ہی میں غور کیا جائے تو مطلب بالکل صاف سمجھ میں آجاتا ہے، مگر مولانا کا سا فہم بھی تو ہو۔

فرمایا کہ مریض کے سامنے ایک تو داغ کا کلام پڑھا جاوے اور دوسری طرف اس کے لیے حکیم محمود خاں کا نسخہ ہو تو اس مریض کے لیے تو وہ نسخہ ہی مفید۔ داغ کی غزل اس کے کس کام کی۔ اس نسخہ میں وہ لذت ہے کہ بہت دنوں کے بعد راحت و مزہ آوے گا آج کل اول دن میں لذت چاہتے ہیں۔ جو کیفیات دفعۃً حاصل ہوتی ہیں وہ دیرپا نہیں ہوتیں۔ ان باتوں کو ماہر سمجھتا ہے اس لیے ماہر کا اتباع کرے۔ طالب کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص بھوکا ہے، اسے خشکا دیا گیا اور پلاؤ نہیں دیا تو اس بھوکے کو چاہیے کہ خشکا ہی لے لے۔ اور ضعیف المعدہ کو اگر پلاؤ دے دیا جائے تو ہضم کب ہو گا۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ شیخ کو طبیب ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ بعض لوگوں کو اجنبی الفاظ برتنے کا شوق ہوتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ تبحر کی دلیل ہے۔ مانوس الفاظ برتنے چاہئیں۔

فرمایا کہ بہت عرصے سے میں سمجھتا رہا کہ بخل زیادہ بُرا ہے اسراف سے —— لیکن واقعات سے معلوم ہوا کہ مضرتیں اسراف میں زیادہ ہیں۔ بخل میں اتنی مضرتیں نہیں ہیں۔ مگر اہل عرف بخل کو زیادہ بُرا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک ماسٹر سو روپے کماتا تھا اور مشکل سے چار روپے اٹھاتا تھا۔ چٹنی سے روٹی کھاتا تھا۔ اور جب کوئی اس سے پوچھتا کہ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہو تو جواب دیتا کہ روپیہ رکھنے میں جو مزہ ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ کبھی لطف بصورت قہر ہوتا ہے۔ کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے۔[1] سب مضمون کو بس دو لفظوں میں بیان کر دیا۔

فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے اگر پوچھو کہ خیر الامۃ کون وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پیغمبر کے اصحاب —— اور تبرائی شیعوں سے پوچھو کہ شر الامۃ کون وہ کہیں گے ہمارے پیغمبر کے اصحاب۔

فرمایا کہ اگر کوئی دین کی حاجت لے کر آئے تو سبحان اللہ! اور جو دنیا کی حاجت لے کر آتا ہے وہ نظروں سے گر جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ امیروں کو جس خاص اکرام کی عادت ہوتی ہے اگر ان کا وہ اکرام نہ کیا جائے تو ان کو رنج ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ معاملہ غربا سے ذرا ممتاز ہونا مصلحت ہے۔

فرمایا کہ اللہ میاں سے مانگو تو وہ خوش ہوں خواہ دین مانگو یا دنیا۔ اور دوسرے لوگ (مانگنے سے) خفا ہوتے ہیں۔ جہاں مانگنے سے عزت ہوتی ہے وہاں! مانگتے نہیں، اور

---

[1] حضرت جگر مرادآبادی نے اس مضمون کو اس طرح شعر میں ادا کیا ہے ؎

نگاہِ دل بھی کیا کیا اسے سمجھ نہ سکی　　وہ ہر کرم جو پسِ پردۂ عتاب ہوا

جہاں ذلت ہوتی ہے وہاں مانگتے ہیں۔ سب سے زیادہ شغل انسان کا اللہ میاں سے مانگنا ہونا چاہیے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں مگر ہمیں اس کی مقبولیت پر پورا بھروسہ نہیں ہوتا۔ یہ حالت ہوتی ہے کہ آپ دیویں گے تو ہیں نہیں مگر خیر میں مانگتا ہوں۔ خدا تعالیٰ سے مانگ کر دل ابھرتا ہی نہیں، یہ ہے مرض۔

فرمایا کہ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ تمہاری تفسیر (بیان القرآن) میں کیا ہے۔ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ جب کسی مقام پر اشکال ہو تو اول اور تفسیروں میں دیکھو پھر اس میں دیکھو تب معلوم ہوگا کہ اس میں کیا ہے۔

فرمایا کہ ایک نواب صاحب نے ایک جاہل مال دار کو مجسٹریٹ کر دیا تھا مگر وہ کچھ پڑھے لکھے ایسے ہی تھے کہیں سے روپیہ مل گیا ہوگا اس لیے امیر تھے۔ جب وہ مجسٹریٹ ہو گئے تو ان کے یہاں عرضیاں گزریں۔ پیشکار سے کہا کہ پڑھو اس نے پڑھا تو اول میں تھا غریب پرور سلامت، اس کو سن کر مجسٹریٹ صاحب کہنے لگے ہم کو گریب (غریب) لکھا ہے۔ نواب صاحب تو ہم مسفک مہربان (مشفق) لکھیں اور یہ ہمیں گریب (غریب) لکھے۔ اچھا پانچ روپیہ جرمانہ! —— پھر حضرت والا نے امیر کی مناسبت سے فرمایا کہ امراء کا لفظ جو احادیث میں آیا ہے اس کے معنی اغنیا نہیں ہیں امراء حکام کو کہتے ہیں۔ اردو میں امیر کہتے ہیں مالدار کو —— بس امراء کے متعلق جو کچھ مضامین ہیں وہ سب اس محاورہ کے سبب روپیہ والوں پر چپکائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان سے حکام مراد ہیں ان ہی سے ملنے سے دین میں فتنہ پڑتا ہے۔ ورنہ امیروں کے سامنے حق گوئی مشکل نہیں۔ البتہ حکام سے ملنے کی نہایت مذمت آئی ہے۔

فرمایا کہ آجکل لوگ بزرگوں سے مشورہ زیادہ اس خیال سے کرتے ہیں کہ یہ اللہ میاں

کے رشتہ دار ہیں، عالم الغیب ہیں۔ جو ان کے منہ سے نکلے گا وہی ہو گا اور اس کا نام برکت رکھا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ اللہ میاں ان کے کہنے کو رد کر دیں۔

پھر فرمایا کہ وہ اور بات ہے کہ اللہ میاں اس کا اکرام کریں، مگر لوگوں کو تو ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ـــــ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم الخ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ

بے نفسی اور خدمت خلق کے دو سبق آموز واقعے

[اب سے ۳ مہینے پہلے اپریل کے شمارے میں حضرت مفتی صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ "البلاغ کراچی" کے "مفتی اعظم نمبر" اور اس کی بعض خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا تھا اور لکھا گیا تھا کہ ان شاء اللہ اس کے اہم مضامین کے منتخب جواہر ہمارے ناظرین الفرقان کی خدمت میں بھی پیش ہوتے رہیں گے۔ــــ اس نمبر میں حضرت مفتی صاحبؒ سے متعلق ایک مضمون اُن کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کا ہے اس سے ذیل کے دو سبق آموز واقعے نقل کیے جا رہے ہیں۔]

سردیوں کی ایک رات میں والد صاحبؒ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے، برانچ لائن پر یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے۔ راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں، وہاں اس زمانہ میں بجلی تو تھی ہی نہیں، رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا کیونکہ اس وقت اکا دکا ہی کوئی مسافر آتا جاتا تھا۔ گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہو گئی۔ اب اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا، ہر طرف جنگل، اندھیری رات اور سناٹا۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمد و رفت عموماً پیادہ پا ہی ہوتی تھی، والد صاحب تنہا تھے، سامان بھی ساتھ نہ تھا اس لیے کوئی فکر نہ تھی، اچانک آواز آئی "قلی قلی" یہ آواز بار بار آ رہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہو گئی تھی، کوئی صاحب مع اہل و عیال اسی گاڑی سے اترے تھے، قلی نہیں مل رہا تھا جو آبادی تک

سامان پہنچا دے۔ یہ والد صاحب کے واقف کار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے۔ والد صاحب سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹا کر چادر ڈالی اور مزدورانہ ہئیت میں تیزی سے پہنچ کر کہا "سامان رکھواؤ کہاں جانا ہے؟" انھوں نے پتہ مختصراً بتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کر دیا، پہلا بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا۔ اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد میرے ہاتھ اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے، میں نے دونوں ہاتھوں سے ان بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ "حضور میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ (تیسرا عدد) آپ سنبھال لیں۔"

یہ مختصر قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر میری اس کمزوری کو میری ڈاڑھی نے چھپا لیا تھا جو انھیں راستہ دکھا رہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ہی نہ دیتی تھی۔ ان کی قیام گاہ پر سامان اتارا، وہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ "ابھی آ کر پیسے دیتے ہیں" میں موقعہ پا کر وہاں سے غائب ہو گیا۔ اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسب معمول بڑے تپاک و تعظیم سے ملے، مگر انھیں کیا معلوم وہ رات والے "قلی" سے مل رہے ہیں۔

یہ واقعہ والد صاحب نے ہمیشہ راز میں رکھا حتیٰ کہ جن صاحب کا سامان اٹھایا تھا انھیں بھی عمر بھر نہ معلوم ہو سکا کہ وہ فرشتہ صفت "قلی" کون تھا، تقریباً بیس سال بعد ہم سب بھائیوں کے سامنے یہ راز اس طرح کھلا کہ کراچی میں جب احقر کی عمر تقریباً پندرہ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اس زمانہ میں ہماری والدہ صاحبہ مدظلہا کو ہم بھائیوں سے بار بار یہ شکایت پیش آئی کہ وہ گھر کا سودا سلف لانے کے لیے فرماتیں، ہم لڑکپن کی لاپرواہی میں ایک دوسرے پر ٹال دیتے۔ والدہ صاحبہ کو اس سے جو تکلیف ہوتی ہوگی اب اس کے تصور سے بھی ڈر لگتا ہے، انھوں نے کئی بار حضرت والد صاحب کو بھی توجہ دلائی اور شکایت کی کہ یہ لوگ بازار سے سامان لانے میں عار سمجھتے ہیں، اس لیے ٹالتے ہیں۔ والد صاحب چشم پوشی فرماتے رہے۔ آپ کی عادت تھی کہ کسی غلطی پر بار بار نہیں ٹوکتے تھے فہمائش کے لیے زیادہ سے زیادہ مؤثر موقع کا انتظار فرماتے اور ایسے وقت تنبیہ فرماتے جب سب کو فراغت اور طبیعتوں میں نشاط ہو۔

ایک دن ہم سب حضرت والد صاحب کی خدمت میں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے، ہماری کسی کسی بات میں وہ بھی دلچسپی لیتے رہے پھر اچانک سنجیدہ ہو گئے اور محترمہ والدہ صاحبہ کی مسلسل پریشانی کا ذکر فرما کر ہماری اس بے پروائی پر شرم دلائی، پھر آہِ سرد بھر کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک راز تھا جو میرے اور اس کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ تمہاری اصلاح کے لیے آج وہ راز کھولنے کی ضرورت پیش آگئی۔ پھر یہ واقعہ سنایا، ہم سب پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور بحمد اللہ اس گناہ سے توبہ کی توفیق ہوئی۔

اسی موقعہ پر ایک اور واقعہ بھی سنایا کہ "میں دیوبند میں ایک دن فجر کی نماز کے لیے جا رہا تھا، سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنوئیں سے بھر کر لا رہی تھیں مگر اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا، بمشکل چند قدم چل کر زمین پر بیٹھ جاتی تھیں، مجھ سے دیکھا نہ گیا، پاس جا کر کہا" لاؤ اماں یہ گھڑا تمہارے گھر پہنچا دوں"۔ یہ کہہ کر میں نے گھڑا اٹھا لیا، وہ جولاہوں کے محلہ میں رہتی اور اسی برادری سے تعلق رکھتی تھیں، جب میں گھڑا بڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا تو وہ نہایت لجاجت اور الحاح کے ساتھ دعائیں دینے لگیں جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں، اگلے دن پھر اسی وقت اور اسی حال میں ملیں، میں نے پھر گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا، واپسی پر دور تک پھر ان کی دعائیں سنتا رہا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ یہ سودا تو بڑا سستا ہے کہ چند منٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں میں نے روز کا یہی معمول بنا لیا۔ بڑی بی بھی اس کی عادی ہو گئیں۔ اب میں کنوئیں پر ہی پہونچنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ انھیں ڈول بھی نہ کھینچنا پڑے۔ بحمد للہ یہ معمول عرصۂ دراز تک جاری رہا یہاں تک کہ بڑی بی نے ہی آنا چھوڑ دیا شاید ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتا رہا ہوں تاکہ کچھ سبق حاصل کرو۔

دعوتِ تبلیغ کی حقیقت اور اصول و آداب

ایک بزرگ کا قابل مطالعہ مکتوب

[راقم سطور کا ارادہ تبلیغی جماعت اور اُس کے کام سے متعلق کچھ لکھنے کا تھا کہ ایک عزیز نے اسی دعوتِ تبلیغ سے خاص تعلق رکھنے والے ایک محترم بزرگ کے ایک مکتوب کی نقل دکھلائی جو انھوں نے اس دعوت کے کام میں سرگرم حصہ لینے والے اپنے بعض دوستوں کو لکھا تھا۔ میں نے اس مکتوب کو بہت ہی مفید سمجھا۔ اور ان عزیز سے کہا کہ وہ اس پر تمہیدی نوٹ لکھ دیں اور اس کو الفرقان میں شائع کر دیا جائے ——— ناظرین کرام ذیل میں پہلے عزیز موصوف کا تمہیدی نوٹ اور اس کے بعد اصل مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔ نعمانی]

سیرت نبوی اور حیات صحابہ کے گہرے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس نصاب تربیت کے بنیادی اجزاء جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تربیت کی تھی، یہ تھے،

۱۔ دعوت الی اللہ ۲۔ ذکر و عبادت

۳۔ تعلیم و تعلّم ۴۔ خدمت و حسن معاشرت

جتنا بھی غور کیا جائے یہ بات ظاہر ہوتی چلی جائے گی کہ صحابۂ کرام کی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری صفات حسنہ اور اعمال صالحہ کے بنیادی عنوانات یہی ہیں۔ اور یہ انہی کے امتزاج کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام کی زندگی ہر لحاظ سے مثالی اسلامی زندگی قرار پائی، اور اس میں وہ جامعیت، اعتدال اور ہمہ گیری آئی جو کہ اسلام کی اور مزاج نبوت کی بنیادی خصوصیات میں سے ہے۔

لیکن یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ زمانۂ نبوت سے جس قدر زمانی بعد بڑھتا گیا، مختلف اسباب کی بنا پر عام مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ بڑی حد تک دین کے ترجمانوں میں بھی ان عناصر اربعہ کا تناسب امتزاج مفقود ہوتا چلا گیا، اور ان کے مجموعہ سے جو مکمل اسلامی مزاج تشکیل پاتا ہے وہ قدرتی طور پر عام نظروں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔ کہیں اگر دعوت و جہاد کا اہتمام نظر آتا ہے تو ذکر و احسان کی صفات کی طرف توجہ کم نظر آتی ہے، کہیں اس کے برعکس ذکر کا چرچا ہے تو وہاں امت میں عمومی دعوت کی اہمیت کم دکھائی پڑتی ہے۔ کہیں علم کے مراکز ذکر کی صفات سے اور دعوت کی فکر سے خالی نظر آتے ہیں، کہیں خدمت کا وہ شعبہ جس کے تحت معاملات کی ساری تعلیمات آتی ہیں گلہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو ان شعبوں کو الگ الگ سنبھالنے والوں میں ایک دوسرے سے بے نیازی، اور باہم دوری بھی نظر آتی ہے۔

اہل علم و فہم میں سے جن حضرات کو حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری اور ان کے درد سے آشنائی نصیب ہوئی، وہ سب اس پر متفق ہیں کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ دین کے اس نبوی نظام تربیت کو امت میں پھر سے زندہ کیا جائے اور اس کے ان عناصر اربعہ کو حتی الامکان نبوی طریقہ ہی کے مطابق امت میں عام کیا جائے کہ ایک ایک مسلمان ان چاروں شعبوں کی کم سے کم ضروری مقدار حاصل کر سکے اور ان کے ذریعہ پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکے۔

آج ہماری دنیا میں بہت کم ایسی جگہیں ہوں گی جہاں کہ دعوت کا یہ نظام نہ پہونچا ہو، الحمد للہ کہ یہ مبارک آواز دنیا کے بیشتر ملکوں اور شہروں میں گونج رہی ہے۔ اور ہر طبقے کے لوگ جماعتوں کے ساتھ نکل کر اس بیک وقت اجتماعی و انفرادی نظام تربیت سے وابستہ ہو کر اپنی اصلاح کی سعی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو مقبول و مبارک فرمائے۔

دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ تبلیغ میں عملی طور پر محنت کرنے والے اکثر ہم عوام ہیں، اور اب کثرت کی وجہ سے ہم میں سے اکثر کو تبلیغ کے اکابر علماء کے ساتھ رہ کر اس کے مقاصد سمجھنے اور اصول و آداب سیکھنے کا موقع نہیں ملتا، جس کا نتیجہ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود اس نظام

تربیت کی بہت سی برکتوں سے خالی رہ جاتے ہیں۔ وہ سب بسا اوقات ہماری ناقص ترجمانی سے بات بالکل الٹا جاتی ہے۔ راقم سطور نے بارہا بعض اکابر سے سنا کہ تبلیغ کو خطرہ باہر والوں کی مخالفتوں سے نہیں بلکہ اندر والوں کی بے اصولیوں سے ہے۔ ناچیز راقم سطور کی طرح بہت سے لوگوں کو اس بات کی صداقت کا بچشم خود مشاہدہ بھی ہوا ہوگا۔

چونکہ ناظرین الفرقان میں سے کافی تعداد ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اپنی زندگیوں کو اس مبارک محنت کے لیے وقف کر رکھا ہے ان میں سے بعض اپنے علاقوں کے ذمہ دار بھی ہیں، اس لیے اس تمہید کے بعد ایک خط کے کچھ اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں، جو ایک صاحب علم تبلیغی بزرگ نے بعض کارکنوں کے نام حال ہی میں لکھا ہے۔

"........ یہ بات ضروری ہے کہ اپنی نقل و حرکت کے ساتھ ساتھ اس کام کی حقیقت اور اس کا طرز و طریق اور اس کے اصول و آداب سمجھنے کی کوشش بھی کرتے رہیں اور اپنے بزرگوں سے تحقیق بھی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور احادیث نبویہ سے مطابقت بھی کرتے رہیں تاکہ اس کام کو صرف تقلیدی طریقہ پر نہیں بلکہ اپنے قلبی انشراح اور بصیرت کے ساتھ کرنے والے ہوں۔ اور اس کام کی حکمت ہم پر کھلتی چلی جائے اور حکمت کے ساتھ ہمیں اس کا کرنا آ جائے تاکہ مسلمانوں کے عام طبقے کو بھی اور خاص کو بھی جو مختلف دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں اپنی حکمت اور اخلاق کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ کر سکیں........ اور تمام شعبے اس کے اندر داخل رہیں، نیز اپنے کو قلیل العلم سمجھنے کے ساتھ اپنی نادانی جانتے ہوئے حق تعالیٰ سے اس کی دعائیں بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو ہم پر کھول دے کیونکہ آج شیطان بہت آسانی کے ساتھ ہمیں اس بات پر مطمئن کر دیتا ہے کہ ہم اس کام کو سمجھ گئے........ ابھی تک تو ہمیں دعوت دینی بھی نہیں آئی اور اس کی حکمت اور بصیرت سے بھی واقفیت نہیں ہوئی جس کی وجہ سے بہت سے حضرات کو، خصوصاً کسی دینی شعبہ کو چلانے والے کے لیے ہمارا دعوت سے اور ہمارے بیانوں سے اعتراض پیدا ہو جاتے ہیں کہ گویا کہ ہم ان کے شعبوں کو ناقص سمجھ رہے ہیں یا ان کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ اگر ہمیں دعوت کا صحیح طرز آ جائے تو ہم ایک ہم کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ کر خود بھی قریب ہوگا اور ہمیں

اپنے سے قریب کرلے گا۔

مثلاً جب ہم دعوت کی صفت کو اور اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں تو کبھی علم والوں کے شعبے (یعنی مدارس) پر اس طرح فوقیت دیتے ہیں گویا کہ وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اور کبھی ذکر والوں کے مقابلے میں، جیسا کہ بہت سے واعظین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت دوسرے انبیاء کے مقابلے میں اس طرح بیان کرنے لگتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کی تنقیص لازم آنے لگتی ہے۔ اور ان کا یہ طرز بیان دین کے لیے بہت خطرناک ہے۔ ایسے ہی ہمارا طرز بیان کبھی خطرناک ہو جاتا ہے۔

طریقہ بیان یہ ہونا چاہیئے کہ پہلے علم کے خوب فضائل بیان کریں اور علم والوں کے درجات بیان کریں جو آیات قرآنی اور احادیث میں آئے ہیں۔ اور اتنا بیان کریں کہ خود ہمارا دل علم اور علم والوں کی عظمت و محبت سے بھر جائے۔ اس نسبت سے کہ یہ علم حق تعالیٰ کی صفت ہے، اور ہم اپنے کو علم اور علم والوں کا محتاج سمجھیں، پھر یہ کہیں کہ یہ علم امت کے ہر ہر فرد میں بقدر اس کی احتیاج اور ضرورت کے کیسے جائے؟ اس کے لیے یہ محنت ہے! ۔ اگر اہل علم اس محنت کو کرتے ہوئے علم کی اشاعت کریں تو امت کا کوئی فرد ایسا جاہل نہ رہے کہ اس کو اس کی ضرورت کے بقدر علم نہ پہونچا ہو، عورت ہو یا مرد ہر ایک اس کا محتاج ہے، اس لیے ہم اس محنت میں اہل علم کے زیادہ محتاج ہیں۔

ایسے ہی ذکر اللہ کی اور ذکر والوں کی خوب اہمیت بیان کریں جو قرآن و حدیث میں آئی ہے۔ اور اس قدر ذوق و شوق کے ساتھ ہم بیان کرنے والے ہوں کہ ہمارا قلب ذکر کی عظمت اور ذکر والوں کے احترام سے بھرپور ہو جائے۔ اور متاثر ہو جائے۔ اور پھر یہ بیان کریں کہ امت کا ہر فرد ذکر کا محتاج ہے عورت ہو یا مرد، ان میں پھیلانے کے لیے ہم ذکر والوں کے محتاج ہیں۔ بیان میں ایک نمبر کو دوسرے نمبر کا (ایک صفت کو دوسری صفت کا) مقابل نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ مقابلے سے تنقیص کا شائبہ آجاتا ہے۔ بلکہ معاون قرار دیا جائے۔ کیونکہ دین کے تمام شعبے ایسے ہی ہیں جیسے انسان کے اعضاء و جوارح، آنکھ سے دیکھنے کا کام، زبان سے بولنے کا کام، ہاتھ سے پکڑنے، کانوں سے سننے، پیروں سے چلنے، دماغ سے سوچنے ...... یہ سارے

انسان کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ایک عضو میں کمزوری ہوگی یا نقص ہوگا تو اس سے تمام جسم کو تکلیف ہوگی اور چیزوں سے استفادہ میں نقصان ہوگا۔ ان سب اعضاء کی سخت ضرورت ہے۔ یہ سب اعضاء ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ مقابل نہیں ہیں۔ اسی طرح سے اللہ کا ذکر، اور علم، اور عبادت اور خدمت اور معاملات اور قضاء...... سب ایک دوسرے کے معاون ہیں مقابل نہیں ہیں۔ معاون ہونے ہی کی وجہ سے دین مکمل ہوتا ہے۔ دعوت تو صرف ان تمام شعبوں کو دنیا میں پھیلانے اور عام کرنے ہی کے لیے ہے، مقصود بالذات اور موقوف علیہ میں فرق جاننے کے لیے پہلے محنت کرنی ہے، جیسے اللہ کے ذکر اور علم اور احکامات عبادات وغیرہ میں مقصود بالذات کیا ہے؟ وہ صرف اللہ کی رضا ہے! ـــــ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا ان شعبوں میں چلنے سے حاصل ہوتی ہے گویا کہ یہ شعبے مقصود بالذات یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے موقوف علیہ ہیں۔ اور ان شعبوں کے لیے موقوف علیہ دعوت ہے۔ بغیر دعوت یہ شعبے دنیا میں قائم نہیں ہو سکتے۔ اس لیے موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے اول محنت اور دعوت ہے۔ اس سے پھر یہ تمام شعبے وجود میں آتے ہیں۔ اور جب دینی شعبے اپنے صحیح معیار، مرتبہ اور حقیقت پر وجود میں آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی کامل رضا جو مقصود بالذات ہے حاصل ہوتی ہے۔

اگر دعوت میں ضعف یا نقص ہوگا تو اس کا اثر تمام دینی شعبوں پر پڑے گا۔ اور شعبوں سے اس کا اثر حصول رضا پر آئے گا۔ کہ کمزوری یا نقص کے ساتھ شعبوں میں چلنے والا اللہ تعالیٰ کی کامل رضا حاصل نہیں کر سکے گا۔

اس کی حسی مثال اس سے سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا میں ایک پھل ہے ایک پھل کے لیے درخت ہیں، ایک درختوں کے لیے زمین ہے۔ مقصود بالذات نہ درخت ہے نہ زمین، بلکہ پھل ہے۔ لیکن پھل کے لیے موقوف علیہ درخت ہے کہ بغیر درختوں کے پھل کا وجود نہیں ہوتا گو حق تعالیٰ اس پر قادر ہیں مگر اسباب دنیا سے انسان کو مربوط کیا ہے۔ اور درخت بغیر زمین کے نہیں پائے جاتے، لیکن اگر زمین میں استعداد کمزور ہے تو اس کا اثر درختوں پر پڑے گا۔ اور درختوں کی کمزوری کا اثر پھل پر۔

اس لیے مقصود بالذات ہر وقت ہماری نگاہ کے سامنے رہنا چاہیئے، اور نصب العین یہ رہے

کہ اللہ تعالیٰ کو کامل طریقہ سے راضی کرنے کا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو رہا ہو۔ اور یہ یقین ہو کہ وہ اپنے اوامر کے بجالانے ہی سے راضی ہوتے ہیں ـــــ اور یہ اللہ کا ذکر اور علم اوامر خداوندی کو مع عظمت اور وقعت کے بجالانے ہی کے لیے ہیں۔ آمر کی عظمت اوامر کی عظمت سے پہلے ہے ـــــ ورنہ اوامر کا بجالانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے احکامات اسی قدر رعیت میں جاری ہو سکتے ہیں جس قدر کہ بادشاہ کا دبدبہ، اس کی عظمت اور اس کی محبت دلوں میں ہو گی۔"

فی الحال اس طویل خط کا صرف اتنا ہی اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے۔ اللہ کرے کہ ہم اس کی اور خیر و حکمت کی ہر بات کی صحیح قدر کریں۔ اور اس کی روشنی میں اس کی امکانی کوشش کریں کہ ہم جو کام کریں اس کے صحیح نہج کے مطابق کریں تاکہ اس کی حقیقی برکتوں سے فیضیاب ہوں ـــــ صرف ایک دفعہ پڑھ لینا اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ بار بار ان اصولوں کے مذاکرے کیے جائیں اور اپنا اور اپنے کاموں کا اور اپنی باتوں کا ان کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا رہے ـــــ اس خط کے کچھ اور اقتباسات آئندہ پیش خدمت کرنے کی نیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اتمام عمل اور اخلاص نیت کی دولت بخشے۔!

تبلیغی جماعت اور اس کے کام سے متعلق

حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ کی اپنے متعلقین اور عامہ مومنین کو ہدایت و نصیحت

[حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی خانقاہ کے ماہنامہ "وصیۃ العرفان (الٰہ آباد)" میں، حضرت کے مسترشد مولانا جامی کے قلم سے "حالات مصلح الامہ" کے عنوان سے ایک مضمون مسلسل شائع ہو رہا ہے، اسی سلسلہ میں حضرتؒ کے وہ مکاتیب اور ارشادات بھی نقل ہوئے ہیں جن میں حضرت نے بعض ایسے حضرات کے سوال کے جواب میں جن کا حضرت سے اصلاحی اور تربیتی تعلق تھا اُن کے مخصوص حالات کا لحاظ فرماتے ہوئے تبلیغی جماعت کے کام میں اُن کی شرکت کو پسند فرمایا اور اجازت دی، یا پسند نہیں فرمایا اور اجازت نہیں دی۔ (اور بلاشبہ مصلح اور مربی کا یہ حق بلکہ فرض بھی ہے کہ جس مسترشد کے لیے جو راہ عمل مناسب اور مفید سمجھے تجویز کرے)۔

"وصیۃ العرفان" کے تازہ شمارے (بابت جون میں) بھی اس موضوع سے متعلق چند جوابات ہیں —— آخر میں صفحہ ۴۳ پر اسی سلسلہ میں حضرت کی ایک اہم ہدایت اور نصیحت نقل کی گئی ہے وہی ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔]

الدّین النّصیحۃ

(ہدایت مصلح الامہ برائے متعلقین و متبعین خصوصاً و عامۃ المومنین عموماً)

مجھے مختلف مقامات سے اور معتبر ذرائع سے یہ بات پہنچی ہے کہ کہیں لوگ اس وقت تبلیغی جماعت سے کچھ الجھ رہے ہیں ایک دینی کام کو نہ خود ہی (اپنے طور پر سہی) انجام دیتے ہیں اور نہ دوسرے ہی لوگوں کو کرنے دیتے ہیں بلکہ طرح طرح سے ان کے کام میں روڑا اٹکاتے ہیں، میں اس کو نہایت ہی برا سمجھتا ہوں کہ آدمی نہ تو خود کام کرے نہ دوسرے کو کرنے دے بلکہ کام کرنے والوں پر اعتراضات کی اس قدر بھرمار کرے کہ وہ ان سے گھبرا کر اس کام ہی کو ترک کر دیں۔

اس زمانہ میں دینی کام کرنے کی جسقدر ضرورت ہے ظاہر ہے، اور اس کے لیے کس قدر زیادہ کام کرنے والوں کی حاجت ہے یہ بھی مخفی نہیں ہے، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ایسے ضرور رہیں گے جو اس کے دین کی خدمت اور اس کی حفاظت دل و جان سے کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ایک ہی مقصد کے لیے طریق کار مختلف ہوں چنانچہ اس زمانے میں بھی علمائے اہل حق کثر اللہ مساعیہم اپنے اپنے صوابدید کے موافق دینی جدوجہد فرما رہے ہیں۔

اب اگر کسی کو کسی خاص طریقہ کار سے کچھ اختلاف ہو تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ تو کر سکتا ہے کہ اپنے طریقے اور ہمت کے مطابق کام کرے لیکن دوسرے دینی کام کرنے والوں کی بھی ہمت افزائی، نصرت اور اُن کے لیے دعائے خیر کرنا ضروری ہے اور اگر ان کے کسی تسامح پر مطلع ہو تو بطور نصیحت و خیر خواہی کے نرمی سے اس کو سمجھا دے نہ یہ کہ اس جماعت ہی پر لعن طعن شروع کر دے اور بعض افراد یا عوام کی بدسلیقگی کی وجہ سے جماعت کے اکابر کو بھی مورد الزام قرار دینے لگے۔ میں اس کو نہایت ناپسند کرتا ہوں اور اس زمانے میں اس کو بھی مسلمانوں کی تفریق کا موجب سمجھتا ہوں اور یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے۔

(بشکریہ وصیۃ العرفان الہ آباد)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ایک ضروری وضاحتی بیان

جماعت اسلامی ہند کے سرکاری ترجمان "دعوت" دہلی کے ۱۲ جون کے شمارہ میں میری اس گفتگو کی رپورٹ شائع ہوئی ہو جو یکم مئی ۱۹۹۰ء کو رانچی کے دفتر جماعت اسلامی میں کی گئی تھی، اس کے بعد اس کے متعلق آنے والے متعدد خطوط سے اندازہ ہوا کہ اس سے بہت سی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں، لہذا میں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے بارے میں میرا مسلک وہی ہے جس کی تفصیل سے میں نے اپنی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح" میں وضاحت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی بنیاد مولانا مودودی مرحوم کے افکار و خیالات پر ہے، اور ان کے تصور دین کی بنیاد وہ ہے جسے انھوں نے "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" نامی اپنی تصنیف میں بیان کیا ہے، میں اصولی طور پر اس تصور دین کو صحیح نہیں سمجھتا اور میرے نزدیک اس سے دین کا نصب العین اور امت کا رخ بدل جاتا ہے۔

میں نے یہ رائے غور و فکر، بحث و تحقیق، احساس ذمہ داری اور بارگاہ الٰہی سے رہنمائی کی دعا اور خیر طلبی کے بعد قائم کی ہے جو ایسی ذمہ دارانہ شہادت اور اقدام کے لیے ضروری ہے، نیز میں نے اس کو اپنی مذکورہ کتاب کے علاوہ رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ کتاب کے مقدمہ میں بھی واضح کردیا ہے۔

اگر کوئی میری اس گفتگو سے جس کے بعض ضروری اجزاء شائع نہیں ہوئے ہیں۔ اس کے خلاف نتیجہ اخذ کرے یا میں نے خود کوئی ایسی تعبیر استعمال کی ہو جس سے کہ میری اس رائے کے خلاف کوئی مفہوم نکلتا ہو تو اس کو سامعین کے مفہوم کو صحیح طور پر ادا نہ کرنے یا متکلم کے اپنے مافی الضمیر کے ادا کرنے میں کوتاہی پر محمول کیا جائے جس سے بشریت کی بنا پر مبرا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے اصل مسلک کی دوبارہ وضاحت کے لیے، ندوۃ العلماء کے ترجمان "تعمیر حیات" کے ایک مفصل انٹرویو میں جس میں مختلف مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اس مسئلہ پر بھی ایک وضاحتی بیان شائع ہو رہا ہے، قارئین جس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وفیات

(۱) مولانا احتشام الحق تھانوی (کراچی)

غالباً اکثر ناظرین کو اخبارات یا دوسرے ذرائع سے مولانا موصوف کے حادثۂ رحلت کا علم ہو چکا ہوگا ــــــ مولانا مرحوم حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بھانجے تھے، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں تھے، اللہ تعالیٰ نے بیان و تقریر پر بہت اچھی قدرت دی تھی۔ ملک کی تقسیم سے پہلے مدت تک نئی دہلی کی جامع مسجد میں (جو پارلیمنٹ کے قریب ہی) جمعہ کی امامت و خطابت بھی فرماتے تھے اور درسِ قرآن کا سلسلہ بھی تھا ـــ تحریک پاکستان کے پرجوش حامیوں میں تھے، قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو گئے، پاکستان کے ابتدائی دور کے ارباب حکومت مرحوم مسٹر ناظم الدین اور لیاقت علی خاں وغیرہ سے اُن کے گہرے تعلقات تھے۔ مدتوں تک پاکستان ریڈیو پر صبح کو ان کا درس قرآن ہوتا تھا ــــ پھر حکومتوں کی تبدیلی کے ساتھ حالات بدلتے رہے تاہم پاکستان کے طبقہ علماء میں ان کا ایک خاص مقام تھا ــــ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کے ارادہ سے ہندوستان تشریف لائے تھے لیکن کچھ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے سفر میں تاخیر ہوئی اور اجلاس ختم ہونے کے بعد دیوبند پہنچ سکے۔ مدراس سے بھی اُن کو سیرت پر تقریر کرنے کی دعوت دی گئی تھی، پروگرام کے مطابق وہاں تشریف لے گئے وہیں قلبی دورہ پڑا اور حکم الٰہی سے زندگی کا روشن چراغ گل ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ــــ پاکستانی سفارت خانہ کے اہتمام سے اُن کا جسد خاکی ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی منتقل ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے۔

(۲) شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں (راولپنڈی)

جس طرح حدیث شریف کے خاص اساتذہ کو شیخ الحدیث کہا جاتا ہے، اسی طرح قرآن مجید سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے مولانا موصوف کو شیخ القرآن کہا جاتا تھا ــــ قرآن پاک کا درس اور خاص کر اُس کی دعوتِ توحید کی تشریح و تبلیغ گویا ان کی روح کی غذا تھی۔ عارف باللہ حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (میانوالی) سے اُن کا بیعت سلوک کا بھی تعلق تھا اور فہم قرآن میں بھی اُن سے خصوصی استفادہ کیا تھا۔ توحید خالص کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں وہ اپنے شیخ اور استاذ قرآن حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحبؒ کی طرح اس دور کے شاہ اسماعیل شہید تھے۔

اب سے قریباً دو مہینے پہلے اس عاجز کو ان کا گرامی نامہ ملا تھا جو کراچی سے لکھا گیا تھا، میری ایک کتاب کے بارہ میں اپنی انتہائی مسرت کا اظہار کرنے کے ساتھ اطلاع دی تھی کہ میں عمرہ کی نیت سے حجاز مقدس روانہ ہو رہا ہوں ــــ چند ہی روز کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے ایک گرامی نامہ سے ان کا مدینہ منورہ پہنچنا بھی معلوم ہوا ــــ اس کے بعد آخر رجب میں میرے لڑکے مولوی خلیل الرحمان سجاد سلمہ مدینہ منورہ سے آئے تو انھوں نے مولانا موصوف کا سلام بھی پہنچایا اور ساتھ ہی یہ اطلاع بھی دی کہ اسی سفر میں مولانا بمبئی بھی تشریف لے گئے تھے وہیں قلبی دورہ پڑا اور جاں بحق ہو گئے ــــ اُن کا بھی جسد خاکی ہوائی جہاز سے راولپنڈی منتقل ہوا اور وہیں تدفین ہوئی ــــ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔ **

** ناظرین کرام سے بھی استدعا ہے کہ مرحومین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا فرمائیں۔

رمضان المبارک کے مبارک موقع پر

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی عام خریداروں کے لیے خصوصی رعایت ۱۵ اگست تک موصول ہونے والے اپنی مطبوعات کے ہر آرڈر پر ۲۰ فیصد اور دیگر اداروں کی مطبوعات پر ۱۰ فیصد رعایت دی جائے گی۔ اپنی مطبوعات کے بعد کمیشن -/۱۵۰ روپے کے ہر آرڈر پر ۲۵ فیصد اور دوسروں کی مطبوعات پر ۱۵ فیصد رعایت دی جائے گی۔

ہماری مطبوعات

مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز تالیفات

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور بیحد دلنشین اور پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ نیا ایڈیشن بہترین کتابت و اعلیٰ طباعت سے مزین قیمت -/۶

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

نیا ایڈیشن اعلیٰ طباعت کے ساتھ۔ قیمت -/۸

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور رواں ترجمہ و تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ

۲۰×۳۰ سائز پر سبز خوبصورت گردپوش سے مزین -/۱۳

معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امت کے لیے ہدایت کا خاص سامان ہے۔ مکمل ۶ جلدیں۔

غیر مجلد -/۸۵ (مجلد کے لیے -/۳ فی جلد مزید)

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف، تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔ قیمت -/۵

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات، آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات

قیمت مجلد -/۱۲

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرتؒ کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح سے جان اور سمجھ سکتے ہیں۔
قیمت ۴/۵۰

کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ایمان افروز تشریح۔ قیمت ۱/۵۰

نماز کی حقیقت

نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔ قیمت -/۳

برکات رمضان

ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت موثر اور شوق انگیز بیان۔

قیمت ۲/۵۰

تبلیغی تقریریں

مولانا نعمانی مدظلہ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت -/۷

آپ کون ہیں کیا ہیں؟ ——— اور آپ کی منزل کیا ہے؟

مولانا نعمانی کی ایک تقریر جس میں دینی مدارس کے طلباء کے لیے ایک جامع پیغام ہے۔ قیمت ۱/۲۵

میری طالب علمی

مولانا موصوف نے اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات بیان کیے ہیں۔ قیمت ۱/۲۵

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علمائے حق پر اسکے اثرات

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف ان کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈے اور اس کے علمائے حق پر اثرات نیز انکشاف حقیقت کے بعد شیخ محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔ قیمت -/۵

قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟

رد قادیانیت پر لاجواب کتاب جو عام و خاص سب کے لیے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت -/۲

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ دریا بکوزہ کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔
قیمت -/۱

بوارق الغیب

"علم غیب نبویؐ" کی تردید میں مولانا نعمانی مدظلہ کی معرکۃ الآرا محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت -/۱۰

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علمائے دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ ۳/۵۰

شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے کردہ الزامات کا تسلی بخش اور مدلل جواب۔ قیمت -/۳

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف

اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے ــــ جس میں مولانا موصوف نے (جو کہ "جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشان دہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص اُن کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔

قیمت -/۹

تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات

اس کتاب میں درج ذیل پانچ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت، بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی۔ آئی۔ ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انھوں نے اپنا یہ تاثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی تجدید کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔ (۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب۔ (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔　　قیمت صرف -/۳

دیگر مصنفین کرام کی گراں قدر تصانیف

تجلیات ربانی

تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانی

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانی کے ان مکتوبات میں جو ایمان و تصوف، تعمیر باطن، سنت و بدعت میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین و ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے۔

جلد اول -/۱۳/۵۰　جلد دوم -/۱۱/۵۰

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ذخیرہ۔ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے پورے دور کا آئینہ دار ہے۔ آخر میں شاہ ہند عالمگیرؒ کا مختصر تذکرہ بھی شامل کتاب ہے۔　قیمت -/۹

تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان

مرتبہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ، ان کے دونوں صاحبزادگان خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبد اللہ۔ اور اکابر خلفاء تاج العارفین شیخ تاج سنبھلی، خواجہ الہ داد، خواجہ ابرار، شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، صفات و امتیازات اور کارناموں کی تفصیل قیمت -/۶

صحبتے با اہل دل

مرتبہ: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کی روحانی و اصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ۔ جن میں زندگی کی اصلاح، [illegible] ایمان و یقین اور کیفیت احسانی پیدا کرنے کا وافر سامان ہے۔　قیمت -/۱۰

قرآن مجید، حمائلیں اور پارے و قاعدے

کتاب	قیمت
قرآن مجید حوالہ ۳ فرقانی $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۸}$ مجلد چرمی	۳۰/
قرآن مجید ۳ سائز $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۸}$ (مجلد، ریگزین)	۲۸/-
قرآن مجید ۶۲ $\frac{۲۶ \times ۲۰}{۸}$ سائز ۴۴۴ صفحات	۱۴/-
قرآن مجید ۱۸۸ سائز $\frac{۲۶ \times ۲۰}{۸}$ مجلد ریگزین	۱۲/-
قرآن مجید ۵۳ $\frac{۲۶ \times ۲۰}{۸}$ سائز ۵۵۰ صفحات	۱۴/-
قرآن مجید حافظی ۱۲۶ سائز $\frac{۲۶ \times ۲۰}{۸}$	۲۲/-
اشرفی قرآن مجید مترجم ۱۸ ترجمہ و تفسیر اختصار شدہ بیان القرآن از حکیم الامت حضرت تھانوی	۳۷/-
حمائل شریف ۲۳ عکسی ۵۲۸ صفحات، سائز $\frac{۳۰ \times ۲۲}{۱۶}$	۲۰/-
پارۂ عم خورد کلاں	-/۴۰
پارہ الم " "	-/۴۰
پارہ سیقول " "	-/۶۰
پارہ تلک الرسل " "	-/۶۰
پارہ لن تنالوا "	-/۴۰
یسرنا القرآن	۱/
قاعدہ بغدادی	-/۴۰

تفاسیر قرآن اور علوم قرآنی

کتاب	قیمت
تفسیر حقانی مکمل مجلد	۱۷۵/-
تفسیر بیان القرآن مکمل غیر مجلد	۱۵۰/-
تفسیر ماجدی تا پارہ ۱۱	۴۰/-
تفسیر مظہری اول تا دہم	۲۸۵/-
" " آخری جلد پارہ ۲۹، ۳۰	۱۵/-
تفسیر رشیدی	۴/-
فضائل قرآن	۱/۷۵
لغات القرآن	۷۵/-
تیسیر القرآن	۱۰/-
مفتاح القرآن مکمل دو حصے	۸/۷۵
التفسیر البیضاوی (عربی)	۱۵/-
تدبر قرآن	۳۲/-
ارض القرآن مکمل	۴۴/-

حدیث و علوم حدیث

کتاب	قیمت
ایضاح البخاری (تا ۱۳ قسط)	۶۵/
تجرید بخاری اردو	۲۵/
صحیح مسلم اردو	۲۰/
ترمذی شریف اردو	۲۵/
ترجمان السنہ مکمل	۱۰۰/-
شمائل ترمذی مع خصائل نبوی	۲۱/-
تفہیم البخاری مکمل	۳۰۰/-
مسند امام اعظم	۲۰/-
تقریر بخاری اول ۱۲/۵۰ دوم ۱۳/۵۰	
زاد سفر اول ۱۵/- دوم ۲۰/-	

فقہ و فتاویٰ

کتاب	قیمت
فتاویٰ رحیمیہ اول	۲۰/-
" " دوم	۲۰/-
" " سوم	۲۰/-
جواہر الفقہ اول	۲۵/-
" " دوم	۲۵/-
فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل	۲۰۰/-
اسلامی فقہ مکمل	۲۵/-
تاریخ علم فقہ	۵/-
فتاویٰ فرنگی محل	۱۰/-

مسئلے مسائل

کتاب	قیمت
بہشتی زیور	۱۵/-
حیرۃ الفقہ	۱/۵۰
ارکان اسلام	۴/-
معاشرتی مسائل	۱۲/-
احسن المسائل	۱۵/-
اعتکاف فضائل مسائل	۱/۵۰
رویت ہلال کے بارے میں	
ریڈیو اور ٹیلی فون کا شرعی حکم	۱/۵۰

فضائل و مسائل رمضان

کتاب	قیمت
برکات رمضان	۲/۵۰
فضائل رمضان	۱/۵۰
رمضان اور اس کے روزے	۱/-
کتاب الصوم (معارف الحدیث چہارم)	۱۵/-

سیرت نبوی ؐ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبی مکمل	۱۶۸/-
اسوۂ حسنہ	۵/-
نبی رحمت ؐ	۳۰/-
پیغمبر عالم ؐ	۱۲/-
پہلی تقریر سیرت	۴/-
دوسری تقریر سیرت	۶/۵۰
رسول اکرم ؐ کی سیاسی زندگی	۱۸/-
شمائل ترمذی	۱۸/-
رسالت مآب ؐ	۳۰/-
رحمت عالم ؐ	۵/-
سیرۃ طیبہ	۱۰/-
محسن عالم ؐ	۱/۵۰
وفات النبی ؐ	۳/۵۰
ہمارے حضور	۲/-
کاروان مدینہ	۱۲/-
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب	۹/-
پیغمبر اسلام	۱/۷۵
پیغمبر انسانیت	-/۷۵
رسول عربی	۲/۵۰
نعرۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ	۳/-
رسول اکرم ؐ	۳/-
سیرت محمدی دعاؤں کے آئینہ میں	۱/-

سیر و سوانح

کتاب	قیمت
الفاروق	۲۰/-
المامون	۱۰/-
الغزالی	۱۰/-
حکمائے اسلام اول -/۲۰ دوم	۱۴/-
خلفائے راشدین	۱۵/-
سیرت عمر بن عبد العزیز	۸/-
مولانا حبیب حسن خاں	۳/-
امت مسلمہ کی مائیں	۳/۲۵
الانور	۴۰/-
تابعین	۲۰/-
تبع تابعین	۲۰/-
رسول اللہ ؐ کی صاحبزادیاں	۳/۷۵
چار ستارے	۶/-
سوانح مولانا یوسف ؒ	۱۵/-
حیات خلیل	۳۰/-
سیرت سید احمد شہید ؒ	۴۰/-
صحابہ کی انقلابی جماعت	۳/۵۰
مولانا عبد الماجد حیات و خدمات	۵/-
صدیار جنگ	۱۵/-
پرانے چراغ	۱۸/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل	۵۲/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۴/-

تذکرے

کتاب	قیمت
تذکرۃ الخلیل	۱۸/-
تذکرہ شاہ اسمعیل شہید ؒ	۱/۵۰
تذکرہ خواجہ باقی باللہ ؒ	۶/-
تذکرہ مجدد الف ثانی ؒ	۱۳/-
تذکرہ مولانا فضل رحمان ؒ	۴/-
تذکرہ مولانا اویس ندوی	۱۰/-
تین تذکرے	۱۲/-
تذکرہ امام مسلم	۱/۲۵

تاریخی کتابیں

کتاب	قیمت
اسلام اور مغربی تمدن	۱۴/۵۰
اسلام کا سیاسی نظام	۱۲/-
اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں	۲۰/-
بزم تیموریہ	۱۸/-
بزم مملوکیہ	۱۴/-
بزم صوفیہ	۲۵/-
تاریخ اسلام مکمل (از شاہ معین الدین صاحب)	۶۹/-
تاریخ اسلام (اکبر شاہ نجیب آبادی)	۹۰/-
خلافت راشدہ کا انعقاد و اجراء	۹۲/-
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	۱۰/-
تاریخ اندلس	۱۹/-

نعتیہ مجموعے اور دعائیں

کتاب	قیمت
بادۂ وحدت	۱/-
حمد باری	-/۷۵
تجلیات	۵/-
کلید باب رحمت	۱/۲۵
بزم رحمت	۱/۲۵
سرور جاوداں	۵/-
ظہور قدسی	۱/۲۵
مدینہ کی گلیاں	۱/۲۵
منتخب سلام	۱/۲۵
نور یزداں	۱/۲۵
رسول اللہ ﷺ کی نعتیں و سلام	۲/۵۰
زمزمۂ نعت	۱/-
گلزار مدینہ	-/۶۰
شان حضورؐ	-/۵۰
عقیدت کے پھول	-/۶۰
شمع رسالت	-/۴۰
عرش	۱/-
گلدستۂ نعت	۱/-
مسنون دعائیں	۱/۷۵
مسنون و مقبول دعائیں	۲/۲۵
دعائیں (مولانا علی میاں)	۱/۵۰
صبح و شام کی دعائیں	۱/-
مسنون دعائیں (انگریزی)	۷/-
الحزب الاعظم (")	۱۱/-

رد شرک و بدعت

کتاب	قیمت
انگشت بوسی سے بُت بوسی تک	۲/۵۰
اصلاح المسلمین	۱/۷۵
اغلاط العوام	۲/۵۰
اسلام اور کفر کی حقیقت	۸/-
اصلاح الرسوم	۴/-
تحریک وہابیت پر ایک نظر	-/۷۵
بہار تحریر و بدعات مروجہ	-/۳۰
چراغ سنت	۴/-
بدعت کیا ہے؟	۹/۵۰
بدعت کی باتیں	۱۰/-
باطل شکن	۳/-
گلدستہ توحید	۳/۵۰
وہابی کی پہچان	-/۳۰
اظہار حقیقت	۱/-
دیوبند سے بریلی تک	۱۰/-
زلزلہ در زلزلہ	۶/۵۰
گناہ بے لذت	۱/۸۰
بریلوی فتنہ کا نیا روپ	۷/-
شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات	۳/-
فیصلہ کن مناظرہ	۳/۵۰
بوارق الغیب	۱/۲
حق نما	-/۸۰
بلاغ المبین	۷/۵۰

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی کچھ گرانقدر تصانیف

کتاب	قیمت
نبی رحمت	۳۰/-
سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل	۴۰/-
نقوش اقبال	۱۴/-
کاروان مدینہ	۱۲/-
ارکان اربعہ	۱۵/-
پرانے چراغ	۱۸/-
دریائے کابل سے یرموک تک	۱۴/-
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں	۶/-
مذہب و تمدن	۷/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل	۵۲/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/-
دو ہفتہ مغرب اقصیٰ مراکش میں	۶/-
مشرق اوسط کی ڈائری	۱۵/-
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں	۷/-
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح	۶/-
معرکۂ ایمان و مادیت	۶/-
ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں	۵/-
تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ	۳/۵۰
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	۱۲/-
پاجا سراغ زندگی	۱۳/-
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب	۶/-
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک	۱۰/-

مختلف موضوعات پر اہم کتابیں

کتاب	قیمت
آپ تقریر کیسے کریں اول	۲/۵۰
〃 〃 دوم	۲/-
ام الامراض	۳/-
احکام الصلوٰۃ	۵/-
اصلاحی تقریریں	۳/-
اکابر کا سلوک و احسان	۳/-
اسلامی نام	-/۵۰
امت کے لیے لمحۂ فکریہ	-/۷۵
اولاد کا حق	۱/-
اعتکاف	۱/۵۰
ایکسرے رپورٹ	۱/۵۰
بیان اللسان	۳۰/-
بنیادی قرآنی تعلیم	۸/-
پردے کے شرعی احکام	۲/۵۰
پڑوسی کے حقوق	-/۴۰
تاجدار مدینہ کی شہزادیاں	۳/-
تبلیغی چالیس سبق	-/۵۰
تعلیم الدین	۵/-
حیات فخر الاسلام	۶/-
حیات امام ابوداؤد سجستانی	۲/-
حقوق الاسلام ۵۰/- مذاہب اربعہ	۶/۵۰
تمدن اسلام کی کہانی	۱/۵۰
مذہب اور سائنس	۱۲/-
حقوق والدین	-/۷۵
حضرات انبیاء کرام اور صحابۂ عظام مودودی صاحب کی نظر میں	-/۷۵
خلاصہ تسہیل قصد السبیل	-/۵۰
دین فطرت کا چیلنج	۳/۵۰
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے	۴/-
وعظ بے نظیر	۶/-
عربی بول چال (عربی، اردو، انگریزی) اول ۶/- دوم	۱۲/-
۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ	۶/-
احکام المیت	-/۴۰
تسہیل الصرف اول	۴/۵۰
〃 〃 دوم	۲/-
تسہیل المنطق	۲/-
روضۃ الصالحین	۵/-
فن اسماء الرجال	۲/۵
کلام صوفی	۲۵/-
مخزن اخلاق	۲۴/-
گلشن اشراق	۱۰/-
مفاوضات رشیدیہ	۳/۵۰
عربی میں نعتیہ کلام	۱۰/
حسن معاشرت	۳/۵۰
اللہ نور السمٰوات والارض	۳۰/-
روداد چمن	۱۵/-
نزہۃ الناظرین	۱۴/-
مولانا محمد احسن نانوتوی	۹/-
تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ	۴/-
اعمال قرآنی	۴/۵۰
اسلام کی بہادر بیٹیاں	۴/-
اسلام کی باتیں	۴/-
اسلام کا عالمگیر پیغام	۵/-
ایمان کی باتیں	۵/-
دوزخ کا کھٹکا	۴/۵۰
حقیقۃ البیعت	۲/-
جنت کی کنجی	۷/-
جنت کی ضمانت	۳/-
تعلیم الدین	۲/۵۰
رسول اللہ کے معجزات	۴/-
ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی	۳/-
وفات النبی	۳/۵۰
مسنون دعائیں	۱/۷۵
مسنون مقبول دعائیں	۲/۲۵
معلم القرآن	۱/۲۵
مفتاح القرآن مکمل	۸/۷۵
مسئلہ تعدد ازدواج	۱/۲۵
آپ بیتی کی روشنی میں: دعوت بے نقاب	۶/-

کتاب	قیمت
تبلیغی نصاب اول	۱۴/-
" " دوم	۲۳/-
فضائل ذکر	۵/-
فضائل تبلیغ	۱/۲۵
فضائل رمضان	۱/۵۰
فضائل قرآن مجید	۱/۷۵
فضائل درود شریف	۳/۵۰
فضائل نماز	۲/۵۰
فضائل حج	۶/-
ارکان اسلام	۴/۵۰
حل المشکلات	۳/-
میری نماز	۳/۲۵
میدان حشر	۴/۲۵
مسلمان خاوند	۳/۵۰
مرنے کے بعد کیا ہوگا	۸/۵۰
عورتوں کی نماز	۱/۷۵
حکایات صحابہ	۵/-
تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات	۷/-
تبلیغی سات نمبر	۳/۲۵
مسلمان بیوی	۳/۵۰
حضرت جی کی یادگار تقریریں	۳/۵۰
بہشتی زیور (ہندی)	۱۵/-
اسلام میں پردے کی حقیقت	۱/۷۵

کتاب	قیمت
اصلاح معاشرت	۱/۲۵
اصلاح انقلاب	۱/۷۵
تبلیغی تقریریں	۱/۷۵
جنت کا ٹکٹ	۳/-
کچھ باتیں	[illegible]
خدا کا ذکر	۲/۵۰
خدا کی جنت	۲/۷۵
مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل	۱/۷۵
یتیم کا راج	-/۷۵
خطبات ماجد	۱۰/-
وفیات ماجد	۱۵/-
المنجد (عربی اردو ڈکشنری)	۷۵/-
نماز اور دیگر ضروری مسائل	۱/۵۰
نماز مترجم	-/۶۰
نفحۂ عنبریہ	۲/-
نماز کیا ہے؟	-/۵۰
وجدان حافظ	۳/۵۰
قرآن اور حدیث	۴/۵۰
زلزلۂ قیامت	۳/-
عقلیات اسلام	۲/-
تعمیر ملت	۲/-
تبلیغی نصاب (ہندی)	۳۵/-

کتاب	قیمت
اسلام دین فطرت	۲/-
تاریخ کا سبق	۲/-
دین کیا ہے؟	۱/۵۰
تجدید دین	۲/-
[illegible] دشید	۶/-
قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	۳/-
شریعت اور طریقت	۱۵/-
گوہرین نامہ	۲/-
مجموعہ خطبات ماثورہ	۲/-
خطبۂ شہید	۱/۵۰
حمد باری	-/۶۰
فوائد مکیہ	۱/-
بلوغ المرام	۸/-
شہید اعظم	۴/-
عقائد الاسلام	۹/۷۵
فضائل نکاح	۱/۵۰
فضائل اخلاق و اخلاص	۱/۷۵
فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان	۲/-
گوہر علم جوہر سیرت	۱/۲۵
مفتاح التبلیغ	۶/۵۰
مقالات شریعت و حکمت	۲/-
مزاروں کی جھلکیاں	۲/۵۰
نسخۂ کیمیا	۷/۵۰

ملنے کا پتہ: الفرقان بک ڈپو ۳۱-۱۱۴ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West) Lucknow (U. P.

VOL. 48 NO. JULY 1980 Phone: 45547

مدیر اول

محمد منظور نعمانی

ممالک غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ
کے بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ۳۰/-
بنگلا دیش سے ۱۶/-
فی شمارہ ۱/۵۰

جلد (۴۸) | بابت جولائی سنہ ۱۹۸۰ء مطابق شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۰ھ | شمارہ (۷)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	نگاہ اولیں	محمد منظور نعمانی	۲
۲	درس قرآن	"	۴
۳	معارف الحدیث		۱۲
۴	حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی مجلس ارشاد	مولانا نسیم احمد فریدی امروہی	۲۱
۵	مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی	۲۸
۶	دعوتِ تبلیغ کی حقیقت اور اصول و آداب	ایک محترم بزرگ	۳۱
۷	تبلیغی جماعت اور اس کے کام سے متعلق ہدایت	حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ	۳۷
۸	ایک ضروری وضاحتی بیان	جناب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۳۹
۹	وفیات	محمد منظور نعمانی	۴۰

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس روپے ہندوستانی سکہ میں بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں تیس روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ اسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر، ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

محمد منظور نعمانی

اب سے ۵۶، ۵۷ سال پہلے جب یہ عاجز ایک طالب علم کی حیثیت سے دار العلوم دیوبند میں دو سال مقیم رہا تھا تو حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے، اُن کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید اصغر حسین عرف حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ صفِ اول کے اکابر اساتذہ میں تھے۔ یہ حضرات صرف اساتذۂ درس ہی نہیں تھے بلکہ جہاں تک بشری اندازہ ہو (والعلم عند اللہ) یہ اپنے اپنے رنگ میں سراپا اخلاص و تقویٰ "رجال اللہ" اور "رجال آخرت" تھے۔ ان کو دیکھ کے دل کہتا تھا کہ ان کی فکر بس رضائے الٰہی اور آخرت کی فکر ہے ـــــ ان کے علاوہ دوسری صف کے جو حضرات اساتذہ تھے قریباً وہ سب بھی کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے ـــــ فطری طور پر طلبہ پر بھی اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق اس کا اثر پڑتا تھا اور کم از کم یہ آرزو ضرور پیدا ہوتی تھی کہ اس دولت کا بھی کچھ حصہ نصیب ہو۔ بہرحال میری طالب علمی کے اس دور میں دار العلوم کی عام فضا پر اخلاص للہ اور فکرِ آخرت کا غلبہ تھا۔[1]

اس دور کے بعد کچھ تغیرات اور زمانے کی رفتار کے فطری نتیجہ میں دار العلوم کی اس فضا میں فرق پڑنا شروع ہوا لیکن حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی جامع اور طاقتور شخصیت سے اس فضا کو طویل مدت

[1] راقم سطور کا قیاس بھی ہے اور اساتذہ اور اکابر سے سنا بھی ہے کہ دار العلوم کی اس سے پہلے والی [illegible] حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند [illegible] مسند تدریس [illegible] اخلاص [illegible] کے تعلق کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ کامل اور مبارک تر تھا۔

یک سہارا بنا رہا، مگر حضرت ممدوح کے بعد اس فرق و انحطاط کی رفتار تیز، اور ادھر کے آخری چند سالوں میں تو بہت ہی تیز ہو گئی، ہمارے اس گھر میں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری اس برادری میں اس لحاظ سے جو زوال و انحطاط آیا ہے اور ہم نے جو کچھ کھویا ہے، اگر ہم میں احساس ہو تو وہ بڑا المناک حادثہ ہے ۔۔ آج کل اخبارات اور دوسرے ذرائع سے بھی دارالعلوم سے متعلق فتنہ و فساد کی جو انتہائی تکلیف دہ خبریں پہنچتی رہتی ہیں اُن کی جڑ بنیاد در اصل یہی تغیر حال اور یہی فساد مزاج ہے خواہ اس کا ذمہ دار کوئی بھی عنصر ہو۔

اس عاجز کا جو تعلق دارالعلوم سے ہے وہ کسی ادارے سے نہیں اور جو جماعت دیوبند سے ہے وہ کسی جماعت سے نہیں اس لیے اس صورت حال کے احساس سے شدید قلبی و روحانی اذیت ہے۔ "انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ"

میں قریباً ۳۵۔۴۰ سال سے اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بھی ہوں (جس کے ہاتھ میں دستور کے لحاظ سے دارالعلوم کے سارے اختیارات ہیں) اس طویل تجربہ کے بعد میرا یہ یقین ہے کہ جس تغیر حال کا ذکر میں نے کیا ہے، اور جو میرے نزدیک موجودہ افسوسناک حالات کا اصل سبب ہے اس کا علاج نہ موجودہ مجلس شوریٰ کر سکتی ہے نہ باہر کی کوئی تحریک اور کوشش، اس کی اصلاح کی صورت صرف یہ ہے کہ ہم سب جن کا دارالعلوم سے ذمہ دارانہ اور عاملانہ تعلق ہے اگر اللہ توفیق دے تو خود اپنا احتساب کریں اور اخلاص و صدق دلی سے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست کریں ظاہر ہے کہ علماء کی ذمہ داری عوام سے بہت زیادہ ہے ۔۔۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اللہ کا قانون بڑا بے لاگ ہے ۔۔ قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کی ایک نسل کے بارہ میں فرمایا گیا ہے

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۔ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

یہ عاجز اپنے بارے میں ہرگز کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہے۔ "من آنم کہ من دانم" اسکی بھی کوئی خاص امید نہیں ہے کہ اس گزارش کا کوئی بڑا اثر ہوگا جو کچھ عرض کیا گیا ہے بس معذرۃ الی ربی عرض کیا گیا ہے۔

حصہ نہ لینے والوں میں ہیں، تو کیا اس جرم وگناہ کی پاداش میں ہم بھی جہنم کے "عذاب الیم" میں جھونکے جائیں گے۔

اس آیت "لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ" میں وضاحت فرمادی گئی کہ جو بندے اس طرح کی کسی معذوری اور مجبوری سے جنگ وقتال میں حصہ نہ لے سکیں، اُن سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، وہ جہاد وقتال کے مکلف ہی نہیں ہیں ــــ اُن کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ اللہ ورسول کے جن احکام کے وہ مکلف اور مخاطب ہیں اپنی استطاعت کے بقدر اُن کی تعمیل کریں، کامیابی اور جنت کے استحقاق کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے "وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ہ" ــــ اوپر کی آیت کا تعلق "اعراب مخلفین" سے تھا درمیان میں معذورین کے بارے میں گویا استدراک کیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں نجات وعذاب کا یہ عام ضابطہ اور قانون بیان فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرے گا اُس کا آخرت میں جنت میں مقام ہوگا اور جو کوئی روگردانی کا رویہ اختیار کرے گا اس کو دوزخ میں عذاب الیم دیا جائے گا ــــ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ پہلے گروہ میں شامل ہوں ــــ اور اس کا راستہ یہی ہے کہ اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل کریں اور ان کی نافرمانی سے بچیں۔

آگے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن مخلص اور وفادار رفقاء کے بارہ میں جو حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ تھے اور جنھوں نے اس سفر میں سخت خطرہ کی حالت میں آپ کے ہاتھ پر مرتے دم تک جہاد میں ثابت قدم رہنے کی بیعت کی تھی اپنی خاص رضامندی کے اظہار واعلان، اور دنیا وآخرت میں ان پر ہونے والے انعامات کا بیان فرمایا ہے ارشاد ہے ــــ "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ......" مطلب یہ ہے کہ اے رسول، اللہ تعالیٰ آپ کے مومن ومخلص رفقائے سفر اصحاب حدیبیہ کے اس عمل بیعت سے بہت ہی راضی اور خوش ہے۔ اس آیت

میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا یہ جو اعلان ہے اسی کی وجہ سے اس بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے ——— میں اس بیعت کا واقعہ پوری تفصیل سے پہلے بیان کر چکا ہوں، غالباً یہ بھی ذکر کر چکا ہوں کہ یہ بیعت جس درخت کے نیچے ہوئی تھی وہ کیکر کا درخت تھا ——— یہ بیعت اللہ و رسول کی وفاداری اور اُن کے راستہ میں جان تک کی قربانی کا عہد تھا، جو حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کیا گیا تھا ——— اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں سب سے پہلے اِن بیعت کرنے والے اہل ایمان سے اپنی خاص الخاص رضامندی کا اعلان فرمایا (لقد رضی اللہ عن المومنین) اس کے بعد آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو گوناگوں انعامات سے نوازنے کی بشارت سنائی ہے ——— ارشاد ہے فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ ...... وکان اللہ عزیزاً حکیماً ——— مطلب یہ ہے کہ بیعت کے وقت ان اہل ایمان کے قلوب کی جو کیفیت تھی وہ اللہ کے علم میں تھی تو اس نے اُن پر سکینت اور طمانیت نازل فرما دی ——— اس کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ جس وقت یہ بیعت ہوئی ہے اندازہ یہی تھا کہ کفارِ مکہ سے جنگ ہوگی، اور جنگی نقطۂ نظر سے اُس وقت مسلمانوں کی پوزیشن بہت کمزور تھی اور وہ سخت خطرے میں اور گویا موت کے منہ میں تھے، چونکہ وہ عمرے ہی کی نیت سے آئے تھے اس لیے جنگ کا ضروری سامان بھی ساتھ نہیں لیا تھا اور وہ اپنے مرکز مدینہ منورہ سے ۱۰-۱۲ دن کی مسافت کے فاصلہ پر تھے اس لیے فطری طور پر اس وقت مسلمانوں کے دل پورے اضطرار اور الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ غالباً مسلمانوں کے دل کی یہی وہ کیفیت ہے جس کو فرمایا گیا ہے "فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ الخ" کہ اُن کے دلوں کے حال سے اللہ واقف تھا، اس نے اُن کے دلوں پر سکینت اور اطمینان کی کیفیت نازل فرما دی یعنی اُن کے قلوب میں یہ اعتماد و یقین پیدا ہو گیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اس کو سب کچھ قدرت ہے اور اگر یہاں موت اور شہادت ہی مقدر ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی حیات جاودانی اور جنت ملے گی اور یہ بڑا نفع مند سودا ہے ——— تو حدیبیہ میں بیعت کرنے والے اہل ایمان کے قلوب پر جو یہ سکینت نازل فرمائی گئی

یہ رضامندی کے اعلان کے بعد پہلا روحانی انعام تھا۔ (فَاَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ)
آگے فرمایا گیا ہے۔ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ مطلب یہ ہے کہ اس روحانی نعمت "سکینتا" کے علاوہ اللہ
تعالیٰ نے ان بعیت کرنے والے اہل ایمان کے لیے بطور انعام ایک عنقریب ہونے
والی فتح اور اس کے ساتھ بہت سے اموال غنیمت عطا فرمانے کا بھی فیصلہ فرمادیا۔
جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے یہ خیبر کا علاقہ فتح ہونے کی اور اس کے ساتھ
بڑی مقدار میں اموال غنیمت حاصل ہونے کی بشارت تھی جو حدیبیہ کے سفر سے واپسی
ہی میں ان آیتوں کے ذریعہ آپ کے رفقاء سفر اصحاب حدیبیہ کو دی گئی تھی ـــــ
آگے فرمایا گیا "وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا" یعنی اللہ تعالیٰ زبردست اور غالب ہے خیبر
کا علاقہ فتح کرا دینا اور وہاں کے اموال غنیمت پر تم کو قبضہ دلا دینا اس کے لیے مشکل نہیں۔
اس کے سامنے ساری طاقتیں کمزور اور مغلوب ہیں اور وہ "حکیم" ہے۔ اس کی صفت حکمت
کا تقاضا ہے کہ اپنے وفادار اور صالح بندوں کو اس انعام سے نوازے اور ان کو معاشی
حیثیت سے بھی مطمئن اور مادی لحاظ سے بھی طاقتور بنائے۔ تاکہ ان کے ایمان ویقین
میں اور جہاد وقربانی کے جذبہ میں اور اضافہ ہو۔
آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَاْخُذُوْنَهَا ......
وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝"
مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ تم کو بہت سی فتوحات
دیگا اور ان فتوحات میں بڑی مقدار میں اموال غنیمت تم کو حاصل ہوں گے۔ سو ان
موعودہ فتوحات اور غنیمتوں میں سے یہ خیبر کی فتح تو تم کو ابھی ہاتھ کے ہاتھ گویا
دیدی گئی۔ اور اس فتح خیبر ہی کے سلسلہ میں تم پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام وکرم ہوا کہ اس نے
فریق مخالف کے یعنی اہل خیبر کے ہاتھ روک دیئے وہ تم پر دست درازی نہیں کر سکے۔
(وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال کے گویا
ان کے ہاتھ باندھ دیئے۔ آگے فرمایا گیا ہے "وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ

صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا" مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار بندوں کو خیبر کی یہ فتح اور اس میں بڑی مقدار میں اموالِ غنیمت عطا فرمانے کا اور دشمنوں کے ہاتھ روک دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا ہے کہ ان مومنین باوفا کو اطمینان اور فراغت حاصل ہو اور وہ اللہ کی مدد کی ایک نشانی اور معجزہ دیکھیں جس سے ان کے ایمان و یقین میں اضافہ اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل میں ترقی ہو اور اس طرح صراطِ مستقیم کی کامل ہدایت ان کو نصیب ہو جو اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن بہت سی فتوحات اور غنیمتوں کے وعدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اُن میں عرب و عجم کی وہ ساری غنیمتیں اور فتوحات شامل ہیں جو صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو عطا ہوئیں خاص طور سے قرن اول کی فتوحات۔ اس آیت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس غزوۂ خیبر میں اللہ تعالیٰ نے فریق مخالف کے ہاتھ روک دیے، وہ تم پر کوئی دست درازی نہیں کر سکے۔ یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ خیبر کے یہودی جن کے پاس ہر طرح کے وسائل تھے، اگر حوصلہ سے ادر جم کر مقابلہ کا فیصلہ کرتے تو ان کو شکست دینا اور خیبر کا فتح ہونا آسان نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ وہ جم کر جنگ کی ہمت نہیں کر سکے اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد انھوں نے گویا شکست قبول کر لی —— اس کے علاوہ روایات میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ غطفان جو ایک لڑنے مرنے والا بہادر قبیلہ تھا وہ خیبر کے یہودیوں کا حلیف تھا جب اس کو خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی مدد کے لیے لشکر مرتب کیا، لیکن پھر اُن کے دلوں میں منجانب اللہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خیبر والوں کی مدد کو جائیں اور مسلمان پیچھے سے ہمارے گھروں پر حملہ کر دیں، یہ سوچ کر انھوں نے خیبر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا —— یہ بھی منجانب اللہ ہوا۔ یہ سب "وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ" کا ظہور تھا۔

آخر میں فرمایا گیا ہے "وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا" —— اس آیت میں فتح مکہ کی خوشخبری دی گئی ہے جو یقیناً رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی اس وقت سب سے بڑی تمنا اور آرزو تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا فتح کرا دینا اور اس پر مسلمانوں کا اقتدار قائم کر کے اس کو دارالاسلام بنا دینا گویا نعمت کا اتمام تھا۔

اوپر کی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا تم سے وعدہ تھا اور ہے کہ وہ تم کو بہت سی فتوحات اور ان میں بہت سی غنیمتیں عطا فرمائے گا، تو ان موعودہ فتوحات میں سے خیبر کی فتح تو تم کو گویا ابھی فوری طور پر دیدی گئی۔ اب اس آیت "وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا ...." میں فرمایا جا رہا ہے کہ ایک اور اہم فتح بھی تم کو عنقریب ہی عطا ہو گی تم سردست اس پر قابو نہیں پا سکے ہو۔ فی الحال وہ تمہارے قابو سے باہر ہے لیکن اللہ کی طرف سے فیصلہ ہو گیا ہے اور اس نے اس کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے (قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا) اور وہ قادر مطلق ہے، کوئی چیز اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں۔ (وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا) اس لئے اس فتح میں کسی شک شبہہ کی گنجائش نہیں، وہ بھی جلد ہی تم کو عطا ہو گی۔

سفر حدیبیہ سے واپسی میں جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اُس وقت کفار مکہ کے مقابلہ میں مسلمان ظاہری اسباب و وسائل کے لحاظ سے بہت کمزور تھے اور یہ بات بظاہر بہت بعید از قیاس تھی کہ مسلمان مکہ کو فتح کر سکیں گے اور اس پر اُن کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ "لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا" سے اسی صورت حال کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے (واللہ اعلم) اس کے آگے فرمایا گیا ہے "قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس فتح مکہ کو تمہاری فتوحات میں شامل کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے اور اپنے احاطہ میں لے لیا ہے اور وہ قادر مطلق ہے یہ بات اس کی قدرت میں ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں اس کو فتح کرا دے لہٰذا کسی کو اس میں شک شبہہ نہ ہونا چاہئے، یہ دوسری فتح بھی تم کو جلدی ہی عطا ہو گی، تم اللہ کی قدرت کاملہ کا یہ کرشمہ بھی عنقریب ہی دیکھو گے۔

ان آیتوں کی ضروری تشریح تو کر دی گئی ـــــ اب انہی کے مضمون سے متعلق دو باتیں اور عرض کرنی ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے ہونے والی بیعت کا ذکر فرمایا ہے اور جن خوش نصیبوں نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان کے بارہ میں

اپنی خاص الخاص رضا کا اظہار و اعلان فرمایا ہے (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ) رضائے الٰہی کا یہ اعلان امتیوں کے لیے سب سے بڑا سرٹیفکٹ اور تمغہ ہے بندۂ مومن کی اعلیٰ سے اعلیٰ تمنا اور آرزو یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے۔

دوسری قابل ذکر بات اس آیت سے متعلق یہ ہے کہ حدیبیہ کے میدان کا یہ درخت جس کے نیچے بیٹھ کے آپ نے بیعت لی تھی جیسا کہ میں نے ذکر کیا تھا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ببول کا درخت تھا۔ بلاشبہہ یہ بڑا مبارک درخت تھا کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر فرمایا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نیچے بیٹھ کے وہ بیعت لی جس پر اللہ تعالیٰ نے سب بیعت کرنے والوں کے لیے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ــــــ لیکن اسلامی تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حدیبیہ جا جا کر اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے ہیں اور غالباً آپ نے خطرہ محسوس کیا کہ لوگ آئندہ اس درخت کی تعظیم میں غلو کرنے لگیں اور یہ امت کے لیے فتنہ بن جائے تو آپ نے حکم دے کر اس درخت کو جڑ سے کٹوا دیا ــــــ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اسی درخت کے نیچے حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی ــــــ لیکن وہ دین کی روح کو سمجھتے تھے فتنہ سے اور شرک سے امت کی حفاظت کے لیے انھوں نے اس مبارک اور متبرک درخت کو کٹوا دینا ضروری سمجھا۔ حضرت عمر کے اس اقدام میں امت کے لیے بڑی روشنی اور بڑا سبق ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ بزرگوں کی قبروں کو معبود بنا لیا گیا ہے۔ ان پر سجدے کیے جاتے ہیں، نذریں چڑھائی جاتی ہیں، وہ سب کچھ ہوتا ہے جو مشرکین اپنے دیوتاؤں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے تو ان عالیشان مزاروں اور ان پر بنے ہوئے گنبدوں کو اکھاڑ کے برابر کر دینے کا حکم دیتے۔

اگلا شمارہ

اگست ستمبر کا مشترکہ شمارہ ہوگا، جو انشاء اللہ وسط ستمبر تک شائع ہو سکے گا، جن حضرات کو آخر ستمبر تک نہ ملے، وہ دفتر کو اطلاع دیں۔

ناظم دفتر الفرقان لکھنؤ

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

کتاب العلم (۲)

علم دین اور اس کے سیکھنے سکھانے والوں کا مقام و مرتبہ

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

(رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجة والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستہ پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا —— اور (آپ نے فرمایا کہ) اللہ کے فرشتے طالبانِ علم کے لیے اظہار رضا اور اکرام و احترام کے طور پر اپنے بازو جھکا دیتے ہیں۔ اور فرمایا کہ عالمِ دین کے حال کے لیے آسمان و زمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے

مغفرت کی اللہ سے دعا کرتی ہیں یہاں تک کہ دریا کے پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی۔
اور آپ نے فرمایا، عبادت گذاروں کے مقابلہ میں حاملین علم کو ایسی برتری حاصل ہے
جیسی کہ چودھویں رات کے چاند کو آسمان کے باقی ستاروں پر۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، علماء انبیاء
کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے دیناروں اور درہموں کا ترکہ نہیں چھوڑا ہے
بلکہ انھوں نے اپنے ترکے اور ورثے میں صرف علم چھوڑا ہے تو جس نے اس کو حاصل کر لیا
اس نے بہت بڑی کامیابی اور خوش بختی حاصل کر لی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(تشریح) فی الواقع انبیاء علیہم السلام کی میراث ان کا لایا ہوا وہ علم ہی ہے جو بندوں کی ہدایت کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہ بازار کی طرف سے گزرے، لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم یہاں ہو اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آکر کہا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں بٹ رہا، کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں کچھ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، کچھ لوگ حلال وحرام کی یعنی شرعی احکام و مسائل کی باتیں کر رہے ہیں ـــــ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث اور آپ کا ترکہ ہے۔ (جمع الفوائد ص ۳۱ ج ۱)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ

(رواہ الترمذی والضیاء المقدسی کنز العمال)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
جو بندہ علم کی طلب و تحصیل میں (گھر سے یا وطن سے) نکلا وہ اس وقت تک اللہ کے راستے
میں ہے جب تک واپس آئے۔　　(جامع ترمذی، مختارہ للضیاء المقدسی)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَهٗ

وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ

——— رواه الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اُس کے فرشتے اور آسمان و زمین میں رہنے والی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور (پانی میں رہنے والی) مچھلیاں بھی اس بندے کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی اور دین کی تعلیم دیتا ہے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ، اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ۔

——— رواه الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو مجلسوں پر ہوا جو آپ کی مسجد میں قائم تھیں، آپ نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں خیر کی اور نیکی کی مبارک مجلسیں ہیں (ایک مجلس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) یہ لوگ اللہ سے دعا اور مناجات میں مشغول ہیں، اللہ چاہے تو عطا فرماوے اور چاہے تو عطا نہ فرمائے (وہ مالک مختار ہے) اور (دوسری مجلس کے بارہ میں فرمایا کہ) یہ لوگ علم دین حاصل کرنے میں اور نہ جاننے والوں کو سکھانے میں لگے ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا درجہ بالاتر ہے اور میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ انھیں میں بیٹھ گئے۔ (مسند دارمی)

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ

النَّبِيِّينَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ۔۔۔ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حسن بصری نے بطریقہ ارسال[1] روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ اس نیت سے علم دین کی طلب و تحصیل میں لگا ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے، تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان بس ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (مسند دارمی)

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي إِسْرَائِيْلَ أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْآخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِي يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِي يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ ۔۔۔ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حسن بصری نے بطریق ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کے لوگوں کو اچھی نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا۔ ۔۔۔ اور دوسرے صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ دن کو برابر روزہ رکھتے اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے (آپ سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں سے کون افضل اور اعلیٰ ہے؟ ۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عالم جو فرض نماز ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دین اور

---

[1] جیسا کہ معلوم ہے حضرت حسن بصری تابعی ہیں، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا، مختلف صحابہ کرام کے ذریعہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پہنچی ہیں، انھوں نے یہ حدیث اور اس سے آگے درج ہونے والی حدیث بھی براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، ان صحابی کا نام نہیں لیا جن سے ان کو یہ حدیث پہنچی ہے۔ تابعین کے اس طریقہ روایت کو "ارسال" اور ایسی حدیث کو "مرسل" کہا جاتا ہے۔

نیکی کی باتیں سکھانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے، اُس کو اُس صائم النہار اور قائم اللیل عابد کے مقابلہ میں اس طرح کی فضیلت حاصل ہے جس طرح کی تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مسند دارمی)

(تشریح) مندرجہ بالا حدیثوں میں "علم"، "طالبین علم"، "علماء" اور "معلمین" کی جو غیر معمولی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اُن کی لِم اور اُن کا راز یہی ہے کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نور ہدایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا ہے، اور دنیا سے آپ کے اٹھا لیے جانے کے بعد آپ کا لایا ہوا الٰہی علم (جو قرآن و حدیث میں ہے) امت کے لیے آپ کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہے اور جو اس کے حامل و امین علماء و معلمین ہیں وہ زندہ انسانوں کی شکل میں حضور کے قائم مقام ہیں، وہ نبی تو نہیں ہیں لیکن وارث انبیاء ہونے کی حیثیت سے کار نبوت سنبھالے ہوئے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، گویا آپ کے دست و بازو، اور آلۂ کار ہیں۔ —— اسی خصوصیت نے اُن کو اُس مقام و مرتبہ پر پہنچایا ہے اور اُن غیر معمولی انعامات الٰہیہ کا مستحق بنا دیا ہے جن کا مندرجہ بالا حدیثوں کے ذریعہ اعلان فرمایا گیا ہے ——

لیکن جیسا کہ آگے درج ہونے والی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوگا اس کی شرط یہ ہے کہ علم دین کی یہ طلب و تحصیل اور تعلیم و تدریس خالصاً لوجہ اللہ اور اجر آخرت کے لیے ہو، اگر خدانخواستہ یہ دنیوی اغراض کے لیے ہو تو بدترین معصیت ہے اور ایک صحیح حدیث کی صراحت کے مطابق ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللّٰھم احفظنا

ایک ضروری وضاحت اس سلسلہ میں یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے —— ہمارے اس زمانے میں دینی مدارس اور دارالعلوموں کی شکل میں علم دین کی تحصیل و تعلیم کا جو نظام قائم ہے اس کی وجہ سے جب ہمارے دینی حلقوں میں "طالب علم" کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن اِن دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے "طالب علموں" ہی کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرح عالم دین یا معلم دین کا لفظ سنکر ذہن اصطلاحی و عرفی علماء اور دینی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر اس کا قدرتی نتیجہ

یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اور اسی طرح اس باب کی دوسری حدیثوں میں، علم دین کی طلب و تعلیم، یا طالبان علم دین اور معلمین دین کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جن غیر معمولی انعامات کی بشارتیں دی گئی ہیں عملاً ان سب کا مصداق ان مدارس ہی کے تعلیمی سلسلہ کو اور ان کے طلبہ اور معلمین ہی کو سمجھ لیا جاتا ہے ——— حالانکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے عہد نبوی میں اور اس کے بعد صحابہ کرام بلکہ تابعین کے دور میں بھی اس طرح کا کوئی تعلیمی اور تدریسی سلسلہ نہیں تھا، نہ مدارس اور دار العلوم تھے، نہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کا کوئی طبقہ تھا، بلکہ سرے سے کتابوں ہی کا وجود نہیں تھا۔ بس صحبت و سماع ہی تعلیم و تعلم کا ذریعہ تھا۔ صحابہ کرام نے (ان کے درجہ اول کے علماء و فقہاء مثلاً خلفائے راشدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی) جو کچھ حاصل کیا صرف صحبت و سماع کے ذریعہ حاصل کیا تھا۔ پھر صحابہ کرام سے تابعین نے ان کے اکابر علماء و فقہاء نے بھی جو علم حاصل کیا وہ اسی طرح صحبت و سماع ہی کے ذریعہ حاصل کیا تھا ——— اور بلاشبہ وہ حضرات ان حدیثوں کے اور بشارتوں کے اولین مصداق تھے ———

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ آج بھی جو بندگان خدا کسی غیر رسمی طریقے سے مثلاً صحبت و سماع ہی کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ دین سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں وہ بھی یقیناً ان حدیثوں کے مصداق ہیں اور بلاشبہ ان کے لیے بھی یہ سب بشارتیں ہیں ——— بلکہ ان کو اصطلاحی و عرفی طلبہ اور معلمین پر ایک فضیلت و فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ ہمارے موجودہ مدارس اور دار العلوموں میں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اس طلب و تعلیم کے کچھ دنیوی منافع بھی ہو سکتے ہیں (اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لحاظ سے ہماری برادری کا کیا حال ہے) لیکن جو بیچارے اصلاح و ارشاد کی مجالس میں یا کسی دینی حلقہ میں اپنی دینی اصلاح اور دین سیکھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں یا دین سیکھنے سکھانے والی کسی جماعت کے ساتھ اس مقصد سے کچھ وقت گزارتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی دنیوی منفعت کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کی یہ غیر رسمی طالب علمی یا معلمی بالکل بے غل و غش صرف اللہ ہی کے لیے

اور آخرت ہی کے واسطے ہوتی ہے ـــــ اللہ کے ہاں اسی عمل کی قدر و قیمت ہوتی ہے جو خالصاً لوجہ اللہ ہو ـــــ اس عاجز نے اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے دیکھے ہیں۔ ان میں متعدد ایسے بھی پائے جن سے ہم جیسے لوگ (جن کو دنیا عالم فاضل سمجھتی ہے) حقیقتِ دین کا سبق لے سکتے ہیں۔

یہ وضاحت یہاں اس لیے ضروری سمجھی کہ ہمارے اس زمانے میں "عالم"، "معلم" اور "طالب علم" کے مصداق کے بارہ میں مذکورہ بالا غلط فہمی بہت عام ہے اگرچہ بغیر شعوری طور پر ہے۔

دنیوی اغراض کے لیے علم دین حاصل کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ، وہ جنّت کی خوشبو تک سے محروم:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا ـــــ

(رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ۔ مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ علم جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے (یعنی دین اور کتاب وسنت کا علم) اگر اس کو کوئی شخص دنیا کی دولت کمانے کے لیے حاصل کرے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ (مسند احمد۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَاَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

ـــــ رواہ الترمذی (جمع الفوائد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جس کسی نے علمِ دین، اللہ کی رضا کے لیے نہیں، بلکہ غیر اللہ کے لیے (یعنی اپنی دنیوی اور نفسانی اغراض کے لیے) حاصل کیا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اور آخر میں سیدنا حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ اس لیے نازل فرمایا کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں اُس کے بندے اللہ کی رضا کے راستہ پر چلتے ہوئے اس کے دار رحمت جنت تک پہنچ جائیں ــــ اب جو بدنصیب آدمی اس مقدس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی دولت کمانے کا وسیلہ بناتا ہے اور اسی کے واسطے اس کی تحصیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس مقدس علم پر ظلم عظیم کرتا ہے اور یہ شدید ترین معصیت ہے اور ان حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ اس کی سزا جنت کی خوشبو تک سے محرومی اور جہنم کا عذاب الیم ہے۔ اللّٰھم احفظنا

بے عمل عالم اور معلم کی مثال اور آخرت میں اس کا حال :-

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْعَالِمِ الَّذِیْ یُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَیْرَ وَیَنْسٰی نَفْسَہٗ کَمَثَلِ السِّرَاجِ یُضِیْئُ لِلنَّاسِ وَیُحْرِقُ نَفْسَہٗ ــــ رواہ الطبرانی والضیاء (کنز العمال)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عالم کی مثال جو دوسرے لوگوں کو تو نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے کو بھولے رہتا ہے اس چراغ کی سی ہے جو آدمیوں کو روشنی فراہم کرتا ہے لیکن اپنی ہستی کو بس جلاتا رہتا ہے۔

(معجم کبیر طبرانی، مختارہ للضیاء المقدسی)

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْہُ عِلْمُہٗ ــــ رواہ الطیالسی فی مسندہٖ

وسعید بن منصور فی سننہ وابن عدی فی الکامل والبیہقی فی شعب الایمان۔ (کنز العمال)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اُس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم دین نے نفع نہیں پہنچایا (یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا)

(مسند ابوداؤد طیالسی، سنن سعید بن منصور، کامل ابن عدی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: بعض گناہ ایسے ہیں جن کو بلا تفریق مومن و کافر سب ہی انسان شدید و سنگین جرم اور سخت سزا کا مستوجب سمجھتے ہیں، جیسے ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا بالجبر، چوری، رشوت ستانی، یتیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی اور ان کی حق تلفی جیسے ظالمانہ گناہ۔ لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو عام انسانی نگاہ اس طرح شدید و سنگین نہیں سمجھتی لیکن اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ ان کبائر و فواحش ہی کی طرح یا اُن سے بھی زیادہ شدید و سنگین ہیں۔ شرک و کفر بھی ایسے ہی گناہ ہیں، اور علم دین جو نبوت کی میراث ہے اس کا بجائے دینی مقاصد کے دنیوی اغراض کے لیے سیکھنا اور دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا نیز اپنی عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا بلکہ اس کے خلاف زندگی گزارنا یہ بھی اسی قبیل سے ہیں —— پہلی قسم کی معصیتوں میں مخلوق کا مخلوق پر ظلم ہوتا ہے اس لیے اُس کو خدا ناآشنا کافر بھی محسوس کرتا اور ظلم و پاپ سمجھتا ہے —— لیکن دوسری قسم کے گناہوں میں اللہ و رسول اور اُن کی ہدایت و شریعت اور اس کے مقدس علم کی حق تلفی اور ان پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے، اُس کی سنگینی اور شدت کو وہی بندے محسوس کر سکتے ہیں جن کے قلوب اللہ و رسول اور دین و شریعت اور اُن کے علم کی عظمت سے آشنا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم دین کو بجائے رضائے الٰہی اور اجر اخروی کے دنیوی اغراض کے لیے سیکھنا اور اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا، اسی طرح خود اس کے خلاف زندگی گزارنا، شرک و کفر اور نفاق کے قبیلہ کے گناہ ہیں اس لیے ان کی سزا وہ ہے جو مندرجہ بالا حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہے (یعنی جنت کی خوشبو تک سے محروم رہنا اور دوزخ کا عذاب) ——

اللہ تعالیٰ حاملین علم دین کو توفیق عطا فرمائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات و تنبیہات ہمیشہ اُن کے سامنے رہیں ——

انتخاب

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کی محفل ارشاد

فرمایا کہ خورجہ میں مولانا احمد حسن صاحب امروہی اور ہمارے سب بزرگ تشریف لے جاتے تھے ایک بڑی بی نے وہاں ایک خواب دیکھ لیا تھا۔ وہ مولانا احمد حسن صاحب سے بہت عقیدت رکھتی تھیں۔ ویسے بھی مولانا سید تھے۔

فرمایا کہ ڈھاکہ نواب کے تین چار بی بیاں تھیں۔ جب میں وہاں گیا تھا تو بیگمات اپنے ہاتھ سے کھانے طرح طرح کے پکا پکا کر بھیجتی تھیں۔ وہ کھانے بہت تکلف کے ہوتے تھے مگر آب و نمک درست نہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے میرا جی بھلا نہ ہوتا تھا۔ ان کھانوں میں گھی بہت کثرت سے پڑا ہوا ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ اس قدر گھی کھانے کے عادی نہیں ہیں۔ علاوہ اس کے قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ گھی زیادہ مرغوب ہونے کے قابل نہیں ہے کیوں کہ جنت میں چار نہریں بتلائی گئی ہیں مگر یہ نہیں بتلایا گیا کہ ایک گھی کی بھی نہر ہوگی۔

فرمایا کہ شاہ عبد الغنی صاحبؒ پر علم غالب تھا اور ان کے بھائی شاہ احمد سعید صاحبؒ بہت بھولے تھے مگر ان کی نسبت شاہ عبد الغنی صاحبؒ سے بھی قوی تھی۔ اسی سلسلہ میں کچھ اور مضامین بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ میں اول علم میں شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا مرتبہ

شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے بڑا سمجھتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔

فرمایا کہ جب میں اول اول کانپور آیا تھا تو میری عمر بیس برس کی تھی۔ لوگوں نے مجھ سے مولد متعارف کو پوچھا۔ میں نے کہہ دیا کہ بدعت ہے۔ وہاں کے لوگ مولد کے بدعت بتانے والے کو ایذا پہنچاتے ہیں مگر مجھ سے کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ کسی طرح بھی جائز ہے میں نے کہا کہ ہاں میں بتاؤں گا کہ اس طرح جائز ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے۔ وہاں کے بعض مشاہیر علماء بھی شریک تھے۔ عوام میں کانا پھوسی ہوئی کہ قیام ہوا ہی نہیں۔ یہ کیسا مولد ہے۔ افسوس ہے کہ ان علماء نے میری تائید نہ کی۔

فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ایسے خلوص سے رکھی تھی کہ اب تک اس کا اثر ہے۔ بڑے بڑے مدرسے دیکھے مگر آخر کار کچھ بھی نہ دیکھا۔ مدرسہ دیوبند کی تعلیم کی بابت بڑے بڑے انگریزوں کی یہ تحریر ہے کہ اگر اس مدرسہ کی مذہبی تعلیم میں دنیاوی تعلیم شامل کی گئی تو اس کا مذہبی خالص رنگ باقی نہ رہے گا، جو اس مدرسہ کا مایۂ ناز ہے۔

رامپور میں ایک مرتبہ ایک بزرگ کا وعظ ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ اسلام اس وقت ایسا ہو گیا ہے جیسے بیوہ عورت کہ وہ ہر طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ میری کوئی دستگیری کرنے والا نہیں ہے۔ پھر جب میرا بیان ہوا تو میں نے کہا کہ اسلام کو کسی کی امداد کی حاجت نہیں۔ وہ نہ عورت ہے اور نہ بیوہ ہے۔ وہ مرد ہے، جو کوئی اس کی خدمت کرے گا اپنی سعادت کے لیے کرے گا، اسلام کو حاجت نہیں —— یہ سن کر پٹھان جوش میں آ گئے اور بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا کہ جو کچھ بیان کیا گیا تھا وہ خلوص سے بیان کیا گیا تھا۔ نیت دونوں بیان کرنے والوں کی اچھی تھی۔

فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ ؎

برزبان تسبیح و دردل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر[1]

یہ مولانا رومیؒ کا قول نہیں ہے بلکہ بہاء الدین عاملی (آملی) کا ہے۔ میں تو اس کے بجائے یہ کہا کرتا ہوں ؎ ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

خالی الذہن ہوکر آدمی اللہ اللہ کرے۔ دیکھیں کہ کیسے اثر نہ ہوگا۔ البتہ ریا بھی نہ ہونی چاہیے۔ اس بات کا تجربہ ہے کہ ضرور اثر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ رعب جتنا شفقت سے ہوتا ہے اس قدر تخویف سے نہیں ہوتا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بڑا رعب تھا۔ لوگوں کی جان نکلتی تھی۔ حالانکہ ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔

فرمایا کہ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت کی ضیاء القلوب کی بہت بڑی شرح ہوسکتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ متن ہم نے لکھ دیا ہے شرح تم لکھ دو۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ مولانا نے ایک مسودہ حضرت حاجی صاحبؒ کا دیا ہوا نقل کیا۔ اس میں ایک لفظ سہواً غلط لکھا گیا تھا اس کو مولانا نے صحیح نہیں کیا ادب کی وجہ سے ــــــ بلکہ وہاں جگہ چھوڑ دی۔ حضرت حاجی صاحب نے درست فرمادیا۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ علم، مولانا محمد قاسم صاحبؒ پر کہاں سے کھلا؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کے اسباب متعدد ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ مولانا فطری طور پر معتدل القویٰ اور معتدل مزاج تھے۔ پھر ان کے استاد بے مثل تھے۔ پھر پیر کامل ملے

---

[1] ترجمہ: زبان پر تسبیح ہو اور دل میں دنیا کی حقیر چیزیں ہوں ایسی تسبیح کب اثر کرتی ہے۔

جن کا نظیر نہیں۔ ان کی وجہ سے فن کی حقیقت منکشف ہو گئی۔ اساتذہ کا ادب بہت کرتے تھے اور متقی بہت تھے۔ جب اتنی چیزیں جمع ہوں تو پھر کیوں نہ کامل ہوں۔

ایک صاحب نے حضرت والا سے تفسیر بیان القرآن کے متعلق کچھ باتیں دریافت کیں کہ اس کی کتنی جلدیں ہیں اور پوری طبع ہو چکی ہے یا ابھی کچھ باقی ہیں۔ ان صاحب کے سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرمایا کہ میں زمانۂ تصنیف تفسیر میں بالکل بیمار نہیں ہوا۔ کان بھی گرم نہیں ہوا۔ اس زمانے میں یہاں طاعون بہت تھا۔ میں اللہ سے دعا مانگتا تھا کہ اے اللہ میں تفسیر لکھنے سے پہلے نہ مروں۔

فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کے الفاظ ہی میں غور کیا جائے تو مطلب بالکل صاف سمجھ میں آجاتا ہے، مگر مولانا کا سا فہم بھی تو ہو۔

فرمایا کہ مریض کے سامنے ایک تو داغ کا کلام پڑھا جاوے اور دوسری طرف اس کے لیے حکیم محمود خاں کا نسخہ ہو تو اس مریض کے لیے تو وہ نسخہ ہی مفید۔ داغ کی غزل اس کے کس کام کی۔ اس نسخہ میں وہ لذت ہے کہ بہت دنوں کے بعد راحت و مزہ آوے گا آج کل اول دن میں لذت چاہتے ہیں۔ جو کیفیات دفعتہً حاصل ہوتی ہیں وہ دیرپا نہیں ہوتیں۔ ان باتوں کو ماہر سمجھتا ہے اس لیے ماہر کا اتباع کرے۔ طالب کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص بھوکا ہے، اسے خشکا دیا گیا اور پلاؤ نہیں دیا تو اس بھوکے کو چاہیے کہ خشکا ہی لے لے۔ اور ضعیف المعدہ کو اگر پلاؤ دے دیا جائے تو ہضم کب ہو گا۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ شیخ کو طبیب ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ بعض لوگوں کو اجنبی الفاظ برتنے کا شوق ہوتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ تبحر کی دلیل ہے۔ مانوس الفاظ برتنے چاہئیں۔

فرمایا کہ بہت عرصے سے میں سمجھتا رہا کہ بخل زیادہ بُرا ہے اسراف سے —— لیکن واقعات سے معلوم ہوا کہ مضرتیں اسراف میں زیادہ ہیں۔ بخل میں اتنی مضرتیں نہیں ہیں۔ مگر اہل عرف بخل کو زیادہ بُرا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک ماسٹر سَو روپے کماتا تھا اور مشکل سے چار روپے اٹھاتا تھا۔ چٹنی سے روٹی کھاتا تھا، اور جب کوئی اس سے پوچھتا کہ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہو تو جواب دیتا کہ روپیہ رکھنے میں جو مزہ ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ کبھی لطف بصورت قہر ہوتا ہے۔ کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے۔[ا] سب مضمون کو بس دو لفظوں میں بیان کر دیا۔

فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے اگر پوچھو کہ خیر الامّۃ کون وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پیغمبر کے اصحاب —— اور تبرائی شیعوں سے پوچھو کہ شر الامّۃ کون وہ کہیں گے ہمارے پیغمبر کے اصحاب۔

فرمایا کہ اگر کوئی دین کی حاجت لے کر آئے تو سبحان اللہ! اور جو دنیا کی حاجت لے کر آتا ہے وہ نظروں سے گر جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ امیروں کو جس خاص اکرام کی عادت ہوتی ہے اگر ان کا وہ اکرام نہ کیا جائے تو ان کو رنج ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ معاملہ غربا سے ذرا ممتاز ہونا مصلحت ہے۔

فرمایا کہ اللہ میاں سے مانگو تو وہ خوش ہوں خواہ دین مانگو یا دنیا۔ اور دوسرے لوگ (مانگنے سے) خفا ہوتے ہیں۔ جہاں مانگنے سے عزت ہوتی ہے وہاں مانگتے نہیں، اور

[ا] حضرت جگر مرادآبادی نے اس مضمون کو اس طرح شعر میں ادا کیا ہے ؎

نگاہ دل بھی یہاں کیک اسے سمجھ نہ سکی　　وہ ہر کرم جو پس پردۂ عتاب ہوا

جہاں ذلت ہوتی ہے وہاں مانگتے ہیں۔ سب سے زیادہ شغل انسان کا اللہ میاں سے مانگنا ہونا چاہیے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں مگر ہمیں اس کی مقبولیت پر پورا بھروسہ نہیں ہوتا۔ یہ حالت ہوتی ہے کہ آپ دیویں گے تو ہیں نہیں مگر خیر میں مانگتا ہوں۔ خدا تعالیٰ سے مانگ کر دل ابھرتا ہی نہیں، یہ ہے مرض۔

فرمایا کہ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ تمھاری تفسیر (بیان القرآن) میں کیا ہے۔ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ جب کسی مقام پر اشکال ہو تو اول اور تفسیروں میں دیکھو پھر اس میں دیکھو تب معلوم ہوگا کہ اس میں کیا ہے۔

فرمایا کہ ایک نواب صاحب نے ایک جاہل مال دار کو مجسٹریٹ کر دیا تھا گو وہ کچھ پڑھے لکھے ایسے ہی تھے کہیں سے روپیہ مل گیا ہوگا اس لیے امیر تھے۔ جب وہ مجسٹریٹ ہوگئے تو ان کے یہاں عرضیاں گزریں۔ پیشکار سے کہا کہ پڑھو اس نے پڑھا تو اول میں تھا غریب پرور سلامت، اس کو سن کر مجسٹریٹ صاحب کہنے لگے ہم کو گریب (غریب) لکھا ہے۔ نواب صاحب تو ہم مُسفک مہربان (مشفق) لکھیں اور یہ ہمیں گریب (غریب) لکھے۔ اچھا پانچ روپیہ جرمانہ! ــــــ پھر حضرت والا نے امیر کی مناسبت سے فرمایا کہ امراء کا لفظ جو احادیث میں آیا ہے اس کے معنی اغنیا نہیں ہیں امراء حکام کو کہتے ہیں۔ اردو میں امیر کہتے ہیں مالدار کو ــــــ بس امراء کے متعلق جو کچھ مضامین ہیں وہ سب اس محاورہ کے سبب روپیہ والوں پر چپکائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان سے حکام مراد ہیں ان ہی سے ملنے سے دین میں فتنہ پڑتا ہے۔ ورنہ امیروں کے سامنے حق گوئی مشکل نہیں۔ البتہ حکام سے ملنے کی نہایت مذمت آئی ہے۔

فرمایا کہ آجکل لوگ بزرگوں سے مشورہ زیادہ اس خیال سے کرتے ہیں کہ یہ اللہ میاں

کے رشتہ دار ہیں، عالم الغیب ہیں۔ جو ان کے منہ سے نکلے گا وہی ہو گا اور اس کا نام برکت رکھا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ اللہ میاں ان کے کہنے کو رد کر دیں۔

پھر فرمایا کہ وہ اور بات ہے کہ اللہ میاں اس کا اکرام کریں، مگر لوگوں کو تو ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں — حق تعالیٰ فرماتے ہیں یا اهل الکتاب لاتغلوا فی دینکم الخ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ

بے نفسی اور خدمت خلق کے دو سبق آموز واقعے

[اب سے ۳ مہینے پہلے اپریل کے شمارے میں حضرت مفتی صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ "البلاغ کراچی" کے "مفتی اعظم نمبر" اور اس کی بعض خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا تھا اور لکھا گیا تھا کہ انشاء اللہ اس کے اہم مضامین کے منتخب جواہر پارے ناظرین الفرقان کی خدمت میں بھی پیش ہوتے رہیں گے ——
اس نمبر میں حضرت مفتی صاحبؒ سے متعلق ایک مضمون اُن کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کا ہے اس سے ذیل کے دو سبق آموز واقعے نقل کیے جا رہے ہیں۔]

سردیوں کی ایک رات میں والد صاحبؒ بذریعہ ریل تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے، برانچ لائن پر یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا اسٹیشن بھی چھوٹا اور آبادی سے کافی دور ہے۔ راستہ میں کھیت اور غیر آباد زمینیں ہیں، وہاں اس زمانہ میں بجلی تو تھی ہی نہیں، رات کے وقت قلی یا سواری ملنے کا بھی امکان نہ تھا کیونکہ اس وقت اکا دکا ہی کوئی مسافر آتا جاتا تھا۔ گاڑی دو تین منٹ رک کر روانہ ہو گئی۔ اب اسٹیشن پر ہو کا عالم تھا، ہر طرف جنگل، اندھیری رات اور سناٹا۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک آمد و رفت عموماً پیادہ پا ہی ہوتی تھی، والد صاحب تنہا تھے، سامان بھی ساتھ نہ تھا اس لیے کوئی فکر نہ تھی، اچانک آواز آئی "قلی قلی" یہ آواز بار بار آ رہی تھی اور اب اس میں گھبراہٹ بھی شامل ہو گئی تھی؛ کوئی صاحب مع اہل و عیال اسی گاڑی سے اترے تھے، قلی نہیں مل رہا تھا جو آبادی تک

سامان پہنچا دے۔ یہ والد صاحب کے واقف کار تھے اور عقیدت مندانہ ملتے تھے۔ والد صاحب سے اپنا بوجھ اٹھوانے پر ہرگز راضی نہ ہوتے یا عمر بھر ندامت کے بوجھ میں دبے رہتے۔

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے جلدی سے سر پر رومال لپیٹ کر چادر ڈالی اور مزدورانہ ہئیت میں تیزی سے پہنچ کر کہا "سامان رکھواؤ کہاں جانا ہے؟" انھوں نے بستہ مختصر ابتاتے ہوئے میرے سر پر سامان لادنا شروع کر دیا، پہلا بکس ہی اتنا بھاری تھا کہ میں نے کبھی نہ اٹھایا تھا، اس پر دوسرا بکس رکھا، تیسرا عدد میرے ہاتھ اور بغل میں تھمانا چاہتے تھے، میں نے دونوں ہاتھوں سے ان بکسوں کو سنبھالتے ہوئے کہا کہ "حضور میں کمزور آدمی ہوں زیادہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ (تیسرا عدد) آپ سنبھال لیں۔

یہ مختصر قافلہ روانہ ہوا، بوجھ سے پاؤں ڈگمگا رہے تھے مگر میری اس کمزوری کو میری ڈارہی نے چھپالیا تھا جو انھیں راستہ دکھا رہی تھی اور میری طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ہی نہ دیتی تھی۔ ان کی قیام گاہ پر سامان اتارا، وہ یہ کہہ کر ذرا اندر گئے کہ "ابھی آکر پیسے دیتے ہیں" میں موقعہ پاکر وہاں سے غائب ہو گیا۔ اگلے دن وہ صاحب خانقاہ میں حسب معمول بڑے تپاک و تعظیم سے ملے، مگر انھیں کیا معلوم وہ رات والے "قلی" سے مل رہے ہیں۔

یہ واقعہ والد صاحب نے ہمیشہ راز میں رکھا حتیٰ کہ جن صاحب کا سامان اٹھایا تھا انھیں بھی عمر بھر نہ معلوم ہو سکا کہ وہ فرشتہ صفت "قلی" کون تھا، تقریباً بیس سال بعد ہم سب بھائیوں کے سامنے یہ راز اس طرح کھلا کہ کراچی میں جب احقر کی عمر تقریباً پندرہ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اس زمانہ میں ہماری والدہ صاحبہ مدظلہا کو ہم بھائیوں سے بار بار یہ شکایت پیش آئی کہ وہ گھر کا سودا سلف لانے کے لیے فرماتیں، ہم لڑکپن کی لا پرواہی میں ایک دوسرے پر ٹال دیتے۔ والدہ صاحبہ کو اس سے جو تکلیف ہوتی ہوگی اب اس کے تصور سے بھی ڈر لگتا ہے، انھوں نے کئی بار حضرت والد صاحب کو بھی توجہ دلائی اور شکایت کی کہ یہ لوگ بازار سے سامان لانے میں عار سمجھتے ہیں، اس لیے ٹالتے ہیں۔ والد صاحب چشم پوشی فرماتے رہے۔ آپ کی عادت تھی کہ کسی غلطی پر بار بار نہیں ڈانٹتے تھے فہمائش کے لیے زیادہ سے زیادہ مؤثر موقع کا انتظار فرماتے اور ایسے وقت تنبیہ فرماتے جب سب کو فراغت اور طبیعتوں میں نشاط ہو۔

ایک دن ہم سب حضرت والد صاحب کی خدمت میں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے، ہماری کسی کسی بات میں وہ بھی دلچسپی لیتے رہے پھر اچانک سنجیدہ ہو گئے اور محترمہ والدہ صاحبہ کی مسلسل پریشانی کا ذکر فرمایا کہ ہماری اس بے پروائی پر شرم دلائی، پھر آہِ سرد بھر کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک راز تھا جو میرے اور اس کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ تمہاری اصلاح کے لیے آج وہ راز کھولنے کی ضرورت پیش آگئی۔ پھر یہ واقعہ سنایا، ہم سب پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور بحمد اللہ اس گناہ سے توبہ کی توفیق ہوئی۔

اسی موقعہ پر ایک اور واقعہ بھی سنایا کہ "میں دیوبند میں ایک دن فجر کی نماز کے لیے جا رہا تھا، سامنے ایک بہت ہی ضعیف بڑی بی کو دیکھا جو پانی کا گھڑا کنوئیں سے بھر کر لا رہی تھیں مگر اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا، بمشکل چند قدم چل کر زمین پر بیٹھ جاتی تھیں، مجھ سے دیکھا نہ گیا پاس جاکر کہا "لاؤ اماں یہ گھڑا تمہارے گھر پہونچا دوں"۔ یہ کہکر میں نے گھڑا اٹھا لیا، وہ جولاہوں کے محلہ میں رہتی اور اسی برادری سے تعلق رکھتی تھیں، جب میں گھڑا بڑی بی کے گھر میں رکھ کر باہر نکلا تو وہ نہایت لجاجت اور الحاح کے ساتھ دعائیں دینے لگیں جو مجھے کافی آگے تک سنائی دیتی رہیں، اگلے دن پھر اسی وقت اور اسی حال میں ملیں، میں نے پھر گھڑا اٹھا کر ان کے گھر پہونچا دیا، واپسی پر دور تک پھر ان کی دعائیں سنتا رہا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ یہ سودا تو بڑا سستا ہے کہ چند منٹ کی محنت پر اتنی دعائیں ملتی ہیں میں نے روز کا یہی معمول بنا لیا۔ بڑی بی بھی اس کی عادی ہو گئیں۔ اب میں کنوئیں پر ہی پہونچنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ انھیں ڈول بھی نہ کھینچنا پڑے۔ بحمد للہ یہ معمول عرصۂ دراز تک جاری رہا یہاں تک کہ بڑی بی نے ہی آنا چھوڑ دیا شاید ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا یہ واقعہ بھی آج پہلی بار تم ہی کو بتا رہا ہوں تاکہ کچھ سبق حاصل کرو۔

دعوتِ تبلیغ کی حقیقت اور اصول و آداب

ایک بزرگ کا قابلِ مطالعہ مکتوب

[راقم سطور کا ارادہ تبلیغی جماعت اور اُس کے کام سے متعلق کچھ لکھنے کا تھا کہ ایک عزیز نے اسی دعوتِ تبلیغ سے خاص تعلق رکھنے والے ایک محترم بزرگ کے ایک مکتوب کی نقل دکھلائی جو انھوں نے اس دعوت کے کام میں سرگرم حصہ لینے والے اپنے بعض دوستوں کو لکھا تھا۔ میں نے اس مکتوب کو بہت ہی مفید سمجھا۔ اور ان عزیز سے کہا کہ وہ اس پر تمہیدی نوٹ لکھ دیں اور اس کو الفرقان میں شائع کر دیا جائے ——— ناظرین کرام ذیل میں پہلے عزیز موصوف کا تمہیدی نوٹ اور اس کے بعد اصل مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔ نعمانی]

سیرتِ نبوی اور حیاتِ صحابہ کے گہرے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس نصابِ تربیت کے بنیادی اجزاء جس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تربیت کی تھی، یہ تھے،

۱۔ دعوت الی اللہ ۲۔ ذکر و عبادت

۳۔ تعلیم و تعلّم ۴۔ خدمت و حسنِ معاشرت

جتنا بھی غور کیا جائے یہ بات ظاہر ہوتی چلی جائے گی کہ صحابۂ کرام کی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری صفاتِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کے بنیادی عنوانات یہی ہیں۔ اور یہ انہی کے امتزاج کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام کی زندگی ہر لحاظ سے مثالی اسلامی زندگی قرار پائی، اور اس میں وہ جامعیت، اعتدال اور ہمہ گیری آئی جو کہ اسلام کی اور مزاجِ نبوت کی بنیادی خصوصیات میں سے ہے۔

لیکن یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ زمانۂ نبوت سے جس قدر زمانی بعد بڑھتا گیا، مختلف اسباب کی بناء پر عام مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ بڑی حد تک دین کے ترجمانوں میں بھی ان عناصر اربعہ کا تناسب امتزاج مفقود ہوتا چلا گیا، اور ان کے مجموعہ سے جو مکمل اسلامی مزاج تشکیل پاتا ہے وہ قدرتی طور پر عام نظروں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔ کہیں اگر دعوت و جہاد کا اہتمام نظر آتا ہے تو ذکر و احسان کی صفات کی طرف توجہ کم نظر آتی ہے، کہیں اس کے برعکس ذکر کا چرچا ہے تو وہاں امت میں عمومی دعوت کی اہمیت کم دکھائی پڑتی ہے۔ کہیں علم کے مراکز ذکر کی صفات سے اور دعوت کی فکر سے خالی نظر آتے ہیں، کہیں خدمت کا وہ شعبہ جس کے تحت معاملات کی ساری تعلیمات آتی ہیں گلہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو ان شعبوں کو الگ الگ سنبھالنے والوں میں ایک دوسرے سے بے نیازی، اور باہم دوری بھی نظر آتی ہے۔

اہل علم و فہم میں سے جن حضرات کو حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری اور ان کے درد سے آشنائی نصیب ہوئی، وہ سب اس پر متفق ہیں کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ دین کے اس نبوی نظام تربیت کو امت میں پھر سے زندہ کیا جائے اور اس کے ان عناصر اربعہ کو حتی الامکان نبوی طریقہ ہی کے مطابق امت میں عام کیا جائے کہ ایک ایک مسلمان ان چاروں شعبوں کی کم سے کم ضروری مقدار حاصل کر سکے اور ان کے ذریعہ پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکے۔

آج ہماری دنیا میں بہت کم ایسی جگہیں ہوں گی جہاں کہ دعوت کا یہ نظام نہ پہونچا ہو، الحمدللہ کہ یہ مبارک آواز دنیا کے بیشتر ملکوں اور شہروں میں گونج رہی ہے۔ اور ہر طبقے کے لوگ جماعتوں کے ساتھ نکل کر اس بیک وقت اجتماعی و انفرادی نظام تربیت سے وابستہ ہو کر اپنی اصلاح کی سعی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو مقبول و مبارک فرمائے۔

دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ تبلیغ میں عملی طور پر محنت کرنے والے اکثر ہم عوام ہیں، اور اب کثرت کی وجہ سے ہم میں سے اکثر کو تبلیغ کے اکابر علماء کے ساتھ رہ کر اس کے مقاصد سمجھنے اور اصول و آداب سیکھنے کا موقع نہیں ملتا، جس کا نتیجہ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود اس نظام

تربیت کی بہت سی برکتوں سے خالی رہ جاتے ہیں۔ وہ سب نباہ؛ تاہم ہماری ناقص ترجمانی سے بات بالکل الٹا جاتی ہے۔ راقم سطور نے بارہا بعض اکابر سے سنا کہ تبلیغ کو خطرہ باہر والوں کی مخالفتوں سے نہیں بلکہ اندر والوں کی بے اصولیوں سے ہے۔ ناچیز راقم سطور کی طرح بہت سے لوگوں کو اس بات کی صداقت کا بچشم خود مشاہدہ بھی ہوا ہوگا۔

چونکہ ناظرین الفرقان میں سے کافی تعداد ان لوگوں کی ہے جنھوں نے اپنی زندگیوں کو اس مبارک محنت کے لیے وقف کر رکھا ہے ان میں سے بعض اپنے علاقوں کے ذمہ دار بھی ہیں، اس لیے اس تمہید کے بعد ایک خط کے کچھ اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں جو ایک صاحب علم تبلیغی بزرگ نے بعض کارکنوں کے نام حالی ہی میں لکھا ہے۔

"....... یہ بات ضروری ہے کہ اپنی کوششوں کے ساتھ ساتھ اس کام کی حقیقت اور اس کا طرز و طریق اور اس کے اصول و آداب سمجھنے کی کوشش بھی کرتے رہیں اور اپنے بزرگوں سے تحقیق بھی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات اور احادیث نبویہ سے مطابقت بھی کرتے رہیں تاکہ اس کام کو صرف تقلیدی طریقہ پر نہیں بلکہ اپنے قلبی انشراح اور بصیرت کے ساتھ کرنے والے ہوں۔ اور اس کام کی حکمت ہم پر کھلتی چلی جائے اور حکمت کے ساتھ ہمیں اس کو کرنا آجائے تاکہ مسلمانوں کے عام طبقے کو بھی اور خاص کو بھی جو مختلف دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں اپنی حکمت اور اخلاق کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ کر سکیں .... اور تمام شعبے اس کے اندر داخل رہیں۔ نیز اپنے کو قلیل العلم سمجھنے کے ساتھ اپنے کو ناواقف جانتے ہوئے حق تعالیٰ سے اس کی دعائیں بھی کرتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو ہم پر سمجھا دے کیونکہ کبھی شیطان بہت آسانی کے ساتھ ہمیں اس بات پر مطمئن کر دیتا ہے کہ ہم اس کام کو سمجھ گئے .... ابھی تک تو ہمیں دعوت دینی بھی نہیں آئی اور اس کی حکمت اور بصیرت سے بھی واقفیت نہیں ہوئی جس کی وجہ سے بہت سے حضرات کو، خصوصاً کسی دینی شعبہ کو چلانے والے کے لیے ہماری دعوت سے اور ہمارے بیانوں سے اعتراض پیدا ہو جاتے ہیں کہ گویا کہ ہم ان کے شعبوں کو ناقص سمجھ رہے ہیں یا ان کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ اگر ہمیں دعوت کا صحیح طرز آ جائے تو ہر ایک ہم کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھ کر خود بھی قریب ہوگا اور ہمیں

اپنے سے قریب کرلے گا۔

مثلاً جب ہم دعوت کی صفت کو اور اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں تو کبھی علم والوں کے شعبے یعنی مدارس پر اس طرح فوقیت دیتے ہیں گویا کہ وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اور کبھی ذکر والوں کے مقابلے میں، جیسا کہ بہت سے واعظین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت دوسرے انبیاء کے مقابلے میں اس طرح بیان کرنے لگتے ہیں کہ دوسرے انبیاء کی تنقیص لازم آنے لگتی ہے۔ اور ان کا یہ طرز بیان دین کے لیے بہت خطرناک ہے۔ ایسے ہی ہمارا طرز بیان کبھی خطرناک ہو جاتا ہے۔

طریقہ بیان یہ ہونا چاہیے کہ پہلے علم کے خوب فضائل بیان کریں اور علم والوں کے درجات بیان کریں جو آیات قرآنی اور احادیث میں آئے ہیں۔ اور اتنا بیان کریں کہ خود ہمارا دل علم اور علم والوں کی عظمت و محبت سے بھر جائے۔ اس نسبت سے کہ یہ علم حق تعالیٰ کی صفت ہے، اور ہم اپنے کو علم اور علم والوں کا محتاج سمجھیں، پھر یہ کہیں کہ یہ علم امت کے ہر ہر فرد میں بقدر اس کی احتیاج اور ضرورت کے کیسے جائے؟ اس کے لیے یہ محنت ہے! ۔ اگر اہل علم اس محنت کو کرتے ہوئے علم کی اشاعت کریں تو امت کا کوئی فرد ایسا جاہل نہ رہے کہ اس کو اس کی ضرورت کے بقدر علم نہ پہونچا ہو، عورت ہو یا مرد ہر ایک اس کا محتاج ہے، اس لیے ہم اس محنت میں اہل علم کے زیادہ محتاج ہیں۔

ایسے ہی ذکر اللہ کی اور ذکر والوں کی خوب اہمیت بیان کریں جو قرآن و حدیث میں آئی ہے۔ اور اس قدر ذوق و شوق کے ساتھ ہم بیان کرنے والے ہوں کہ ہمارا قلب ذکر کی عظمت اور ذکر والوں کے احترام سے بھرپور ہو جائے۔ اور متاثر ہو جائے۔ اور پھر یہ بیان کریں کہ امت کا ہر فرد ذکر کا محتاج ہے عورت ہو یا مرد، ان میں پھیلانے کے لیے ہم ذکر والوں کے محتاج ہیں۔ بیان میں ایک نمبر کو دوسرے نمبر کا (ایک صفت کو دوسری صفت کا) مقابل نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ مقابلے سے تنقیص کا شائبہ آجاتا ہے۔ بلکہ معاون قرار دیا جائے۔ کیونکہ دین کے تمام شعبے ایسے ہی ہیں جیسے انسان کے اعضاء و جوارح، آنکھ سے دیکھنے کا کام، زبان سے بولنے کا کام، ہاتھ سے پکڑنے کا، کانوں سے سننے، پیروں سے چلنے، دماغ سے سوچنے .... یہ سارے

انسان کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ایک عضو میں کمزوری ہو گی یا نقص ہو گا تو اس سے تمام جسم کو تکلیف ہو گی اور چیزوں سے استفادہ میں نقصان ہو گا۔ ان سب اعضا کی سخت ضرورت ہے۔ یہ سب اعضا ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ مقابل نہیں ہیں۔ اسی طرح سے اللہ کا ذکر، اور علم، اور عبادت اور خدمت اور معاملات اور قضا ...... سب ایک دوسرے کے معاون ہیں مقابل نہیں ہیں۔ معاون ہونے ہی کی وجہ سے دین مکمل ہوتا ہے۔ دعوت تو صرف ان تمام شعبوں کو دنیا میں پھیلانے اور عام کرنے ہی کے لیے ہے، مقصود بالذات اور موقوف علیہ میں فرق جاننے کے لیے پہلے محنت کرنی ہے، جیسے اللہ کے ذکر اور علم اور احکامات عبادات وغیرہ میں مقصود بالذات کیا ہے؟ وہ صرف اللہ کی رضا ہے! ــــ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا ان شعبوں میں چلنے سے حاصل ہوتی ہے گویا کہ یہ شعبے مقصود بالذات یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے موقوف علیہ ہیں۔ اور ان شعبوں کے لیے موقوف علیہ دعوت ہے۔ بغیر دعوت یہ شعبے دنیا میں قائم نہیں ہو سکتے۔ اس لیے موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے اول محنت اور دعوت ہے۔ اس سے پھر یہ تمام شعبے وجود میں آتے ہیں۔ اور جب دینی شعبے اپنے صحیح معیار، مرتبہ اور حقیقت پر وجود میں آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی کامل رضا جو مقصود بالذات ہے حاصل ہوتی ہے۔

اگر دعوت میں ضعف یا نقص ہو گا تو اس کا اثر تمام دینی شعبوں پر پڑے گا۔ اور شعبوں سے اس کا اثر حصول رضا پر آئے گا۔ کہ کمزوری یا نقص کے ساتھ شعبوں میں چلنے والا اللہ تعالیٰ کی کامل رضا حاصل نہیں کر سکے گا۔

اس کی حسی مثال اس سے سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا میں ایک پھل ہے ایک پھل کے لیے درخت ہیں، ایک درختوں کے لیے زمین ہے۔ مقصود بالذات نہ درخت ہے نہ زمین، بلکہ پھل ہے۔ لیکن پھل کے لیے موقوف علیہ درخت ہے کہ بغیر درختوں کے پھل کا وجود نہیں ہوتا گو حق تعالیٰ اس پر قادر ہیں مگر اسباب دنیا سے انسان کو مربوط کیا ہے۔ اور درخت بغیر زمین کے نہیں پائے جاتے، لیکن اگر زمین میں استعداد کمزور ہے تو اس کا اثر درختوں پر پڑے گا۔ اور درختوں کی کمزوری کا اثر پھل پر۔

اس لیے مقصود بالذات ہر وقت ہماری نگاہ کے سامنے رہنا چاہئے، اور نصب العین یہ رہے

کہ اللہ تعالیٰ کو کامل طریقہ سے راضی کرنے کا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو رہا ہو۔ اور یہ یقین ہو کہ وہ اپنے اوامر کے بجالانے ہی سے راضی ہوتے ہیں —— اور یہ اللہ کا ذکر اور علم اوامر خداوندی کو مع عظمت اور وقعت کے بجالانے ہی کے لیے ہیں۔ آمر کی عظمت اوامر کی عظمت سے پہلے ہے —— ورنہ اوامر کا بجالانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے احکامات اسی قدر رعیت میں جاری ہو سکتے ہیں جس قدر کہ بادشاہ کا دبدبہ، اس کی عظمت اور اس کی محبت دلوں میں ہوگی۔"

فی الحال اس طویل خط کا صرف اتنا ہی اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے۔ اللہ کرے کہ ہم اس کی اور خیر و حکمت کی ہر بات کی صحیح قدر کریں۔ اور اس کی روشنی میں اس کی امکانی کوشش کریں کہ ہم جو کام کریں اس کے صحیح نہج کے مطابق کریں تاکہ اس کی حقیقی برکتوں سے فیضیاب ہوں —— صرف ایک دفعہ پڑھ لینا اس مقصد کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ بار بار ان اصولوں کے مذاکرے کیے جائیں اور اپنا اور اپنے کاموں کا اور اپنی باتوں کا ان کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا رہے —— اس خط کے کچھ اور اقتباسات آئندہ پیش خدمت کرنے کی نیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اتمام عمل اور اخلاص نیت کی دولت بخشے۔!

تبلیغی جماعت اور اس کے کام سے متعلق

حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ کی اپنے متعلقین اور عامۂ مؤمنین کو ہدایت و نصیحت

[حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی خانقاہ کے ماہنامہ "وصیۃ العرفان" (الہ آباد) میں، حضرت کے مسترشد مولانا جامی کے قلم سے "حالات مصلح الامہ" کے عنوان سے ایک مضمون مسلسل شائع ہو رہا ہے، اسی سلسلہ میں حضرتؒ کے وہ مکاتیب اور ارشادات بھی نقل ہوئے ہیں جن میں حضرت نے بعض ایسے حضرات کے سوال کے جواب میں جن کا حضرت سے اصلاحی اور تربیتی تعلق تھا اُن کے مخصوص حالات کا لحاظ فرماتے ہوئے تبلیغی جماعت کے کام میں اُن کی شرکت کو پسند فرمایا اور اجازت دی، یا پسند نہیں فرمایا اور اجازت نہیں دی۔ (اور بلاشبہ مصلح اور مربی کا یہ حق بلکہ فرض بھی ہے کہ جس مسترشد کے لیے جو راہ عمل مناسب اور مفید سمجھے تجویز کرے)۔

"وصیۃ العرفان" کے تازہ شمارے (بابت جون میں) بھی اس موضوع سے متعلق چند جوابات ہیں ——— آخر میں صفحہ ۲۰ پر اسی سلسلہ میں حضرت کی ایک اہم ہدایت اور نصیحت نقل کی گئی ہے وہی ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔]

الدِّینُ النَّصِیحَة

(ہدایت مصلح الامہ برائے متعلقین متبعین خصوصًا و عامۃ المومنین عمومًا)

مجھے مختلف مقامات سے اور معتبر ذرائع سے یہ بات پہنچی ہے کہ کہیں لوگ اس وقت تبلیغی جماعت سے کچھ الجھ رہے ہیں ایک دینی کام کو نہ خود ہی (اپنے طور پر بھی) انجام دیتے ہیں اور نہ دوسرے ہی لوگوں کو کرنے دیتے ہیں بلکہ طرح طرح سے ان کے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں، میں اس کو نہایت ہی برا سمجھتا ہوں کہ آدمی نہ تو خود کام کرے نہ دوسرے کو کرنے دے بلکہ کام کرنے والوں پر اعتراضات کی اس قدر بھرمار کرے کہ وہ ان سے گھبرا کر اس کام ہی کو ترک کر دیں۔

اس زمانہ میں دینی کام کرنے کی جسقدر ضرورت ہے ظاہر ہے، اور اس کے لیے کس قدر زیادہ کام کرنے والوں کی حاجت ہے یہ بھی مخفی نہیں ہے، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ایسے ضرور رہیں گے جو اس کے دین کی خدمت اور اس کی حفاظت دل و جان سے کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ایک ہی مقصد کے لیے طریق کار مختلف ہوں چنانچہ اس زمانے میں بھی علمائے اہل حق شکر اللہ مساعیہم اپنے اپنے صوابدید کے موافق دینی جدوجہد فرما رہے ہیں۔

اب اگر کسی کو کسی خاص طریقہ کار سے کچھ اختلاف ہو تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ تو کر سکتا ہے کہ اپنے طریقے اور ہمت کے مطابق کام کرے لیکن دوسرے دینی کام کرنے والوں کی بھی ہمت افزائی، نصرت اور اُن کے لیے دعائے خیر کرنا ضروری ہے اور اگر ان کے کسی تسامح پر مطلع ہو تو بطور نصیحت و خیر خواہی کے نرمی سے اس کو سمجھا دے نہ یہ کہ اس جماعت ہی پر لعن طعن شروع کر دے اور بعض افراد یا عوام کی بدسلیقگی کی وجہ سے جماعت کے اکابر کو بھی مورد الزام قرار دینے لگے۔ میں اس کو نہایت ناپسند کرتا ہوں اور اس زمانے میں اس کو بھی مسلمانوں کی تفریق کا موجب سمجھتا ہوں اور یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے۔

(بشکریہ وصیۃ العرفان الہ آباد)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ایک ضروری وضاحتی بیان

جماعت اسلامی ہند کے سرکاری ترجمان "دعوت" دہلی کے ۱۸ جون کے شمارہ میں میری اس گفتگو کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جو یکم مئی ۱۹۹۰ء کو رانچی کے دفتر جماعت اسلامی میں کی گئی تھی، اس کے بعد اس کے متعلق آنے والے متعدد خطوط سے اندازہ ہوا کہ اس سے بہت سی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں، لہٰذا میں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے بارے میں میرا مسلک وہی ہے جس کی تفصیل سے میں نے اپنی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" میں وضاحت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی بنیاد مولانا مودودی مرحوم کے افکار و خیالات پر ہے، اور ان کے تصور دین کی بنیاد وہ ہے جسے انھوں نے "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" نامی اپنی تصنیف میں بیان کیا ہے، میں اصولی طور پر اس تصور دین کو صحیح نہیں سمجھتا اور میرے نزدیک اس سے دین کا نصب العین اور امت کا رخ بدل جاتا ہے۔

میں نے یہ رائے غور و فکر، بحث و تحقیق، احساس ذمہ داری اور بارگاہ الٰہی سے رہنمائی کی دعا اور خیر طلبی کے بعد قائم کی ہے جو ایسی ذمہ دارانہ شہادت اور اقدام کے لیے ضروری ہے، نیز میں نے اس کو اپنی مذکورہ کتاب کے علاوہ رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی کی ممتاز کتاب کے مقدمہ میں بھی واضح کر دیا ہے۔

اگر کوئی میری اس گفتگو سے جس کے بعض ضروری اجزا شائع نہیں ہوئے ہیں۔ اس کے خلاف نتیجہ اخذ کرے یا میں نے خود کوئی ایسی تعبیر استعمال کی ہو جس سے کہ میری اس رائے کے خلاف کوئی مفہوم نکلتا ہو تو اس کو سامعین کے مفہوم کو صحیح طور پر ادا نہ کرنے یا متکلم کے اپنے مافی الضمیر کے ادا کرنے میں کوتاہی پر محمول کیا جائے جس سے بشریت کی بنا پر مبرا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے اصل مسلک کی دوبارہ وضاحت کے لیے ندوۃ العلماء کے ترجمان "تعمیر حیات" کے ایک مفصل انٹرویو میں جس میں مختلف مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اس مسئلہ پر بھی ایک وضاحتی بیان شائع ہو رہا ہے، قارئین جس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

وفیات

(۱) مولانا احتشام الحق تھانوی (کراچی)

غالباً اکثر ناظرین کو اخبارات یا دوسرے ذرائع سے مولانا موصوف کے حادثۂ رحلت کا علم ہو چکا ہوگا ــــ مولانا مرحوم حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بھانجے تھے، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں تھے، اللہ تعالیٰ نے بیان و تقریر پر بہت اچھی قدرت دی تھی۔ ملک کی تقسیم سے پہلے مدت تک نئی دہلی کی جامع مسجد میں (جو پارلیمنٹ کے قریب ہی) جمعہ کی امامت و خطابت بھی فرماتے تھے اور درس قرآن کا سلسلہ بھی تھا۔ تحریک پاکستان کے پرجوش حامیوں میں تھے، قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ پاکستان کے ابتدائی دور کے ارباب حکومت مرحوم مسٹر ناظم الدین اور لیاقت علی خاں وغیرہ سے اُن کے گہرے تعلقات تھے۔ مدتوں تک پاکستان ریڈیو پر صبح کو ان کا درس قرآن ہوتا تھا ــــ پھر حکومتوں کی تبدیلی کے ساتھ حالات بدلتے رہے تاہم پاکستان کے طبقۂ علماء میں ان کا ایک خاص مقام تھا ــــ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کے ارادہ سے ہندوستان تشریف لائے تھے لیکن کچھ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے سفر میں تاخیر ہوگئی اور اجلاس ختم ہونے کے بعد وہ دیوبند پہنچ سکے۔ وہ اس سے پہلے بھی اُن کو سیرت پر تقریر کرنے کی دعوت دی گئی تھی، پروگرام کے مطابق وہاں تشریف لے گئے وہیں قلبی دورہ پڑا اور حکم الٰہی سے زندگی کا روشن چراغ گل ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ــــ پاکستانی سفارت خانہ کے اہتمام سے اُن کا جسد خاکی ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی منتقل ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے۔

(۲) شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں (راولپنڈی)

جس طرح حدیث شریف کے خاص اساتذہ کو شیخ الحدیث کہا جاتا ہے، اسی طرح قرآن مجید سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے مولانا موصوف کو شیخ القرآن کہا جاتا تھا ــــ قرآن پاک کا درس اور خاص کر اُس کی دعوت توحید کی تشریح و تبلیغ گویا ان کی روح کی غذا تھی۔ عارف باللہ حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (میانوالی) سے اُن کا بیعت سلوک کا بھی تعلق تھا اور فہم قرآن میں بڑا ان سے خصوصی استفادہ کیا تھا۔ توحید خالص کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں وہ اپنے شیخ اور استاذ قرآن حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحبؒ کی طرح اس دور کے شاہ اسماعیل شہید تھے۔

اب سے قریباً دو مہینے پہلے اس عاجز کو ان کا گرامی نامہ ملا تھا جو کراچی سے لکھا گیا تھا، میری ایک کتاب کے بارہ میں اپنی انتہائی مسرت کا اظہار کرنے کے ساتھ اطلاع دی تھی کہ میں عمرہ کی نیت سے حجاز مقدس روانہ ہو رہا ہوں ــــ چند ہی روز کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کے ایک گرامی نامہ سے ان کا مدینہ منورہ پہنچنا بھی معلوم ہوا ــــ اس کے بعد آخر رجب میں میرے لڑکے مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہٗ مدینہ منورہ سے آئے تو انھوں نے مولانا موصوف کا سلام بھی پہنچایا اور ساتھ ہی یہ اطلاع بھی دی کہ اسی سفر میں مولانا مکہ بھی تشریف لے گئے تھے وہیں قلبی دورہ پڑا اور جاں بحق ہو گئے ــــ اُن کا بھی جسد خاکی ہوائی جہاز سے راولپنڈی منتقل ہوا اور وہیں تدفین ہوئی ــــ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔ **

** ناظرین کرام سے بھی استدعا ہے کہ مرحومین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا فرمائیں۔

رمضان المبارک کے مبارک موقع پر

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی عام خریداروں کے لیے خصوصی رعایت ۱۵ راگست تک موصول ہونے والے اپنی مطبوعات کے ہر آرڈر پر ۲۰ فیصد اور دیگر اداروں کی مطبوعات پر ۱۰ فیصد رعایت دی جائے گی۔ اپنی مطبوعات کے بعد کمیشن -/۱۵۰ روپے کے ہر آرڈر پر ۲۵ فیصد اور دوسروں کی مطبوعات پر ۱۵ فیصد رعایت دی جائے گی۔

ہماری مطبوعات

مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز تالیفات

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور بیحد دلنشین اور پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ نیا ایڈیشن بہترین کتابت و اعلیٰ طباعت سے مزین قیمت -/۶

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

نیا ایڈیشن اعلیٰ طباعت کے ساتھ۔ قیمت -/۸

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور رواں ترجمہ و تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ

۳۶×۲۰ سائز پر مجلد خوبصورت گرد پوش سے مزین -/۱۳

معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امت کے لیے ہدایت کا خاص سامان ہے مکمل ۶ جلدیں۔

غیر مجلد -/۵۵ (مجلد کے لیے -/۳ فی جلد مزید)

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف، تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔ قیمت -/۵

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات، آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات

قیمت مجلد -/۱۲

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرتؒ کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح سے جان اور سمجھ سکتے ہیں۔
قیمت ۴/۵۰

کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمہ دعوت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ایمان افروز تشریح۔ قیمت ۱/۵۰

نماز کی حقیقت

نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔ قیمت ۳/-

برکات رمضان

ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت موثر اور شوق انگیز بیان۔

قیمت ۲/۵۰

تبلیغی تقریریں

مولانا نعمانی مدظلہ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت ۷/-

آپ کون ہیں کیا ہیں؟ ----- اور آپ کی منزل کیا ہے؟

مولانا نعمانی کی ایک تقریر جس میں دینی مدارس کے طلباء کے لیے ایک جامع پیغام ہے۔ قیمت ۱/۲۵

میری طالب علمی

مولانا موصوف نے اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات بیان کیے ہیں۔ قیمت ۱/۵۰

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علمائے حق پر اسکے اثرات

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف اُن کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈے اور اس کے علمائے حق پر اثرات نیز انکشاف حقیقت کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل — ارکھی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔ قیمت ۵/-

قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟

قادیانیت پر لاجواب کتاب جو عام و خاص سب کے لیے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت ۲/-

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ دریا بہ کوزہ کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔
قیمت ۱/-

بوارق الغیب

"علم غیب نبویؐ" کی تردید میں مولانا نعمانی مدظلہ کی معرکۃ الآراء محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰/-

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علمائے دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ ۳/۵۰

شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے کردہ الزامات کا تسلی بخش اور مدلل جواب۔ قیمت ۳/-

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت
اور اب میرا موقف

مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف

اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے ـــــ جس میں مولانا موصوف نے (جو کہ "جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشان دہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص اُن کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔

قیمت -/۹

تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی
اور بریلوی حضرات

اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت، بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی۔ آئی۔ ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انھوں نے اپنا یہ تاثر بڑے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی تجدید کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔ (۴) تبلیغی جماعت پر "جماعت اسلامی" کے حضرات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب۔ (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت صرف -/۳

دیگر مصنفین کرام کی گراں قدر تصانیف

تجلیات ربانی

تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ
از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان مکتوبات میں جہاں تصوف و تعمیر باطن [illegible] میں امتیاز و جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین و ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے۔

جلد اول -/۱۳/۵۰ جلد دوم -/۱۱/۵۰

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ذخیرہ ـ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے بہترین [illegible] آئینہ دار ہے ـ آخر میں شہنشاہ ہند عالمگیرؒ کا مختصر تذکرہ بھی شامل کتاب ہے۔ قیمت -/۹

تذکرہ خواجہ باقی باللہ

مع خلفاء و صاحبزادگان
مرتبہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ، ان کے دونوں صاحبزادگان خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبد اللہ ـ اور اکابر خلفاء تاج العارفین شیخ تاج سنبھلی، خواجہ الہ داد، خواجہ ابرار، شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، صفات و امتیازات اور کارناموں کی تفصیل قیمت -/۶

صحبتے با اہل دل

مرتبہ: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب

مجددی بھوپالیؒ کی روحانی و اصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ۔ جن میں سنت نبوی کی اتباع، دین اسلام، ایمان و یقین اور کیفیت احسانی پیدا کرنے کا وافر سامان ہے۔ قیمت -/۱۰

قرآن مجید، حمائلیں اور پارے و قاعدے

کتاب	قیمت
قرآن مجید حوالہ ۳۰ فرقانی ۳۰×۲۰/۸ مجلد چرمی	۳۰/
قرآن مجید ۳۱ سائز ۳۰×۲۰/۸ (مجلد، ریگزین)	۲۸/-
قرآن مجید ۶۲ ۲۶×۲۰/۸ سائز ۴۴۴ صفحات	۱۴/-
قرآن مجید ۱۸۸۱ سائز ۲۶×۲۰/۸ مجلد ریگزین	۱۲/-
قرآن مجید ۵۳ ۲۶×۲۰/۸ سائز ۵۵۰ صفحات	۱۴/-
قرآن مجید حافظی ۱۳۶ سائز ۲۶×۲۰/۸	۲۲/-
اشرفی قرآن مجید مترجم ۱۲۸ ترجمہ و تفسیر اختصار شدہ بیان القرآن از حکیم الامت حضرت تھانوی	۳۷/-
حمائل شریف ۲۳ عکسی ۵۲۸ صفحات، سائز ۳۰×۲۲/۱۶	۲۰/-
پارۂ عم خورد کلاں	-/۶۰
پارہ الم ” ”	-/۶۰
پارہ سیقول ”	-/۶۰
پارہ تلک الرسل ”	-/۶۰
پارہ لن تنالوا ”	-/۶۰
یسرنا القرآن	۱/
قاعدہ بغدادی	-/۴۰

تفاسیر قرآن اور علوم قرآنی

کتاب	قیمت
تفسیر حقانی مکمل مجلد	۱۷۵/-
تفسیر بیان القرآن مکمل غیر مجلد	۱۵۰/-
تفسیر ماجدی تا پارہ ۱۱	۴۰/-
تفسیر مظہری اول تا ۔۔ دہم	۲۲۵/-
” ” آخری جلد پارہ ۲۹ ۳۰	۱۸/-
تفسیر رشیدی	۴/-
فضائل قرآن	۱/۷۵
لغات القرآن	۷۵/-
تیسیر القرآن	۱۰/-
مفتاح القرآن مکمل دو حصے	۸/۷۵
التفسیر البیضاوی (عربی)	۱۵/-
تدبر قرآن	۳۲/-
ارض القرآن مکمل	۳۳/-

حدیث و علوم حدیث

کتاب	قیمت
ایضاح البخاری تا ۱۳ قسط	۶۵/
تجرید بخاری اردو	۲۵/
صحیح مسلم اردو	۲۰/
ترمذی شریف اردو	۲۵/
ترجمان السنۃ مکمل	۱۰۰/-
شمائل ترمذی مع خصائل نبوی	۲۱/-
تفہیم البخاری مکمل	۳۰۰/-
مسند امام اعظم	۲۰/-
تقریر بخاری اول ۱۲/۵۰ دوم ۱۳/۵۰	
زاد المعاد اول ۱۵/- دوم ۲۰/-	

فقہ و فتاویٰ

کتاب	قیمت
فتاویٰ رحیمیہ اول	۲۰/-
” ” دوم	۲۰/-
” ” سوم	۲۰/-
جواہر الفقہ اول	۲۵/-
” ” دوم	۲۵/-
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل	۲۰۰/-
اسلامی فقہ مکمل	۲۵/-
تاریخ علم فقہ	۵/-
فتاویٰ فرنگی محل	۱۰/-

مسئلے مسائل

کتاب	قیمت
بہشتی زیور	۱۵/-
حیرۃ الفقہ	۱/۵۰
ارکان اسلام	۴/-
معاشرتی مسائل	۱۲/-
احسن المسائل	۱۵/-
اعتکاف فضائل مسائل	۱/۵۰
رویت ہلال کے بارے میں	
ریڈیو اور ٹیلی فون کا شرعی حکم	۱/۵۰

فضائل و مسائل رمضان

کتاب	قیمت
برکات رمضان	۲/۵۰
فضائل رمضان	۱/۵۰
رمضان اور اس کے روزے	۱/۰
کتاب الصوم (معارف الحدیث چہارم)	۱۵/-

سیرت نبویؐ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبی مکمل	۱۶۸/-
اسوۂ حسنہ	۵/-
نبی رحمتؐ	۳۰/-
پیغمبر عالمؐ	۱۲/-
پہلی تقریر سیرت	۴/-
دوسری تقریر سیرت	۶/۵۰
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	۱۸/-
شمائل ترمذی	۱۸/-
رسالت مآبؐ	۳۰/-
رحمت عالمؐ	۵/-
سیرۃ طیبہ	۱۰/-
محسن عالمؐ	۱/۵۰
وفات النبیؐ	۳/۵۰
ہمارے حضور	۲/-
کاروان مدینہ	۱۲/-
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب	۹/-
پیغمبر اسلام	۱/۷۵
پیغمبر انسانیت	-/۷۵
رسول عربی	۲/۵۰
نغمۂ منبریہ بذکر میلاد خیر البریہ	۳/-
رسول اکرمؐ	۲/-
سیرت محمدی دعاؤں کے آئینے میں	۱/-

سیر و سوانح

کتاب	قیمت
الفاروق	۲۰/-
المامون	۱۰/-
الغزالی	۱۰/-
حکمائے اسلام اول ۲۰/- دوم	۱۴/-
خلفائے راشدین	۱۵/-
سیرت عمر بن عبد العزیز	۸/-
مولانا حیدر حسن خاں	۳/-
امت مسلمہ کی مائیں	۳/۲۵
الانور	۴۰/-
تابعین	۲۰/-
تبع تابعین	۲۰/-
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	۳/۷۵
چار ستارے	۶/-
سوانح مولانا یوسفؒ	۱۵/-
حیات خلیل	۳۰/-
سیرت سید احمد شہیدؒ	۴۰/-
صحابہ کی انقلابی جماعت	۳/۵۰
مولانا عبد الماجد حیات و خدمات	۵/-
صدیار جنگ	۱۵/-
پرانے چراغ	۱۸/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل	۵۲/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۴/-

تذکرے

کتاب	قیمت
تذکرۃ الخلیل	۱۰/-
تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	۱/۵۰
تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ	۶/-
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ	۱۳/-
تذکرہ مولانا فضل رحمانؒ	۴/-
تذکرہ مولانا اویس ندوی	۱۰/-
تین تذکرے	۱۲/-
تذکرہ امام مسلم	۱/۲۵

تاریخی کتابیں

کتاب	قیمت
اسلام اور غربی تمدن	۱۸/۵۰
اسلام کا سیاسی نظام	۱۲/-
اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں	۲۰/-
بزم تیموریہ	۱۸/-
بزم مملوکیہ	۱۴/-
بزم صوفیہ	۲۵/-
تاریخ اسلام مکمل (از شاہ معین الدین صاحب)	۶۹/-
تاریخ اسلام (اکبر شاہ نجیب آبادی)	۹۰/-
خلافت راشدہ کا انتقادی جائزہ	۹۴/-
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	۱۰/-
تاریخ اندلس	۱۹/-

نعتیہ مجموعے اور دعائیں

کتاب	قیمت
بادۂ وحدت	۱/-
حمد باری	-/۷۵
تجلیات	۵/-
کلید باب رحمت	۱/۲۵
بزم رحمت	۱/۲۵
سرود جاوداں	۵/-
ظہور قدسی	۱/۲۵
مدینہ کی گلیاں	۱/۲۵
منتخب سلام	۱/۲۵
نور یزداں	۱/۲۵
رسول اللہؐ کی نعتیں وسلام	۲/۵۰
زمزمۂ نعت	۱/-
گلزار مدینہ	-/۶۰
شان حضورؐ	-/۵۰
عقیدت کے پھول	-/۶۰
شمع رسالت	-/۴۰
عرش	۱/-
گلدستۂ نعت	۱/-
مسنون دعائیں	۱/۷۵
مسنون ومقبول دعائیں	۲/۲۵
دعائیں (مولانا علی میاں)	۱/۵۰
صبح وشام کی دعائیں	۱/-
مسنون دعائیں (انگریزی)	۷/-
الحزب الاعظم (〃)	۱۱/-

رد شرک و بدعت

کتاب	قیمت
انگشت بوسی سے قبل بوسی تک	۲/۵۰
اصلاح المسلمین	۱/۷۵
اغلاط العوام	۲/۵۰
اسلام اور کفر کی حقیقت	۸/-
اصلاح الرسوم	۴/-
تحریک وہابیت پر ایک نظر	-/۷۵
بہار تحریر و بدعات مروجہ	-/۳۰
چراغ سنت	۴/-
بدعت کیا ہے؟	۹/۵۰
بدعت کی باتیں	۱۰/-
باطل شکن	۳/-
گلدستہ توحید	۳/۵۰
وہابی کی پہچان	-/۳۰
اظہار حقیقت	۱/-
دیوبند سے بریلی تک	۱۰/-
زلزلہ در زلزلہ	۶/۵۰
گناہ بے لذت	۱/۸۰
بریلوی فتنہ کا نیا روپ	۷/-
شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین	
اہل بدعت کے الزامات	۳/-
فیصلہ کن مناظرہ	۳/۵۰
بوارق الغیب	۱/۲
حق نما	-/۸۰
بلاغ المبین	۷/۵۰

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کچھ گرانقدر تصانیف

کتاب	قیمت
نبی رحمت	۳۰/-
سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل	۴۰/-
نقوش اقبال	۱۴/-
کاروان مدینہ	۱۲/-
ارکان اربعہ	۱۵/-
پرانے چراغ	۱۸/-
دریائے کابل سے یرموک تک	۱۴/-
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں	۶/-
مذہب وتمدن	۷/-
تاریخ دعوت وعزیمت مکمل	۵۲/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/-
دو ہفتہ مغرب اقصیٰ مراکش میں	۶/-
مشرق وسطیٰ کی ڈائری	۱۵/-
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں	۷/-
عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح	۶/-
معرکہ ایمان ومادیت	۶/-
ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں	۵/-
تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ	۳/۵۰
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	۱۲/-
پاجا سراغ زندگی	۱۳/-
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب	۶/-
تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک	۱۰/-

مختلف موضوعات پر اہم کتابیں

آپ تقریر کیسے کریں اول	۲/۵۰	حقوق والدین	-/۷۵	روداد چمن	۱۵/-
” ” دوم	۲/-	حضرات انبیاء کرام اور صحابہ عظام		نزہت الناظرین	۱۴/-
ام الامراض	۳/-	مودودی صاحب کی نظر میں	-/۷۵	مولانا محمد احسن نانوتوی	۹/-
احکام الصلوٰۃ	۵/-	خلاصہ تسہیل قصد السبیل	-/۵۰	تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ	۴/-
اصلاحی تقریریں	۳/-	دین فطرت کا چیلنج	۳/۵۰	اعمال قرآنی	۴/۵۰
اکابر کا سلوک و احسان	۳/-	کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے	۴/-	اسلام کی بہادر بیٹیاں	۴/-
اسلامی نام	-/۵۰	وعظ بے نظیر	۶/-	اسلام کی باتیں	۴/-
امت کے لیے لمحہ فکریہ	-/۷۵	عربی بول چال (عربی، اردو، انگریزی)		اسلام کا عالمگیر پیغام	۵/-
اولاد کا مزہ	۱/-	اول ۶/- دوم ۱۴/-		ایمان کی باتیں	۵/-
احکامات	۱/۵۰	۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ	۶/-	دوزخ کا کھٹکا	۴/۵۰
ایکسرے رپورٹ	۱/۵۰	احکام المیت	-/۴۰	حقیقۃ البیعت	۲/-
بیان اللسان	۳۰/-	تسہیل الصرف اول	۴/۵۰	جنت کی کنجی	۷/-
بنیادی قرآنی تعلیم	۸/-	” ” دوم	۲/-	جنت کی ضمانت	۴/-
پردے کے شرعی احکام	۲/۵۰	تسہیل المنطق	۲/-	تعلیم الدین	۲/۵۰
پڑوسی کے حقوق	-/۸۰	روضۃ الصالحین	۵/-	رسول اللہ کے معجزات	۴/-
تاجدار مدینہ کی شہزادیاں	۳/-	فن اسماء الرجال	۲/۵	ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی	۳/-
تبلیغی چالیس سبق	-/۵۰	کلام صوفی	۲۵/-	وفات النبی	۳/۵۰
تعلیم الدین	۵/-	مخزن اخلاق	۲۴/-	مسنون دعائیں	۱/۷۵
حیات فخر الاسلام	۶/-	گلشن اشراق	۱۰/-	مسنون مقبول دعائیں	۲/۲۵
حیات امام ابو داؤد سجستانی	۲/-	مکاتیب رشیدیہ	۳/۵۰	معلم القرآن	۱/۷۵
حقوق الاسلام ۵۰/- مذاہب اربعہ ۵/-		عربی میں نعتیہ کلام	۱۰/-	مفتاح القرآن مکمل	۸/۷۵
تمدن اسلام کی کہانی	۱/۵۰	حسن معاشرت	۳/۵۰	مسئلہ تعدد ازدواج	۱/۲۵
مذہب اور سائنس	۱۲/-	اللہ نور السموات والارض	۳۰/-	آپ بیتی کی روشنی میں: دعوت بے نقاب	۶/-

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
تبلیغی نصاب اول	۱۸/-	اصلاح معاشرت	۱/۲۵	اسلام دین فطرت	۴/-
" " دوم	۲۳/-	اصلاح انقلاب	۱/۷۵	تاریخ کا سبق	۲/-
فضائل ذکر	۵/-	تبلیغی تقریریں	۱/۷۵	دین کیا ہے؟	۱/۵۰
فضائل تبلیغ	۱/۲۵	جنت کا ٹکٹ	۳/-	تجدید دین	۲/-
فضائل رمضان	۱/۵۰	کچھ باتیں	[illegible]	تعلیمی منکم ماجل رشید	۶/-
فضائل قرآن مجید	۱/۷۵	خدا کا ذکر	۲/۵۰	قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	۳/-
فضائل درود شریف	۳/۵۰	خدا کی جنت	۲/۷۵	شریعت اور طریقت	۱۵/-
فضائل نماز	۲/۵۰	مردوں اور عورتوں کے		گوہرین نامہ	۲/-
فضائل حج	۶/-	مخصوص مسائل	۱/۷۵	مجموعہ خطبات ماثورہ	۲/-
ارکان اسلام	۴/۵۰	یتیم کا راج	-/۷۵	خطبۂ شہید	۱/۵۰
حل المشکلات	۳/-	خطبات ماجد	۱۰/-	حمد باری	-/۶۰
میری نماز	۳/۲۵	وفیات ماجد	۱۵/-	فوائد مکیہ	۱/-
میدان حشر	۴/۲۵	المنجد (عربی اردو ڈکشنری)	۷۵/-	بلوغ المرام	۸/-
مسلمان خاوند	۳/۵۰	نماز اور دیگر ضروری مسائل	۱/۵۰	شہید اعظم	۴/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا	۸/۵۰	نماز مترجم	-/۶۰	عقائد الاسلام	۹/۷۵
عورتوں کی نماز	۱/۷۵	نفحۂ عنبریہ	۳/-	فضائل نکاح	۱/۵۰
حکایات صحابہ	۵/-	نماز کیا ہے؟	-/۵۰	فضائل اخلاق و اخلاص	۱/۷۵
تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات	۷/-	وجدان حافظ	۳/۵۰	فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان	۲/-
تبلیغی سات نمبر	۳/۲۵	قرآن اور حدیث	۴/۵۰	گوہر علم جوہر سیرت	۱/۲۵
مسلمان بیوی	۳/۵۰	زلزلۂ قیامت	۳/-	مفتاح التبلیغ	۶/۵۰
حضرت جی کی یادگار تقریریں	۳/۵۰	عقلیات اسلام	۲/-	مقالات شریعت و حکمت	۲/-
بہشتی زیور (ہندی)	۱۵/-	تعمیر ملت	۲/-	مزاروں کی جھلکیاں	۲/۵۰
اسلام میں پردے کی حقیقت	۱/۷۵	تبلیغی نصاب (ہندی)	۳۵/-	نسخۂ کیمیا	۷/۵۰

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West) Lucknow (U. P

VOL. 46 NO. (JULY 1980 Phone: 455[illegible]

الفرقان
لکھنؤ
مدیر
محمد منظور نعمانی

مولانا مودودی کے ساتھ
میری رفاقت کی سرگزشت
اور اَب میرا موقف
از: مولینا محمد منظور نعمانی
(مدیر "الفرقان" لکھنؤ)
اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے ـــــــ شروع میں مولینا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کا بصیرت افروز "پیش لفظ" ہے۔
اس کا مصنف وہ شخص ہے جو "جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے بہت گہرا تعلق رکھتا تھا۔ پھر جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کا شریک اور پہلا رفیق تھا۔ پھر ایک مدت تک اس کا سرگرم داعی رہا، اور مودودی صاحب اور جماعت اسلامی پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیتا رہا۔
پھر ایک وقت آیا کہ اس کے سامنے مودودی صاحب کی وہ باتیں اور وہ نظریات آئے جو امت کے لئے اور بالخصوص ان کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں تو اس نے اپنا فرض سمجھا کہ جو کچھ وہ محسوس کر رہا ہے، عام مسلمانوں اور خاص کر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے مخلصین تک بھی پہونچا دے۔ اسی فرض کی ادائیگی کے لئے اس نے یہ کتاب لکھی۔
مصنف نے سلسلۂ کلام تحریک خلافت اور دارالعلوم دیوبند کی اپنی طالبعلمی کے دور سے شروع کیا ہے۔ اس دور کی جمعیۃ العلماء، اسکی خصوصیات اور ملکی آزادی کے بارے میں اس کے خاص تصور کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس سے موجودہ نسل افسوس ہے کہ بالکل ناواقف ہے۔
• ۱۶۴ صفحات • متوسط سائز • اعلیٰ کاغذ • معیاری کتابت و طباعت
• مجلد مع حسین گرد پوش • قیمت -/Rs. 9
ناشر:- الفرقان بک ڈپو، ۳۱- نیا گاؤں مغربی، نظیر آباد لکھنؤ

ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/۰
پاکستان سے ۳۰/۰
بنگلا دیش سے ۱۶/
یہ شمارہ

ممالک غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ کے بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جلد (۴۸) | بابت اگست و ستمبر سنہ ۱۹۸۰ء مطابق رمضان المبارک شوال المعظم سنہ ۱۴۰۰ھ | شمارہ (۸ و ۹)

صفحہ	مضمون نگار	مضامین	نمبر شمار
۲	محمد منظور نعمانی	نگاہِ اولیں	۱
۹	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	تحریک خلافت جستہ جستہ جھلکیاں اور تلخیص	۲
۷۵	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	قاضی محمد عدیل عباسی	۳
۷۸	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	قاضی محمد عدیل عباسی کا عظیم کارنامہ	۴

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیئے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں، اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۱۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ بیس روپے ہندوستانی سکہ میں بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں تیس روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

ناظرین کو یاد ہوگا اب سے ۸-۹ مہینے پہلے نومبر دسمبر ۱۹۷۹ء کے مشترکہ شمارے میں میرے مضمون "مولانا مودودی مرحوم کے ساتھ میری رفاقت ....." کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی جس میں سلسلۂ کلام تحریک خلافت ہی سے شروع کیا گیا تھا، اس میں ضمنی طور پر قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کی کتاب "تحریک خلافت" کا بھی ذکر آگیا تھا جو چند ہی مہینے پہلے شائع ہوئی تھی ـــــ اس کے ۳ ہی مہینے بعد ۲۱ مارچ ۸۰ء کو قاضی صاحب مرحوم داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کے عالمِ آخرت کی طرف منتقل ہوگئے، تو اپریل کے شمارے میں اُن سے متعلق تعزیتی نوٹ میں مرحوم کے حادثۂ رحلت کی اطلاع اور اُن کے لیے ناظرین سے دعائے مغفرت و رحمت کی استدعا کرتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ

> "میں نے اب سے کئی مہینے پہلے قاضی صاحب کی کتاب "تحریکِ خلافت" مولوی عتیق الرحمٰن سلمہم اللہ تعالیٰ کو لندن اس فرمائش کے ساتھ بھیجی تھی کہ وہ "الفرقان" کے لیے اس کی تلخیص کر دیں
>
> عجیب اتفاق ہے کہ آج ۳ اپریل کو ٹھیک اس وقت جبکہ راقم سطور ان کے حادثۂ رحلت سے متعلق اوپر کی سطریں لکھ رہا تھا مولوی عتیق الرحمٰن کا بھیجا ہوا تلخیص کا مسودہ ڈاک سے پہنچا۔ انشاء اللہ یہ تلخیص الفرقان میں شائع ہوگی اور اسی کے ساتھ قاضی صاحب کی شخصیت اور کارناموں کے بارہ میں بھی کچھ لکھا جائے گا۔"

اب اگست، ستمبر کے اس مشترکہ شمارے کے ذریعہ یہ وعدہ پورا کیا جا رہا ہے ـــــ اس میں نگاہِ اولیں کے ان صفحات کے بعد قاضی صاحب مرحوم کی کتاب "تحریک خلافت" کی تلخیص ہے جو صفحہ ۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۴۰ پر ختم ہوئی ہے ـــــ اس تلخیص کی نوعیت کے بارہ میں خود تلخیص نگار نے اپنے تمہیدی نوٹ میں جو کچھ لکھا ہے وہ

ناظرینِ کرام پڑھ لیں گے اور تلخیص کا مطالعہ اس کی تصدیق کرے گا۔

مطالعہ کے وقت یہ بات خاص طور سے ملحوظ رہنی چاہیے کہ یہ تلخیص قاضی صاحب کی حیات میں لکھی گئی تھی، اور لکھنے والے کو ایک حد تک یقین کے ساتھ امید تھی کہ قاضی صاحب کی نظر سے گزرے گی اور وہ اس کو اپنی کتاب کی ایک خدمت تصور فرمائیں گے ——— اسی بناء پر آخر میں "کچھ تاثرات و گزارشات" کے زیرِ عنوان قاضی صاحب کے ساتھ اپنے نیازمندانہ تعلق کا ذکر کر کے اُن سے معذرت کرتے ہوئے کتاب کی چند قابلِ اصلاح باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی تاکہ دوسرے اڈیشن کے لیے نظرِ ثانی کے وقت یہ چیزیں اُن کے پیشِ نظر رہیں ——— لیکن اللہ کی مشیت کہ یہ تلخیص جب لندن سے لکھنؤ دفتر الفرقان پہنچی تو قاضی صاحب سفرِ آخرت پر روانہ ہو چکے تھے ——— راقم سطور کے سامنے یہ سوال آیا کہ اب جبکہ قاضی صاحب ہمارے اس دنیا میں نہیں رہے تو اس تلخیص کا یہ آخری حصہ جس میں قابلِ اصلاح باتوں کی نشاندھی کی گئی ہے، شائع کیا جائے یا اس کو نکال دیا جائے ——— مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس کو اسی طرح رہنے دیا جائے جس طرح لکھا گیا ہے۔ البتہ اس کی صراحت اور وضاحت کردی جائے کہ یہ سب اُن کی حیات میں اس امید پر اور اس غرض سے لکھا گیا تھا کہ کتاب پر نظرِ ثانی کے وقت یہ باتیں قاضی صاحب کے پیشِ نظر رہیں۔

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ تلخیص کے اس آخری حصہ میں کتاب کی جن چند باتوں کو قابلِ نظرِ ثانی بتلایا گیا تھا اُن میں سب سے اہم یہ بات تھی کہ قاضی صاحب نے اس میں مصطفیٰ کمال پاشا کی انتہائی مدح و تحسین کی ہے اور اُن کی شخصیت کا تعارف ایک غازیِ اسلام کی حیثیت سے کرایا ہے، اور خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خاں ثانی اور سلطان وحید الدین اور اُن کے ساتھ سلطنتِ عثمانیہ کے شیخ الاسلام تک کو سخت ترین تنقید و مذمت کا نشانہ بنایا ہے۔

ناظرینِ الفرقان کو یاد ہوگا کہ اب سے تقریباً ایک سال پہلے اگست اور ستمبر ۷۹ء کے شماروں میں اسی کتاب [illegible] سے متعلق مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کی پہلی قسط میں اس کتاب کی تصنیف پر قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کو وہ خراجِ تحسین ادا کیا گیا تھا جو اُن کا حق تھا، اور

دوسری قسط میں (جو ستمبر کے شمارے میں شائع ہوئی تھی) اُس کے بعض مضامین پر تنقید کی گئی تھی اس تنقید کا بڑا حصہ مصطفیٰ کمال پاشا اور سلطان عبدالحمید خاں کے بارے میں قاضی صاحب کے مذکورہ بالا رویہ ہی سے متعلق تھا۔ قاضی صاحب نے اس تنقید کا جواب بھی لکھا تھا اور الفرقان میں اشاعت کے لیے میرے پاس بھیج بھی دیا تھا، لیکن پھر اُن کا خط آگیا کہ تنقید و تبصرہ کا جواب دینا خلافِ اصول ہے۔ اس لیے میرا جوابی مضمون شائع نہ کیا جائے۔۔۔۔ پھر انہی دنوں میں قاضی صاحب کا لکھنؤ تشریف لانا ہوا، میرے پاس بھی تشریف لائے، اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ مصطفیٰ کمال اور سلطان عبدالحمید خاں کے بارہ میں اُن کی معلومات وہی ہیں جو تحریکِ خلافت کے زمانہ میں اور اس کے بہت بعد تک بھی اخبارات وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہوتے رہے تھے۔۔۔۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اُس دور میں عام طور سے یہی باتیں مشہور تھیں خاص کر مصطفیٰ کمال کو تو اپنے وقت کا صلاح الدین ایوبی سمجھا جاتا تھا، جہاں تک یاد ہے خود اپنا حال بھی یہی تھا، گلی کوچوں میں بچے تک اس طرح کے اشعار پڑھتے تھے۔

ہمارا غازی کمال پاشا کمال اپنا دکھا رہا ہے   کہ یورپ کے سارے ہندوں کو انگلیوں پر نچا رہا ہے

میں نے اس صحبت میں قاضی صاحب سے عرض کیا کہ اب یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ سلطان عبدالحمید کے بارے میں یہ رسوا کن باتیں اس دور کے اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف سے مشہور کی جاتی تھیں اور اس میں سب سے بڑا ہاتھ اُن یہودیوں کا تھا جن کی فلسطین کو وطن بنانے کی درخواست کو سلطان نے سختی کے ساتھ بلکہ انتہائی تحقیر و تذلیل کے انداز میں مسترد کر دیا تھا، میں نے ذکر کیا کہ اس موضوع پر متعدد کتابیں عربی میں بھی شائع ہو چکی ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ انگریزی میں بھی اس موضوع پر لکھا گیا ہے اور سب سے اہم چیز اس سلسلہ میں اس یہودی لیڈر کی ڈائری ہے جو فلسطین کو وطن الیہود بنانے کی تحریک کا علمبردار تھا، اس نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ سلطان کو گرانے اور بالآخر اس کو معزول کرانے میں انھوں نے کس طرح کامیابی حاصل کی۔

اس سلسلہ میں میں نے فلسطین کے مفتی امین الحسینی مرحوم کا بھی حوالہ دیا (جنھوں نے طویل عمر پا کر ابھی چند سال پہلے وفات پائی ہے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو سلطان عبدالحمید خاں اور ان کے دورِ حکومت کے ان حالات سے براہِ راست واقفیت حاصل تھی)۔۔۔۔ ایک دفعہ رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس کے موقع پر مکہ مکرمہ میں رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جبکہ یہ عاجز بھی اُن کے ساتھ تھا مفتی صاحب سے انکی قیام گاہ پر ملاقات کی اور سلطان عبدالحمید خاں اور مصطفیٰ کمال اور ان کی پارٹی "انجمن اتحاد و ترقی" کے بارہ

میں دریافت کیا، مفتی صاحب مرحوم نے بہت تفصیل سے اس دور کی پوری تاریخ بیان فرمائی، اُن کے بیان کا حاصل یہی تھا کہ سلطان عبد الحمید خاں خلافت اسلامیہ کی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے والا ایک صاحب کردار اور باعزم فرمانروا تھا، ترکی میں جو کچھ ہوا یہودیوں اور ان کی پشت پناہ یورپین طاقتوں کی سازش سے ہوا اور انجمن اتحاد وترقی کے ارکان (دانستہ یا نادانستہ) اُن کے آلہ کار بن گئے، اور یہود اور یورپ کی اسلام دشمن طاقتیں انھیں کے ہاتھوں خلافت اسلامیہ کو ختم کرا دینے میں کامیاب ہو گئیں۔

قاضی صاحب نے میری ساری گفتگو سننے کے بعد فرمایا تھا کہ میں اس موضوع پر لکھی جانے والی چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور ان کا مطالعہ کر کے اس حصّہ کو از سرِ نو لکھوں گا — لیکن اللہ کی مشیت کہ اس محبت ملاقات کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد قاضی صاحب اس دنیا سے اٹھا لیے گئے، اُن سے راقم سطور کی یہی آخری ملاقات تھی۔

اب جبکہ قاضی صاحب کی کتاب کی یہ تلخیص ایسے وقت شائع کی جا رہی ہے جبکہ وہ خود ہماری دنیا سے سفر فرما چکے ہیں تو مناسب سمجھا گیا کہ ناظرین کو اُن کی شخصیت اور دینی وملی خدمات سے بھی کچھ واقف کرا دیا جائے — اس سلسلہ میں ایک مختصر مضمون مولانا ضیاء الدین اصلاحی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ کا شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ الفرقان کے صرف ۲ صفحات پر ہے لیکن "ما قلّ ودلّ" کی بہترین مثال ہے، اس اختصار کے باوجود اس میں قاضی صاحب کی زندگی کے سارے ہی قابلِ ذکر پہلو آ گئے ہیں گویا مختصر سوانح حیات ہے۔

دوسرا مختصر سا مضمون صدیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا ہے جو انھوں نے قاضی صاحب مرحوم کی وفات کی خبر پا کر املاء کرایا تھا اور ندوۃ العلماء کے ترجمان "تعمیر حیات" میں شائع ہوا تھا۔

آخر میں قاضی صاحب مرحوم کے حقیقی بھائی مولانا محمد شکیل ندوی کا مضمون ہے جس کا عنوان ہے "بھائی صاحب — کچھ یادیں کچھ آہیں" یہ موصوف نے راقم سطور کی استدعا پر لکھا ہے، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یہ کوئی مسلسل اور مربوط مضمون نہیں ہے، بلکہ بڑے بھائی قاضی محمد عدیل عباسی صاحب سے متعلق کچھ باتیں اور کچھ احساسات وتاثرات ہیں — اس مضمون میں مرحوم سے متعلق بہت سی وہ باتیں آ گئی ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتی تھیں لیکن ان کا حق تھا کہ وہ محفوظ ہو جائیں اور مرحوم قاضی صاحب سے تعلق ومحبت رکھنے والوں کے علم میں آ جائیں۔

قاضی صاحب کا اس عاجز کے ساتھ جس طرح کا تعلق تھا اس کا حق تھا کہ میں اس موقع پر اس ربط و تعلق کی پوری تاریخ اور اس سلسلہ میں بیسیوں قابل ذکر واقعات لکھتا، اس کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن اندازہ ہوا کہ بات بہت طویل ہو جائے گی اس لیے صرف چند باتیں لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں

(۱)

۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے جو مسائل پیدا ہوئے اُن میں دینی لحاظ سے سب سے زیادہ سنگین اور خطرناک مسئلہ یہ تھا کہ تعلیم لازمی کی جا رہی تھی جس کی وجہ سے ہر بچے کا سرکاری یا منظور شدہ اسکول میں داخلہ لیکر تعلیم حاصل کرنا ضروری بتلایا جاتا تھا، اور وہاں اردو ختم کر دی گئی تھی، مزید برآں بچوں کو ہندو دیومالا پڑھائی جاتی تھی جس کی بنیاد مشرکانہ اوہام پرستی پر ہے۔ انھیں معصوم بچوں کے خام ذہن کا متاثر ہونا لازمی تھا ــــ اس صورت حال نے اُن تمام باشعور مسلمانوں کو بےچین کر دیا تھا جو اس کے نتائج کو محسوس کرتے تھے لیکن اسکے انسداد اور علاج کیلیے ایک عملی اسکیم جہاں تک معلوم ہے سب سے پہلے قاضی صاحب ہی نے تیار کی اور [illegible] کے خاموشی کے ساتھ عملی اقدام بھی شروع کر دیا ــــ اسکیم یہ تھی کہ ہر بستی میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو ابتدائی تعلیم کے اپنے مکاتب قائم کیے جائیں جن میں خصوصیت سے قرآن مجید ناظرہ اور اردو کے ذریعہ دینیات کی تعلیم ہو، امکانی حد تک پرائمری درجات کے دیگر ضروری مضامین حساب وغیرہ کی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے، اور مدرس کی تنخواہ وغیرہ کتب کے مصارف کی ذمہ داری اسی بستی کے مسلمان قبول کریں اور اپنے بچوں کے کھانے کپڑے اور شادی بیاہ کی طرح اس کو بھی اپنی زندگی کی ضروریات کی فہرست میں شامل کر لیں، اس سلسلہ میں خاص کر دیہات کی غریب بستیوں کے لیے مٹھی اور کھلیانی کی اسکیم تجویز کی اور سب سے پہلے اپنے ضلع بستی میں ایک تحریک کے انداز میں یہ جد و جہد شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور دیہات دیہات مکاتب قائم ہو گئے۔ ان میں ایسے مکاتب بھی تھے جن میں تمام ضروری مضامین کے ساتھ درجہ ۵ تک کی تعلیم کا بندوبست تھا۔ قاضی صاحب اور ان کے رفقاء نے دوروں کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ تمہارے بچوں کے دین و ایمان کی حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ وہ ابتدائی تعلیم تمہارے قائم کیے ہوئے ان مکتبوں میں حاصل کریں، آگے کی تعلیم کے لیے چاہیں تو سرکاری اسکولوں میں داخلہ لیں۔ مسلمانوں نے عام طور سے ان کی اس دعوت کو قبول کیا۔

بعض مقامات پر لازمی تعلیم کے قانون کے تحت [illegible] بچوں کے سرپرستوں پر [illegible]

گورنمنٹ کے محکمہ تعلیم کی طرف سے مقدمات چلائے گئے کہ یہ اپنے بچہ کو تعلیم کے لیے اسکول نہیں بھیج رہے ہیں، قاضی صاحب ایک اچھے ماہر قانون وکیل بھی تھے، انھوں نے ڈٹ کر قانونی لڑائی لڑی، اور عدالتوں کو بتلایا کہ از روئے قانون بچہ کے لیے تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سرکاری اسکول ہی میں تعلیم حاصل کرے، عدالتوں نے یہی فیصلہ دیا، اس طرح کے چند مقدمات کے بعد یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ جو بیچارے عوام کے لیے خون زدگی اور پریشانی کا باعث ہو سکتا تھا۔

جہاں تک معلوم ہے قاضی صاحب نے یہ کام سنہ ۵۱ء میں شروع کر دیا تھا۔ سنہ ۵۳ یا ۵۴ء میں اسی سلسلہ میں اپنے شہر بستی میں انھوں نے ایک جلسہ کیا، اس میں شرکت کے لیے مجھے بھی مدعو کیا، میں بستی پہنچکر شریک ہوا۔ مکاتب کی ان کی اس تحریک کے بارہ میں کچھ سن چکا تھا لیکن پوری بات سامنے نہیں آئی تھی، اس جلسہ میں قاضی صاحب نے اس کام کی ضرورت و اہمیت اور اس کے طریق کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور جو مکاتب قائم ہو چکے تھے ان کا کچھ حال بیان کیا، میں بیحد متاثر ہوا اور مجھے محسوس ہوا کہ موجودہ حالات میں یہ نئی نسل کے دین کی حفاظت کا انتظام ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاضی صاحب کو اس کی توفیق ملی ہے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء

جلسہ کے بعد اگلے دن جب اطمینان سے گفتگو کا موقع ملا تو میں نے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ اس کام کے دائرہ کو وسیع کریں اور اگر فی الحال پورے ملک کو نہیں تو کم از کم اپنی ریاست اتر پردیش کو اپنا میدان کار بنائیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں بس اپنے ضلع ہی میں کام کر سکتا ہوں اور اسی کو سنبھال سکتا ہوں۔ الحمد للہ معلوم ہو گیا ہے اور تجربہ بھی ہو گیا ہے دوسرے اضلاع کے لوگ اسی طریقہ پر کام کریں ——— اس کے بعد بھی میں نے اپنی بات پر اصرار کیا لیکن اس وقت میں قاضی صاحب کو آمادہ نہ کر سکا۔

لکھنؤ واپس آکر میں نے رفیق محترم مولانا علی میاں سے یہ سب بیان کیا۔ ہم دونوں کی رائے ہوئی کہ کوئی انتظام ہو جائے کہ قاضی صاحب اپنے کو کلی طور پر اس کام کے لیے وقف کر سکیں ——— کچھ دنوں کے بعد ہم دونوں کا بمبئی جانا ہوا، وہاں ایک باتوفیق دوست کے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آیا، انھوں نے پوچھا کہ اگر قاضی صاحب کو مجبور کیا جائے کہ وہ وکالت چھوڑ دیں تو ان کی ضروریات کے لیے کتنا کافی ہوگا؟ ——— ہم دونوں نے کچھ سوچ سمجھ کے بتلایا کہ کم از کم چھ سو روپے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار ماہوار ——— انھوں نے کہا کہ آپ حضرات قاضی صاحب کو اس کے لیے مجبور کریں، آپ کی خدمت میں یہ رقم میں پیش کر دیا کروں گا اور یہ بات صرف آپ کے اور میرے درمیان رہے گی۔

میں نے لکھنؤ واپس آکر قاضی صاحب کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی صورت پیدا فرما دی ہے کہ ہم آپ سے اصرار کر سکیں کہ آپ اپنے کو صرف اسی دینی تعلیمی تحریک کے لیے وقف کر دیں، آپ کی ضروریات ان شاء اللہ پوری ہوتی رہیں گی اور کسی کا آپ پر ذرہ برابر احسان نہ ہوگا بلکہ آپ کا ہم پر اور پوری ملت پر احسان ہوگا اور یہ آپ کی بہت بڑی قربانی ہوگی۔

قاضی صاحب نے کئی دن کے غور و فکر کے بعد مجھے اس کا جواب لکھا۔ (ان کا یہ گرامی نامہ ۸-۱۰ صفحات پر تھا، افسوس ہے کہ اپنی عام عادت کے مطابق میں نے اس کو بھی محفوظ نہیں رکھا، اس میں انھوں نے اختصار کے ساتھ اپنی سوانح حیات لکھ دی تھی (کاش وہ محفوظ ہوتا تو اس شمارہ میں شائع کیا جاتا)

میری اصل گزارش کے جواب میں جو کچھ انھوں نے لکھا تھا اس کا حاصل یہ تھا کہ خود میرا ارادہ عمر بھر وکالت کرنے کا نہیں تھا، وکالت کو میں نے ایک آزاد پیشہ سمجھ کر اس لیے اختیار کیا تھا کہ اس کے ساتھ قوم و ملت کی خدمت کی بھی گنجائش رہتی ہے — شروع میں میرا منصوبہ تھا کہ کچھ مدت تک وکالت کر کے کچھ پس انداز کروں گا اور وہ رقم کسی دیانت دار بھائی کے کاروبار میں لگا دوں گا، اس سے مجھے کچھ مل جایا کرے گا بس اسی سے گزارہ کروں گا اور اگر اللہ توفیق دے گا تو اپنا وقت ملت کی خدمت ہی میں لگا دوں گا، لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا — اور اب میں اس عمر میں اپنے ضمیر کو اس پر آمادہ کرنے سے عاجز و قاصر ہوں کہ کسی اور کے عطیہ سے گزارہ کروں۔ اب یہی ممکن ہے کہ وکالت کا کام صرف بقدر ضرورت کروں اور جو وقت بچا سکوں وہ دینی تعلیمی مکاتب کی تحریک میں لگاتا رہوں۔

پھر ایک وقت آیا کہ قاضی صاحب اس تحریک کو صوبائی حد تک وسیع کرنے پر آمادہ ہو گئے، خود انھوں نے ۱۹۵۹ء میں اپنے وطن شہر بستی میں دینی تعلیمی کانفرنس بلائی جس کی صدارت رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں نے کی تھی، اسی کانفرنس میں "دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش قائم ہوئی" مولانا اس کے صدر منتخب کیے گئے اور قاضی صاحب جنرل سکریٹری — اس کونسل کی جد و جہد کے نتیجہ میں ریاست کے مختلف اضلاع میں کئی ہزار مکتب قائم ہیں جن میں کئی لاکھ بچے قرآن مجید ناظرہ اور اردو کے ذریعہ دینیات کی بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں — بہرحال اس عظیم دینی تعلیمی تحریک کے اصل داعی اور بانی مرحوم قاضی صاحب ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اس عمل کو قبول فرمائے اور اُن کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے۔

(باقی صفحہ ۹۴ پر)

تحریک خلافت

از جناب قاضی محمد عدیل عبّاسی

جستہ جستہ جھلکیاں — اور — تلخیص

از: عتیق الرحمٰن سنبھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

١٨٥٧ء کی تحریک آزادی کے بعد جس دوسری تحریک کا رنگ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ گہرا ہے وہ تحریک خلافت ہے۔ اور اگر عوام گیری، بلکہ صحیح تر الفاظ میں ہمہ گیری، کے پیمانے سے نیز زندگیوں میں انقلاب برپا کر دینے کے پہلو سے دیکھا جائے تو تحریک خلافت کا درجہ تحریک ١٨٥٧ء سے بہت آگے ہو جاتا ہے۔

اتنی غیر معمولی تحریک اور اس کی کوئی مستند تاریخ نہ ہو، کوئی باقاعدہ تالیف اس پر نہ ہو، یہ ایک اچنبھے سے کم نہیں ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس تحریک میں کوئی حصہ لیا اور ابھی بقید حیات ہیں اُنہی میں سے ایک ہمارے بزرگ قاضی محمد عدیل صاحب عباسی ایڈووکیٹ (جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش) ہیں۔ وہ ایک عرصے سے اس فرض اور قرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ تھے۔ اور اس توجہ کا نتیجہ "تحریک خلافت" نامی ایک متوسط کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ $\frac{٢٢ \times ١٨}{١ \times ٨}$ کے ٢٠٠ صفحات پر، اسے حکومت ہند کی وزارت تعلیم کے "ترقی اردو بورڈ" نے شائع کیا ہے۔ صفحات گو زیادہ نہ معلوم ہوں مگر فی صفحہ باریک قلم کی ٢٥ سطروں کی وجہ سے مواد بہت کافی آگیا ہے۔ طباعت آفسیٹ کی ہے اس لیے بہت صاف بھی ہے۔

میرے والد ماجد (مولانا نعمانی مدظلہ العالی) اُن لوگوں میں ہیں جنہوں نے تحریک خلافت کا دور دورہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے انہیں بارہا اس کمی کا بڑا احساس کرتے ہوئے پایا کہ خلافت کی تحریک کو کسی نے قلمبند

نہیں کیا ہے اور میرا اندازہ ہے کہ محترم قاضی صاحب کو اس ضرورت کی طرف متوجہ کرنے میں اُن کا بھی حصّہ ہے۔ بہر حال یہ کتاب اُن کے لیے مسرّت کا باعث ہوئی ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ظفر حسن ایبک کی کتاب "آپ بیتی" کی طرح اس کی بھی تلخیص الفرقان کے لیے کروں۔

اتفاق سے قاضی صاحب کی کتاب کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ میں اس کی کامل تلخیص مشکل پا رہا ہوں۔ اور اسی لیے مجھے اس کام میں بہت دیر بھی ہو گئی ہے۔ بار بار کچھ وقفے سے کتاب کو ہاتھ میں لے لے کر رکھ دیتا رہا کہ شاید کوئی شکل کچھ اور وقت گزرنے سے سمجھ میں آجائے۔ مگر اب یہ فیصلہ کر لینا ہی پڑا کہ کامل تلخیص تو ہو گی نہیں۔ "کچھ جھلکیوں" کی سی شکل میں اس فرض کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے ـــــ وہی نذر ناظرین ہے۔

انتساب

کتاب کا انتساب قاضی صاحب نے اپنی مرحوم شریک حیات کے نام کیا ہے اور اُس کا جو سبب دیباچے میں لکھا ہے وہ ایک طرف تو چند ہی لفظوں میں یہ بتاتا ہے کہ قاضی صاحب نے کس عمر میں، کس طرح اور کیا حصہ تحریک خلافت میں لیا۔ اور دوسری طرف یہ کہ کمسن اور نئی نویلی دلہنوں تک پر اس تحریک کے اثرات کا کیا عالم تھا ـــــ قاضی صاحب لکھتے ہیں :-

"میری شادی ۱۲ر اپریل ۱۹۱۸ء کو نجم النساء بیگم سے ہوئی تھی اُس وقت میری عمر ۱۸-۱۹ سال اور اس کی عمر ۱۶-۱۷ سال تھی۔ ۱۹۲۰ء میں بی۔ اے پاس کرنے کے بعد میں نے یونیورسٹی آف الٰہ آباد میں داخلہ لیا اور ناگپور کانگریس کے بعد ترک موالات کی تحریک میں[1] شریک ہو گیا۔ ترکِ تعلیم کے بعد جب میں گھر پہنچا تو وہاں غصہ اور ناامیدی کا ایک طوفان پایا۔ اور میرے اوپر ہر طرح کا دباؤ اس تحریک سے الگ رہنے کے لیے ڈالا جا رہا تھا۔ میں بہت مغموم تھا اور چپکے چپکے بھاگ کر جیل جانا چاہتا تھا۔ لیکن میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہ تھی۔ ایک دن اُس نے مجھ سے پوچھا تم اتنے مغموم اور رنجیدہ کیوں رہتے ہو؟ میں نے کہا تم گھر کا رنگ ڈھنگ دیکھ رہی ہو میں بھاگنا اور جیل جانا چاہتا ہوں۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے بلا ایک لمحہ توقف کے بعد کہا "تو بھاگ جاؤ اور جیل جاؤ" اب میں نے کہا لیکن میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے "بھاگ کر کہیں جاؤں تو کیسے؟" اُس نے بڑی خندہ پیشانی سے فوراً کہا "کل مجھے ابا دس روپے دے گئے ہیں اُس کو لے لو اور بھاگ جاؤ" حالانکہ رسم و رواجِ وقت کے مطابق یہی اُس کی

---

[1] جنھیں نہیں معلوم ہے انھیں بتاتے چلیں کہ معلوم ہو جائے گی کہ ترک موالات کی تحریک بھی خلافت تحریک ہی کا ایک جزو تھی۔

کل پونجی تھی۔ یہ رقم میرے لیے ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔ میں رات میں بھاگ کر نکل گیا اور کانپور مولانا حسرت موہانی کے پاس پہنچا۔ وہاں سے بجنور "مدینہ" اخبار میں گیا۔ احمد آباد کانگریس کے بعد اخبار "زمیندار" لاہور کا بحیثیت چیف ایڈیٹر چارج لیا اور گرفتار ہو کر ایک سال لاہور سنٹرل جیل میں رہا"

پھر لکھتے ہیں:۔

"زندگی میں آسودگیٔ نفس کے بہت سامان ملے لیکن یہ دس روپے جو اُس نے دیے تھے اور جس طرح اُس نے مجھے تحریک میں کود پڑنے اور جیل جانے کی ترغیب دی تھی حالانکہ وہ ایک اردو خواں پردہ نشین کمسن لڑکی تھی اور اُس وقت جیل کا خیالی منظر بڑا ہولناک تھا، مجھے ہمیشہ یاد رہا۔ ۱۵ر دسمبر ۲۶ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی یاد سے اس کتاب کو نسبت دینا میں انسب ترین سمجھتا ہوں"

کوئی شبہ نہیں کہ اس کتاب کی نسبت کے لیے اس جی دار، دلدار خاتون سے بڑھ کر کوئی اور حقدار نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ درجے بلند کرے کہ (با دنیٰ تصرف)

قصہ "آدم" کو رنگیں کر گیا اس کا لہو

پہلا باب

انتساب کے بعد کتاب آتی ہے اور وہ تیرہ بابوں میں تقسیم ہے۔ پہلا باب ہے "مسئلہ خلافت کی نوعیت" خیال تھا کہ پہلا باب یہ بتائے گا کہ وہ کیا مسئلہ تھا جس پر خلافت تحریک کھڑی ہوئی تھی۔ اور کب اور کس زمانے میں یہ مسئلہ پیدا ہوا تھا۔ مگر قاضی صاحب نے بظاہر اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ بلکہ بجائے اس کے یہ بحث اس باب میں کی ہے کہ ترکی خلافت جس کے تحفظ کے لیے ہندوستان میں تحریک خلافت برپا ہوئی تھی، اُس کے تحفظ کا مسئلہ فی الواقع ایسا ہی اہم دینی مسئلہ تھا جیسا کہ اس وقت سمجھا گیا تھا۔ یہ باب فروری ۲۰ء کی بنگال صوبائی خلافت کانفرنس کے خطبۂ صدارت کے ایک اقتباس سے شروع ہوتا ہے۔ یہ خطبہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ارشاد فرمایا تھا۔ اور اس میں مسئلہ خلافت کی شرعی حیثیت سے بحث

بحث کی تھی۔

اقتباس سے جو نقطۂ نظر سامنے آتا ہے اُس کی مزید تائید کے لیے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"مسلمانوں میں ہر طبقۂ خیال اور ہر نقطۂ نظر کے علماء و لیڈران خلافت "خلافت" کو خالص مذہبی معاملہ سمجھتے اور اسی کے مطابق استدلال کرتے تھے ...... شاید کسی ایک مسئلہ پر علمائے ہندوستان کبھی اس طرح متفق نہیں ہوئے" (ص ۱۹)

یہ پہلا باب بہت ہی مختصر صرف ۶ صفحے کا ہے اور اُس میں بھی موضوع سے بحث بس چار صفحوں میں ختم ہوگئی ہے۔ آخر کے دو صفحوں میں سے یہ سطریں تحریک کے ایک نہایت اہم پہلو کو اُجاگر کرتی ہیں:

۱۔ "تحریک خلافت کا یہ پہلو بھی خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ اس سے ہمارے ملک میں آزادیٔ کامل کی بنیاد پڑی اور ہندو مسلم اتحاد کا بیج بویا گیا اول مرتبہ ہندوستان برطانیہ کی رعایا ہونے پر فخر کرنے کی ذلت سے باہر نکلا اور ہر باشندۂ ملک نے خودداری اور خود اعتمادی کی فضا میں اپنے کو ہندوستانی کہنے پر شرم نہ کرنا دریافت کیا۔ تحریک خلافت ایک مشعل تھی جس نے ہندوستان کے ضمیر کو روشن کیا اور اس اُجالے میں اُس نے اپنے آپ کو دیکھا اور پالیا۔"

(ص ۱۹)

دوسرا باب

"مسلمانوں کی روحانی اذیت کے اسباب"

یہ باب اُن اہم اسباب سے بحث کرتا ہے جو تحریک خلافت کے وجود میں آنے کا باعث بنے، اس سلسلے میں تین خاص سبب قاضی صاحب نے گنائے ہیں۔ ۱۔ خلافت اسلامیہ سے مسلمانوں کا جذباتی لگاؤ اور اُن کی نظر میں اُس کا تقدس۔ ۲۔ حرمین شریفین کے مستقبل کا فکر۔

اور یہ ترکی سلطنت اور یورپ کی صدیوں سے چلی آنے والی آویزشوں نے ترکی سلطنت کو مسلمانوں کی عزت وعظمت کا نشان بنا دیا تھا۔ اور اب اس کا زوال گویا اسلام کی عزت وعظمت کا زوال تھا۔

اس باب میں اس کے اپنے خاص موضوع پر تو اس سے زیادہ کوئی خاص مواد نہیں ہے البتہ اس پس منظر میں کہ تحریک خلافت کے وقت ترک جن یورپین طاقتوں کا نشانہ بنے تھے اُن کی چودھراہٹ انگریزوں کے ہاتھ میں تھی اور وہی ہندوستان پر بھی حکمراں تھے۔ قاضی صاحب نے انگریزوں کے استعماری ہتھکنڈوں اور ان کی مکارانہ چالوں اور اُن کے اثرات کے بیان کو بہت کافی جگہ دی ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر اُن اثرات کا ذکر ہے جو افغانستان کے تحت حکومت پر اور خود ترکی خلفاء پر قاضی صاحب کے نزدیک انگریز ڈالنے میں کامیاب ہوا۔

تیسرا باب

میدان عمل

ایک جائزہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کی بے چینی نے ترکوں کی مدد اور خلافت کے تحفظ کے لیے عملی شکل میں کیا کیا۔ فرماتے ہیں :۔

"مسلمانانِ ہند نے صرف زبانی ہمدردی، فریاد و فغاں، دعاہائے صبحگاہی اور اشک سحرگاہی سے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا بلکہ حتی الامکان عمل بھی پیش کیا۔ اس عمل کی ایک مثال تو وہ گراں قدر چندے ہیں جو امراء و غرباء، احرار و کاسہ لیسانِ حکومتِ برطانیہ سب نے بذوق و شوق پیش کیے۔ دوسری مثال اُن انجمنوں اور مجالس کی ہے جو قفس کی تیلیوں کے اندر کی دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود قائم کی گئیں۔" (صفحہ ۳۰۶)

اس کے بعد ان انجمنوں اور مجلسوں کا تذکرہ ہے۔ جن میں پہلے نمبر پر مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی انجمن "خدام کعبہ" ہے۔ دوسرا نمبر خود خلافت کمیٹی کا ہے اس کے بھی روحِ رواں

ایک مدت تک مولانا عبدالباری صاحب ہی تھے تا آنکہ "مولانا محمد علی جوہر نے یہ بوجھ اپنے کاندھوں پر نہیں لے لیا" تیسرے نمبر پر جمعیۃ علمائے ہند کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اس کی تاسیس میں بھی سب سے بڑا ہاتھ مولانا عبدالباری صاحب ہی کا نظر آتا ہے۔ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کے موقع پر تمام اقطاع ہند کی معتدد جماعتیں دلی میں جمع ہو گئی تھیں۔ کانفرنس کے بعد علمائے کرام کا ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت مولانا عبدالباری نے فرمائی۔ اور وہیں جمعیۃ علماء قائم ہوئی" (صنہ ۴)

اس کے بعد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی تحریک کا ذکر آتا ہے اور بڑے ہی والہانہ انداز سے قاضی صاحب نے یہ ذکر کیا ہے۔ اس پورے دور کی شخصیتوں میں جس پر یہ کتاب حاوی ہے، قاضی صاحب غیر معمولی طور پر اور بہر جہت متاثر صرف دو شخصیتوں سے نظر آتے ہیں۔ ایک حضرت شیخ الہند، دوسرے مہاتما گاندھی۔ بہرحال مذکورہ بالا انجمنوں کے قیام کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ:-

"ایک اور گروہ مردان خود آگاہ و خدا مست کا تھا جو اسباب دنیوی سے لاپرواہ میدان جہاد کا راستہ طے کر رہا تھا۔

یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیم و تلقین سے شروع ہوا اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ حضرت سید احمد شہید انھیں کے مرید خاص تھے جنھوں نے جہاد کی تیاری کر کے سکھوں سے مقابلہ کیا۔ یہ جنگ دراصل سکھوں کے خلاف نہ تھی بلکہ بالواسطہ حکومت برطانیہ سے تھی ...." (صنہ ۴)

آگے اس سلسلۂ بیان کی تکمیل کر کے کہ سید صاحبؒ کے کیا مقاصد تھے اور کیا ان کی تحریک کی نوعیت تھی۔ تحریر فرماتے ہیں

"یہ تحریک صرف ہندوستان تک محدود تھی، گویا کہ نقش اول تھی نقش ثانی

کے لیے اس صدی کے قائد و رہنما کا انتظار تھا۔ وہ سوارِ اشہبِ دوراں و فروغِ دیدۂ امکاں کا عکس خاص بن کر نمودار ہوا اور جس نے دیوبند میں بیٹھ کر تمام عالم میں زلزلہ ڈال دیا وہ ذات تھی مولانا محمود حسن کی۔

مولانا محمود حسن نے تمام عالم اسلامی میں انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مولانا بظاہر ہندوستان کے ایک محقق، عالم، معتبر اور محدث تھے ان کا مشغلہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم[1] کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ تعلیم دین و تلقین معرفت تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے ماسوا وہ ایک عظیم مجاہد اور ایک اعلیٰ پایہ کے مدبر و سیاستداں بھی تھے وہ دراصل علامہ اقبال کے اس خواب کی مکمل تعبیر تھے۔

جہاں بانی سے ہے دشوار کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

بہرحال قاضی صاحب شیخ الہند کی تحریک کا تذکرہ کرنا چاہتے تھے۔ فرماتے ہیں:

"افسوس ہے مولانا کے حالات پر تاریخ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور آپ کی انقلابی تحریکات کے بارے میں اگر کچھ معلوم ہے تو صرف اتنا کہ یاغستان میں مولانا نے جہاد کی مہم چلائی ...... اور ہندوستان میں ایک مجوزہ جمہوریہ کا نقشہ پیش کیا جس کا صدر راجہ مہندر پرتاپ کو بنایا جو ایک بڑے انقلابی تھے .... لیکن دنیائے اسلام میں ان کی سرگرمیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے دیوبند میں بیٹھ کر کابل، قسطنطنیہ، قاہرہ اور حجاز میں انقلاب کی روح پھونک دی تھی۔ اس معاملے میں مواد کی کمی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مولانا اپنا راز قریب ترین لوگوں پر بھی ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ (ص ۱۴۲-۱۴۳)

قاضی صاحب نے یہاں مولانا کی رازداری کی کچھ مثالیں دی ہیں جن سے ایک طرف تو۔

---

[1] یہ کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ حضرت شیخ الہند دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کبھی نہیں رہے۔ وہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔ ع ح

یہ واضح ہو جاتا ہے کہ واقعی راز داری کی کیا انتہا مولانا کے یہاں تھی دوسری طرف یہ بھی کہ آپ کی تحریک کا عمل واقعۃً عالم اسلام کے مختلف حصوں میں تھا۔

مولانا شیخ الہند نے کیسے لوگ تیار کیے تھے:۔

شیخ الہند نے کس طرح کے لوگ اپنے کام کے لیے تیار کیے تھے، جن کا رازدارانہ نام "مخلصین" تھا؟ اس کی ایک بڑی سبق آموز مثال اور ساتھ ہی دلچسپ بھی قاضی صاحب نے ذکر کی ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی جو اسی تحریک کے سلسلے میں افغانستان گئے تھے اور پھر تقریباً ساری عمر جلاوطنی ہی میں گزار دی۔

"جب وہ افغانستان چلے ہیں تو سی آئی ڈی ان کو گرفتار کرنے کے لیے حرکت میں آئی......ایک شخص جو مولانا سندھی سے مشابہت رکھتا تھا گرفتار کر لیا گیا، اور وائسرائے کو تار چلا گیا کہ عبید اللہ گرفتار کر لیا گیا۔ جو شخص گرفتار ہوا تھا وہ اسی جماعت "مخلصین" کا فرد تھا۔ وہ خاموشی سے جیل چلا گیا، جب اس کو یقین ہو گیا کہ اب مولانا افغانستان پہنچ گئے ہوں گے تو اس نے شور مچایا، کہ مجھے کیوں گرفتار کیا گیا میں عبید اللہ سندھی نہیں ہوں"

اس داستان کو ختم کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں :۔

"الغرض یہ ایک وسیع میدان جہاد بالسیف کا تھا جہاں سرفروشوں کا گروہ اسی طرح حکومت برطانیہ کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے لیے کام کر رہا تھا جس طرح انگریز اسلام کو دنیا سے مٹا دینے کے لیے سرگرم عمل تھا اور یہ سب خلافت اسلامیہ کی بقاء و قیام کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جا رہی تھی......"

چوتھا باب

جنگ عظیم اور ہندستانی ریاستیں

یہ باب بہت طویل ہے اور اس قدر مختلف اور منتشر جہات پر پھیلا ہوا ہے کہ کسی

تلخیصی انداز کے بیان کا کوئی راستہ اس میں نظر نہیں پڑتا اس لیے بس اس کے مشتملات کی براہ راست جھلکیاں ہی آپ پڑھیے!

یہ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم ہی تھی جس کے نتائج نے ہندوستان میں تحریک خلافت کو جنم دیا۔ اس میں ایک طرف برطانیہ فرانس اور ان کے اتحادی جاپان۔ امریکہ اور چین وغیرہ تھے دوسری طرف جرمنی —— قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں

"برطانیہ کے کارنامے ترکوں کے سامنے کھلے پڑے تھے۔ جس طرح ایک ایک صوبہ کو ترکی کے قبضے سے نکال کر دوسروں کو ان پر اقتدار جمانے میں برطانیہ نے امداد و اعانت کی تھی وہ عیاں تھی .... نوجوان ترکوں نے اصلاحات نافذ کرکے برطانیہ کی حمایت حاصل کرنا چاہی تھی لیکن جو طرز عمل بلقان میں برطانیہ اور فرانس نے اختیار کیا اس نے نوجوان ترکوں میں آخر مایوسی پیدا کردی اور جو کچھ بھی ہو۔ نومبر سنہ ۱۹۱۴ء میں ترکی بھی جرمنی کی طرف سے جنگ میں شریک ہو گیا۔" (ص ۵۲)

اس جنگ کا اختتام نومبر سنہ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کی درخواست صلح پر ہوا۔ ترکی اس میں اپنے ملک کے علاوہ اور باقی تمام سلطنت کھو بیٹھا۔ یعنی حجاز، یمن، عراق، شام وغیرہ اور اُس نے جرمنی سے پہلے اکتوبر ہی میں صلح کی پیش کش کردی۔

خلیفۃ المسلمین کا اعلان جہاد

"جب سنہ ۱۹۱۴ء میں ترکی عالمگیر جنگ میں شریک ہوا تو خلیفۃ المسلمین نے اعلان جہاد کرکے تمام دنیا کے مسلمانوں کو شرکت کے لیے حکم دیا۔ ایک انگریزی جریدہ گرافک (GRAPHIC) میں سلطان المعظم ترکی کی تصویر بھی تھی جو ایک عام جلسے میں جہاد کا فتویٰ پڑھ رہے تھے اس تصویر کے نیچے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے

THE SULTAN PROCLAIMING JEHAD (HOLY WAR)

TURKY PRONOUNCING HER OWN DEATH.

یعنی سلطان جہاد مقدس کا اعلان کر رہے ہیں ترکی اپنی موت کا فتویٰ خود ہی دے رہا ہے۔" (ص ۶۳)

حکومت برطانیہ کے وعدے

"۲ نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت برطانیہ نے ایک سرکاری اعلان شائع کیا جس کی اشاعت اعلان جنگ کے ساتھ ہر قصبہ و قریہ میں کی گئی (اعلان یہ تھا)

ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ ہم یا ہمارے اتحادی اس جنگ میں کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے ان کے مذہبی جذبات و خیالات کو ٹھیس لگے۔ اسلام کے مقدس مقامات بے حرمتی سے محفوظ رہیں گے اور ان کی عزت و حرمت قائم رکھنے کی ہر ممکن احتیاط برتی جائے گی۔ اسلام کے مقدس دار الخلافہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ ہم ان ترکی وزراء سے لڑ رہے ہیں جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رہے ہیں نہ کہ خلیفۃ المسلمین سے۔ برٹش گورنمنٹ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے اتحادیوں کی طرف سے بھی ان مواعید کی ذمہ داری لیتی ہے۔" (صفحہ ۶۰)

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ خلیفۃ المسلمین کے اعلانِ جہاد کا جواب تھا" اور پھر اسی طرح کے وائسرائے ہند اور وزیر اعظم برطانیہ کے بیانات سے اقتباسات دے کر تحریر فرماتے ہیں کہ

"یہ سحر طرازیاں اتنی جادو گری تو کر ہی رہی تھیں کہ خلیفۃ المسلمین کے اعلان جہاد سے جو جوش و خروش پیدا ہونے والا تھا وہ مدھم پڑ گیا۔ مسلمان سپاہی اور فوجی افسران مارچ کر گئے، جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی تھی .... لیکن ایک طبقہ اُن دانایانِ راز کا بھی تھا جو ان طفل تسلیوں میں آنے والا نہ تھا۔ اسلامی انقلابی جماعتیں اپنا کام کر رہی تھیں۔" صفحہ ۶۰-۶۱

مولانا محمد علی کی نظر بندی:-

اس عنوان کے تحت قاضی صاحب اسی سلسلۂ بیان میں لکھتے ہیں:-

"دانشوران ہند بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکے چنانچہ ترکی کے اعلانِ جنگ کے بعد ہی مولانا محمد علی نے اپنے شہرۂ آفاق انگریزی اخبار کامریڈ میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا "چوائس آف دی ٹرکس" (یعنی ترکوں کا انتخاب) اس میں ثابت کیا گیا تھا کہ ترک اتحادیوں کے خلاف جرمنی کا ساتھ دینے میں معذور تھے۔ مولانا محمد علی اُس وقت مسٹر محمد علی تھے اور ان کا ماضی حکومت سے تعاون کا تھا لیکن ان میں اسلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اس نازک وقت پر اُن کے جذبات و معتقدات اُن کے ماضی پر غالب آئے" (صـ۶۹ـ)

مولانا ابوالکلام آزاد:۔

"ادھر ایک اور ستارہ آسمانِ سیاست پر طلوع ہو چکا تھا جس کی تیز روشنی تمام دوسری روشنیوں کے بالمقابل آگئی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کم عمری میں اپنے علم و فضیلت کی وجہ سے اکابرین کی صف میں آگئے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں آپ کے اخبار الہلال نے تمام ہندوستان میں اپنا ڈنکا بجا دیا۔ الہلال آزادی پسند اور اسلام کا مبلغ تھا" (صـ۷۱ـ)

"مولانا آزاد حکومت کی آنکھوں میں کھٹک رہے تھے۔ اُن پر ہر وقت ایک سی آئی ڈی نگاں رہتا تھا" (صـ۷۲ـ)

"۱۹۱۴ء میں لڑائی شروع ہونے کے بعد گورنمنٹ نے پریس ایکٹ کا استعمال کر کے الہلال پریس کو ۱۹۱۵ء میں ضبط کر لیا۔ مگر مولانا کی جانبازی میں فرق نہ آیا اور نہ اُن کے پائے استقلال میں لغزش ہوئی اور مولانا نے پانچ ماہ بعد ایک دوسرا پریس البلاغ قائم کیا اور الہلال کو اسی پریس سے پھر جاری کیا ...... مولانا کی استقامت اور قوت مقابلہ سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ اب صرف پریس ایکٹ سے کام نہ چلے گا اس لیے ڈیفینس آف انڈیا ریگولیشن کا استعمال کر کے مولانا کو کلکتہ سے جلا وطن کر دیا گیا" (صـ۷۲ـ)

"عارضی صلح یا التوائے جنگ"

اس عنوان کے تحت قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"آپ نے مدبرین برطانیہ اور حکومت برطانیہ کے اعلانات ملاحظہ کیے۔ اب دیکھیے کہ انھوں نے جنگ میں کامیابی کے بعد کن شرائط کو عائد و نافذ کیا۔"

قاضی صاحب نے ۲۷ شرائط درج کیے ہیں ہم ان میں سے چند ہی نقل کرتے ہیں:-

"کل فوج غیر مسلح کر دی جائے ـــ تمام جہاز اتحادیوں کے حوالے کر دیے جائیں ـــ اتحادیوں کو حق ہے کہ فوجی نقطۂ نظر سے جو مقام بھی وہ اہم سمجھیں اس پر قبضہ کرلیں ـــ ترکی افواج کے جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں وہ سب قید رہیں گے ـــ اتحادی فوجیوں کے جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں وہ فوراً رہا کر دیے جائیں گے۔" ص۵۰

آگے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"عارضی صلح کے شرائط سے ہندوستان کے مسلمانوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اب ان کو اندازہ ہوا کہ مستقل صلح جب ہوگی تو نہ ترکی باقی رہے گا نہ خلیفۃ المسلمین، نہ اماکن مقدسہ نہ فلسطین نہ بیت المقدس۔ بدحواسی اور بے چارگی میں مسلمانوں نے جلسے اور تجاویز کا انبار لگا دیا! غرض یہ تھی کہ حکومت برطانیہ دب کر وہ سب نہ کرے جس کا اندیشہ تھا۔" (ص۵۱)

راہ عمل کی تلاش

"ایک طرف حکومت برطانیہ کے ذمہ داروں نے مسلمانانِ عالم سے خلافتِ مرکزیہ اسلامیہ اور اماکن مقدسہ کے قیام کا وعدہ کر رکھا تھا۔ دوسری جانب صیہونی جماعت سے اُن کو فلسطین میں وطن دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ان دونوں متضاد وعدوں کا نباہنا آسان نہ تھا اس لیے ایک رائل کمیشن مقرر کیا گیا .... دوسری طرف اس نے لڑائی میں شرکت کے بدلے کانگریس سے ہندوستان کو اصلاحات دینے کا وعدہ

کر لیا تھا جس کی ایک اعلیٰ طاقتی کمیٹی لندن میں جانچ کر رہی تھی۔ ہندوستان
کو ذمہ دار حکومت دینے کا وعدہ (وائسرائے ہند) مسٹر مانٹیگو نے بذریعہ
اعلان شاہی ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو کیا تھا۔" (ص۶۰)

"انگریز نے ہندوستان کو اصلاحات دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ تو لندن میں
زیر تحقیقات تھا اور یہاں ۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء کو رولٹ بل شائع ہو گیا جس پر رولٹ
کمیٹی ۱۹۱۷ء سے کام کر رہی تھی......... اس کا شائع ہونا تھا کہ تمام ہندوستان
میں آگ لگ گئی......... اور بجز گنے چنے چند کاسہ لیسانِ حکومت کے
پوری قوم نے اس کے خلاف آواز بلند کی....... اس بل کا منشا ہندوستانیوں
کو ہر قسم کی آزادی سے محروم کرنا اور انھیں غلام بنانا تھا۔ لوگ سوچتے تھے کہاں
شاہی اعلان ۱۹۱۷ء اور کہاں یہ بل؟"

مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف آواز اٹھانے کا نادر موقع پایا اور ہندو
بھائیوں سے مل گئے۔ ہندو مسلم اتحاد کا دل افروز نظارہ سامنے ناچنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ پورا ہندوستان کوہ آتش فشاں بن گیا جو آگ اگل رہا تھا۔" (ص۶۲-۶۳)

لیڈر کی آمد

"ماں ہند کو درد زہ تھا اور......... ایک دایہ کی ضرورت تھی...... ایک
لیڈر درکار تھا جو سب کے دلوں میں اتر جاتے......، جو حالات کو پہچان سکے
اور صحیح قیادت اور سنجیدہ و قابل عمل پروگرام عطا کرے جس کا دماغ روشن اور
جس کا دل صاف ہو اور جس پر پوری قوم بھروسہ کر سکے۔ چنانچہ اس وقت موہن
داس کرم چند گاندھی مطلع ہندوستان پر آفتاب و ماہتاب بن کر طلوع ہوئے
.... اور سب نے ان کے آگے سر خم کر دیا۔"

مہاتما گاندھی نے مسئلہ خلافت سے دلچسپی ظاہر کی اور نہ صرف دلچسپی ظاہر کی
بلکہ اس میں شرکت کا وعدہ کیا اور نہ صرف شرکت کا وعدہ کیا بلکہ اس میں کود پڑے

اور بہت جلد مسلمانوں نے اور مسلمانوں کے تمام لیڈروں نے اُن کو اپنا لیڈر مان لیا۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی تو اُن کو باپو کہتے تھے ..... مولانا ابوالکلام آزاد قولاً اور عملاً گاندھی جی کے ہمنوا تھے۔" (صفحہ [illegible])

ستیہ گرہ کا آغاز:-

"انگریز .... اپنی طاقت اور فتح کے غرور کے نشے میں چور تھا اس لیے اُس نے تمام مخالفتوں سے بے نیاز ہو کر رولٹ بل کے بارے میں کارروائی نہیں روکی .... اور اس رولٹ بل کے مقابلے کے لیے گاندھی جی میدان میں اُتر آئے۔ انھوں نے ستیہ گرہ سبھا بنائی اور اس پر ممبری کے دستخط لینے شروع کیے۔ تمام بڑے لوگوں نے اس پر دستخط کر دیے اور لاتعداد لوگ دستخط کرنے کے لیے ٹوٹے اور مہاتما گاندھی نے اپنی عدم تشدد پر مبنی ستیہ گرہ کا آغاز کیا ....
یہاں سے تاریخ کا ایک نیا موڑ ہے۔ ایک نئی سیاست، ایک نیا عزم و استقلال ایک انوکھا طریقہ کامیابی و کامرانی جنم لے رہا ہے۔ قوم پرانے تخیلات سے نکل کر ایک نئے طرز فکر اور انقلاب آفریں دور میں داخل ہو رہی ہے جہاں وہ اپنے کو پہچانے اور غلامی سے آزاد ہو۔" (صفحہ [illegible])

رولٹ بل کیا تھا؟

مختصراً حکام کو اختیار دیا گیا تھا کہ:

- جس شخص سے چاہیں ضمانت و مچلکہ طلب کر لیں۔
- جس کو چاہیں حکم دے کر کسی ایک جگہ نظر بند کر دیں۔
- جس کو چاہیں بلا وارنٹ گرفتار کر لیں۔
- جس کو چاہیں بلا عدالت کی سزا کے قید رکھیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

"مرد میدان گاندھی" درویشی خو پر اس جابرانہ ایکٹ نے وہی کام کیا جو آگ پر پٹرول کرتا ہے ... ایک ستیہ گرہ کمیٹی قائم کی گئی تھی جو لائحہ عمل تیار کرے۔ اس کمیٹی نے ۲۴ مارچ ۱۹۱۹ء کو فیصلہ کر کے ستیہ گرہ کا یہ طریقہ منظور کیا کہ جو لٹریچر ضبط اور ممنوع قرار دیا ہے اسے چھاپا اور بانٹا جائے اور اخبارات کے رجسٹریشن کے قوانین کی بھی خلاف ورزی کی جائے ...... ۶ اپریل کا دن اس کی تجاویز پر عمل درآمد کے لیے مقرر کیا گیا۔"

"۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو گاندھی جی نے خود بمبئی میں ستیہ گرہ کا آغاز اس طرح کیا کہ ایک اخبار ستیہ گرہ نام کا بغیر اقرار نامہ داخل کیے جاری کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے وہ تمام کتب و رسائل اور لٹریچر جس کی اشاعت بند تھی فروخت کرنا شروع کر دیا۔ (اس کے علاوہ) گاندھی جی نے تمام پبلک کو (بمبئی) چوپاٹی کے میدان میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ وہاں سمندر میں غسل کرنے کے بعد جلسہ اور جلوس نکالا گیا ...... پھر گاندھی جی براہ آگرہ و متھرا دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ ۹ اپریل کو جب گاڑی کوسی پہنچی تو پنجاب گورنمنٹ کے ایک افسر نے آپ کو یہ حکم دیا کہ پنجاب میں داخل ہونے کی آپ کو اجازت نہیں ہے۔ گاندھی جی نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اگلے اسٹیشن پر پھر ایسا ہی ہوا اور کہا گیا کہ گاڑی سے اتر آئیے .... گاندھی جی نے کہا کہ جب تک میں گرفتار نہ کیا جاؤں گا گاڑی سے نہ اتروں گا۔ تب پولیس افسر نے گاندھی جی کے شانہ پر ہاتھ رکھا تب وہ اترے ...... (یہاں پر) گاندھی جی نے ایک پیغام اہل ملک کے نام لکھا اور مہادیو ڈیسائی کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ جس میں ستیہ گرہ کے متعلق ان کے فرائض کی ہدایت تھی۔" (ص ۲۰۳ تا ۲۰۴)

سوامی شردھانند جامع مسجد میں

"دلی میں غلط فہمی کی بنا پر ۳۰ مارچ ہی کو ستیہ گرہ کا دن منایا گیا۔ گورنمنٹ اب پوری طاقت سے اس تحریک کو کچلنے کے لیے آمادہ ہو گئی تھی .... دو مرتبہ

گولی چلی۔ کچھ آدمی قتل اور بہت سے مجروح ہوئے۔

یہی ۳۰ مارچ کا دن ہے جب ہندو مسلم اتحاد اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا کہ آریہ سماج کے لیڈر سوامی شردھانند نے جامع مسجد کے کبرہ پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور مسلمانوں نے ذوق و شوق سے اُن کو ایسا کرنے دیا۔ اس کے بعد جب جلوس نکلا اور چاندنی چوک پہنچا تو وہاں گورکھا فوجیوں کی سنگینوں کے سامنے سوامی جی نے اپنا سینہ کھول دیا۔ اس واقعہ کی عام شہرت ہوئی اور تمام ہندوستان جوش سے دیوانہ ہو گیا۔" (ص۸۴)

جلیانوالہ باغ

"۱۰ اپریل ۱۹۱۹ء کو اس خبر سے مشتعل ہو کر کہ گاندھی جی گرفتار کر لیے گئے ہیں امرتسر میں ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا اور چونکہ ابھی شروعات تھی لوگ ستیہ گرہ کے بنیادی اصول کیج اور عدم تشدد کو سمجھے نہیں تھے، ایک بینک پر حملہ کر دیا۔ بعض انگریز افسروں اور ایک میم کو قتل کر ڈالا۔ ایک عمارت کو آگ لگا دی۔ پولیس جلد حالات پر قابو پا گئی۔ لیکن جنرل ڈائر دو ہزار فوج لیکر امرتسر پہنچا۔ چار آدمیوں سے زیادہ جمع ہونے کو خلاف قانون ٹھیرایا اور یہ کہا کہ اگر ضرورت ہوئی تو اسلحہ کا استعمال کر کے خلاف ورزی کرنے والوں کو منتشر کیا جائے گا لیکن لیگ نے اس حکم کو نظر انداز کر کے شام کو ۴½ بجے جلیانوالہ باغ میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا۔ جب جنرل ڈائر کو خبر ملی تو وہ آگ بگولہ ہو گیا اور مشین گنیں اور فوج لیکر موقع پر پہنچا اور تمام راستہ گھیر کر کہ کوئی بھاگنے نہ پائے فائر کا حکم دیا اور اس وقت تک فائر کرتا رہا جب تک ایک بھی گولی باقی تھی یہاں تک کہ ۳۷۹ آدمی ہلاک اور بارہ سو زخمی ہو کر ڈھیر ہو گئے۔" (ص۸۶)

امور خلافت کے سلسلے میں جذبات کا بے پناہ اُبال۔ اور ادھر حکومت کی یہ احمقانہ کارروائیاں دہشت و بربریت اور طوق غلامی کو مضبوط کرنے کی سازشیں، ایک طرف مسلمانوں سے وعدوں کی خلاف ورزی۔ دوسری طرف ہندوستان سے وعدوں کی

خلاف ورزی، ملک اب بھرپور جدوجہد آزادی کے لیے تیار تھا اور گاندھی جی کی پیش قدمی، جرأت و مومزاج کی رنگ لا رہی تھی۔

حتیٰ کہ ہندوستان کے مشہور فلسفی و دانشور اور نوبل پرائز کا انعام پانے والے رابندرناتھ ٹیگور نے اپنا "سر" کا خطاب ۳۰ اپریل ۱۹۱۹ء کو واپس کر دیا۔ اس سے ہندوستان کا تمام تعلیم یافتہ طبقہ بے حد متاثر ہوا۔" صفحہ ۸۸

آل انڈیا مسلم کانفرنس

"تحریک خلافت کے سلسلے میں ...... تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے ہو رہے تھے اور مطالبہ ہو رہا تھا کہ بمطابق پیمان و عہد خلافت مرکزیہ اسلامیہ ترکی کو بحال رکھا جائے .... اس سلسلے کا ایک عظیم الشان جلسہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے نام سے ۲۱ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں منعقد کیا گیا۔ جس میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہر طبقہ و خیال کے علماء و زعماء شریک ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی طبقہ، خیال ایسا نہ تھا جس کے نمائندے شریک نہ ہوئے ہوں۔" (صفحہ ۹۴)

خلافت کمیٹی کا پہلا جلسہ

"آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ کے بعد وزیر اعظم برطانیہ نے لارڈ میئر کی دعوت میں ایک دلخراش تقریر کی جس سے یہ اندازہ ہوا کہ وزیر اعظم سلطنت برطانیہ اب اپنے اور حکومت برطانیہ کے وعدوں سے انحراف کرنے والے ہیں۔ اس تقریر نے مسلمانوں میں بہت جوش بھر دیا اور فوراً ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کانفرنس (کمیٹی) کا ایک جلسہ (جو پہلا جلسہ تھا) دلی میں بڑی دھوم دھام سے مسٹر فضل الحق (بنگال) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مہاتما گاندھی جی بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ان کے خیر مقدم کا خاص اہتمام کیا گیا اور اتنا ہجوم خلائق ہوا تھا کہ چاندنی چوک اور جامع مسجد کی راہ دو گھنٹے میں طے ہوئی۔ اس جلسے میں صرف خلافت کمیٹی کے نمائندے

شریک کیے گئے، جو تمام صوبوں سے آئے تھے۔ البتہ مہاتما گاندھی کو اُن کی عظمت کی وجہ سے شریک کیا گیا تھا، اور کچھ اور ہندو بزرگوں نے بھی شرکت کی تھی جن کو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔

مولانا محمد علی کی رہائی اور اب مسلمانوں کے سوچنے کا انداز

مولانا محمد علی جو "یورس آف دی ٹرکش" لکھنے کے نتیجے میں مع مولانا شوکت علی کے نظربند کردیے گئے تھے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں بیتول جیل سے رہا ہوئے۔ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی وقت امرتسر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اجلاس مقرر تھا اور اسی کے ساتھ خلافت کانفرنس بھی ہو رہی تھی۔ دونوں بھائیوں کو کانگریس کی طرف سے دعوت دی گئی اور دونوں بھائی (جیل سے) براہ راست جلسہ گاہ میں پہنچے۔ مولانا محمد علی نے ایک طویل تقریر کی جو بے حد جذباتی اور پُراثر تھی۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی مولانا محمد علی کی شرکت گویا تمام مسلمانانِ ہند کی شرکت تھی۔..........

..... اب مسلمانوں کے سوچنے کا انداز یہ تھا کہ خلافت مرکزیہ اسلامیہ کی بربادی اور جزیرۃ العرب کی شکست و ریخت اور پوری دنیائے اسلام کی تباہی و بربادی کی ذمہ داری برطانیہ پر ہے اور مسلمانوں کو اپنے ہندو بھائیوں سے مل کر ایک متحدہ قومی جمہوریہ برطانیہ کے اثر سے آزاد بنانی چاہیے اسی سے برطانیہ کے غرور اور اس کی طاقت کا توڑ ہو سکتا ہے۔" (ص ۱۰۳)

پانچواں باب

تاج برطانیہ کی وفاداری کی عرضداشتیں

اس باب کا سب سے اہم جزو اُس وفد خلافت کا بیان ہے جو مولانا محمد علی کی سرکردگی میں برطانیہ گیا تھا تاکہ خلافت ترکی کے مسئلے میں مسلمانانِ ہند کا نقطۂ نظر حکومت برطانیہ کے

سامنے رکھے اور کوشش کرے کہ لندن صلح کانفرنس میں ترکی کے بارے میں جو فیصلہ ہو اس میں یہ نقطۂ نظر ملحوظ رکھا جائے لیکن اس وفد کی تجویز ہو یا دوسری عرضداشتیں بقول قاضی صاحب اس سراب اور فریب خیال کے پیچھے دوڑ رہی تھیں کہ برطانیہ سے ایفائے وعدہ کی کوئی امید رکھی جا سکتی ہے اور اظہار نیاز و وفاداری سے بھی یہاں کچھ کار برآری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مختلف انجمنوں، اداروں اور عمائدین کی عرضداشتوں، تجویزوں اور اخبارات کے تبصروں کا یہ رنگ دکھاتے ہوئے قاضی صاحب وفد خلافت پر آتے ہیں:

"۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو دلی میں ایک جلسہ ہوا جس میں لوکمانیہ تلک اور دوسرے کانگریسی لیڈر بھی شریک ہوئے........ وائسرائے کے ہاں اور لندن صلح کانفرنس میں وفد لیجانے کے بارے میں جو تجاویز مولانا آزاد اور علی برادران کی قید و بند کے زمانے میں منظور ہوئی تھیں ان حضرات کی رہائی کے بعد ان پر دوبارہ غور کیا گیا اور طے پایا کہ وفد لیجایا جائے۔ چنانچہ وفد مرتب کیا گیا اور مولانا محمد علی نے ایک میموریل تیار کیا جس پر سربرآوردہ لوگوں کے دستخط ہوئے" (ص ۱۱۹)

"...... جو وفد مرتب ہوا اس کے صدر مولانا محمد علی اور ارکان سید حسین، مولانا سید سلیمان ندوی اور ابو القاسم اور سکریٹری حسن محمد حیات منتخب ہوئے۔" (ص ۱۲۰)

وفد خلافت کی کارگزاریاں

"وائسرائے نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ وفد اس قدرتاً خیر سے لندن پہنچے گا کہ شاید ہی اس کو اپنی بات کہنے کا موقع ملے۔ مگر مولانا محمد علی اتمام حجت پر مصر تھے۔ ۲۲ فروری ۱۹۲۰ء کو ارکان وفد وینس پہنچے اور وہاں سے مولانا محمد علی نے وزیر ہند اور وزیر اعظم کو تار بھیجے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہم لوگوں کو کچھ کہنے سننے کا موقع دیا جائے۔ اس تار میں یہ بھی لکھا تھا کہ ہم وینس میں ہیں اور ہم اس کے شکر گزار ہیں کہ مسٹر مانٹیگو (وزیر ہند) کی طرف سے ہمارا استقبال ہو رہا ہے......"

۔ چونکہ مسٹر مانٹیگو بیمار تھے اور ان کی جگہ مسٹر فشر کام کرتے تھے اس لیے لندن

پہنچنے کے بعد پہلے اُن سے ملاقات ہوئی :-

"مولانا محمد علی انگریزی زبان پر جیسی قدرت رکھتے تھے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ ایک بے مثال مقرر تھے انھوں نے اپنے موقف کو بڑی خوبی سے پیش کیا لیکن ان کا بنیادی خیال بھی اس میں نمایاں رہا۔ مثلاً فرمایا :-

"ہمارے مشن دو قسم کے ہیں۔ ہم بادشاہ سلامت پر اپنے جذبات کا اظہار کریں کیونکہ ہم ان کی رعایا ہیں۔ اور پھر ہم اپنے خلیفہ کو بھی معاملات سے آگاہ کریں کیونکہ وہ ہمارے امیر المومنین ہیں"۔

"مسٹر فشر نے ایک ضابطہ کا جواب دیا کچھ امید دلائی کچھ ناامیدی پیدا کی"۔ (ص۱۲۱)

وزیر اعظم لائیڈ جارج سے ملاقات

"مسٹر فشر نے اپنی عظمت جتانے کے لیے اگرچہ کہہ دیا تھا کہ لائیڈ جارج سے ملاقات کا میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ مگر ایک "وفادار رعایا" کے وفد سے جو سات سمندر پار کر کے صرف اپنی وفاداری اور خدمات کا صلہ مانگنے آیا تھا سلطنت کا سربراہ کیوں نہ ملتا۔ لائیڈ جارج کے سامنے بھی مولانا محمد علی کا وہی حال رہا وہ اپنے مذہبی فرائض کا ذکر کرتے رہے۔ لائیڈ جارج نے منطقی وجوہات سے مولانا محمد علی کی ہر بات کی تردید کی تاہم وہ اپنی بات کہتے رہے انھوں نے مسلمانوں کے نقطہ نظر کو بڑی جسارت سے پیش کیا اس کے تو وہ مرد میدان تھے ہی"۔ (ص۱۲۱)

مزید جد و جہد

"لائیڈ جارج سے مایوس ہو کر مولانا محمد علی نے برٹش پبلک کو ہموار کرنے کے لیے جلسے کیے اور تقریریں کیں۔ وہ پیرس گئے اور وہاں فرانسیسیوں کو بھی اپنے موقف سے آگاہ کیا...... وہ جزیرۃ العرب کے لوگوں سے بھی ملے اور انھیں

خلیفہ کے اقتدار کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ کرنا چاہا۔" (ص ۱۲۲)

واپسی

"مولانا محمد علی اور ان کے ساتھی ان تمام مساعی کے بعد جو سعی لاحاصل ہوئیں اکتوبر ۱۹۲۰ء کے آغاز میں ہندوستان واپس آئے ان کے جانے کے وقت سے ہی بعض لوگوں میں جو وفد کے حقیقی منشاء (اظہار وفاداری اور وعدوں سے وابستہ امید) سے واقف نہیں تھے تذبذب پیدا ہو گیا تھا چنانچہ اکبر مرحوم نے اپنے ظریفانہ انداز میں کہا:

دعا کرتے ہیں ہم آ بیٹھ کر مسجد کی بدیوں پر　　مبارک ہو سلیمانی نظر پیرس کی پریوں پر

علامہ اقبال نے فرمایا:

قطعہ

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا　　خلافت کی کرنے چلا تو گدائی

خرید یں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے　　مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

مرا از شکستن چناں عار ناید　　کہ از دیگراں خواستن مومیائی (ص ۱۲۲-۲۳)

لاحاصلی کا فائدہ

"کہا جا سکتا ہے کہ اس وفد سے کچھ حاصل نہ ہوا لیکن جس دور سے مسلمان گزر رہے تھے اس کا تقاضا تھا کہ ناامیدی کا ایک بڑا جھٹکا لگے تاکہ برطانیہ کی "وفادار رعایا" ہونے کا منحوس اور ذلت خیز تخیل دماغ سے نکل جائے۔ (ص ۱۲۳)

دوم یہ کہ ــــ "انھوں نے (مولانا محمد علی نے) دول متحدہ اور اہل عرب کے ضمیر کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا اور ہندوستان، مصر، افغانستان اور تمام بلاد اسلامیہ کے سامنے مسئلے کی صحیح شکل پیش کی اور دول متحدہ کا ظلم کھل کر سامنے آ گیا۔" (ص ۱۲۶)

چھٹا باب

مذہب کی راہ سے مسلمانوں کو سیاست میں لانے کے لیے مولانا آزاد کی کوشش

باب کا عنوان کافی طویل ہو گیا ہے پھر بھی دوسرے اکثر ابواب کی طرح اپنے مشتملات

کا احاطہ نہیں کرتا۔ دراصل یہ اس زمانے کی تین تحریکوں کے کوائف پر مشتمل ہے جس زمانے میں مولانا محمد علی وفد خلافت کے ساتھ ہندوستان سے باہر رہے —— ان میں سے ایک تحریک بیعتِ امامت کی ہے۔ جو مولانا آزاد نے جاری کی تھی اور اسی کی وجہ سے وہ بعض حلقوں میں آج بھی امام الہند کہلاتے ہیں۔ دوسری تحریک "تحریک ہجرت" ہے جس کو قاضی صاحب کہتے ہیں کہ وہ بھی مولانا آزاد ہی کی تھی۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تھی۔ تیسری تحریک ترک موالات ہے جو مہاتما گاندھی کی تھی۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:۔

"مولانا ابوالکلام آزاد یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو رانچی سے رہا ہوئے اور خلافت کانفرنس کلکتہ کے صدر منتخب ہوئے ...... یہ تیسری خلافت کانفرنس تھی جو فروری ۱۹۲۰ء میں ٹاؤن ہال کلکتہ میں ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مبسوط خطبہ خلافت پر دیا" (صفحہ ۱۲)

یہ وہی خطبہ ہے جس کے ذکر سے کتاب کا پہلا باب شروع ہوتا ہے۔

بیعت امامت

اس کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں:۔

"وہیں کانفرنس کے دوسرے دن مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک اسکیم کی بنیاد ڈالی جس کے بارے میں ان کے مقرب عبدالرزاق ملیح آبادی "ذکر آزاد" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا کی اسکیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہب کی راہ سے منظم کیا جائے مسلمانوں کا ایک امام ہو اور امام کی اطاعت کو وہ اپنا دینی فرض سمجھیں۔ مسلمانوں میں یہ دعوت مقبول ہوسکتی ہے اگر قرآن و حدیث سے انہیں بتایا جائے کہ امام کے بغیر ان کی زندگی غیر اسلامی ہے اور ان کی موت جاہلیت پر ہوگی۔ جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امام کو مان لے تو امام ہندوؤں سے معاہدہ کرکے انگریزوں پر جہاد کا اعلان کرے اور ہندو مسلمانوں کی متحدہ قوت سے انگریزوں کو شکست دی جائے۔ مگر امام کون ہو؟ اس منصب

کے لیے زیادہ سے زیادہ معتبر آدمی کو چننا ہوگا۔ ایسے آدمی کو جو کسی قیمت پر دشمن کے ہاتھ نہ بک سکے۔ ساتھ ہی امام کو ہوشمند اور حالاتِ زمانہ سے کما حقہٗ واقف ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ مولانا اپنی ذات سے زیادہ کسے امامت کا مستحق سمجھ سکتے تھے۔

اس کے بعد طے پایا کہ امامت کا مسئلہ پبلک میں لانے سے پہلے اندر اندر مولانا کی امامت کے لیے ملک بھر میں بیعت لینا شروع کر دی جائے تاکہ جب یہ معاملہ سامنے آئے تو امام کی بیعت ایک واقعہ بن چکی ہو۔ اس سے لوگوں میں اختلاف و رقابت کا سدباب ہو جائے گا اور مسلمان ایک امام پر متفق ہو کر ہندوستان کو غلامی سے نجات دلا سکیں گے۔

مولانا نے بتلایا کہ دوسرے صوبوں میں بیعت کا کام جاری ہو گیا ہے۔ یو پی کا صوبہ تم اپنے ذمہ لے لو۔ میں راضی ہو گیا تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک تحریر دی جس میں انھوں نے مجھ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور لکھا کہ اُن کے لیے بیعت لینے کا میں مجاز ہوں۔ تحریر حسبِ ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخو یم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی نے فقیر کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ وہ بیعت لینے اور تعلیم و ارشاد سلوک سنت میں فقیر کی جانب سے ماذون و مجاز ہیں۔ جو طالب صادق اُن کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اُنھوں نے خود فقیر سے بیعت کی۔ والعاقبۃ للمتقین۔

فقیر ابو الکلام کان اللہ لہٗ ۲۴ شعبان ۱۳۳۸ھ (غالباً ۲۳/۴/۱۹۲۰ء)

"ملیح آبادی پھر لکھتے ہیں کہ الفاظ بیعت کا مسودہ بھی لکھ دیا جو نیچے نقل کرتا ہوں"

قاضی صاحب نے اسے بھی نقل کیا ہے۔ ہم اُسے یہاں اختصار کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں۔

آگے چل کر ملیح آبادی لکھتے ہیں "مولانا نے فرمایا کہ:۔

"ایک نیک دل مسلمان نے ایک بڑی رقم میرے ہاتھ میں ایسے کاموں کے لیے ڈال رکھی ہے اس میں سے پچاس روپے ماہوار آپ کو بھی پہنچا کریں گے فی الحال لکھنؤ اپنا مرکز بنائیے اور پورے صوبہ میں کام شروع کر دیجیے"

کام کا طریقہ

"ملیح آبادی کے قول کے مطابق مولانا نے کام کا طریقہ بھی یہ بتلایا کہ دعوتیں دی جائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ "دعوت پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس کا کئی گنا زیادہ دس ہزار آدمیوں کے جلسے پر خرچ ہوتا ہے مگر اس جلسے میں ایک آدمی بھی قابو میں نہیں آتا لیکن دعوت کے ایک مختصر خرچ سے دس کے دس آدمی اپنا خیال ظاہر کرنے لگتے ہیں۔"

ملیح آبادی کا قول ہے کہ انھوں نے اس نسخہ اکسیر کو آزمایا اور مجرب پایا۔

تحریک کا خاتمہ اور اُس کا سبب

"اسی زمانے (جون ۱۹۲۰ء) میں شیخ الہند مولانا محمود حسن مالٹا کی نظربندی سے چھوٹ کر پہلی دفعہ لکھنؤ تشریف لائے اور فرنگی محل میں ٹھہرے عبدالرزاق ملیح آبادی وہاں گئے، اور انھوں نے دونوں بزرگوں مولانا عبدالباری اور حضرت مولانا محمود حسن کو مولانا ابوالکلام آزاد کے امام الہند بننے پر راضی کرنا چاہا۔ مگر دونوں بات ٹال گئے۔ مولانا عبدالباری صاحب نے البتہ ایک تحریر بھی دی جو اگرچہ بہت خوبصورت مگر ساتھ ہی صاف صاف ٹالنے ہی کا انداز رکھتی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ تحریر پائی تو ملیح آبادی صاحب کو لکھا کہ

"مولوی عبدالباری کا خط دیکھا "یارِ ما ایں دارد و آں نیز ہم" سردست اس قصے کو تہ کیجیے اور کام کیے جائیے۔"

ملیح آبادی صاحب مولانا کا ایک اور خط اپنے نام نقل کرتے ہیں کہ

"بہر حال ہمارا دائرۂ عمل مکمل ہو چکا ہے۔ پنجاب، سندھ و بنگال متفق و متحد ہے۔ اور اب پوری تیزی سے کام جاری ہو گیا ہے۔ ان لوگوں (مولانا عبدالباری، مولانا محمود حسن اور مولانا حسرت موہانی) کے فیصلے کا انتظار بے سود تھا اور بے سود ہے۔"

یہ سب لکھنے کے بعد قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ: "لیکن ستمبر ۱۹۲۰ء میں مولانا نے تحریک امامت

کو ختم کر دیا اور...... اس کا سبب انھوں نے کبھی نہیں بتایا۔ البتہ عبدالرزاق ملیح آبادی نے اپنی حسب ذیل رائے درج کی ہے۔ ان کو مولانا آزاد سے جو تقرب حاصل تھا اس بنا پر قابل غور ہے:

"لیکن مولانا محمد علی نہایت مستعد لیڈر تھے اور طوفانی طبیعت رکھتے تھے ان کا اثر بڑی تیزی سے بڑھ رہا تھا اور وہ مولانا کی امامت کے نہیں خود مولانا کی ذات کے سخت مخالف تھے۔ دونوں میں عمر بھر رقابت رہی۔ قدرتی طور پر مولانا نے جو ازحد معاملہ فہم اور ٹھنڈی طبیعت کے آدمی تھے محسوس کر لیا کہ علی برادران سے تصادم مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔ مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی انہی برادران کے ساتھ تھا۔ پھر فرنگی محل بھی مخالف تھا اور گو شیخ الہند کی طرف سے مخالفت نہ تھی مگر دیوبند کا طاقتور حلقہ بھی مولانا کا طرفدار نہ تھا۔ اس صورت میں مسئلہ امامت کا آخر تک پہنچانا دانشمندی کے خلاف تھا۔" (صفحہ ۱۳۰)

قاضی صاحب فرماتے ہیں: "یہ تھی دوسری سعی لاحاصل" ـــــ یعنی پہلی سعی لاحاصل تو وفد خلافت تھا اور دوسری اسی دوران میں یہ ایک اور ہوئی۔ مگر، جیسا کہ قاضی صاحب نے پہلے بھی لکھا ہے:۔

"وفد خلافت کا تو خیر ایک اہم سیاسی فائدہ تھا جو حاصل ہوا۔ اس کی بدولت مسلمان ایک زبردست غلط تخیل سے نکل کر آزاد ہوا۔ اور یہ ایک منزل تھی جسے دوسری منزل تک جانے کے لیے طے کرنا ضروری تھا۔ اس نے کروڑوں انسانوں کو ایک دور سے نکال کر دوسرے دور میں پہنچایا۔ خیالات اور عقائد باطلہ کو ملیامیٹ کر دیا۔ مسلمانوں کو آزادی کی فضا میں سانس لینے اور مکمل آزادی کے لیے جدوجہد پر آمادہ و مستعد کیا۔ امامت ہند کی تحریک تب سود ہی رہی اور پھر تمام عمر مولانا آزاد نے اس اہم مذہبی فریضہ کا کبھی ذکر ہی نہیں کیا........ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تحریک خلافت نے وہ کام براہ راست کر دیا جو تحریک امامت سے بالواسطہ مولانا کرانا چاہتے تھے۔ اور اس لیے مولانا نے خاموشی اختیار کر لی۔" (صفحہ ۳۱-۱۳۰)

تحریک ہجرت

وفد خلافت کے بارے میں اوپر آچکا ہے کہ وہ پہلے وائسرائے سے ملا تھا پھر لندن گیا۔ یہ وفد جب

"وائسرائے کے یہاں سے (خالی ہاتھ) لوٹ کر آیا تو گاندھی جی نے یہ سوال اٹھایا کہ آئندہ قدم کیا ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے دہلی میں ایک جلسہ بلایا گیا .... گاندھی جی نے اس میں ترک موالات کا پروگرام پیش کیا۔ ترک موالات کی اسکیم یہ تھی کہ حکومت سے ہر طرح کا عدم تعاون کیا جائے۔ خطابات واپس کر دیے جائیں، عدالتوں اور درسگاہوں کا مکمل بائیکاٹ ہو، ہندوستانی تمام نوکریوں سے استعفیٰ دیدیں...... گاندھی جی نے کہا یہی وہ طریقہ ہے جو حکومت کو معاملات طے کرنے پر مجبور کرے گا، وفود اور میمورنڈم کے زمانے گزر چکے"۔

مولانا آزاد نے "انڈیا ونس فریڈم" میں اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"جیسے ہی گاندھی جی نے اپنی یہ تجویز پیش کی مجھے یاد آیا کہ یہی وہ اسکیم تھی جو کچھ عرصہ قبل ٹالسٹائی نے پیش کی تھی...... مجھے یہ بھی یاد آیا کہ اسی قسم کا ایک پروگرام میں نے الہلال کے کسی مضمون میں پیش کیا تھا"

قاضی صاحب اس کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ

"الہلال کا وہ مضمون افسوس ہے کہ کہیں نہیں ملا اور نہ مولانا نے اسکے بعد کبھی اس کا تذکرہ کیا یا از سر نو چھاپا۔ لیکن ہجرت کا ایک فتویٰ مولانا نے اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ضرور نشر کردیا جس میں مسلمانان ہند کو یہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تھا — ادنیٰ تعمق سے معلوم ہوگا کہ ہجرت اور ترک موالات میں قطبین کا فاصلہ ہے ...... لیکن مولانا آزاد کا جو فتویٰ "اہل حدیث" امرتسر کی ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں درج ہوا ہے اس میں مولانا نے ان دونوں میں تطبیق کی کوشش کی ہے .... مولانا فرماتے ہیں:۔

تمام دلائل شرعیہ، حالات حاضرہ مصالح مہمہ امت اور مقتضیات و مصالح پر نظر ڈالنے کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانان ہند کے لیے

بجز ہجرت کوئی چارۂ شرعی نہیں ہے۔ اُن تمام مسلمانوں کے لیے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔"

ایک استثنیٰ :

البتہ جن لوگوں کی نسبت ظن غالب ہو کہ مقصد کی جد و جہد اور کلمۂ حق کے اعلان و تذکیر کے لیے اُن کا قیام ہندوستان میں بمقابلہ ہجرت زیادہ ضروری ہے یا جو لوگ دیگر عذرات مقبولہ شرع کی بنا پر ہجرت نہ کر سکیں، یا ایک اتنی بڑی وسیع آبادی کی نقل و حرکت میں قدرتی طور پر جو تاخیر ہونی چاہیے اس کی وجہ سے تاخیر ہو بلاشبہ وہ لوگ ٹھہر سکتے ہیں ان لوگوں کو اپنی تمام قوتیں اتباعِ شریعت کے لیے وقف کر دینی چاہئیں۔

اور پھر اسی استثنیٰ کو مولانا نے ان دو متضاد باتوں میں جوڑ اور تطبیق کا ذریعہ بنایا ہے کہ ایک طرف وہ ترکِ موالات کے بھی حامی ہیں دوسری طرف ہجرت کو سب سے بڑا اسلامی عمل قرار دے رہے ہیں۔ اسی فتوے میں فرماتے ہیں:

"یکم فروری کے جلسۂ دہلی سے لے کر ۱۱ اپریل کے جلسۂ خلافت کمیٹی بمبئی تک مسلمانان کو اعلانِ ترکِ موالات کو منظور و مقبول کرانے کی جس قدر کوششیں کیں حتیٰ کہ وہ منظور کر لیا گیا اُس کی بنا یہی تھی۔"

ترکِ موالات ہی کے ساتھ نہیں بلکہ تحریکِ امامت کے ساتھ بھی تحریکِ ہجرت کچھ بے جوڑ سی نظر آتی ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ ستمبر ۱۹۲۰ء تک تحریکِ امامت بھی مولانا چلا رہے تھے جب کہ فتوائے ہجرت جولائی ۱۹۲۰ء کا ہے۔ قاضی صاحب نشاندہی فرماتے ہیں کہ مولانا کے فتوے میں آگے چل کر یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ تحریکِ ہجرت دراصل "تحریکِ امامت" کی کتاب کا ایک باب تھی۔ اور وہ اس طرح کہ اسی فتوے میں مولانا نے آگے تحریر فرمایا ہے کہ

"اس بات کا فیصلہ کرنا صاحبِ جماعت کا کام ہے کہ کس شخص کو فوراً ہجرت کرنا چاہیے اور کس شخص کی استعداد ایسی ہے کہ اس کا قیام اندرونی خدمات کے لیے مطلوب و مفید ہے۔ نیز ...... ہر شخص بطورِ خود ان امور کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔"

اعمالِ ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ نبوت نے ہمارے لیے چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ ہجرت سے

مقدم، ہجرت کی بیعت ہے۔ بغیر بیعت ہجرت نہیں کرنی چاہیے۔ جو لوگ ہجرت کریں پہلے ہجرت پر بیعت کرلیں۔

اور پھر ایک دفعہ اور بقول قاضی صاحب "ادعاء وتحکم" کی ساری اہلیتیں سمیٹ کر اپنے موقف پر زور دیتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ:۔

"........ میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے جس طالب حق کو مجھ پر اعتماد ہو اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے، بالفعل طریق عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ توفیق دے وہ فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں یا حسب ذیل اصحاب سے مل کر تفصیلی ہدایات حاصل کریں"۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں "اس طرح بیعت ہجرت بالواسطہ بیعت امامت تھی اور دونوں تحریکیں مولانا ایک ساتھ چلا رہے تھے۔ (ص۱۳۴)

تحریک ہجرت اور مولانا عبد الباری؟

قاضی صاحب کو اس بات سے بشدت انکار ہے کہ ہجرت کا فتویٰ مولانا عبد الباری صاحب نے دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اس فتوے کی تمام تر ذمہ داری مولانا ابو الکلام آزاد پر ہے"۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے ص۱۳۶ سے ص۱۳۹ تک تفصیلی بحث کے ذریعہ اپنے موقف کو مدلل کیا ہے۔ اس بحث کی اصل اہمیت یہ نہیں ہے کہ واقعاتی طور پر اس تحریک ہجرت کی ذمہ داری کس پر ہے بلکہ اصل اہمیت یہ ہے کہ ہزاروں انسانوں کی اس خانماں بربادی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے جو اس تحریک کے نتیجے میں رونما ہوئی اور جس کا کچھ نقشہ ظفر حسن ایبک نے جو کہ خود اس تحریک کا شکار ہوئے تھے اپنی "آپ بیتی" میں کھینچا ہے۔ ظفر حسن ایبک نے ہجرت کا فتویٰ مولانا عبد الباری کی طرف منسوب کیا ہے، جس کا حوالہ قاضی صاحب نے دیا ہے۔

قاضی صاحب کا یہ فرمانا تو بالکل بجا نظر آتا ہے کہ مولانا عبد الباری صاحب نے نہ تو ہندوستان کو "دار الحرب" کہا اور نہ ہجرت کو "فرض وواجب" جیسا کہ ایبک نے لکھ دیا ہے۔ اور نہ ہی مولانا از خود اس کے داعی بنے۔ لیکن یہ تو واقعہ ہے مولانا عبد الباری صاحب نے بعض سائلین کے جواب میں فتوے کے طور پر ایک بیان دیا تھا جو یہ تھا کہ

"ہجرت کے متعلق میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ضمیر قلب یا ایمان کو مطمئن نہیں کر سکتے وہ اب اسلام کے احکام کے مطابق عمل پیرا ہوں اور اس ملک سے ہجرت کر کے ایسے مقام پر چلے جائیں جہاں اسلام کی خدمت انجام دینا اور اسلامی قوانین (شرع شریف) کے مطابق عمل کرنا بہتر طریق ممکن ہو۔" (ص ۱۳۷)

اور پھر اس مختصر اعلان شرعی کی جو وضاحت بعد میں مولانا نے فرمائی اس میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ:

"موجودہ حالت میں ہندوستان سے اگر قابل و ذی استعداد لوگ کامل ہجرت کریں یا محنتی و جفاکش لوگ ترک وطن کر کے وہاں جائیں تو امید ہے کہ اسلام کو فائدہ زائد حاصل ہوگا اور اپنے وطن عزیز کی بھی خدمت کریں گے۔"

ہر چند آپ کہیں کہ ان الفاظ میں کہیں ہجرت کو فرض واجب نہیں کہا گیا ہے مگر ترغیب تو ان الفاظ میں ضرور پورے طور پر موجود ہے۔ اور پھر مولانا عبدالباری وہ ہیں جن کے متعلق قاضی صاحب ہمیں بتاتے ہیں کہ ان کا مقام تحریک خلافت میں یہ تھا کہ مولانا عبدالباری ہی کی ذات تھی جن کا نام نامی ہر جگہ آتا تھا۔

"مہاتما گاندھی کا حکم مولانا عبدالباری کا فتویٰ" ایسے کتنے ہی اشتہار شائع ہوئے۔ (ص ۳۰)

تو ایسی شخصیت کی طرف سے یہ الفاظ فرض واجب سے کم کا کیا درجہ پائیں گے۔ مزید برآں پھر یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ مولانا آزاد کا فتویٰ ۲۰ جولائی ۲۰ء کا ہے جبکہ مولانا عبدالباری کی مذکورہ بالا وضاحت بھی ۲۰ مئی کی ہے فتویٰ تو اور پہلے کا ہوگا۔ اس لیے ہجرت کی ذمہ داری تو پہلے مولانا عبدالباری ہی پر آئے گی، مابعد گو اس میں مولانا آزاد کا نام بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو مولانا آزاد کے بارے میں کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مولانا عبدالباری صاحب نے جو "مصرع" اٹھایا تھا مولانا آزاد نے اس پر گرہ اس سے بہت زیادہ زوردار لگا دی اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ چونکہ اس زمانے میں امامت کی تحریک چلا رہے تھے انھوں نے دیکھا ہوگا ہجرت کی لے جو اتنے زور سے اٹھ رہی ہے اسے اگر نظام بیعت کی طرف موڑ دیا جائے تو ان کی تحریک امامت آپ سے آپ پروان چڑھ جائے گی اور اس کے لیے الگ سے کوئی جد و جہد نہیں کرنا پڑے گی۔ بہر حال ہجرت کا اصل فتویٰ تو مولانا عبدالباری صاحب ہی کا ماننا پڑتا ہے مولانا آزاد نے بس اسے

کچھ زیادہ طاقت بہم پہنچا دی اور اس کا مقصد بظاہر اس کے سوا اور کچھ مشکل ہی سے تھا کہ امامت کی تحریک کو آسانی سے کامیاب ہونے کا موقع مل جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

اعتذار: ملخص نگار کا کام تنقید نگاری نہیں ہے مگر یہ ایک ایسا الجھاؤ تھا جس پر سے یونہی گزر جانا کچھ روا نظر نہیں آیا۔ اس کے لیے ہم قاضی صاحب سے معذرت خواہ ہیں۔

ایران سے خوش آمدید

تحریک ہجرت کے سلسلے میں قاضی صاحب نے ایک بات بہت اہم بیان کی ہے۔ آجکل خاص طور سے اس کا ذکر بہت مناسب ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ مہاجرین جوش میں کابل جا پہنچے لیکن وہاں انھیں خوش آمدید کہنے کے ذرائع و وسائل کی کمی کے علاوہ اہل افغانستان کی طرف سے کچھ اچھا سلوک بھی نہیں ملا۔ اس پر انھوں نے وہاں سے ایران جانے کا فیصلہ کیا اور ایران کی حکومت کو اطلاع ہوئی تو اخبارات کے ذریعہ بڑے زور شور سے انھیں خوش آمدید کہا گیا۔ اور ہمایوں کو پناہ دینے کا تذکرہ کر کے کہا گیا کہ ہم مہاجرین کو اپنی پلکوں پر جگہ دیں گے وغیرہ (ص۱۳۶) اس ہجرت در ہجرت کی نوبت اگرچہ بعض وجوہ سے نہیں آسکی۔ مگر بہر حال اہل ایران کا یہ رویہ قابل ذکر بلکہ قابل تشکر ہے۔

ترک موالات

ترک موالات کے بارے میں آچکا ہے کہ وفد خلافت سنہ ۱۹۲۰ء کے شروع میں جب وائسرائے سے مل کر خالی ہاتھ آیا تو دلی میں ایک جلسہ آئندہ اقدامات کے بارے میں ہوا جس میں گاندھی جی نے اپنی اسکیم ترک موالات پیش کی جو منظور کی گئی۔ اس اسکیم کا نفاذ ۲۳ مارچ سنہ ۲۰ء کی میرٹھ خلافت کانفرنس سے ہوا۔ اور اس کے مطابق سب سے پہلے حکیم اجمل خاں نے اپنے تمغے اور سرکاری خطاب حاذق الملک واپس کیے۔ اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی بقول قاضی صاحب طوفان اٹھا (ص۱۴۱) اور اس سے بھی پہلے ۱۹ مارچ کو گاندھی جی کے مشورہ پر خلافت کمیٹی کے فیصلے سے ہندوستان بھر میں یوم خلافت منا کر قوم کو ستیہ گرہ کے لیے تیار کرنے کا عمل شروع کیا گیا۔ ہڑتالیں ہوئیں، جلسے ہوئے تجاویز ہوئیں۔ اسی سلسلے کے دیوبند کے جلسے میں قنوت نازلہ پڑھنے کی ترغیب دی گئی اور

اس کا عام رواج اس وقت سے نماز فجر میں شروع ہوا۔

ساتواں باب

اعلان وفاداری کا انجام

اس باب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "اب آئیے ان حالات کو یہیں چھوڑ کر حالات ترکی پر نظر ڈالیں"۔ اور ان حالات کے ذیل میں اتحادیوں کی وہ زیادتیاں ہیں جو عارضی صلح کے اور مستقل صلح کے درمیان میں ترکوں کے ساتھ روا رکھی گئیں۔ بقول قاضی صاحب "عارضی صلح کے بعد حالات بدستور قائم رکھے جاتے ہیں جب تک کہ مکمل صلح نہ ہو جائے۔ لیکن ترکی کے ساتھ مسیحی اور اسلامی جنگ کا نقشہ تھا۔ قانون، روایت، شرافت، اصول، انصاف سب کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا" اسی درمیانی عرصے میں یونانیوں کو اناطولیہ پر قبضہ کر لینے کی اجازت دی گئی: "ادھر انگریزوں نے ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء کو استنبول پر قبضہ کر لیا"۔

معاہدہ سیورے

"آخر کار مستقل صلح کا محضر قتل ترکی بن کر معاہدہ سیورے بھی آ گیا اور دول متحدہ نے ترکی کے ساتھ صلح کے شرائط مشتہر کر دیے جو معاہدۂ سیورے کے نام سے مشہور ہے۔ .... اس اعلان صلح نے دنیائے اسلام میں کھلبلی مچا دی حتیٰ کہ یورپین مورخ ہیمس برواہم جن اپنی کتاب "اتاترک" میں لکھتا ہے کہ اس کو دیکھ کر سلطان وحید الدین خاں کے چہرے کا رنگ بھی زرد پڑ گیا"۔ (ص۱۴۳ تا ص۱۵۲)

آٹھواں باب

مہاتما گاندھی کا اعلان جنگ

"۳۰ مئی ۱۹۲۰ء کو کانگریس کمیٹی کا اجلاس بنارس میں ہوا! .... اس جلسے میں یہ طے ہوا کہ معاہدے سیورے میں ترمیم کا مطالبہ کیا جائے۔ اسی دن خلافت کمیٹی کا بھی

جلسہ ہوا خلافت کمیٹی نے ایک سب کمیٹی اس امر پر غور کرنے کے لیے بنائی کہ آئندہ کیا قدم اٹھایا جائے۔ اس کمیٹی کے ممبران مہاتما گاندھی، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ اس کمیٹی نے اتفاق رائے سے طے کیا کہ کوئی بڑا قدم اُٹھانے سے پہلے صلح کانفرنس کے فیصلے کا انتظار کر لیا جائے۔" ص۱۵۵

الٹی میٹم

"۳ر جون سنہ ۲۰ء کو الہ آباد میں خلافت کمیٹی کا جلسہ ہوا کہ وائسرائے کو ایک ماہ کا نوٹس دیا جائے کہ وہ خلافت کے مسئلے کو جو ایک مذہبی مسئلہ ہے طے کرا دیں ورنہ ترک موالات پر ہم لوگ مجبور ہوں گے۔" .... اس کے بعد ہی خلافت کمیٹی کا ایک وفد مرتب کیا گیا .... اور وائسرائے سے آخر جون سنہ ۱۹۲۰ء میں ملا اور اس نے وائسرائے سے کہا کہ خلافت کا مسئلہ ہم مسلمانوں کا ایک مذہبی مسئلہ ہے اس لیے آپ ہوم گورنمنٹ پر دباؤ ڈالیں کہ وہ معاہدۂ صلح ترکی میں مناسب ترمیمات ہمارے مطالبات کے مطابق کرائے ورنہ ہم مجبور ہوں گے کہ یکم اگست سنہ ۱۹۲۰ء سے ترک موالات کی تحریک جاری کر دیں۔"

"یہ تھا پہلا الٹی میٹم جو حکومت عالیہ برطانیہ کی "وفادار رعایا" نے اول بار اپنے آقاؤں کو دیا، گویا طوق غلامی اتار پھینکا اور آزاد انسانوں کی حیثیت سے بالمقابل کھڑے ہو کر چیلنج دیدیا۔ اب صرف طبل جنگ بجنے کی دیر تھی۔" ص۵۶-۱۵۵

وقت قریب آرہا ہے

"دھماکے کا وقت قریب آرہا ہے۔ خلافت کمیٹی نے تمام ہندوستان کے لوگوں سے پرزور اپیل کی ہے کہ یکم اگست کے دن کو کامیاب بنایا جائے۔ ۲۸ر جولائی کو گاندھی جی نے تمام ابنائے ملک کو آوازدی اور یکم اگست سے ترک موالات شروع کرنے کے لیے پکارا۔ گاندھی جی نے کہا کہ جب تک رولٹ ایکٹ منسوخ اور معاہدۂ سیورسے میں ترمیم نہ ہو ہماری مہم جاری رہے گی۔"

دن آگیا

"یکم اگست کا دن آیا اور بڑی دھوم سے اس کا استقبال ہوا...... اس دن کا استقبال خود مہاتما گاندھی نے اپنے امتیازات خصوصی، تمغہ جات اور خطابات کی واپسی سے کیا۔ انھوں نے وائسرائے کو لکھا کہ ...... "ان تمغات کو میں کیسے استعمال کرسکتا ہوں جبکہ ہمارے ہندوستانی بھائی اس ظلم کے نیچے کراہ رہے ہیں جو اُن کے مذہبی جذبات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ پنجاب میں جبر و استبداد کا جو خونی ڈرامہ کھیلا گیا ہے، وہ ایک مزید وجہ میرے اس طریقۂ عمل کی ہے۔ گاندھی جی نے ...... اپنی سابقہ وفادارانہ خدمات کا تفصیل سے تذکرہ کرنے کے بعد لکھا کہ اب میں وفادار نہیں رہ سکتا۔" (صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱)

بلا ترمیم صلح

اس کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"۱۰ اگست کا دن آیا اور ترکی سے صلح نامہ پر بلا ترمیم دستخط کا مطالبہ ہوا اور ...... توفیق پاشا نے ترکوں کی جانب سے اسی طرح لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دستخط کردیے جس طرح کانپتے ہوئے ہاتھوں سے انھوں نے صلح کا مسودہ لیا تھا۔ صلح نامہ مکمل ہوگیا اور معاہدۂ سیورے میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی۔" (صفحہ ۱۵۰)

ترک موالات کا فتویٰ

"جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے خلافت تحریک کے اس دور میں تمام طبقوں کے علماء متحد ہوگئے تھے اور جمعیۃ علماء ہند نام کی ایک تنظیم بھی عمل میں آگئی تھی۔ ۶ ستمبر ۱۹۲۰ء کو اسی جمعیۃ علماء کا ایک اجلاس کلکتہ میں زیر صدارت مولانا تاج محمد صاحب سندھی منعقد ہوا اور ۵ ستمبر کو پانچ سو علماء کے دستخط سے ترک موالات کا فتویٰ شائع ہوا۔ یہ فتویٰ مولانا ابوالمحاسن سجاد امیر شریعت بہار نے تحریر فرمایا تھا۔" صفحہ ۱۶۱

کانگریس اور مسلم لیگ میں ترک موالات کی منظوری

"یکم اگست سے ترک موالات جاری کرنے کا الٹی میٹم خلافت کمیٹی نے اور اس کی

پشت پناہی سے ذاتی طور پر گاندھی جی نے دیا تھا۔ کانگریس، جمعیۃ علماء اور مسلم لیگ نے باقاعدہ اپنی جماعتی حیثیت میں اس کو پاس نہیں کیا تھا۔ جمعیۃ علماء کا ذکر ابھی اوپر آیا کہ ۸ ستمبر ۲۰ء کو کلکتہ کے اجلاس میں اُس کے پلیٹ فارم سے نہ صرف رزولیوشن منظور ہوا بلکہ پانچسو علماء کے فتوے کی صورت میں یہ قوم کے نام جاری ہوا۔ انہی تاریخوں میں کلکتے ہی کے اندر مسلم لیگ، خلافت کمیٹی اور کانگریس کے بھی اجلاس منعقد ہوئے۔ اور اس زمانے میں یگانگت کی یہی صورت اکثر پائی جاتی تھی۔ بہر حال خلافت کمیٹی کے علاوہ مسلم لیگ نے اس کی تجویز منظور کی اور کانگریس نے بھی جس کا اجلاس اسپیشل اجلاس تھا اور پانچ ہزار ڈیلی گیٹ ملک بھر سے شریک ہوئے تھے۔ مسلم لیگ کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح اس وقت کانگریس میں تھے۔ ۱۶۲-۶۳

اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ قاضی صاحب کے مطابق مخالفت میں تنہا ووٹ اُن کا تھا۔

ایک حل طلب مسئلہ

کانگریس کے اجلاس کی تاریخیں قاضی صاحب نے ۴ تا ۹ ستمبر لکھی ہیں اور اسی میں یہ کہ اس اجلاس سے پہلے گاندھی جی، مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی نے ہندوستان میں کافی دورے کرکے ملک کو ترک موالات کے لیے تیار کر لیا تھا۔" یہاں اگر مولانا محمد علی کا نام سبقت قلم سے نہیں آگیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا محمد علی نہ صرف ستمبر ۲۰ء میں ملک کے اندر موجود تھے بلکہ اور کافی پہلے سے تھے کہ گاندھی جی کے ساتھ کافی دورے بھی اس اجلاس کی تیاری کے لیے کر لیے تھے۔ لیکن دوسری طرف ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ فروری ہی میں کسی وقت وفد خلافت کے سربراہ کے طور پر لندن چلے گئے تھے اور ص۱۲۲ کے بیان کے مطابق اکتوبر میں کسی وقت واپس آئے۔ اگر معاملہ سبقت قلم کا نہیں ہے تو یہ تضاد حل طلب ہے۔

ناگپور کانگریس

کلکتہ کا اجلاس کانگریس اسپیشل اجلاس تھا۔ دسمبر میں معمول کے مطابق سالانہ جلسہ ناگپور میں ہوا اور وہاں بھی ترک موالات کی اسکیم منظور ہوئی۔ اس کا ذکر کر کے قاضی صاحب لکھتے ہیں :۔

پے در پے کانگریس کے اسپیشل سیشن اور عام سالانہ سیشن سے عدم تعاون کی تحریک

منظور ہونے کے بعد اب گاندھی جی اس عدم تشدد کے جہاد کے کمانڈر انچیف تھے اور ان کی پشت پر پوری ہندوستانی قوم اور تمام سیاسی اداروں کانگریس، مسلم لیگ، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علمائے ہند کی طاقت تھی۔ ہندوستان ایک آواز سے آزادیٔ ہند اور بحالیٔ خلافت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔" (ص ۱۶۲)

نواں باب

تحریک عروج پر

پچھلے باب میں ہم دسمبر ۱۹۲۰ء تک پہنچے تھے اب ۱۹۲۱ء آتا ہے اور قاضی صاحب کے الفاظ ہیں:-

"جنوری ۱۹۲۱ء ایک آزادی کے نشہ سے سرشار اور گاندھی جی کی قیادت میں آزادیٔ کامل ...... کے لیے سرگرم نئے ہندوستان پر طلوع ہوا۔ دیش بندھو سی آر داس کی اپیل پر تین ہزار لڑکوں نے کالج سے اسٹرائک کر دیا۔ ہزاروں نے کالج چھوڑ دیا۔ ۴ فروری کو کلکتہ میں نیشنل کالج قائم ہوا۔ بہار میں ودیاپیٹھ کی بنیاد پڑی۔ پٹنہ، احمد آباد، بمبئی، بنارس اور دلی میں نیشنل کالج کھل گئے۔ بنگال، گجرات، بہار میں نیشنل یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔" (ص ۱۶۳)

پٹنہ انجینئرنگ کالج کے ۔۔۔ لڑکوں نے اپنی تعلیم کو خیرباد کہا اور وہ مسٹر مظہر الحق بیرسٹر کے پاس گئے اور کہا کہ ہم کو کچھ جگہ بتا دیجیے۔ مظہر الحق پٹنہ کے بیرسٹروں میں تھے ...... ان کے رہنے کا مکان بہت شاندار تھا اور اس کے ساتھ وہ دوسری عالیشان کوٹھیاں بھی بنا رہے تھے۔ مگر ...... جب موتی لال نہرو، سی آر داس، راج گوپال آچاریہ، وٹھل بھائی پٹیل، محمد علی، شوکت علی اپنے آرام کے بستروں کو چھوڑ کر اور سب کچھ قربان کر کے میدان عمل میں آچکے تھے تو مظہر الحق کیسے پیچھے رہتے۔ وہ فوراً سب عیش و آرام، کوٹھی اور سامان آرائش چھوڑ کر ان لڑکوں کو لیکر دانا پور سڑک (پٹنہ) پر ایک باغیچے میں چلے گئے وہاں ان کے ایک دوست کا چھوٹا سا مکان تھا اس میں رہنے لگے۔ آہستہ آہستہ وہاں

کی چٹائیوں کے کچھ جھونپڑے بھی بن گئے۔ لڑکوں میں بے پناہ جذبہ تھا۔ ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر یہیں رہنے لگے .... مظہر الحق انہی لڑکوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کو پڑھاتے بھی تھے۔ موٹا کھانا جو لڑکے کھاتے وہ بھی وہی کھاتے تھے۔ کبھی صرف چنے چبا کر رہنا پڑتا تھا۔ لڑکے زیادہ تر ہندو تھے۔ .... ان کو باپ کی طرح مانتے تھے۔ اسی جگہ کا نام "صداقت آشرم" رکھا گیا جس نے ہندوستان میں بڑی شہرت حاصل کی ....

اللہ اللہ کیسا حسین منظر ہے، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ودیا پیٹھ، صداقت آشرم، مدرسہ کلکتہ اور ان میں مدرس کون ہیں؟ مولانا محمد علی، بابو راجندر پرشاد، مسٹر مظہر الحق۔ چٹائی کا بستر ہے۔ فاقے ہیں! موٹا اناج۔

اسی کے ساتھ شراب کی دوکانوں پر پہرے لگ گئے تھے........ بدیشی کپڑوں کا بائیکاٹ ہو گیا بلکہ جلا دیے گئے۔ موٹا کھدر سب کے جسموں پر آ گیا۔ چرخہ چلنے لگا۔ سادگی، بے نفسی، باہمی محبت، یک جہتی، سچائی اور آزادیٔ وطن کا عزم راسخ بعد میں تشدد یہ پیروان گاندھی کی شخصیت تھیں۔

ہندو مسلم اتحاد کا عجیب دل خوش کن نظارہ تھا۔ تمام ہندو اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے تھے۔ علمائے اسلام سرفروشی کی تمنا دلوں میں لیے لبوں سے آگ اگلتے انگریز کے خلاف ترک موالات کو جہاد قرار دے رہے تھے۔" (صفحہ ۱۰۴-۱۰۵)

ایک کروڑ روپیے کی اپیل

"۳۱ مارچ ۱۹۲۱ء کی زواڈہ (بزواڑہ) کانگریس کمیٹی میں گاندھی جی نے ایک وقت مقررہ کے اندر ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کی اپیل کی۔ گاندھی جی جیسا نبض شناس قوم ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ اول یہ کہ کانگریس کے بڑھتے ہوئے کام کے لیے ایک معقول رقم جمع ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ حکومت پر نفسیاتی اثر پڑے کہ گاندھی جی کا کتنا بڑا اثر قوم پر ہے..... چنانچہ اس میں اور زور پیدا کرنے کے لیے گاندھی جی نے پبلک کے لیے بے انتہا جوش کے پیش نظر ایک کروڑ روپے کی فراہمی کے لیے ۳۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کا وقت بھی مقرر کر دیا تھا۔ گاندھی جی کی پکار کے بعد اس میں کیا دقت ہو سکتی تھی۔ جب کہ بڑے بڑے مہاجن

گاندھی جی کو "بینک چیک" پر دستخط کرکے دے رہے تھے۔ اور ۳۱ دسمبر تک پورا ایک کروڑ روپیہ جمع ہو گیا۔" (ص ۱۶۹)

کھدر کی اسکیم

"۱۸ جولائی ۱۹۲۱ء کو ورکنگ کمیٹی میں گاندھی جی نے کھدر کی اسکیم پیش کی جو اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔ حضرت مولانا حسرت موہانی مخالف تھے انھوں نے کھدر کے بجائے سودیشی کی تحریک جاری کی۔ ...."

بدیسی کپڑوں کی ہولی

"۳۱ جولائی کو اول بار عمر سوبانی کے میدان واقع محلہ پریل بمبئی میں بدیسی کپڑوں کی ہولی منائی گئی۔ لوگ ذوق شوق سے بدیسی کپڑے لاتے اور آگ میں ڈالتے تھے۔ شعلے بلند ہوکر اپنی زبان سے پکار رہے تھے کہ غلامی کے تمام لوازمات نذر آتش کیے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد بدیسی کپڑوں کی ہولی منانا ایک عام طریقہ ہو گیا۔"

خلافت اور سوراجیہ

اس باب کی اہم ترین بات غالباً یہ ہے جو بالکل ضمنی انداز کی دو تین سطروں میں آگئی ہے کہ

"اب خلافت اور سوراجیہ کی تحریک خلط ملط ہو گئی تھی۔ خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علمائے ہند کے جلسے بھی ہوتے تھے ...... لیکن اب خلافت کے حصول کا ذریعہ بھی سوراجیہ قرار دیا گیا تھا۔ کانگریس کی اہمیت روز بروز ترقی کرتی جا رہی تھی۔ دوسری جماعتیں بھی اگرچہ بہت پرجوش تھیں اور انہی کی بدولت یہ فضا پیدا ہوئی تھی۔ تاہم وہ معین و مددگار کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔" (ص ۱۷۱)

جامعہ ملیہ اسلامیہ اور قومی عربی مدرسہ

مذکورہ بالا باب (۹) میں قاضی صاحب نے سرکاری تعلیم گاہوں کے بائیکاٹ اور قومی درسگاہوں کے قیام کے سلسلے کے آخر میں مولانا محمد علی کی جامعہ ملیہ اسلامیہ اور مولانا آزاد کے قومی عربی مدرسے کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر یہ واقعات ۲۰ء کے ہیں جبکہ باب کا سلسلہ ۲۱ء سے شروع ہوتا ہے، اس لیے ہمیں ان دونوں کی جگہ اپنی تلخیص میں نظر نہیں آئی۔ البتہ اتنا سا تذکرہ کر دینا

مناسب معلوم ہوا۔

دسواں باب
حکومت کا ردِ عمل

کراچی کا مقدمہ تحریکِ خلافت کے یادگار واقعات میں سے ہے اس کے ہیرو مولانا محمد علی تھے "حکومت کے ردِ عمل" کی کہانی اس مقدمے اور اُس کے پس منظر سے شروع ہوتی ہے۔ ۳۱ر جولائی تک ہم گذشتہ باب میں پہنچ گئے تھے۔ اب ستمبر ۱۹۲۱ء شروع ہو جاتا ہے۔

"۹ار ستمبر ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت کانفرنس کا اجلاس زیرِ صدارت مولانا محمد علی منعقد ہوا۔ حسبِ معمول کافی جوش و خروش تھا .... اس کانفرنس میں یہ تجویز پاس کی گئی کہ اسلام کی رو سے انگریزی فوج کی ملازمت حرام ہے۔ کیونکہ اس سے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر گولی چلانی پڑتی ہے .... اور مسلمان فوجیوں کو اس پر بھی مجبور ہونا پڑا کہ وہ مقاماتِ مقدسہ کو اغیار کے ہاتھوں میں چلے جانے میں شریک ہوں۔ اس تجویز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تجویز منجانب صدر پیش ہوئی۔"

قاضی صاحب مولانا محمد علی کے بہت قائل ہیں لیکن ان کی جن چند باتوں سے شاکی ہیں ان میں سے ایک اُن کا شوقِ تقریر اور طویل تقریر ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا بیان میں آگے کہتے ہیں کہ :-

"اس کی (تجویز صدر کی طرف سے پیش ہونے کی) ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صدرِ جلسہ مولانا محمد علی اس پر تقریر کرنے کے لیے بے تاب رہے ہوں گے۔ چنانچہ انھوں نے پورے زورِ خطابت کو کام میں لاتے ہوئے .... انتہائی گرم اور طویل تقریر کی .... قاعدہ کلیہ ہے کہ تجویز صدارت غیر متنازعہ مسئلہ پر ہوتی ہے اور اس کی تائید نہیں کی جاتی بس منظور کیا جاتا ہے اس پر مباحثہ نہیں ہوتا۔ لیکن مولانا محمد علی کے بعد مولانا شوکت علی ڈاکٹر سیف الدین کچلو، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا نثار احمد، پیر غلام مجدد اور جگت گرو سوامی شنکر اچاریہ نے بھی پر زور تقریروں سے تجویز کی تائید کی اور تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی۔" (ص ۱۰۳)

اندازہ نہیں ہو پاتا کہ قاضی صاحب اس تجویز سے خوش ہیں یا ناخوش، خوشی ناخوشی کا تعلق

تجویز سے نہیں مولانا محمد علی کے رویہ سے ہے۔ کیونکہ یہاں وہ کہتے ہیں کہ:

"پتہ نہیں اس تجویز کے بارے میں مہاتما گاندھی سے مشورہ کیا گیا تھا یا نہیں۔ جو لوگ فوج میں بغاوت پھیلانے کا کام کرتے ہیں اُن کے انداز و اطوار بالکل جداگانہ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ سب کارروائی سر کو ہتھیلی پر رکھ کر خفیہ کی جاتی ہے مگر "مخشتے بعد از جنگ" کی باسیت کارفرما تھی گویا خود اپنے ہاتھوں سے لوگ اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے"۔۔۔۔ ص ۱۰۱

آگے ایکدم موڈ کچھ بدلا ہوا سا نظر آنے لگتا ہے اور یہ الفاظ نظر آتے ہیں:

"خلافت کانفرنس کراچی انگریزی حکومت کے تابوت میں آخری کیل تھی اس تجویز نے جانبازانہ اور بہادرانہ عزم حصولِ آزادی کو انتہائی تقویت دی، اور انگریز کو پتہ چل گیا کہ اب اس کو بوریا بستر باندھ لینا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔ ہر ہر شہر اور ہر ہر قریہ میں صدا لگنے لگی۔

باندھ لو بستر فرنگی راج اب جانے کو ہے"

گرفتاریاں اور مقدمہ

"کراچی کے جلسے کے بعد حسب معمول مولانا محمد علی نے مہاتما گاندھی کے ساتھ ہندوستان کا دورہ شروع کر دیا اور والٹیر کے مقام پر وہ گرفتار کر لیے گئے۔۔۔۔۔۔

حکومت نے ان تمام لوگوں کو بھی گرفتار کیا جنھوں نے خلافت کانفرنس کراچی میں تقریریں کی تھیں ۔۔۔۔۔۔۔ مولانا محمد علی پر عیدگاہ کراچی میں ایک باغیانہ تقریر کرنے اور گورنمنٹ کے خلاف نفرت پھیلانے کا بھی الزام تھا"

آگے کاروانِ مجاہدین کے کمرۂ عدالت میں داخل ہونے کا منظر ہے۔ جو بے شک دیدنی اور جرأت و عزم و ایمان آفریں ہے۔

"یہ ابتدائی عدالت تھی۔۔۔۔۔ ملزمان نے عدالت کی کارروائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور گواہان پر کوئی جرح نہیں کی ۔۔۔۔۔ آخر کار عدالت نے مقدمہ سیشن سپرد کر دیا" ص ۱۰۵-۱۰۶

عدالت سیشن کا مقدمہ

یہاں ایک بار پھر قاضی صاحب مولانا محمد علی سے جز بز ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:-

"سیشن کا مقدمہ شروع ہوا تو بقیہ لوگوں نے تو خاموشی اختیار کی مگر مولانا محمد علی جج سے الجھ گئے اور زور دے کر کہنا شروع کیا کہ اگر ......وغیرہ وغیرہ ایک پورا وعظ کہہ ڈالا جو قطعی بے موقع اور غیر متعلق بات تھی۔"

...... جج مولانا محمد علی کو روکتا رہا اور وہ اسی پر تلے رہے کہ وہ ثابت کر کے رہیں گے کہ قرآن و حدیث کی رو سے ایک مسلمان کے لیے فوج کی ملازمت حرام ہے ...... جج عاجز آ کر خاموش ہو گیا۔

سزائیں اور ردعمل :-

"جگت گرو سوامی شنکر آچاریہ کو ایک سال اور بقیہ لوگوں کو دو دو سال قید کا حکم عدالت نے سنایا۔ اس فیصلے نے حکومت کے خلاف دہکتی ہوئی آگ پر پٹرول کا کام کیا اور تمام ہندوستان شعلہ بیوالا بن گیا...... اس وقت عالم یہ تھا کہ لوگ موقع تلاش کرتے تھے کہ کہیں گولی چلے اور ہم گولی کھائیں۔ (صفحہ ۱۸۶)

حکومت کا رویہ

"لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے کا رویہ جابرانہ وتی ہرانہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ ڈرا دھمکا کام نکال لیا جائے گا...... مگر جب اس سے عوام مرعوب نہیں ہوئے تو دوسرا طریقہ بے حساب گرفتاریوں، لمبی سزاؤں اور جیل کے اندر ہر طرح کی سختی کا اختیار کیا گیا......"

"البتہ بعض افسران ایسے بھی تھے جو امتحان لے رہے تھے کہ جذبے کی گہرائی کیا ہے اور ہندوستانی کتنے پانی میں ہیں۔ وہ یا تو چیلنج کرتے تھے یا کھلی چھوٹ دیدیتے تھے۔ مثلاً لاہور کے کلکٹر نے چیلنج کا رویہ اختیار کیا۔ لالہ لاجپت رائے نے پچاس گز بجویٹ دکھو لیے گا نہیں سنہ ۱۹۲۰ء کا گز بجویٹ آج کا نہیں، ایک دن جیل بھیجے۔ کلکٹر نے چیلنج کے لہجے میں کہا بہت خوب 'لیجاؤ ان کو انگلش کوارٹر میں، انگلش کوارٹر جیل کا سب سے آرام دہ مقام تھا جہاں عمدہ غذا بھی ملتی تھی کیونکہ اس میں گورے رکھے جاتے تھے۔ دوسرے دن لالہ جی نے پھر پچاس گز بجویٹ بھیجے۔ پھر کلکٹر نے وہی حکم دیا۔ اندازہ یہ تھا کہ دیکھیں ظرف ہندوستان کا۔ تیسرے دن بھی پچاس گز بجویٹ۔ اب تو کلکٹر کے

چہرے پر حیرانی اور خوف کے آثار نمایاں ہوئے۔ مگر پھر وہی حکم لے جاؤ انگلش کوارٹر۔ چوتھے دن پھر یہ پاس گریجویٹ۔ اب کلکٹر ہمت ہار گیا اور کہنے لگا

"INDIA IS MAKING A SACRIFICE AND IF INDIA GOES ON MAKING THIS SACRIFICE WE SHALL HAVE NO OBJECTION IN LEAVING INDIA."

(ہندوستان قربانی دے رہا ہے اور اگر ہندوستان اسی طرح قربانی دیتا رہا تو ہم کو ہندوستان سے چل دینے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔)

چند مثالیں

ان قربانیوں کے سلسلے کی کچھ مثالیں ۔ ایک چھوٹا سا روزنامچہ قاضی صاحب نے اس باب کے آخر میں چار پانچ صفحے کا درج کیا ہے اسے نقل کیا جائے تو بہت طول ہو جائے گا۔ البتہ اس روزنامچہ کے بیچ میں مولانا آزاد کا ایک پیغام بھی درج ہوا ہے یہ مولانا نے اپنی گرفتاری پر دیا تھا۔ ہم اسے نقل کرتے ہیں لیجیے پڑھیے۔

"انتظار کی رات بڑی تاریک تھی لیکن امید کی صبح بھی کیسی دلفریب و جانفزا ہے۔ افسوس اُن پر جو اب بھی کروٹ نہ لیں۔ آؤ غفلت کا بستر ہمیشہ کے لیے تہ کر دیں۔ خدا کا پاک نام لیں اور راہِ مقصد میں آخری کوچ کریں۔ راستہ صاف اور منزل سامنے آرہی ہے۔ ہمت، صبر، قربانی، استقامت کے چند ایام میں صدیوں کا سفر طے ہو جائے گا۔

رہروِ تشنہ لب نہ گھبرانا اب لیا چشمۂ آبِ بقا تو نے

اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

فقیر ابوالکلام۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء

گیارھواں باب

جنگ ترکی و یونان

قاضی صاحب ایک بار پھر ہندوستان کے حالات سے نکل کر ترکی پر نظر ڈالنے جا رہے ہیں۔

اس سے پہلے ساتویں باب میں گزر چکا ہے کہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کی عارضی صلح کے باوجود اتحادی جرمنوں کی طرف سے یونان کو اجازت دیدی گئی کہ وہ سمرنا پر قبضہ کر کے اناطولیہ کے ایک خطے پر تسلط جمالے۔ اور اتحادی بیڑے کی حمایت میں یونان کی فوجیں واقعی ۱۴ مئی ۱۹۱۹ء کو سمرنا کے ساحل پر جا اتریں۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ برطانوی کمانڈنگ افسر نے ترکی گورنر کو بلا کر حکم دیا کہ سمرنا اور صوبہ ایدین یونان کے حوالے کر دیا جائے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اگر گورنر کے پیروں کے پاس بجلی گری ہوتی تو وہ اتنا متوحش نہ ہوتا جتنا کہ اس حکم سے ہوا، بہادر ترک حالات سے مجبور کمانڈنگ افسر کے سامنے کھڑا تھا .... شاید سوچ رہا تھا کہ کیا کرے؟ گورنر نے سر اٹھایا، زبان کھولی اور کہا کہ سمرنا برطانیہ، فرانس، اٹلی کسی کے حوالے کر دیا جائے مگر یونان کے حوالے نہ کیا جائے۔ افسر کمانڈنگ نے مغرور لہجے میں جواب دیا: "یہ اتحادیوں کی سپریم کونسل پیرس کا فیصلہ ہے اور ناقابل ترمیم ہے" مجبوراً گورنر نے چارج دیدیا۔ خلیفۃ المسلمین .... کا فرمان واجب الاذعان پہلے ہی آچکا تھا کہ سمرنا میں مداخلت نہ کی جائے۔"

اناطولیہ کا مسلمان

"........ اناطولیہ کا آہنی رگ و پے کا مسلمان اس ذلت کو برداشت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا .... سب آگ سے کھیلنے کے لیے تیار تھے لیکن یونان کی غلامی کرنے اور اپنا ملک دوسرے کے سپرد کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چنانچہ سب نے ایک وفد مرتب کیا اور سمرنا کے گورنر کی خدمت میں روانہ کیا اور مقابلے کی اجازت طلب کی۔ لیکن گورنر کے پاس چارہ ہی کیا تھا۔ اُس نے بادل ناخواستہ جواب دیا کہ امیر المومنین کا فرمان ہے کہ مقابلہ نہ کیا جائے۔" (صنہ)

اگر سلطان وحید الدین دول متحدہ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے کے لیے تیار تھا تو اناطولیہ کا مسلمان اپنی مسجدوں کے میناروں کے سائے میں اپنا سر خم دکھانے کے لیے اب بھی آمادہ تھا۔ جا بجا انقلابی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ بے ضابطہ فوجیں مرتب ہونے لگیں۔ سلطان وحید الدین کو خطرہ ہوا کہ کہیں دول متحدہ کے اراکین ناراض نہ ہو جائیں۔ اور اُس نے اناطولیہ کو آگ

سے نکل کر برف میں ڈبونے کا فیصلہ کیا" (ص۲۰۱)
اور وہی فیصلہ تھا جس کے اندر سے قدرت نے ایک دوسرے ہی فیصلے کی راہ بنائی۔

مصطفیٰ کمال

"مصطفیٰ کمال پر خلیفہ کو ہمیشہ بھروسہ رہا تھا...... جس دن سمرنا میں یونانی درندے اترے اسی دن مصطفیٰ کمال کو اناطولیہ کی افواج کا انسپکٹر جنرل بنا کر سلطان نے اناطولیہ روانہ کر دیا"

"مصطفیٰ کمال معاملات پر غور کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ لڑائی گورنمنٹ اور فوج ہارتی ہے۔ اس سے ملک اور قوم کو برباد نہیں کیا جاتا...... اور یہاں پوری قوم کو تاخت و تاراج کرنے کے منصوبے بن رہے تھے اور کوئی راہ نہ تھی......"

"مصطفیٰ کمال نے کل معاملے پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ صرف ایک راستہ ہے کہ ترکی کی بچی کھچی فوج کو اناطولیہ میں جمع کیا جائے اور دوبارہ جنگ کی جائے......
چنانچہ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرح اناطولیہ پہنچے کہ سلطان نے خود ہی اس کو اناطولیہ کے لشکر کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا۔ مصطفیٰ کمال کے لیے یہ ایک غیبی امداد تھی" (ص۲۰۱)
"مصطفیٰ کمال نائب السلطان کی حیثیت سے ایک ٹوٹے ہوئے کشتی نما جہاز پر سمسون کے بجائے سمرنا اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ پہنچا۔ وہاں دول متحدہ کے فوجی افسران نے اسے اپنا آدمی سمجھا۔ ساحل سمندر سے وہ سیدھا تار گھر گیا اور چار دن اسی تار گھر میں پڑا رہا اور مختلف مقامات کے ترکی فوجی افسران کو تار دیتا رہا کہ وہ اپنی افواج کے ساتھ اناطولیہ آجائیں"

جدوجہد کا آغاز

"...... انگریزوں کو مصطفیٰ کمال کی کارروائیوں کی اطلاع مل گئی اور انھوں نے مصطفیٰ کمال کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ مصطفیٰ کمال اماسیہ چلا گیا۔ وہاں اس نے ایک مشاورتی جلسہ طلب کیا۔ اماسیہ پر انگریزوں کا قبضہ نہیں تھا" (ص۲۰۴)
"خلیفہ کو مصطفیٰ کمال کی سرگرمیوں کا پتہ چلا تو واپسی کا تحریری حکم بھیجا مگر اس نے

تعمیل سے انکار کرتے ہوئے استعفیٰ دیدیا۔"

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"مصطفیٰ کمال کو اپنے مشن کے سلسلے میں حسب ذیل دقتوں کا سامنا تھا۔

(۱) پورا اناطولیہ جس کو اُسے آمادۂ بغاوت کرنا تھا سب کا سب خلیفۃ المسلمین کا معتقد تھا۔

(۲) مرد تو مرد عورتوں تک میں اگرچہ آگ بھری ہوئی تھی۔ مگر کوئی نقطۂ اتحاد نہ تھا۔ پورے ملک میں مختلف کمیٹیاں اور انجمنیں قائم تھیں اور باہمی رقابتیں بھی کارفرما تھیں"۔ —— مگر

مصطفیٰ کمال نے دن رات بغیر آرام کیے سادہ یونیفارم میں گاؤں گاؤں کا گشت لگانا اور تقریریں کرنا شروع کیا۔ ...... اُس کو فاقہ بھی کرنا پڑتا۔ پیدل بھی چلنا پڑتا۔ مگر کوئی مشکل ایسی نہ تھی جس کو اُس نے مشکل سمجھا ہو۔ اُس نے اناطولیہ کے مسلمانوں کے جذبات کے احترام میں خود کو خلیفہ کا نائب ظاہر کیا اور یہ کہا کہ خلیفہ کو انگریزوں نے قید کر رکھا ہے میں تو کہتا ہوں وہ خلیفہ کی آواز ہے...... " (ص ۲۰۵)

متوازی حکومت:

"مصطفیٰ کمال کی اس جدوجہد کے نتیجے میں اناطولیہ کے اندر ایک متحدہ نظام کی داغ بیل پڑ گئی۔ "سیواس کے مقام پر اناطولیہ کے گوشے گوشے سے نمائندے جمع ہوئے ...... یہاں ایک انجمن تمام اناطولیہ کی یک آواز قائم ہوئی اور مصطفیٰ کمال کو اس قومی انجمن کا صدر چنا گیا ...... یہ ایک جدید حکومت قسطنطنیہ کے مقابل بنائی گئی"۔ (ص ۲۰۶)

"مصطفیٰ کمال نے سیواس کانفرنس میں ایک تجویز احتجاج منظور کرائی ...... اسی کے ساتھ یہ مطالبہ بھی تھا کہ داماد فرید پاشا (وزیر اعظم) کو برخاست کیا جائے۔ پھر اس نے استنبول (قسطنطنیہ) کے باشندوں کے نام حسب ذیل پیغام بھیجا:۔

"اے اہل استنبول وطنی فریضہ انجام دینے میں شریک ہو جاؤ تاکہ ہمیں فرید پاشا کی وزارت پر اعتراض کا حق حاصل ہو جائے اگر ہم چپ رہیں گے تو دنیا کہے گی کہ اس قوم نے اپنی حکومت پر اعتراض کرنے کا حق کیوں نہ بروقت استعمال کیا۔ دنیا کا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا

ہمارے نبی کا فرمان ہے کہ جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے"۔
استنبول کے اخبارات نے اس پیغام کو شائع کر دیا .... مسجدوں میں دعائیں ہونے لگیں۔ پرجوش نوجوان چھپ چھپ کر قسطنطنیہ سے نکل کر اناطولیہ مصطفےٰ کمال کے پاس آنے لگے ...."

"مصطفےٰ کمال نے چند روز بعد دوسرا بم گرایا جس کا دھماکا پہلے سے کہیں زیادہ کیا نک تھا۔ اس نے انگریزی، فرانسیسی، اطالوی، جرمن، سویڈن، ڈنمارک اور اسپینی سفیروں کے نام ایک دستاویز بھیجی جس میں سیواس کانفرنس کی مہر ثبت تھی۔ اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ داماد فرید پاشا قوم کا غدار ہے۔ اس کی حکومت کا فیصلہ ناقص ہے ...... یہ مجلس حقیقی مجلس ملی ہے جس میں قوم کے نمائندے ہیں۔ کوئی فیصلہ اس وقت تک قابل قبول نہ ہو گا جب تک کہ قوم کے حقیقی نمائندوں کے اس پر دستخط نہ ہوں"۔

نیا دارالسلطنت

"مصطفےٰ کمال نے انگورہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔ انگورہ دو وجہوں سے اس کے لیے موزوں تھا۔ ایک تو یہ ساحل سمندر سے دور تھا اور مدافعتی تدابیر وہاں زیادہ سکون سے ہو سکتی تھیں۔ دوسرے انگورہ سے اناطولیہ کے ترکوں کا بڑا جذباتی لگاؤ تھا۔ یہیں سے ترک چلے تھے اور تین براعظموں سات دریاؤں اور تین سمندروں پر صدیوں تک قابض رہے تھے اور اپنے جاہ و جلال کا مظاہرہ کیا تھا۔

ترکان اناطولیہ کا جوش

ترکان اناطولیہ کا جوش حد سے سوا تھا۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:
"اب سب کچھ لا کر ڈال دیا۔ جوان سب فوج میں بھرتی ہو گئے۔ عورتیں اور بوڑھے دوسرے کاموں میں لگ گئے .... اس جوش و خروش کا غلغلہ تمام دنیا میں گونجا اور اس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا جس پر یونانیوں کی وحشت و بربریت کی داستانوں نے جو انصاف پسند یورپینوں کی زبانی بھی اخبارات میں آئیں آگ پر تیل کا کام کیا ....
..... اور ترک جہاں بھی تھے سر ہتھیلی پر رکھ کر اور بھاگ بھاگ کر اناطولیہ پہنچنے لگے

بہت سے فوجی افسروں نے استعفیٰ دیدیا اور اناطولیہ چلے گئے۔" (ص ۲۰)

انگریزوں کا جوابی وار

"ادھر انگریزی پروپیگنڈہ مشینری بھی تیز ہو گئی۔ انگریزوں نے یہ خبر مشہور کر دی کہ مصطفیٰ کمال خلافت کا دشمن ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خبر اناطولیہ والوں کے لیے بڑی خطرناک تھی۔ جون ۲۰ء میں ٹائمز آف لندن جیسے وقیع انگریزی روزنامے نے یہ خبر شائع کی کہ مصطفیٰ کمال نے جمال الدین پاشا کو جو حال ہی میں اناطولیہ گئے...... سلطان معظم کی جگہ دی ہے۔ ٹائمز نے یہ بھی لکھا تھا کہ بالشویکوں کی سرگرمیاں بہت ترقی کر گئی ہیں اور مصطفیٰ کمال بالشویک ہو گیا ہے۔"

آستانۂ عالیہ کے حملے

انگریزوں کی طرح آستانہ عالیہ قسطنطنیہ سے بھی مصطفیٰ کمال پر زوردار حملے شروع ہو گئے۔ کیونکہ سلطان اپنے آپ کو مصطفیٰ کمال کے آگے بے بس محسوس کر رہے تھے۔ یہ حملے "شیخ الاسلام" کے فتووں کی شکل میں تھے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ (ان فتووں نے)

"مصطفیٰ کمال کی پوزیشن اناطولیہ میں اچانک کمزور کر دی اور اناطولیہ کے عوام تذبذب کا شکار ہونے لگے۔ مگر قدرت اس مرد آہن کی مدد کرنے پر آمادہ تھی چنانچہ ۲۰ مئی ۱۹۲۰ء کو آخری صلحنامہ ترکی کے بارے میں شائع ہو گیا جس پر منجانب خلیفۃ المسلمین توفیق پاشا نے اسی دن دستخط کیے تھے۔ یہ ایک ہولناک واقعہ تھا، مصطفیٰ کمال نے فوراً اپنا وار کیا۔ اس نے انگورہ کی قومی اسمبلی میں ایک گرجدار تقریر کے دوران داماد فرید پاشا (وزیر اعظم) کو ان تمام مصائب کا ذمہ دار قرار دیا اور یہ تجویز پاس کرا دی کہ داماد فرید پاشا غدار ہے۔ اب کل اناطولیہ میں یہی نعرہ گونج گیا...... اور قوم کا رخ پلٹ گیا۔ لوگوں کی سمجھ میں آگیا کہ ایسے ذلیل صلحنامہ پر خلیفہ تو دستخط نہیں کر سکتا یہ سب داماد فرید پاشا کی شرارت اور وطن فروشی ہے۔..... معاہدہ سیورے کی اشاعت اور اس پر قسطنطنیہ کا دستخط کر دینا ایک عظیم الشان ناقوس ثابت ہوا...... اب اناطولیہ کے ترکوں پر صاف واضح ہو گیا کہ: دول متحدہ کے ارادے ترکی کے بارے میں کیا ہیں اور خلیفہ کی کیا پوزیشن ہے اور

انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب ان کی مدد صرف اُن کا اتحاد اور انکی تیاریاں کرسکتی ہیں۔ (۱۲۔۷۱۱)

یونان کے حملوں پر حملے اور شکست پر شکست

"اور پھر واقعی خدا کے حکم سے اُن ترکوں کی تلواروں ہی نے ان کی مدد کی ——

۲۰ مئی سنہ ۱۹۲۰ء کو معاہدۂ سیورے پر دستخط ہوئے اور جون سنہ ۲۰ء میں بولون کا نفرنس میں اتحادیوں نے یہ تجویز منظور کی کہ ترکانِ احرار، اناطولیہ کو دبانے کے لیے یونان کو مجاز کیا جائے۔ چنانچہ ۲۲ جون سنہ ۲۰ء کو یونانیوں نے اناطولیہ پر حملہ کر دیا۔ ترکانِ احرار نے مقابلہ کیا لیکن یونانی کامیاب ہوتے گئے۔ ہندوستان میں رائٹر اور ٹائمز کے حوالے سے ترکانِ احرار کی شکست کی خبریں شائع ہوتی رہیں........ لیکن اصل بات یہ تھی کہ مصطفےٰ کمال یونانی جیش سے کبھی بھی فیصلہ کن جنگ لڑنا نہیں چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اُن کی لائن لمبی ہو جائے اور وہ وطن سے دور آجائیں تب ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ وہ صرف یونانی فوجوں کو مشغول رکھتا تھا اور باضابطہ پسپائی اختیار کر لیتا تھا۔

اس درمیان قدرت ایک اور راہ سے ترکوں پر مہربان ہوئی اور وہ یہ کہ معاہدۂ سیورے کے بارے میں اٹلی اور فرانس کا رویہ بدل گیا وہ اب اس میں ترمیم کے حامی ہو گئے۔ چنانچہ برطانیہ نے بھی چاہا لیکن یونان کی ضد سے یہ کارروائی اس وقت نہیں ہوسکی۔ جنگ بہرحال رکی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ جنوری ۲۱ء میں یونانیوں نے بہت بڑے پیمانے پر حملہ شروع کیا۔ اور اب مصطفےٰ کمال نے بھی فیصلہ کن جنگ کی ٹھان لی۔ یہ جنگ انونو کے مقام پر تین دن اور تین رات مسلسل ہوئی۔ حتیٰ کہ یونانیوں کو پسپا ہونا پڑا —— اس جنگ انونو کا ہیرو عصمت پاشا تھا اور اسی کی مناسبت سے وہ بعد میں عصمت انونو کہلایا —— چنانچہ اسی جنوری کی ۲۲ کو معاہدہ میں ترمیم کے لیے وہ کانفرنس پیرس میں ہوئی جو یونان کی ضد نے نہ ہونے دی تھی، اور روم میں ۲۱ فروری کو لندن میں ایک دوسری کانفرنس کی قرارداد ہوئی جس میں جس میں انگورہ سے بھی نمائندے طلب کیا جانا طے ہوا۔ یہ کانفرنس ہوئی مگر یونان نے اس کی ترمیمات مسترد کر کے پھر اسے بے نتیجہ بنا دیا۔ اور اس کے بعد ایک دوسرا حملہ بڑی تیاری سے کیا۔ یہاں بھی ترکوں نے ابتدا میں پسپائی کی حکمت عملی اختیار کی اور پھر جب مقابلہ کا فیصلہ کیا تو

نتیجہ پھر یونانیوں کی دوسری زبردست شکست ہی کی صورت میں نکلا۔"

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک یوروپین اخبار نویس نے لکھا کہ یونانی پسپائی کے وقت اتنا تیز دوڑے کہ ترک اُن کے تعاقب سے عاجز آگئے۔" (صـ۲۱۳)

تیسرا حملہ

یونانیوں کی ضد یا ہوس چوٹ پر چوٹ کھاکر بھی باز نہیں آرہی تھی۔ جون ۲۱ء میں انھوں نے پھر میدان کارزار گرم کیا اور ہمیشہ کی طرح شروع میں کامیاب رہے۔ مگر اگست میں جب مصطفیٰ کمال نے فیصلے کی ٹھان لی تو تیرہ دن کی خونریز لڑائی کے بعد ترک پھر سرخرو ہوئے اور یونانیوں نے تیسری بار منھ کی کھائی۔ یونانیوں کو دریائے سقاریہ کے پار دھکیل دیا گیا تھا۔

ڈپلومیسی کی جنگ

اب تلواروں کی جنگ بند ہے اور اس نے موقع دیا ہے کہ ترکان احرار کی قیادت تدبر اور ڈپلومیسی کے میدان میں اپنے جوہر آزمائے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ (ایک طرف تو اُس نے)

"تمام ممالک میں اپنے وفود روانہ کیے۔ دوسری طرف مجلس ملی کی ایک تقریر میں دنیا کو اپنی پالیسی بتائی کہ

"ہم جنگ کے شیدائی نہیں ہیں۔ ہم صلح کے خواہشمند ہیں۔ ہم نے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے تمام پرامن ذرائع و وسائل اختیار کیے لیکن دنیا ہر طرح بے معنی دھمکیوں کے ساتھ ہماری نیک نیتی کا مقابلہ کرتی رہی اور ہمارے ساتھ غیر مہذب قبائل کا سا سلوک کرتی رہی۔ اس لیے تمام دنیا کو آگاہ رہنا چاہیے کہ ترکی کے باشندے اس کی حکومت اور مجلس ملی عظمیٰ اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتے اور جب تک تمام مہذب اقوام کی طرح اُن کی حریت اور آزادی کا احترام نہ کیا جائے اس وقت تک وہ اپنا اسلحہ اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے، یہ ہمارا قطعی فیصلہ ہے دنیا اس سے واقف ہو جائے ...." (صـ۲۱۴)

مصطفیٰ کمال روس کو تو پہلے ہی ہموار کر چکا تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا تقریر میں بھی روس کی دوستی

کا اُس نے بطورِ خاص ذکر کیا تھا۔ اور اس ہمواری میں بڑا دخل اس بات کا تھا کہ روس میں انقلاب آگیا تھا اور انقلابی لیڈر لینن وغیرہ انگریزوں کے مخالف تھے۔ ورنہ جنگ کے زمانے میں تو روس اور ترکی ایک دوسرے کے حریف تھے۔ بہرحال اب جو مزید موقع ملا تو نئی جدوجہد نے کچھ اور سنئے میدان بھی ہموار کر دیے۔ اٹلی اور فرانس جو پہلے ہی اپنی جگہ سے ہل چکے تھے۔ ایسان سے باقاعدہ معاہدے ہو گئے۔ فرانس سے اکتوبر ۱۹۲۱ء میں معاہدہ ہوا کہ سیلیسیہ ترکی کو واپس مل گیا اور حالتِ جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اٹلی سے بھی معاہدۂ صلح ہو گیا اور سمرنا اور تھریس کی واپسی میں اس نے ترکوں کی مدد کا وعدہ کیا۔ اب بڑی طاقتوں میں صرف انگریز تھے جو ابھی یونانیوں کی پشت پناہ تھے۔ لیکن وہ بھی اب دوسرے اتحادیوں کے مخالف باد کی زیادہ مزاحمت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ بھی کوشاں تھے کہ یونانی مصالحت کے موڈ میں آجائیں مگر قدرت کو منظور یہ تھا کہ اُن کی بدماغی کا نشہ ترکوں کی ضربِ خارا شگاف ہی سے دور ہو۔ چنانچہ انھیں قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا جنون سوار ہوا۔ یہ ۱۹۲۲ء کے وسط کی بات ہے۔ مگر قبل اس کے کہ یہ جنون عملی شکل میں آئے اگست ۱۹۲۲ء کی ۲۶ تاریخ سے مصطفیٰ کمال نے ایک عام اور بھرپور حملہ یونانیوں پر شروع کر دیا۔ اُس نے اس حملے کی ابتدائی فتوحات کے درمیان ایک موقع پر اپنے سپاہیوں سے کہا تھا کہ

"...... تمہارا کام ابھی باقی ہے۔ جب میرا گھوڑا ساحلِ سمندر کے کنارے کھڑا ہو۔ ایک طرف سمندر ہو اور دوسری طرف ہمارا ملک، یونانی یا تو سمندر میں غرق کر دیے گئے ہوں یا قتل کر دیے گئے ہوں اور ایک بھی یونانی سرزمینِ اناطولیہ پر نہ ہو تب تمہارا کام پورا ہوگا" (ص ۲۱۷)

یہ خواب پورا ہونے میں دیر نہیں لگی۔ ۹ ستمبر کو ترکی فوجیں بحرابیض کے کنارے پہنچ گئی تھیں۔ اور اب ایک طرف واقعی سمندر تھا اور دوسری طرف یونانیوں سے خالی جنوبی اناطولیہ۔

معاہدۂ سیورے میں ترمیم

آپ کو تھوڑا سا اندازہ ضرور ہو گیا ہو گا کہ قاضی صاحب کی نظروں میں مصطفیٰ کمال کا آج بھی ـــــ جبکہ یہ شخصیت بہت ہی متنازعہ فیہ بن چکی ہے ـــــ کیا مقام ہے۔ پورا اندازہ جب ہوگا جب آپ کتاب پڑھیں کہ جب نام لیتے ہیں تو کیسے کیسے جانوں سے نثار ہوتے نظر آتے ہیں۔ بہرحال اب جبکہ وہ ان کی کامیابیوں کا آخری باب رقم کرنے جا رہے ہیں تو قدرتی طور پر اُن کا قلم لوں جھومتا ہوا چلتا ہے کہ:-

"اب وقت آگیا ہے کہ بدنام زمانہ معاہدۂ سیورے کی دھجیاں کمال پاشا کی نوکِ شمشیر سے

فضائے آسمانی میں اُڑتی ہوئی نظر آئیں۔ چنانچہ اس میں ترمیم کے لیے لوزان میں صلح کانفرنس ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو منعقد ہوئی۔ ۲۰ نومبر ۲۲ء سے ۴ فروری ۲۳ء تک مختلف مباحث سامنے آئے ...... برطانیہ کی طرف سے لارڈ کرزن اور ترکی کی طرف سے عصمت پاشا بات چیت کرتے تھے۔ لارڈ کرزن مشہور استعمار پسند اور مغرور انسان تھا .... رعونت میں سرشار لارڈ کرزن نے ترکوں کو محسوس کرانا چاہا کہ اب صلح میں ترکوں کو اگر کچھ دیا جائے گا تو وہ بطور احسان ہوگا۔ اس کو عصمت انونو کے کردار اور ترکانِ احرار کے آہنی دل و دماغ کا اب بھی اندازہ نہیں ہوا تھا ...... برطانیہ نے جو شرائط پیش کیے اُن کو عصمت نے کلیتہً نامنظور کر دیا۔ ۴ فروری کو کانفرنس کی ..... گفت و شنید منقطع ہو گئی اور باہمی (غیر رسمی) تبادلۂ خیال ہوتا رہا ...... پندرہ دن کا وقت اسی ٹال مٹول میں گزر گیا۔"

آخرکار یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اُس کا پیمانۂ صبر اب لبریز ہو گیا ہے لارڈ کرزن نے اس انداز کا ایک خط عصمت پاشا کو لکھا کہ

"میں حکومت برطانیہ کا وزیر خارجہ ہوں میرے پاس وقت نہیں ہے لیکن میں نے کانٹی نینٹل میل دو گھنٹے کے لیے روک لی ہے اِن دو گھنٹے کے اندر یا تو وہ شرائط جو پیش کی گئی ہیں منظور کی جائیں ورنہ ترکی کی قسمت پر مہر لگ جائے گی۔"

عصمت پاشا نے اس کا جواب دیا کہ۔

"میں نہ صرف حکومت عالیہ ترکیہ کا وزیر خارجہ ہوں بلکہ اس کی افواج کا سپہ سالار اعظم بھی ہوں۔ میں محاذ جنگ پر جا رہا ہوں ...... البتہ میں نے اپنے ایک کلرک کو یہاں چھوڑ دیا ہے تاکہ اگر آپ کوئی مکتوب روانہ کریں تو وہ ہمارے پاس انگورہ پہنچ جائے۔"

(ص ۲۱۹-۲۲۰)

قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"عصمت پاشا اس طرح ترکی کی شان خودداری اور خود اعتمادی کا پرچم لہرا کر ۲۰ فروری ۱۹۲۳ء کو انگورہ چلا گیا۔ وہاں پہنچنے پر برطانیہ کی جانب سے پھر گفت و شنید جاری کرنے کی تحریک ہوئی ...... چنانچہ ۱۵ اپریل ۲۳ء کو دوسری کانفرنس مدعو ہوئی ۲۳ اپریل سے

کانفرنس کا افتتاح ہوا اور ۱۶ر جولائی کو عہد نامۂ صلح مکمل طور پر طے ہو گیا۔ اور ۲۴ر جولائی کو معاہدہ صلح پر دستخط ہو گئے۔" (صفحہ ۲۲۰)

صلح نامہ اور ترکی کے شرائط

اس نئے صلح نامے کا یہ پہلو کافی اہم تھا کہ ترکی کے مطالبات کیا تھے اور صلحنامہ میں وہ کہاں تک ملحوظ رکھے گئے۔ مگر قاضی صاحب یہاں بس اتنا کہہ کر گزر گئے بلکہ کہنا چاہیے کہ داستان ختم کر گئے کہ "اس صلحنامہ کی رو سے ترکی کو میثاق ملی کی تقریباً کل شرائط صلح حاصل ہو گئیں۔ ترکوں نے اپنے مطالبات مرتب کرنے میں کافی تدبر اور دوراندیشی کا اظہار کیا تھا اور ایسی چیزیں طلب نہیں کی تھیں جو ناممکن الحصول ہوں۔" (صفحہ ۲۲۱)

ترکوں کی اس فتح میں تحریک خلافت کا حصہ

بڑا اہم سوال ہے کہ ترکوں کی کہانی ختم ہو گئی اور کتاب بھی ختم ہی ہونے کو آ گئی۔ تحریک خلافت کے اتنے لمبے چوڑے ہنگامے سے ترکوں کو کسی طرح کا فائدہ بھی پہنچا؟ خلافت تو معلوم ہے کہ نہیں بچ سکی۔ قاضی صاحب نے یہاں اسی سوال کی پیاس بجھائی ہے اور بتایا ہے کہ باوجود اس کے کہ یونانی برطانیہ ہی کی اصل شہ پر سمرنا میں اُترے اور اناطولیہ میں غارت مچائی۔ مگر پھر ترکوں کی جوابی کارروائی پر جو ہم یہ نہیں دیکھتے کہ برطانیہ اپنی ساری طاقت اور چودھراہٹ کے باوجود یونانیوں کی مدد پر آیا ہو۔ حتیٰ کہ ترکوں نے یہ صرف اپنا ملک اُن سے پاک کر دیا بلکہ ایک نئی ترک قیادت کو خود برطانیہ سے دو بدو ہونے کے لیے کھڑا کر دیا۔ تو برطانیہ کی یہ خاموشی کچھ پارسائی آ جانے سے نہ تھی اس کے کئی اسباب تھے جن میں سب سے اہم سبب ہندوستان کی یہی خلافت تحریک تھی جس نے ہندوستان میں ایک عام بغاوت کی کیفیت (جیسا کہ ہم ابھی پچھلے باب میں دیکھ چکے ہیں) پیدا کر دی تھی۔ اور پورا ملک انگریز کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور یہ ایسی صورت حال تھی کہ "دانشوران فرنگ بھی" اس سے "برطانیہ کے مستقبل کے لیے خوف و ہراس محسوس کرنے لگے تھے:

لارڈ نارتھ کلف جن کے سات اخبار لندن سے نکلتے تھے اور وہ خود "جرنلزم کا نپولین" کہے جاتے تھے، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"اس کے اخبارات روزمرہ لائیڈ جارج کے خلاف آگ اُگلتے تھے" (کہ اس کی پالیسی برطانیہ

کی نوآبادیاتی طاقت کو تہس نہس کردے گی۔" نارتھ کلفٹ نے خود بلاد اسلامیہ اور مشرق کے ممالک کا دورہ کرکے اور مسلمانوں کا حال دیکھ کر یہ آگاہی دے ڈالی تھی کہ "یہ سرفروش حکومت برطانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔" (صفحہ ۲۲-۲۲۱)

قاضی صاحب نے اس معاملے کے جو دوسرے اور سبب بتائے ہیں اُن کو سامنے رکھتے ہوئے چاہے کسی کی نظر میں سب سے اہم سبب خلافت تحریک کے بجائے کوئی اور قرار پائے مگر اس میں کلام ممکن نہیں ہے کہ خلافت تحریک اگرچہ خلافت کو تو نہ بچا سکی مگر وہ یقیناً ایک اہم سبب تھی جس نے ترکی کو بچانے میں اپنا پارٹ ادا کیا۔

بارھواں باب

تحریک خلافت کا دوسرا دور

قاضی صاحب نے ہندوستان میں تحریک کے حالات کو مقدمہ کراچی پر چھوڑ کر ترکی کا سفر اختیار کرلیا تھا۔ اور پچھلے باب میں آپ نے اُن کے اس "دورے" کے "مشاہدات" پڑھ لیے اب وہ پھر ہندوستان واپس آتے ہیں اور یہاں کے حالات کا بیان تھوڑا پیچھے سے شروع کرتے ہیں۔

"جس وقت کراچی کا مقدمہ مولانا محمد علی وغیرہ پر ۱۹ ؍اگست ۱۹۲۱ء کو چلایا گیا تو گاندھی جی نے ستمبر ۱۹۲۱ء میں مسلمانوں کے نام ایک پیغام میں کہا:

"ہم کو عدم تشدد پر پوری طرح عمل کرنا چاہیے۔ لیکن بے بسی کے ساتھ نہیں علی برادران نے جو نا رسول سپاہیوں کے فرائض کے بارے میں بتلایا ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے ...... ہم کو یہ نہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے بہترین آدمیوں کے بغیر تحریک جاری نہیں رہ سکتی اگر ایسا نہیں ہے تو ہم سوراج کے قابل نہیں ہیں اور نہ خلافت کے اور پنجاب کے ساتھ جو مظالم ہوئے ہیں اُن کا مداوا کرسکتے ہیں۔" (صفحہ ۲۲۵)

قاضی صاحب کے اس بیان میں معلوم ہوتا ہے کچھ کتابت کی غلطی ہوگئی ہے۔ کراچی کا مقدمہ کراچی خلافت کانفرنس کی تقریروں پر چلا تھا اور یہ کانفرنس ہم دسویں باب میں پڑھ چکے ہیں کہ ۹ ؍جولائی ۱۹۲۱ء کو ہوئی تھی۔ اس لیے ۱۹ ؍اگست کو مقدمہ چلنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔

حکومت کا ایک کمیونک اور مہاتما گاندھی کا جواب

لیکن خدا معلوم کیا قصّہ ہے کہ آگے پھر اسی طرح کی ایک چیز آ رہی ہے جو ۱۹ ستمبر سے ٹکراتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دسویں باب میں بھی کتابت کی غلطی ہو اور کانفرنس کی واقعی تاریخ ۱۹ ستمبر کے بجائے ۹ ستمبر ہو۔ اگر ایسا ہو تو آگے آنے والا ٹکراؤ دور ہو جائے گا۔ بہرحال آگے جو چیز آ رہی ہے وہ ایک اہم چیز ہے۔ فرماتے ہیں:

"۴ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو گاندھی جی نے بمبئی میں لیڈروں کا ایک اجتماع کیا جس میں گورنمنٹ کے احکام کے خلاف ایک مینی فیسٹو جاری کرنے کے لیے کہا۔ مینی فیسٹو حسب ذیل ہے:

"بمبئی کی حکومت نے ۱۵ ستمبر ۱۹۲۱ء کو جو کمیونک جاری کیا ہے اور جس میں علی برادران وغیرہ پر مقدمہ چلانے کا حکم ہے اس کے متعلق ہم دستخط کنندگان اپنی انفرادی حیثیت سے یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ ......" (آگے اس مینی فیسٹو میں حکومت کی فوجی اور غیر فوجی ملازمت کے بارے میں اسی رائے کا اظہار کیا گیا ہے جس کے اظہار کی بنا پر مولانا محمد علی وغیرہ پر مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ اور ساتھ ہی نہایت متانت اور مضبوطی کے ساتھ زور دیا گیا ہے کہ کسی بھی شخص کو ایسی رائے رکھنے اور اسے ظاہر کرنے کا حق ہے)

گویا کھلا اعلانِ جنگ اور بغاوت! —— لیکن قبل اس کے کہ ابھی اس مینی فیسٹو پر کچھ اور کہا جائے یا اس کے بعد کے حالات ذکر میں لائے جائیں وہ بات دہرانی چاہیے کہ اس مینی فیسٹو میں ۱۵ ستمبر گورنمنٹ کے اس کمیونک کی تاریخ بتائی گئی ہے جو علی برادران وغیرہ پر مقدمہ چلانے کے لیے جاری کیا گیا تھا۔ اس لیے یہ بھی اس بیان سے ٹکراتی ہے کہ کراچی کانفرنس کی تاریخ ۱۹ ستمبر تھی۔ بہرحال کہیں نہ کہیں غلطی ہے[1]۔ اور غلطیوں کی کتاب میں غلطیاں بتانا ہے کہ الامان الحفیظ! ہماری گورنمنٹ کے ترقی اردو بورڈ نے پتہ نہیں اسی کتاب کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے یا ان کی اور کتابوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ کوئی صفحہ مشکل سے کتابت کی غلطیوں سے خالی ہوگا۔

کچھ بھی صحیح، لیڈروں کا یہ مینی فیسٹو ایک اعلان جنگ تھا اور کہنا چاہیے کہ اسیران کراچی کی جوانمردی نے ایک نئی روح تحریک میں ڈال دی۔ قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ چند دن کے اندر ہی اندر اس مینی فیسٹو کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے بھی باقاعدہ اپنا لیا اور اب اسے ملک میں ہزار دل

---

[1] الفرقان: جی ہاں غلطی ہے، خواہ کاتب نے غلطی کی ہو یا خود قاضی صاحب کا سہو قلم ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ کراچی کانفرنس ستمبر میں نہیں بلکہ ۹، ۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء کو منعقد ہوئی تھی۔

پلیٹ فارموں سے لاکھوں آدمیوں نے دہرانا شروع کر دیا۔" پھر ۵ نومبر کو ورکنگ کمیٹی نے اس کی دوبارہ توثیق کرتے ہوئے "تمام صوبوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی ذمہ داری پر سول نافرمانی کا آغاز کریں۔"

دوسرے دور کا مطلب۔

قاضی صاحب نے اس باب (۱۲) کا عنوان "تحریک خلافت کا دوسرا دور" قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم اُن کا کیا مطلب "دوسرا دور" کہنے سے ہے، اور کس خصوصیت اور فرق کی طرف وہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مذکورہ بالا مینی فیسٹو کے بعد سے ۲۵-۱۹۲۴ء تک کے جو حالات اس باب میں دکھائے گئے، وہ کچھ دوسرا ہی رنگ تحریک کا دکھاتے ہیں، اور وہ رنگ وہ ہے جس کی طرف اسی باب میں نقل کی گئی مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک تقریر کے اقتباس سے بہت صاف اشارہ ملتا ہے۔ یہ تقریر مولانا نے اکتوبر ۱۹۲۱ء میں آگرہ کی صوبائی خلافت کانفرنس کی کرسی صدارت سے فرمائی تھی۔ اس اقتباس کا آخری پیرا ہے۔

"تحریک کی دوسری منزل یہ تھی کہ خلافت کے مسئلے سات کروڑ دلوں ہی میں گھر نہ بناتی بلکہ تیس کروڑ کے دلوں میں گھر بناتی۔ تحریک خلافت کی اس کامیابی میں خوبی یہ ہے کہ اس نے ایسے طاقتور ہنگامے کے ساتھ کل ہندوستان کے مسئلے کو زندہ کر دیا جو پچیس سال کی کوشش سے ہندوستان کو نہیں ملا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک خلافت کے ساتھ ہندوستان کا مسئلہ پوری قوت سے زندہ ہو گیا ہے۔"

یہ تو مولانا آزاد کے الفاظ تھے قاضی صاحب کے بیان کردہ حالات پڑھیے تو جتنی بات ان الفاظ میں آئی ہے اُس سے کہیں زیادہ بڑھ کر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اب تحریک، تحریک خلافت سے زیادہ "تحریک آزادی ہند" ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ ۲۹ صفحات کے اس باب میں خلافت کا ذکر مذکور تو یونہی کہیں کہیں آگیا ہے۔ اصل چیز جو پورے باب پر چھائی ہوئی ہے وہ کانگریس اس کی سرگرمیاں، اس کی کامیابیاں، اس کی ناکامیاں۔ اور اُس کے اندرونی معاملات ہیں۔ اس دور میں تحریک انتہائی عروج کو بھی پہنچتی ہے اور بڑے بڑے جھٹکے بھی کھاتی ہے۔ گاندھی جی جنھیں اس زمانے میں کانگریس کے جملہ انتظامی اختیارات تک باقاعدہ سونپ دیے گئے تھے (ص ۲۴۲) اور ویسے تو جو کچھ تھے وہ تھے ہی۔ انھیں اس زمانے میں واقعات کا اُتار چڑھاؤ یہاں تک دیکھنا پڑا کہ بقول قاضی صاحب:

"ہر چہار جانب سے گاندھی جی کے فلسفے سے عملاً انحراف شروع ہو گیا" (صفحہ ۲۵۰)
"رفتہ رفتہ ہر مرحلہ پر اُن کی تعلیمات کو دھکا لگنا شروع ہوا۔ حکیم اجمل خاں، سی آر داس، موتی لال نہرو وغیرہ تحریک کی اس شرط سے بیزار ہو گئے۔ وہ متفق نہ تھے کہ سول نافرمانی کو تمام ہندوستان کے لئے، قلم عدم تشدد پر عمل پیرا ہو جانے پر منحصر کیا جائے" (صفحہ ۲۵۱)

اسی دور میں گاندھی جی جو ستیہ گرہ منسوخ کرنے کے باوجود گرفتار کر لیے گئے تھے جیل سے چھوٹ کر آتے ہیں اور ۲۷ جون ۱۹۲۴ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں اپنے پیش کردہ تنظیمی پروگرام پر اجلاس کا رنگ دیکھتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ "مجھ کو شکست ہو گئی ہے اور میں شرمندہ ہوں" (صفحہ ۲۵۲) اور کہتے ہیں کہ "میں تمام لوگوں کا رنگ ڈھنگ خوب دیکھ رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں" (ایضاً)

اور پھر جولائی ۱۹۲۵ء میں نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ

"گاندھی جی نے کانگریس کا کل انتظام پنڈت موتی لال نہرو کے سپرد کر دیا۔ (جنہوں نے اُن کے فلسفے کے خلاف سوراج پارٹی بنائی تھی) اور ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء سے سوراج پارٹی کانگریس بن گئی" (صفحہ ۲۵۳)
"گاندھی جی نے ترک موالات کو خیرباد کہا اور اپنے آشرم میں واپس چلے گئے" (ایضاً)

تو یہ فی الواقع تحریک کا بالکل "دوسرا" ہی دور تھا ــــــ لیکن کچھ بھی ہوا ہو خلافت تحریک نے جو آگ جلائی تھی وہ بجھی نہیں۔ خلافت تحریک خود تو ختم ہو گئی مگر ملک کے لیے آزادی کی راہ ہموار کر گئی۔ کتاب کا اگلا اور آخری باب انہی عنوانات پر روشنی ڈالتا ہے۔

۱۳
تیرھواں باب
خلافت کا خاتمہ

اس کتاب کے اصل ہیرو تو مہاتما گاندھی ہیں۔ لیکن اگر کسی اور کو بھی اس ہیرو شپ میں شریک کیا جا سکتا ہے تو وہ مولانا محمد علی ہیں۔ گیارھویں باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قاضی صاحب

نے جیسی اور جس قدر مدح وتحسین اُن کی کی ہے گاندھی جی کے بعد کسی اور کی نہیں کی۔ گاندھی جی سناتن دھرمی ہندو تھے پھر بھی انھوں نے تحریک خلافت میں نہ صرف شرکت کی بلکہ ایسی شرکت کی کہ مسلمان لیڈروں نے تحریک کی قیادت بھی اُن کے ہاتھ میں دیدی۔ لیکن مصطفےٰ کمال جن سے ہمیں کچھ اور ہی امید رکھنی چاہیے تھی، بوالعجبی دیکھیے کہ جب وہ ترکی کو بچانے کی لڑائی وجہد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو جس "شمشیر خارا شگاف" سے اس نے یونانیوں کا کام تمام کیا اور جس کی نوک شمشیر" سے بدنام زمانہ معاہدۂ سیورے کی دھجیاں" بقول قاضی صاحب اُس نے اڑائیں، اسی شمشیر سے آخر میں اُس خلافت کا بھی کام تمام کر دیا جس کے لیے ہندوستان کا مسلمان مرا جا رہا تھا۔ لب گور اُسے انگریز نے کر دیا تھا اندرون گور کر دینے کا کام مصطفےٰ کمال کے ہاتھوں انجام پایا۔۔۔۔۔۔
قاضی صاحب اس باب کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مصطفےٰ کمال نے وحیدالدین خاں کو معزول کر کے سلطان عبدالمجید خاں کو خلیفہ مقرر کیا۔۔۔۔۔ یہ واقعہ یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو پیش آیا۔

۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفےٰ کمال پاشا نے خلافت کا بھی خاتمہ کر دیا اور ترکی حکومت دیگر حکومتوں اور سلطنتوں کی طرح ایک دنیوی حکومت رہ گئی" ۔۔۔۔ (اور قدرتی بات تھی کہ) "اس واقعہ نے ہندوستان میں غم وغصے کی ایک لہر دوڑا دی"

۔۔۔۔۔۔۔ (لیکن) مسلمانوں کا جوش وخروش بدستور قائم تھا۔ خلافت کمیٹیاں کام کر رہی تھیں۔ جلسے ہو رہے تھے اور کوشش کی جا رہی تھی کہ مصطفےٰ کمال اپنا فیصلہ بدل دیں۔"

(صفحہ ۵۵۔۲۵۴)

اس واقعہ سے ہندوستان کے مسلمانوں اور تحریک خلافت کے سربراہوں کی پوزیشن کیسی مضحکہ خیز بن گئی ہوگی وہ ظاہر ہی ہے۔ چنانچہ مولانا آزاد سے بھی سوال ہوا، گاندھی جی سے بھی پوچھا گیا۔ گاندھی جی کے لیے تو واقعہ میں کوئی مشکل نہ تھی ان کے لیے تو خلافت کا مقصد ضمنی تھا اور بس مسلمانوں کے دکھ میں شرکت کے اخلاقی فرض کی حیثیت رکھتا تھا۔ اصل مقصد جسے پورا کرنے کی صلاحیت اُن کی دوربیں نظر نے اس تحریک کے اندر دیکھ لی تھی وہ آزادی کی جدوجہد کے لیے پوری قوم کو انگریز کے خلاف کھڑا کر دینا اور اُس کے رعب و داب سے آزاد کرا دینا تھا۔ اور یہ مقصد ان کا

بلاشبہ پورا ہو چکا تھا، خواہ خلافت نہ بچائی جاسکی ہو۔ چنانچہ انھوں نے تو بڑی صفائی سے اپنے ہفتہ وار "ینگ انڈیا" میں لکھ دیا کہ

"اگر میں کوئی پیغمبر ہوتا اور مجھے غیب کا علم دیا گیا ہوتا اور میں جانتا کہ تحریک خلافت کا یہ انجام ہوگا تب بھی میں خلافت کی تحریک میں اسی انہماک سے حصہ لیتا۔ خلافت کی یہی تحریک ہے جس نے قوم کو بیداری عطا کی۔ اب میں پھر اسے سونے نہ دوں گا۔" (ص۲۵۵)

لیکن مولانا آزاد کو اس طرح کی بات کہہ دینے کی آسانی حاصل نہ تھی، چنانچہ انھیں بقول قاضی صاحب کے "علم و ذہانت کی پوری طاقت" معاملے کو نبھانے کے لیے لگانا پڑی۔ مگر پھر بھی بات ایسی رہی کہ اور تو اور خود قاضی صاحب کہتے ہیں کہ

"آج پچاس سال کے بعد جب ہم یہ بیان پڑھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انتہائی مایوسی میں مولانا یا تو اپنے آپ کو تسکین دے رہے تھے یا ملت اسلامیہ ہند سے مایوسی دور کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ جو دلیلیں[1] مولانا نے دی ہیں وہ ایک لمحے کا منطقی تجزیہ برداشت نہیں کر سکتیں۔" (ص۲۵۶)

احیائے خلافت کی ایک اور کوشش:-

تحریک خلافت کی مسلم قیادت اپنے مقصد میں واقعی کتنی مخلص کیسی انتھک لگن رکھنے والی تھی کہ جب انگورہ کی حکومت سے مایوسی ہوگئی تو وہ (علامہ اقبال کے الفاظ میں) "خلافت کی گدائی" کرنے سلطان نجد و حجاز عبدالعزیز ابن سعود کے پاس پہنچ گئی جو ترکوں کے خلاف شریف مکہ کی بغاوت کے صدقہ ہی میں ابھی نئے نئے سلطان بنے تھے ـــــ قاضی صاحب نے مذکورہ بالا عنوان کے ماتحت اسی جدوجہد کی تفصیل دی ہے۔ اور واقعی یہ دیکھنے کے لیے کہ خلوص کیا چیز ہے اور لگن یا دل کی لگی کس کو کہتے ہیں۔ یہ چند صفحات اور ان میں بھی مولانا محمد علی کا حال پڑھنے کی چیزیں ہیں، اور شروع سے لیکر اس مرحلے تک جیسی جیسی اور جو بے تابانہ جدوجہد ان لوگوں نے کی اس سب کو نظر میں رکھا جائے تو کہنا پڑے گا کہ مولانا عبدالماجد دریابادی کا ایک ایک لفظ

---

[1] اس بات کو ثابت کرنے کی کہ "خلافت" بہر حال اس کارروائی کے بعد بھی جو مصطفےٰ کمال کی ہے ترکی میں موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کی یہ بحث بات کو نباہنے کی کوشش کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔

حق تھا جب انھوں نے ۲۷ء کی لکھنؤ خلافت کانفرنس کے خطبہ استقبالیہ میں ایک دکھے اور جلے ہوئے دل سے کہا کہ

"ہم سے پوچھا جاتا ہے طنز اور بے دردی کے لہجے میں پوچھا جاتا ہے کہ اب تک خلافت کمیٹی نے کیا کیا ہے۔

سوال ہم سے پوچھا جاتا ہے۔ اس کا جواب ہم دیں؟ اس کا جواب اگر لینا ہے تو انگریزی عدالتوں کے در و دیوار سے پوچھو۔ پولیس کے رجسٹروں سے پوچھو، جیل خانوں کے دروازوں اور پھاٹکوں سے پوچھو۔ لوہے کی بنی ہوئی ہتھکڑیوں سے پوچھو اور ڈاکوؤں اور خونیوں کے پیروں پر آنے والی بھاری بھاری بیڑیوں سے پوچھو۔ اس کا جواب مصر سے لو، فلسطین سے لو، حجاز سے لو، ترکی سے لو، افغانستان سے لو، جاوا سے لو، ہر آزاد اور نیم آزاد اسلامی ملک سے لو، ساری دنیائے اسلام سے لو۔ اس پر بھی تشفی نہ ہو تو اللہ پاک کے فرشتوں کی زبان سے سنو اور انھیں آپس میں یہ چرچا کرتے ہوئے سنو کہ جب آزمائش کا وقت آیا، جب خلافت اسلامیہ کے لیے خطرے کی گھڑی آئی، جب اسلام کی موت و زیست کا سوال پیش ہوا تو اس وقت اللہ کے نام پر، اس کے آخری رسول کے پیام پر، اس کی شریعت کے احترام پر اپنا مال لٹا دینے والے، اپنی عزتیں اور شہرتیں قربان کر دینے والے، اپنا عیش و آرام نثار کر دینے والے، اپنی دنیا تاراج و برباد کر دینے والے، اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر لبیک کہنے والے بیڑیاں پہننے کے شوق میں، طوق و زنجیر کے ذوق میں .... سینے پر گولیاں کھانے کی طلب میں، ..... جو خاک کے پتلے سب سے آگے بڑھے وہ غلام ہندوستان کے غلام مسلمان ...... وہ اسی ظلمت کدہ کے بسنے والے خدمت گزاران خلافت ہی تھے"۱؎ ص ۲۶۶

لیکن یہ حجاز کا وفدِ خلافت بھی جولائی ۲۶ء میں دس ماہ گزار کر ایسا ہی ناکام اور "ہمہ حسرت و حرماں" واپس آیا جیسا ۲۰ء میں لندن کا وفد خلافت گیا اور آیا تھا۔ میر وفد اس دفعہ بھی علامہ سید سلیمان ندوی تھے ــــــ خدا ان عاشقان پاک طینت کی تربتوں پر سدا اپنی رحمتیں برسائے کہ "ع بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا" کا مصداق تھے۔

۲۷ء کی لکھنؤ خلافت کانفرنس کے متعلق قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ
"یہ جلسہ بجھی ہوئی شمع کی آخری لو تھی اور اس کے بعد اگرچہ خلافت کمیٹی برائے نام قائم رہی اور اب بھی کہیں کہیں یہ نام سنا جاتا ہے، لیکن اصلاً و عملاً خلافت کمیٹی کا کام ختم ہو چکا تھا۔" (ص ۲۶۶)

رہے نام اللہ کا۔ جب خلافت ہی گئی تو خلافت کمیٹی کب تک جیا کرتی مگر اس نے ہندوستان میں حصول آزادی کی جو آگ لگا دی تھی وہ البتہ کسی کے بجھائے نہیں بجھ سکی اور ۲۷ء کے بعد صرف بیس سال اور گزر جانے پر ہندوستان نے آزادی کی منزل کو پا لیا ــــ اور آزادی بھی صرف سیاسی نہیں لائی بلکہ جیسا کہ قاضی صاحب نے "تحریک خلافت کے انعامات و تاثرات" کے زیر عنوان ص ۲۶۵ سے ص ۲۷۰ تک لکھا ہے، سیاسی آزادی سے پہلے دل و دماغ کو آزادی دلادی، ہندوستانیت اور مشرقیت اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز جو ایک ذلت، انگریزیت کے اثر سے بن گئی تھی۔ اس ذہنیت کو تحریک خلافت کی آگ نے بھسم کر کے رکھ دیا۔ اور اس کی جگہ مغربیت اور انگریزیت سے نفرت اور ہندوستانیت، مشرقیت اور اسلامیت کی عزت اور اس پر فخر نے لے لی۔ دوسری چیز جس کی قاضی صاحب نے بطور خاص نشاندہی کی ہے وہ ہے سادگی کی ذہن نوازی، تحریک نے سادہ زندگی، سادہ رہائش اور سادہ پوشش کا ذوق دلوں میں اتار دیا۔ جو ہندوستان کی تعمیر نو کے لیے ایک بڑی قیمتی متاع تھی۔ اس طرح کی کچھ اور بھی باتیں قاضی صاحب نے اس عنوان کے تحت قلمبند فرمائی ہیں۔

تلخیص ختم ہو گئی۔ مگر کتاب کا ایک اہم رُخ کسی منزل پر بھی سامنے نہ آسکا اور وہ ہے علی گڑھ تحریک کے بارے میں قاضی صاحب کا نقطۂ نظر۔ وہ خود علیگ ہیں۔ لیکن وہ وہ تعبیر علی گڑھ تحریک کی جو کتاب میں لی ہے کہ الامان الحفیظ! علی گڑھ کالج اور علی گڑھ تحریک میں وہ فرق کرتے ہیں کالج کے ادارے کے لیے سرسید کے حامی اور مداح ہیں۔ اور آج بھی جو تحریک ہندوستان میں علی گڑھ یونیورسٹی کے تحفظ کے لیے جاری ہے قاضی صاحب اس میں اولین دن سے اہم حصہ رکھتے آئے ہیں۔ مگر علی گڑھ تحریک کو سرسید کا ناقابل معافی جرم سمجھتے ہیں۔ انگریز کی سیاسی غلامی تو ہندوستان پر اس کی طاقت اور ہندوستانیوں کی کمزوری کے سبب مسلط ہو گئی تھی مگر ہندوستان کی روح

اور خاص طور پر مسلمان کی روح اور اس کے دل و دماغ کو جس نے انگریز کا غلام بنوایا قاضی صاحب کی نظر میں وہ یہ "علی گڑھ تحریک ہے" اور اسی کے اثرات تحریک خلافت میں کبھی عرصہ تک مزاحم رہے۔ مگر بالآخر، قاضی صاحب اس مذکورہ عنوان "النوایات و اثرات" کے ماتحت لکھتے ہیں کہ

> "تحریک خلافت" نے "علی گڑھ تحریک" کو پارہ پارہ کر دیا، برطانیہ کے رعایا ہونے کے خیال کی دھجیاں بکھیر دیں۔ ہندوستانی ہونے اور اپنے کو ہندوستانی کہنے پر فخر کرنا سکھایا......" (ص ۲۷)

یوں تو اس (علی گڑھ تحریک) کا ذکر کتاب میں جگہ جگہ آیا ہے۔ کیونکہ اس کے اثرات تحریک خلافت سے مزاحم ہوتے تھے۔ مگر بطور خاص بہت تفصیلی بحث چوتھے باب میں کی گئی ہے۔

کچھ تاثرات و گزارشات

جیسا کہ شروع میں لکھا گیا ہے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ مضمون تلخیص کی نوعیت کا ہو سکے گا۔ مگر اب خیال یہ ہے کہ تلخیص سے کچھ زیادہ الگ بھی نہیں رہا۔ ایک حد تک تلخیص ہی ہو گئی ہے، ہاں بہت مکمل نہیں ہے۔ تاہم ایسی تلخیص بھی اس بات کے لیے کافی ہے کہ کچھ تاثرات اس کے دوران میں پیدا ہوں اور ان میں سے بعض کچھ گزارش کا بھی تقاضہ پیدا کریں۔ اور ان تاثرات و گزارشات سے پہلے یہ بات اپنے قارئین کو بتا دینا ضروری ہے کہ تلخیص نگار کو قاضی صاحب سے دیرینہ نیازہی نہیں حاصل ہے بلکہ معاملہ "کرمہائے تو کرد مارا گستاخ" تک پہنچا ہوا ہے اس لیے ذیل کی سطروں میں وہ کہیں اگر [illegible] سی پائیں تو کچھ متعجب ہونے یا بے ادبی پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جہاں تک تحسینی تاثرات کا سوال ہے وہ تو تلخیص میں مخفی نہیں رہ سکتے۔ بالواسطہ یا کہیں بلاواسطہ انداز میں بھی قارئین پر ظاہر ہوتے چلے گئے ہوں گے۔ یہاں مقصود اُن تاثرات سے ہے جو قاضی صاحب محترم کی توجہ کسی امر پر مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان میں سے بعض کی طرف تلخیص کے دوران بھی کہیں اشارہ سا آگیا ہو۔ مگر ایسا کہاں ہوا ہو گا۔ بہرحال وہ باتیں یہ ہیں :-

۱- کتاب اس وقت لکھی گئی ہے جب پچاس برس سے بھی اوپر تحریک خلافت پر گزر چکے ہیں۔

اس لیے قارئین کی اکثریت وہ ہوگی جو تحریک کے خاتمہ کے بعد پیدا ہوئی یا باشعور ہوئی۔ اس کا لحاظ کتاب میں مشکل ہی سے نظر آتا ہے کچھ ایسا لگتا ہے جیسے قاضی صاحب اپنے قارئین کو بالعموم بہت باخبر اور صاحب مطالعہ سمجھ رہے ہوں۔ حالانکہ واقعہ شاید ایسا نہ ہوگا۔ اس پہلو کی طرف غالباً ہم نے پہلے باب میں کچھ اشارہ بھی دیا ہے۔

۲۔ ایک تاریخی کتاب میں، جو تاریخی ترتیب، تسلسل، اور واقعات کا ایک مرتب اور منضبط بیان چاہیے، اس کے برعکس کچھ انتشار اور بے ترتیبی سی کتاب میں کافی نظر آتی ہے۔ اور یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے تلخیص کی راہ نہیں دکھائی دیتی تھی۔

۳۔ کچھ باتیں قاضی صاحب کے ذہن و حافظہ پر حاوی ہیں اور کچھ باتوں کا اُن کے فکر پر غلبہ ہے یہ سب جس طرح ان کی گفتگو میں با موقع کے ساتھ بے موقع بھی آجایا کرتی ہیں بالکل اسی طرح کتاب میں بھی آتی گئی ہیں۔ ذہن و حافظہ پر غالب ہونے والی باتوں کا تعلق واقعات و روایات سے ہے اور فکر پر غلبہ والی باتوں کا تعلق خیالات و افکار سے۔

۴۔ معروضی انداز فکر اور انداز بیان ہے بڑی مشکل بات اور قاضی صاحب کے تو کچھ زیادہ ہی مشکل ہے۔ مگر ایک تاریخی کتاب کے مصنف کی حیثیت میں آنے کے بعد تو اُن پر ممکن حد تک اس کی ذمہ داری آجاتی ہے۔ معذرت خواہی کے ساتھ عرض ہے کہ یہ چیز کتاب میں مانند عنقا ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں عام طور پر اس سے اُن کا جذباتی لگاؤ یا جذباتی اختلاف جھلکتا ہے۔

۵۔ جس طرح وہ اپنے ممدوحین کی مدح میں جہاں تک جی چاہتا ہے جاتے ہیں اور اس کا انھیں حق ہے اور خاص طور پر اس لیے کہ ہماری ذاتی واقفیت کی رو سے وہ اسے حق گوئی کے زمرہ میں رکھتے ہیں، اسی طرح اپنے مبغوضین (ناپسندیدہ لوگوں) کا ذکر بغیر نفرت انگیز اور مذمت آمیز پیرایۂ بیان کے وہ کر ہی نہیں پاتے، یہ تو یہ بھی غالباً اُن کے یہاں حق گوئی ہی کے زمرے کی بات، مگر اس سے اتفاق بھی مشکل ہے اور کتاب کے لیے۔ چند نمونے بھی ہیں کہ ان سے مشکل سے سطح پر جو نمونے آتا ہے مثلاً جو لوگ خلافت والوں کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ ان کا ہر جگہ "کاسہ لیسان حکومت" اور "حکومت کے پٹھو" وغیرہ القاب سے ذکر کرنا، پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان حالات میں کسی حیثیت عرفی تک کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا جانا مثلاً سلطان عبدالعزیز خاں اور سلطان وحید الدین خاں کے بارے میں ہر جگہ جو پیرایۂ ذکر و بیان ہے اسی طرح ص ۲۴۲

پر پنڈت مدن موہن مالوی اور مسٹر محمد علی جناح کی بلائی ہوئی آل پارٹیز کانفرنس کے چیرمین کے بارے میں یہ الفاظ کہ "کانفرنس کا رُخ دیکھ کر کرسی چھوڑ کر بھاگ گئے" یہ سب اس کتاب کو زیب دیتا نظر نہیں آتا۔ اور یہ بات تو بڑی صریح ناانصافی تک جاتی ہے کہ سلطان وحیدالدین خاں اگر معاہدۂ سیورے کو منظور کرلیں تو نہ صرف معاہدہ کی نوعیت اور (MERIT) کی بنا پر اسکی مذمت کی جائے بلکہ اس فعل کو بلا کسی ثبوت اور شہادت کے ایک مکروہ ترین وجہ کے ساتھ وابستہ کرکے اور بھی زیادہ قابل مذمت و نفرت بنایا جائے۔ جیسا کہ صـ۲۱۲ پر کیا گیا ہے کہ:

"معاہدۂ سیورے کی شرائط ایسی سخت تھیں کہ انھیں دیکھ کر سلطان وحیدالدین خاں کا چہرہ بھی زرد پڑ گیا تھا۔ لیکن سلطان نے صرف اپنی غرض پیش نظر رکھی۔ وہ سوچ رہا کہ کیا کرے۔ ایک طرف تو اس کا ضمیر تھا جو اسے اس معاہدے کے پرزے پرزے کر دینے پر اکسا رہا تھا۔ دوسری جانب اس کے سامنے یہ خوشگوار خیال تھا کہ وہ خلیفۃ المسلمین کے خطاب کے ساتھ ایک معقول پنشن اور زرکثیر کے ساتھ راحت و آرام کی زندگی گزار سکے گا۔ آخر کار نفس ضمیر پر غالب آگیا۔"

کون وہ شاہد ہے جس نے وحیدالدین خاں کے نفس اور ضمیر کی یہ کشمکش دیکھی ہو کوئی نہیں ہے صرف قاضی صاحب کا گمان ہے جس کی "شہادت" پر انھوں نے ایک مزید مکروہ ترین فردِ جرم سلطان وحیدالدین خاں پر عائد کر دی۔ لیکن دوسری طرف اُن کا ہیرو کمال خود اُن کے بیان کے مطابق خلافت کا خاتمہ کر دیتا ہے ۔۔۔ وہ خلافت جس کے لیے مصائب جھیلنے والوں میں خود قاضی صاحب بھی شامل ہوئے بلکہ وہ خلافت جس کی دینی اہمیت کو وہ اپنا ایمان و اعتقاد بتاتے ہیں کتاب کا آغاز کرتے ہیں۔ اُسی خلافت کا خاتمہ مصطفےٰ کمال کے ہاتھوں ہونے کا واقعہ رقم کرتے ہیں اور ایک لفظ اشارہ و کنایہ کی زبان میں بھی اُسکی مذمت کا نہیں کہتے! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اور اسے دیکھتے ہوئے کوئی آدمی کیا وزن وحیدالدین خاں کی مذمت کا محسوس کرے گا؟ ہمیں توجہ دلانی بس اس آخری بات ہی کی طرف ہے۔ یعنی جو آخر کے حصے میں آئی۔

۶۔ ایک بڑی عجیب و غریب بات اس کتاب سے یہ معلوم ہوئی کہ "خلافت کمیٹی" جس نے اتنی قیامت خیز تحریک چلائی، کب اور کہاں اور کیسے قائم ہوئی؟ اس کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:۔

"خلافت کمیٹی کب اور کیسے قائم ہوئی اس کا سراغ لگانے کی ۔۔۔۔۔ میں نے

بڑی کوشش کی لیکن ...... میں کامیاب نہیں ہوا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آل انڈیا مسلم کانفرنس جو ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء (۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء ہونا چاہیے۔ ع ج) کو منعقد ہوئی تھی وہی کانفرنس خلافت کمیٹی میں تبدیل ہو گئی، یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس کانفرنس میں ایک تجویز خلافت کمیٹی کے شکریہ کی منظور ہوئی ......" (ص ۳۵)

کتاب کی تلخیص کے دوران میں جب یہ عبارت سامنے آئی تو میں نے سوچا تھا کہ کسی وقت انڈیا آفس لائبریری یا برٹش میوزیم لائبریری جا کر اس کا پتہ چلانے کی کوشش کروں گا۔ مگر اس کی نوبت نہیں آسکی تھی اور بات ٹلتی ہی جاتی تھی کہ ایک دن محب محترم مولانا حسن مثنیٰ صاحب ندوی (جو کچھ عرصہ سے لندن ہی میں قیام فرما ہیں) کی تشریف آوری میرے یہاں ہو گئی۔ میں نے مولانا سے یہ موضوع چھیڑا تو مولانا نے بھی اس یقین کا اظہار کیا کہ تاریخ ضرور ملے گی تلاش شرط ہے۔ اتفاق سے دوبارہ مولانا کی تشریف آوری دو تین ہفتے ہی کے اندر پھر ہوئی تو مولانا اکبر اور گیسے کا پورا سراغ لگا کر انڈیا آفس لائبریری کے سرکاری ریکارڈ سے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ اس کا خلاصہ مولانا کے شکریہ کے ساتھ یہاں درج کرتا ہوں۔

۱۔ خلافت کے سلسلے میں مسلمانوں کے مختلف پلیٹ فارموں سے آواز بلند ہو رہی تھی۔ مولانا عبدالباری سب سے پیش پیش تھے۔

۲۔ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ ایک مخصوص تنظیم خاص طور پر خلافت ہی کے مسئلے کے لیے ہونی چاہیے ـــــ اس ضرورت پر زور دینے والے خاص طور پر شیخ مشیر حسین قدوائی بیرسٹر تھے جو مولانا کے مخصوصین میں تھے۔

۳۔ اسی تحریک کے نتیجے میں بمبئی کے ان اہل ثروت نے جو مولانا فرنگی محلی سے تعلق رکھتے تھے سیٹھ میاں محمد حاجی جان محمد چھوٹانی کے زیر صدارت "بمبئی خلافت کمیٹی" کے نام سے ایک تنظیم مارچ سنہ ۱۹۱۹ء کے لگ بھگ قائم کر دی۔

۴۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ منعقدہ ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء میں جس خلافت کمیٹی کے شکریہ کی تجویز کا ذکر قاضی صاحب نے کیا ہے وہ یہی بمبئی خلافت کمیٹی تھی۔ شکریہ کے علاوہ اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ مسئلہ خلافت پر ایک مرکزی آل انڈیا کمیٹی (CENTRAL COORDINATING BODY)

کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اس لیے بمبئی خلافت کمیٹی ہی کو مرکزی خلافت کمیٹی کی حیثیت دیدی جائے اور اس کی شاخیں پورے ملک میں قائم کی جائیں۔ اس لیے قاضی صاحب کا یہ فرمانا تو ٹھیک ہے کہ یہ لکھنؤ مسلم کانفرنس نہیں تھی جو خلافت کمیٹی میں تبدیل ہوئی ہو۔ البتہ یہ بمبئی خلافت کمیٹی تھی جسے اس مسلم کانفرنس ہی نے مرکزی خلافت کمیٹی میں تبدیل کیا۔

۵۔ اور پھر اس تبدیلی کے نتیجہ میں "بمبئی خلافت کمیٹی" نے ۱۱ر نومبر ۱۹۱۹ء کے ایک جلسے میں اپنا نام بدل کر، مرکزی کمیٹی کی ایک شاخ کی حیثیت سے "مرکزی خلافت کمیٹی آف انڈیا" بمبئی" کردیا ۔۔۔ چنانچہ آل انڈیا خلافت کمیٹی کی پہلی کانفرنس اس کے بعد دہلی میں ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب کا ص۱۰۲)

اس طرح خلافت کمیٹی کے قیام کی بات بالکل صاف ہو جاتی ہے اور اس کی تائید مسلم کانفرنس لکھنؤ کی کارروائی کے سلسلے میں قاضی صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ

(اس کانفرنس کے ساتویں رزولیوشن میں بمبئی خلافت کمیٹی کے کام پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا اور اس کی شاخیں صوبوں اور مختلف مقامات پر قائم کرنے کی ضرورت جتائی گئی۔ (ص۹۸)

۶۔ اور آخری بات اس سلسلے کی یہ عرض کرنی ہے کہ جس طرح ترقی اردو بورڈ نے کتابتی غلطیوں کے لحاظ سے شاید ایک ریکارڈ قائم کیا ہو یا کہیے کہ کتاب چھاپی نہیں بگاڑ ڈالی ہے اسی طرح قاضی صاحب بھی نہ تو کتاب لکھنے کے لیے ضروری یکسوئی پا سکے اور نہ شاید اچھی طرح نظر ثانی فرما سکے جس کے نتیجے میں یہ صورت حال تک بھی نظر پڑتی ہے کہ ایک عنوان قاضی صاحب قائم کرتے ہیں اور پورے مضمون میں وہ عنوان والی بات نہیں آتی۔ ص۱۶۹ پر عنوان ہے "جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام" ص۱۷۲ پر اس عنوان کا مضمون ختم ہوا ہے، مگر آخر تک بھی جامعہ ملیہ کا قیام اس میں نظر نہیں پڑتا۔ علیٰ ہذا ص۱۸۱ پر عنوان ہے "کھدر کی اسکیم اور پرنس آف ویلز" مگر اس کے تحت مضمون کو کسی پرنس آف ویلز سے کوئی واسطہ نہیں تو دوسرے ایڈیشن کے لیے اگر قاضی صاحب کو موقع مل سکے تو ان سب ہی گزارشات پر غور فرمانے کی ضرورت ہے۔

از مولانا ضیاء الدین اصلاحی

رفیق، دار المصنفین اعظم گڑھ

قاضی محمد عدیل عباسی

قاضی محمد عدیل صاحب کا تعلق ضلع بستی کے ایک کھاتے پیتے زمیندار گھرانے سے تھا مگر ابتدا ہی سے ان کا رجحان قوم پروری اور حب الوطنی کی تحریک کی جانب ہو گیا تھا، اس لیے کالج کی تعلیم چھوڑ کر وہ عملی سیاست میں داخل ہو گئے، ان کو اس میدان میں پنڈت جواہر لال نہرو، رفیع احمد قدوائی، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمان وغیرہ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، خلافت، ترک موالات اور "ہندوستان چھوڑ دو" تحریکوں میں سرگرم حصہ لینے کی بنا پر وہ کئی بار جیل گئے۔

قاضی صاحب کی عملی زندگی کا آغاز صحافت سے ہوا ان کو اس کا ذوق مولانا حسرت موہانی مرحوم کی صحبت میں پیدا ہوا، پھر وہ مشہور قوم پرور اخبار مدینہ بجنور اور زمیندار لاہور سے وابستہ ہو گئے۔ زمیندار اس زمانہ کا سب سے مقبول روزنامہ تھا اور مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا تھا، قاضی صاحب کے قلم سے اس میں ایسے مضامین نکلے جن پر وہ برطانوی حکومت کے زیر عتاب آ گئے اور ایک سال تک لاہور سنٹرل جیل میں قید رہے۔

اس کے بعد وہ اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوئے ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگری لی ۱۹۲۶ء سے بستی میں وکالت شروع کی، اس پیشہ میں بہت نیک نام اور کامیاب تھے، وکالت کے ساتھ ان کو ملک کے کاموں سے بھی دلچسپی رہی، کئی برس تک بستی میونسپل بورڈ کے چیئرمین رہے۔ ۱۹۳۷ء میں پہلی دفعہ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۵۷ء تک برابر ممبر منتخب ہوتے رہے، اس کے بعد اس کوچہ کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔

اردو سے ان کو عشق تھا، اس کے لیے وہ عمر بھر جہاد کرتے رہے، آزادی کے بعد جب قومی حکومت نے اس کے ساتھ معاندانہ اور غیر منصفانہ رویہ اختیار کیا تو وہ اسمبلی کے اندر اور باہر اس کے لیے آئینی و دستوری لڑائی لڑتے رہے، کانگریس میں رہ کر بھی وہ اس کے خلاف تنگ نظر، متعصب اور فرقہ پرست عناصر سے نبرد آزما

رہتے اور بڑی جرأت و بیباکی کے ساتھ کانگریس کی اردو دشمن پالیسی کی مخالفت کرتے وہ اردو کی دستخطی مہم میں بھی پیش پیش رہے، اور اس وفد میں شریک ہوئے جس نے صدر جمہوریہ ہند بابو راجندر پرشاد کو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کی قیادت میں اکیس لاکھ افراد کے دستخطوں سے میمورنڈم پیش کیا تھا، اردو کا حق منوانے اور اس کو علاقائی زبان تسلیم کرانے کے لیے ان کی جدوجہد آخر دم تک جاری رہی اس سلسلہ میں انھوں نے بیشمار مضامین لکھے جن سے اردو تحریک کو بڑی قوت ملی، تیس برس تک وہ انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کے بڑے سرگرم اور فعّال رکن رہے۔

دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کی تشکیل و تاسیس قاضی صاحب کا بڑا اہم کارنامہ ہے۔ اس کی بدولت ہر صوبہ کے گاؤں گاؤں میں مکاتب قائم ہوگئے، ان مکاتب کے ذریعہ مسلمانوں کی نئی نسل کے دین و ایمان کی سلامتی، اسلامی تہذیب و روایات سے اس کی وابستگی اور اس کے ذہنی ارتداد سے محفوظ رہنے کا سامان فراہم ہوا، انھوں نے مکاتب چلانے کے لیے چنگی فنڈ اور کھلیانی جیسی اسکیمیں چلائیں اور سب سے پہلے اس کا تجربہ اپنے ضلع بستی میں کیا اور جب اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی تو انھوں نے پورے صوبہ میں اس نظام کو بروئے کار لانے کے لیے بستی میں دسمبر ۱۹۵۹ء میں ایک دینی تعلیمی کانفرنس کی جس میں تمام مختلف الخیال اشخاص اور جماعتیں شریک ہوئیں، بعد میں جمعیۃ علمائے ہند نے اس سے علاحدگی اختیار کرلی، لیکن اب بھی اس میں مسلمانوں کی اور دوسری جماعتیں اور مختلف مکاتب فکر کے افراد شامل ہیں، اور الحمدللہ اس وقت پورے صوبہ میں یہ تحریک کامیابی سے چل رہی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے قیمتی متاع اور بیش بہا سرمایہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے، قاضی صاحب کو اس سے بڑا تعلق تھا، وہ یہیں کے تعلیم یافتہ تھے اور برسوں اس کی کورٹ کے ممبر بھی رہے تھے، اس کا اقلیتی کردار سلب کیا گیا تو قاضی صاحب کا خواب و خور حرام ہوگیا، اقلیتی کردار کو بحال کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی تو اس کے ہراول دستہ میں شامل ہوگئے اور اس کے متعلق بکثرت مضامین لکھے جن کا وزن پوری طرح محسوس کیا گیا۔

تصنیف و تالیف قاضی صاحب کا اصلی مشغلہ نہ تھا لیکن وہ اچھے اہل قلم، ممتاز ادیب و انشا پرداز تھے قلم برداشتہ لکھنے پر بھی قادر تھے، مضامین کے علاوہ حال ہی میں ان کی دو کتابیں بھی شائع ہوئیں (۱) اقبال فلسفہ حیات و شاعری (۲) تحریک خلافت، دونوں کتابیں اہم ہیں مگر مؤخر الذکر بعض حیثیتوں

سے قناعت و فیہ ہو گئی ہے۔

۱۹۶۸ء میں حج و زیارت کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ گئے تو اس کا سفرنامہ بڑے والہانہ انداز میں لکھا جو کتابی صورت میں چھپا اور پُراز معلومات ہونے کی وجہ سے بہت پسند کیا گیا۔

وہ بہت اچھے مقرر اور خطیب بھی تھے۔ ان کی تقریریں مربوط، مدلل، مؤثر اور قانونی ہوتی تھیں دینی تعلیمی کونسل کے جلسوں میں ان کی تقریریں سننے کے لیے لوگ بہت شوق سے جمع ہو جاتے، ایک دفعہ اعظم گڑھ کی ضلعی کانفرنس میں انھوں نے دینی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت ایسے دل نشین انداز میں کی کہ اب تک اس کا چرچا ہوتا رہتا ہے۔

وہ دھن اور ارادہ کے پکے اور عملی آدمی تھے، وہ جس کام میں لگ جاتے اس میں تن من دھن سب کی بازی لگا دیتے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اردو اور دینی تعلیمی تحریک کے روح رواں تھے، ان کی سرگرمی اور قوت عمل نے ان تحریکوں میں بڑی حرکت و توانائی پیدا کر دی تھی، وہ بہت بے لاگ اور کھرے بھی تھے، حق کے معاملہ میں کسی قسم کی رو رعایت نہ کرتے، جس بات کو غلط سمجھتے اس کی برملا تردید کرتے۔

وہ بڑے قوم پرور تھے، ہندو فرقہ واریت کی طرح مسلم فرقہ واریت سے بھی نفرت و بیزار رہتے تھے لیکن ان کا دل دینی حمیت، ایمانی غیرت اور ملی درد سے معمور تھا، نئی نسل کے مسلمانوں کے طبقہ میں دین و ملت کا ایسا درد رکھنے والے بہت کم لوگ ہوں گے، انھوں نے قوم پروری کو ایمانی و ملی غیرت پر کبھی غالب نہ آنے دیا، انھوں نے ثابت کر دیا کہ ایک سچا مسلمان ہی سچا محب وطن ہو سکتا ہے، ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت و محبت تھی، ۱۹۶۶ء میں دار المصنفین کی طلائی جوبلی کے ایک جلسہ میں پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر جناب افضل اقبال نے انگریزی میں تقریر کی جو عام طور پر پسند کی گئی مگر قاضی صاحب کو اس سے اس بنا پر سخت تکدر ہوا کہ فاضل مقرر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک جس عقیدت و احترام سے لینا چاہیے تھا نہیں لیا۔ اس کی شکایت انھوں نے مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، ناظم دار المصنفین سے بھی کی اور اس کے خلاف قومی آواز لکھنؤ میں مراسلہ بھی لکھا۔

انھوں نے کبھی اپنی خدمت کا کوئی صلہ اور معاوضہ نہیں حاصل کیا بلکہ ہمیشہ ٹھوس اور خاموش خدمت کو نام و نمود پر ترجیح دی۔

ان کی موت سے اس دور کا خاتمہ ہو گیا جس میں سیاست داں ملک، قوم اور ملت کی خدمت محض خدمت و ایثار کے جذبہ سے انجام دیتے تھے اور اس میں کسی ذاتی مفاد اور غرض کو دخل نہ ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ قوم و

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

قاضی محمد عدیل عباسی کا عظیم کارنامہ

قاضی صاحب ہمارے اس عہد کے ان باکمال افراد میں تھے جنھوں نے اس عہد اور تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم و عمل، قول و فعل دین و سیاست جدید و قدیم اور تقریر و تحریر کی وہ متضاد صلاحیتیں جمع کر دی تھیں جو اس دور کے نہیں بلکہ ہر دور کے اکثر باکمال افراد میں متفرق و منتشر ہوتی ہیں۔ وہ ایک طرف جدید تعلیم کا اعلیٰ نمونہ، انگریزی زبان پر قدرت رکھنے والے اچھے قانون داں اور اپنے پیشے کے لحاظ سے کامیاب وکیل تھے۔ دوسری طرف نہ صرف مذہبی فرائض کے پابند اور ایک دیندار خاندان کی صالح اور صحت مند روایات کے حامل تھے بلکہ ایک نہایت غیور اور باحمیت مسلمان بھی تھے جو دین کا درد اور ملت کی ایسی فکر رکھتا تھا جو دل و دماغ اور اعصاب پر حاوی تھی۔

دینی حمیت :

اسی دینی حمیت اور ملت کی فکر مندی نے ان کو ۱۹۵۹–۶۰ء میں اپنے شہر بستی میں اس عظیم الشان دینی تعلیمی کانفرنس کے انعقاد پر آمادہ کیا جس کے نتیجہ میں دینی تعلیمی کونسل کی جیسی مبارک تنظیم کا وجود عمل میں آیا جس سے زیادہ ٹھوس مفید اور تعمیری تحریک اور جد و جہد ادھر ایک طویل عرصہ سے مسلمانان ہند کی تاریخ میں وجود میں نہیں آئی واقعہ یہ ہے کہ قاضی صاحب ہی کے اس درد و فکر مندی نے جو ہندوستانی مسلمانوں کی نئی نسل کے بارے میں ان کو بے چین کیے ہوئے تھی۔ بیسیوں علماء و اہل دین کو تڑپا دیا اور ان کو ان کے گوشۂ عزلت سے باہر لے آئی۔ خود اس ناچیز کا شمار بھی انھیں لوگوں میں ہے اور وہ قاضی صاحب کے اس احسان کو مدت العمر نہیں بھول سکتا۔

تاریخ ساز شخصیت:

وہ کہنہ مشق صحافی پختہ کار مصنف اور دیدہ ور مورخ بھی تھے انھوں نے ایک عرصہ تک مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے دور میں ان کے شہرۂ آفاق اخبار "زمیندار" میں کام کیا تھا۔ ان کا قلم اتنا منجھا ہوا تھا کہ وہ کسی وقت بھی اہم سے اہم موضوع پر برجستہ لکھنے پر قادر تھے۔ اگر وہ تصنیف و تالیف کا میدان اختیار کرتے تو بڑے بلند پایہ مصنف ہو سکتے تھے لیکن انھوں نے تاریخ نویسی پر تاریخ سازی کو ترجیح دی اور عمر بھر ایک سربکف ملاح کی طرح ملت کی کشتی کو بچانے اور ساحل پر لے جانے کے لیے غضبناک موجوں سے لڑتے اور حالات سے مقابلہ کرتے رہے۔ جنگ آزادی کے وہ ایک آزمودہ کار سپاہی تھے۔ وہ ہمیشہ ملک کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والے قائدین اور فرقہ پرست جماعتوں سے لڑنے والے رہنماؤں کے ساتھ رہے۔ وہ برسوں اپنے صوبہ کی اسمبلی کے ممبر رہے۔ اگر ان کا ضمیر قانع نہ ہوتا اور وہ ذاتی سربلندی و کامیابی حاصل کرنا چاہتے تو اس راہ سے بڑے سے بڑے اعزاز تک پہونچ سکتے تھے لیکن انھوں نے ایثار و قربانی سے کام لیا اور ملت کی خاموش خدمت کو حکومت کے منصبوں اور میدانِ سیاست کی عزتوں اور شہرتوں پر ترجیح دی اور بستی کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دینی تعلیمی کونسل کی توسیع و استحکام، دیہات دیہات، قصبہ قصبہ مکاتب کے قیام اور دوسری طرف مسلمانوں کو نئے نظام تعلیم اور حکومت کی بدلتی ہوئی تعلیمی پالیسیوں اور محکمہ تعلیم کے ذمہ داروں اور کارکنوں کی فرقہ وارانہ ذہنیت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مستقبل کے خطرات سمجھانے اور حکومت کو اس نان سیکولر (NON - SECULAR) تعلیمی پالیسی کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرنے کا خاموش کام شروع کیا۔

اپنے پیشے کی بڑھتی ہوئی مصروفیت سے کچھ وقت بچتا تو اس کو تاریخی و ادبی موضوعات پر لکھنے میں صرف کرتے۔ اگر وہ کسی مرکزی شہر یا کسی بڑے علمی ثقافتی و تصنیفی ادارہ سے تعلق رکھتے تو اس سے زیادہ کام کر سکتے اور نام پیدا کر سکتے تھے جتنا انھوں نے محض اپنی ذاتی قابلیت اور خلوص سے پیدا کیا۔

دینی تعلیمی کونسل:

دینی تعلیمی کونسل ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے جس کی انھوں نے اپنے خون جگر

سے آبیاری کی اور جس کی افادیت و اہمیت و ضرورت روز بروز بڑھے گی اور شدت سے محسوس کی جائے گی۔ اب جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو ہمارا اور بھی زیادہ فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور اس کو ترقی دینے کی کوشش کریں کہ یہ اُن کی عزیز ترین یادگار ہے اور اس سے ان کی روح کو حقیقی شادمانی حاصل ہوگی دوسرے یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور اس کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا دینی مستقبل اور ان کی آئندہ نسلوں کا ایمان اور اس کے اسلامی عقائد اور اس کی ثقافت و تہذیب سے وابستگی خطرہ میں ہے۔ میری تمام دردمند مسلمانوں سے پرزور اپیل ہے کہ وہ دینی تعلیمی کونسل کے کاموں کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ اس کی شاخوں اور ضلعی مرکزوں کو وسیع کرنے اور اس کے قائم کردہ مکاتب کو جس میں لاکھوں بچے زیرِ تعلیم ہیں مضبوط و منظم کرنے کی فکر کریں اور خاص طور پر ٹیکسٹ بک فنڈ کو جو خالص قاضی صاحب کے ذہن و تجربے کی پیداوار تھی اور جس نے اس طویل و عریض تعلیمی نظام میں اکسیر کا کام دیا ہے باقی رکھنے کے لیے جد و جہد کریں۔

از مولانا محمد شکیل عباسی ندوی

بھائی صاحب

کچھ یادیں، کچھ آہیں!!

انتقال سے صرف ایک مہینہ پہلے مجھ سے اصرار تھا کہ میں اپنی تحصیل کے مکاتب کا چارج لے لوں اور یہ مشورہ مجھے تنہائی کی اذیت سے بچانے کی خاطر تھا۔

"انکار نہ کیجیے گا۔ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیجیے گا تو آپ کو دینی ذوق والوں سے دین کی باتیں کرنے کا موقع برابر ملتا رہے گا۔"

اس موضوع پر مراسلت ابھی جاری ہی تھی کہ موت اور ——— آبائی وطن کی طرف روانگی کی اطلاع ایک فقرے میں ملی۔ خبر دینے والا بیچارہ نہیں جانتا تھا کہ جسے وہ بوڑھا بھائی سمجھتا ہے وہ والد مرحوم کی روحانی تربیت گاہ کا ہم جماعت ہونے کی وجہ سے کچھ اور بھی ہے۔

میرے جاننے پہچاننے سے [illegible] تک ان کی فکر و نظر کی ہم آہنگی کے سلسلے کی پیاری پیاری تصویریں ابھرنے لگیں اور مرحوم کی عالی ظرفی، وسیع النظری اور قدر افزائی کی کہانیاں یاد آنے لگیں۔

[illegible] میں میری بڑی معذرت کے باوجود اپنے امتحان کے آخری دو مہینوں میں ایک روزنامے کا اداریہ لکھنے کے لیے علی گڑھ سے کھینچ بلایا تھا۔ جنگ آزادی میں سرگرم حصہ لینے کے بعد گھر کے اندر مرحوم کی ذہانت سے مادی فائدہ اٹھانے کا حوصلہ بجھ چکا تھا اس لیے اپنی سیاسی بصیرت کے تحت جب پھر وکالت کی تعلیم کی طرف لوٹے تو گھر سے خرچ اتنا نہیں ملتا تھا جو "علی گڑھ" کی زندگی کے لیے کافی ہو سکے۔ اس روزنامے کے مقالات سے کچھ پیسے مل جاتے تھے۔

میں نے لکھا کہ ابتک تو میرا کوئی مضمون کسی رسالے میں بھی نہیں چھپا" اس کے جواب میں جو حوصلہ افزائی ملی تھی قسمت نے ساتھ دیا ہوتا تو میں اسکول کے بجائے کسی علمی ادبی ادارے میں ہوتا۔

"شکیل، تم نہیں جانتے کہ تم کیا ہو ...... میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے پاس
چلے آؤ۔ تم سے میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔"

میں علی گڑھ پہنچا تو اسے مبالغہ سمجھا جائے گا کہ ایک آزمودہ کار صحافی کے معمولی اشاروں سے اس روزنامے کے مقالات ترتیب دینے لگا اور ایک مہینے کے بعد اشاروں کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

میری واپسی پر فرمایا کہ میں وکالت کرتے ہوئے ایک اخبار نکالوں گا اور اس کی کل ترتیب تمہارے ذمے ہوگی۔ تاکہ ہم تم ساتھ رہ سکیں۔

جولائی ۱۹۲۲ء کے ایک گرامی نامے میں بھی اسی طرح کی بات تھی۔۔۔
"اور اس کے لیے تیار رہو کہ اگر زندگی باقی رہی اور میں بستی میں پریکٹس کروں تو تم اپنے اثر و صلاح سے مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھو۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ باپ کی تربیت سے جو عزم بھائی صاحب کو ملا تھا وہ میرے حصے میں بھی آیا تھا اب یہ اور بات ہے کہ تقدیر نے ہم دونوں کو ایک راہ کا ساتھ نہیں بننے دیا۔

میں ۱۹۲۰ء میں علم دین حاصل کرنے کے لیے سائنس کا بہترین طالب علم ہونے کے باوجود انگریزی اسکول سے بھاگ کر دینی تعلیم کے احاطے میں آ گیا اور مرحوم ۱۹۲۱ء میں وکالت کے درجے سے اچھل کر تحریک ترک موالات کے جانباز سپاہی اور جلد ہی اونچے رہنماؤں کے ساتھ سنٹرل جیل لاہور کے قیدی ہو گئے۔ —— ہم دونوں خاندان کے باغی تھے۔

ہمارے گھر کے سرپرست کو یہ ڈر لگا کہ دونوں دیوانے اکٹھا ہو گئے تو یہ اخبار پھر کوئی گل کھلائے گا۔

اخبار بند کر دیا گیا[1] میں اعظم گڑھ دار المصنفین چلا گیا لیکن جلد ہی واپس آکر مجھے مسلکی پر مجبور ہونا پڑا یہ ۱۹۳۱ء کی ایک نادر مثال تھی کہ ہیڈ ماسٹر نے مجھے بلا کر ٹیچری قبول کرنے کی درخواست کی —— یہ ہمارے مربی و بزرگ بھائی کے حسن تدبیر کی "کرامت" تھی۔۔۔

---

[1] ہفتہ وار اخبار "نمیت" کے نام سے بستی ہی سے ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا تھا جو بڑے بھائی صاحب کی ناراضی کی وجہ سے ۱۹۲۲ء میں بند کر دینا پڑا تھا۔

بھائی صاحب نے ان دنوں میرے احساس کے آنسو پونچھے تھے ۔۔۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو مجھے لکھا
"میں تمہاری ذہانت اور عقل و فراست سے اس امر کو بعید سمجھتا تھا کہ تم اپنی تمام
خیال آرائیوں کو مدرسے کی چہار دیواری کے اندر بند کر دو گے۔ تمہاری نیک نیتی اور خلوص
کی توہین ہے کہ تمہارے اعمال کا مرکز ایک تعلیم گاہ کا احاطہ قرار دیا جائے۔ میں اس پر
ہمیشہ غور کرتا رہا ہوں کہ تمہارے تمام ممکن اشغال میں معلمی ہی کیسے تمہاری طبیعت کے موافق ہے؟"
مجھ سے محبت کتنی تھی اس کا اندازہ اس گرامی نامے سے کیا جا سکتا ہے جو ۲۴ مئی ۱۹۲۶ء کو صادر ہوا تھا۔
"اب میں اس تیرہ خاکداں میں اپنے آپ کو ایک ناآشنا بے یار و مددگار غریب الوطن
پاتا ہوں ۔۔۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس دنیا کی پوری آبادی میں سوائے اشکیل
کے اور کوئی نہیں بستا۔"

میں ماضی کی یاد میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ آخری دیدار میت کے لیے بلایا گیا تو میری گم شدگی
اور دل گرفتگی نے مجھے اس سے بھی محروم کر دیا۔ اتنے میں جنازہ باہر آگیا اور میں پیچھے پیچھے یہ سوچتا
ہوا چلا کہ یہی وہ عظیم شخصیت ہے جس نے ۱۹۵۹ء[1] میں ایسے مختلف الخیال معتقداؤں کو ایک
پلیٹ فارم پر جمع کر لیا تھا جن کو اس طرح مل بیٹھنا بہت حد تک دشوار ہوتا رہا ہے اور دینی
تعلیمی مکاتب کی اہمیت اور ضرورت کی تجویز متفقہ طور پر منظور کرائی تھی ۔۔۔ یہی وہ رہنما ہے
جس کے جانشین کو اب چراغ لیکر ڈھونڈا جائے گا ۔۔۔ یہ جسمِ درد، قومی ملکی اور ملی معاملات
کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے، احساس سے خون کی ایک بوند ٹپک پڑی۔

پائیں گے پھر کہاں سے غالب کو — سوئے مدفن ابھی نہ لے جائیں

جنازہ اور آگے بڑھا تو یاد آیا کہ اس مرحوم میں وہ فکر کی گہرائی تھی جسے ملت کے بعض پیچیدہ معاملات
کو سمجھنے کے لیے ملک کے مشاہیر کی نشستوں میں مدعو کیا جاتا تھا اور جس کے پاس طرح طرح کے

---

[1] بستی میں صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس ۱۹۵۹ء کا انعقاد اور دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کا قیام عمل میں
آیا جس میں ہر طبقہ و مسلک کے ممتاز و مشاہیر علمائے کرام نے شرکت کی تھی۔

معاملات میں مشورہ لینے کے لیے ہر طرف سے لوگ آیا کرتے تھے ــــــ اب استغراق مولانا حالی مرحوم کا دوسرا شعر دہرانے لگا

لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں اہل میت جنازہ ٹھہرائیں

ملک وملت کے اس گرانقدر سرمایہ کو سپرد خاک کرنے کے بعد مرحوم کی یاد میں اور بھی گہرائی پیدا ہوگئی اور اس کا سلسلہ مغبتون جاری رہا۔

خداداد عزیمت کی قدرتی فتنہ دنیا میں والد مرحوم کی بھی محنت کا ہاتھ کام کرتا رہا تھا۔ قطب دوراں حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب طاب ثراہ کے چہیتے مرید ہونے کی وجہ سے گھر کے غیر اسلامی ماحول میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے ــــــ چنانچہ بھائی صاحب جب کالج سے گھر آتے تو ان سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغہ (کا ترجمہ) اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی مالا بدمنہ کو پڑھ کر سنانے کا حکم دیتے تھے اور بعض مقامات پر کچھ تشریح بھی فرماتے تھے۔

والد مرحوم کی روحانی توجہ کا فیض ہمارے ساتھ ہمیشہ رہا۔ اس سلسلے کے چند واقعات یاد آگئے۔

(۱) ایک مرتبہ جب میں پانچویں درجے میں پڑھتا تھا اور اسکول دو میل کی دوری پر تھا ہیڈ ماسٹر بہادر علی خاں نے مجھ سے دیر میں پہنچنے پر جواب طلب کیا میں نے کہا قرآن کی تلاوت میں وقت ذرا زیادہ لگ گیا موصوف نے فرمایا میں تمھارے قرآن پڑھنے کو عذر تسلیم نہیں کرتا۔ والد مرحوم نے جب یہ بات سنی تو جلال آگیا، اسکول پہنچ کر ہیڈ ماسٹر سے کہا کہ میرے لڑکے کا نام کاٹ دو یہ اب صرف قرآن پڑھے گا۔ خاں صاحب نے معافی مانگی اور میری تعلیم جاری رہی۔

(۲) ۱۹۲۸ء میں میں نے لکھا کہ کالج میں کام زیادہ ہے مجھے دین کی خدمت کا موقع بہت کم ملتا ہے تحریر فرمایا کہ "ایسا ہے تو ملازمت چھوڑ کر گھر چلے آؤ اور اپنے بیت المال اور یتیم خانے کا کام کرو خدا رزاق ہے۔"

(۳) ایک واقعہ تو ایسا ہے جسے اس بیسویں صدی میں بے مثال کہا جا سکتا ہے۔
۱۹۳۰ء کے اسمبلی الکشن میں بھائی صاحب کی ناکامیابی کے بعد جب نواب غلام حسین مرحوم نے

ان کے خلاف الکشن پٹیشن دائر کیا تو والد مرحوم کو گواہ بنایا۔ بستی کے وکلا نے بہت سر مارا لیکن اس مرد مومن کو غلط بیانی پر راضی نہ کر سکے۔ فرمایا میں بیٹے کے لیے اپنی عاقبت خراب نہیں کروں گا۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ انشاءاللہ سچ کی برکت سے عدیل کامیاب ہو کر رہیں گے، عدالت میں جب باپ نے بیٹے کے خلاف گواہی دی تو مجمع تھرّا اٹھا اور جج نے حیرت انگیز طور پر بھائی صاحب کی موافقت میں فیصلہ دیا۔

اس واقعے میں جو عزیمت تھی اس نے تمام وکیلوں کو حیران کر دیا اور ایک چوٹی کے وکیل نے کہا کہ اس یونیورسٹی کو تلاش کرنا چاہیئے جس میں اس جوان مرد بوڑھے نے تعلیم پائی تھی۔

(۴) باپ کے اس عظیم کردار کے مشاہدے نے بیٹے کی حق گوئی اور بیباکی میں اتنا زور پیدا کیا کہ ملک کی بڑی سے بڑی شخصیت کے کسی بیان پر تنقید کرنے میں گھریلو تعلقات کی بھی رعایت نہیں کی۔

وکالت کے زمانہ میں جمعہ کی نماز کے لیے وقفہ لینے میں جج سے لڑ جایا کرتے تھے ہزار مصروفیتوں میں بھی نماز وقت پر پڑھتے تھے۔ ایک موقع پر کسی رئیس کے نوکر نے نماز کے لیے شیر کی کھال بچھا دی اور چلا گیا، نیت باندھنے کے وقت خیال آیا کہ جانور کی تصویر پر نماز مکروہ ہو گی۔ اسے فوراً الٹ دیا، اور اس کی پروا نہیں کی کہ ہندو شیر کو مقدس مانتے ہیں، معزز میزبان نے ناگواری بھی محسوس نہیں کی۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا تم تو تصویر کے بارے میں ہمارے عقیدے سے واقف ہو۔

---

(۱) اس واقعے کے ضمن میں ایک لطیفہ بھی سننے کے قابل ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کی چیرمینی کے زمانے میں تعلیمی کمیٹی کے ایک رکن کے ساتھ گھر پر کام کر رہے تھے، رجسٹر پھیلے ہوئے تھے، جانچ کی جا رہی تھی اتنے میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ ساتھی سے کہا کہ اب میں نماز پڑھوں گا، آپ آرام کیجیے۔ ڈھائی گھنٹے کے بعد عصر کی اذان ہوئی اور پھر اٹھ پڑے اور کام کو بند ہو جانا پڑا۔ ساتھی نے مرحوم کو تاکا اور چپ ہو رہا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد نماز مغرب کے لیے جب اسی عمل کو دہرایا تو ساتھی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ کہا اے وکیل صاحب مجھے یہ سمجھا دیجیے کہ آپ جب دن کے مسجد گئے تھے تو کل نمازیں اکٹھی کیوں نہیں پڑھ لیں؟ تاکہ بار بار کا حرج نہ ہوتا۔ ہم لوگ ہنس پڑے اور مرحوم نے سمجھایا کہ ہمیں روز پانچ

مرتبہ دینی فرض کے لیے دنیا کی مصروفیت میں سے وقت نکالنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔

ہمارے مورث اعلیٰ قاضی محمد غوث عالمگیر ثانی کے دورِ حکومت میں قاضی القضاۃ بنا کر اس کور دہ دیار کے اندھیرے میں اجالا پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے لیکن اب دادا مرحوم کے تجہیزات نے مقصورات کے رائے میں جاہلی رسموں نے واجب کا درجہ پالیا تھا۔ زکوٰۃ سے تو ذہن بالکل ناآشنا تھے، ایک مقبول عام بزرگ نے مجھ سے پوچھا "کیوں جی! زکوٰۃ کی ادائیگی تو زندگی میں ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے نا؟ حج کا اکثر اہل استطاعت میں کوئی وزن نہیں تھا جس نے حج کرلیا اس نے گویا بڑا کارنامہ انجام دیا۔

دادا مرحوم کے مزاج پر اکبری دور کی چھاپ تھیں والد مرحوم ان کے خلاف دینی زاویۂ نگاہ نمایاں فرماتے رہتے تھے۔

(الف) دادا مرحوم تعزیوں کے سامنے فرش پر ہم سبھوں کو لیکر سوتے تھے، اور والد مرحوم اپنے پلنگ پر آرام فرماتے تھے اور عاشورہ کو روزے رکھتے اور نمازیں پڑھنے میں گذارتے تھے۔

(ب) دادا مرحوم "نیاز" کا تہوار مناتے تھے، مالامال دستر خوان پر جرمن کے زم اور میٹھے دانوں کے سامنے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں، دہی اور چاندی کے سکے رکھے رہتے تھے۔ دادا کے حکم سے ہم لوگ روپیہ، دہی، اور مچھلی کا درشن کر کے جرمن کی زرم بالیوں کے میٹھے میٹھے دانے چکھتے تھے اس کے بعد کھانا کھاتے تھے۔

والد مرحوم اس دستر خوان پر نہیں ہوتے تھے اور دادا مرحوم کی طرف سے بیٹے کا مزاج دیکھ کر اس پر کوئی پابندی کبھی نہیں تھی۔ لیکن والد مرحوم کی اس دانستہ علاحدگی میں باطل سے جو اجتناب پایا جاتا تھا ہمارے شعور اس کا گہرا اثر لیتے تھے، اور بھائی صاحب کی خداداد ایمانی جرائت نے تو اتنا اثر لیا کہ میدان میں اتر آئے اور شگون اور توہم پرستانہ رسموں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ گھر میں ایک شور اٹھا کہ عدیل نے آبائی طریقوں کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء میں جب بھائی صاحب کی شادی کا وقت آیا تو ایک جنگ چھڑ گئی۔

گیت سہرا اور شادی کی رسمی دھوم دھام ختم ہو کر رہ گئی اور دادا مرحوم کو اس سے بڑا صدمہ

پہنچا۔

ان دنوں ذریشہ کو ریشمی لباس میں سہرا لگا کر سسرال جانا پڑتا تھا، بھائی صاحب مرحوم نے عقد کے لیے یہ شرط لگا دی کہ کاڑھی ہی کے لباس میں بیٹھیں گے۔

زکوٰۃ کے لیے گھر کے اندر تبلیغ شروع کر دی گئی اور برسرِ منبر بن گئے لیکن عورتوں نے اس دعوت کو خدا کے خوف سے قبول کرنا شروع کر دیا، ایک بزرگ نے تو یہاں تک کہہ ڈالا اگر اتباعِ شریعت کا سلسلہ آگے بڑھا تو جائدادکی دھجیاں بکھر جائیں گی۔

بھائی صاحب لاہور جیل کی میعاد ختم کر کے گھر آئے تو آنکھیں نیلی اور جسم ناتواں تھا۔ مربی اور محسن بھائی کی نگاہ پھری ہوئی تھی۔ خیال نے مرحوم کی ذہانت سے مادی عروج کا جو محل بنایا تھا زمیں بوس ہو گیا تھا۔ دادا کا انتقال ہو چکا تھا۔ اپنے مصاحبین ولدار شاہ اور بیٹھیسری پانڈے سے کہتے تھے کہ لڑکے نے خاندان کے وقار کو خاک میں ملا دیا۔ یہ کہہ کر زار زار روتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسی صدمے نے ان کی جان لے لی۔ بہت پرانے خیال کے بزرگ تھے۔ سیاسی قید و بند کی لذت و عزت سے واقف نہیں تھے۔ ایک مرتبہ میرے ہاتھ میں میرے استاد مولانا آزاد سبحانی کا ایک پمفلٹ دیکھ کر فرمایا ایسی کتابیں پڑھو گے تو جیل جاؤ گے۔

بھائی صاحب کے علاج کے لیے تحصیل کے سب سے بڑے مسلمان رئیس اور جوار کے حاذق طبیب ملک سخاوت حسین مرحوم روز پیدل آتے تھے اور دوا اپنے ہاتھ سے پلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو نوجوان انگریز کا ستایا ہوا ہو اس کی خدمت کے لیے سر کے بل آنا چاہیے۔ دوائیں بھی اپنے دواخانے سے دیتے تھے۔

نیشنل کالت کی طرف بھائی صاحب کے واپس ہونے سے اختلاف تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ قلم کا دھنی تصنیف و تالیف کے ذریعہ ملک و ملت کی زیادہ بڑی خدمت انجام دے سکے گا۔ چنانچہ ایک موقع پر "پیامِ نو" بار" کے عنوان سے ایک نظم کہی جس کے دو شعر یہ ہیں۔

پھر ہی ملی آپ کو مجھ کو "مکتب" | تھے پابند ساحل وہ آزاد دھارے
میں تبلیغ اور آپ تصنیف کرتے ! | تلاطم سے جیتے مقدر سے ہارے

وکالت کی ابتدا میں خود بھی اسے اپنی خداداد صلاحیت سے پست تر محسوس فرماتے تھے۔
۰۲ نومبر ۱۹۳۳ء کے گرامی نامے کا ایک اقتباس یہ ہے:-
"زمیں گیری نے تو اب محروم پرواز کر دیا ہے اور شاید کچھ دنوں میں یاد بھی نہ رہے کہ کسی زمانے میں "در ریاست کہ صحرا است تہ بال و پر ماست" ہمارا بھی مقولہ تھا"

لیکن انقباض کا وقفہ جلد ہی ختم ہو گیا اور ایک مدبر کی طرح اپنے ضلع میں ملک و ملت کا کام کرنے کا عزم پیدا ہوا مرحوم کو حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کی یہ ہدایت یاد آئی کہ ہر لائق آدمی کو چاہیے کہ اپنے مولد کے رقبے میں کام کر کے ملک کے رہنماؤں کے ہاتھ مضبوط کرے۔
مسلمانوں میں یہ یقین پیدا کیا کہ اس ملک میں انھیں نا مذہبی حکومت کے سائے ہی میں سیاسی پناہ ملے گی اور برادران وطن کے ایک گروہ میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ سچے رہنما مہاتما گاندھی نے ہندو مسلم اتحاد کی جو راہ بتائی تھی اس پر سچائی کے ساتھ چلنا چاہیے۔
نتیجہ یہ ہوا کہ بے لوث اور بے مزد خدمت علم و فضل اور قول و عمل کی یکسانی کی بنا پر عوام اور خواص دونوں میں بہترین مقبولیت حاصل ہو گئی۔ بارہ برس ضلع کی تعلیمی کمیٹی کے چیرمین رہے اور اسمبلی کی ممبری کے میدان میں ہر حیثیت کے مقابل کو ہارنا پڑا۔
گاؤں پر آتے تھے تو فریادی عوام کی بھیڑ لگ جایا کرتی تھی اور ان کی امیدیں پوری ہوتی تھیں۔ اس سلسلے کے چند واقعات سے اس سنہرے دور پر دور تک نظر پڑ سکتی ہے۔
(۱) کار کے ڈرائیور سے فرماتے تھے کہ تھانہ جب قریب آئے تو موٹر کی رفتار کو اتنا تیز کر دینا کہ داروغہ مجھے سلام نہ کرنے پائے۔ واپسی پر داروغہ جی ڈاک بنگلے پر آتے تھے: "حضور! میرے لیے کوئی کام؟" جواب ملتا تھا کہ تم کو ابتک اپنا کام معلوم نہیں ہو سکا! وہ سلام کر کے چلا جاتا تھا۔
(۲) یہ رویہ تو افسروں کے ساتھ تھا اور عوام کے ساتھ یہ سلوک تھا کہ ادنیٰ درجے کا بھی آدمی نڈر ہو کر سامنے آجاتا تھا اور اس کی بپتا سن کر آستین چڑھا لیتے۔۔۔۔۔ اس سلسلے کا یہ عجیب واقعہ

قابل ذکر ہے کہ ایک ناچنے والے کو سپاہی نے ڈاکے میں پھنسا دیا جبکہ اسی رات میں اس نے ہمارے گاؤں میں اپنا ناچ دکھایا تھا۔ دیہات میں شادی بیاہ کے موقع پر ناچ نو دس بجے رات سے شروع ہو کر صبح تک جاری رہتا ہے اور قرب و جوار کے بھی شوقین تماشائیوں میں شامل رہتے ہیں۔

اس نچنیے کی فریاد سن کر فرمایا کہ وزیر اعلیٰ فلاں تاریخ کو ڈومریا گنج آرہے ہیں اس روز تم میرے پاس ڈاک بنگلے میں بلا کسی جھجک کے آجانا۔ وہ بے حیثیت گنوار افسروں کے بیچ سے گذرتا ہوا بھائی صاحب تک پہنچ گیا۔ بھائی صاحب نے وزیر اعلیٰ کو واقعہ بتلایا۔
عوام کے ایک بے لوث خادم اور لائق صد اعتبار رکنِ حکومت سے واقعہ سننے کے بعد وزیر اعلیٰ نے سپاہی کو معطل اور داروغہ کو دور پھینک دیا۔

اخلاص عمل کے لیے دیانت اور اس کے لیے غلط سفارش قبول نہ کرنے کی کڑی شرط ہے اس سلسلے کا ایک واقعہ سننے کے قابل ہے۔ میرے کالج (اسلامیہ کالج گورکھپور) کے رفیق بابو سری گوپال بڑی تعطیل میں میرے گاؤں پر آکر مجھے ایک تبادلے کی سفارش کے لیے بستی پکڑ لے گئے۔ بھائی صاحب نے فرمایا کہ چیرمین کے لیے یہ کون سی بڑی بات تھی کہ بابو صاحب نے اس کے لیے اتنی زحمت اٹھائی۔

۸ جولائی کو جب کالج کھلا تو بابو سری گوپال نے کچھ چیں بہ جبیں ہو کر کہا "سنا تم نے بھائی شکیل! تمھارے بھائی صاحب نے میرے عزیز کو تبادلے کے بجائے برخاست ہی کر دیا۔"
دسہرے کی تعطیل میں جب بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا بھئی تم نے جس مدرس کے تبادلے کے لیے کہا تھا وہ تو اپنے اعمال نامے میں اس قابل بھی نہیں نکلا کہ بچوں کی تعلیم اس کے سپرد کی جائے۔
یہ فرما کر مسکرا دئے اور اس کا ردعمل میرے چہرے پر دیکھا جانتے تھے کہ اصول دیانت کے سامنے میری محجوبیت کا نظر انداز ہو جانا مجھے ذرا بھی بددل نہ کر سکے گا۔
یہ بھی دیانت ہی کی ایک مثال ہے کہ لاہور کے زمیندار اخبار کے مالک ظفر علی خاں مرحوم نے اپنے اہل قلم کو جیل سے بچانے کے لیے یہ صورت اختیار کر رکھی تھی کہ اخبار پر اڈیٹر کی حیثیت سے

ان کی جگہ کسی نابینا کا نام درج کر دیا جاتا تھا اور وہ جیل چلا جاتا تھا۔ بھائی صاحب مرحوم نے اس چالاکی کو اگرچہ وہ انگریز کو زچ کرنے کی ایک تدبیر تھی اپنے ضمیر اور جرات رندانہ کے خلاف سمجھ کر بحیثیت ایڈیٹر خود اپنا نام درج ہونے کو کام کرنے کی شرط ٹھہرایا اور جلد تر ایک تیز قسم کے باغیانہ اداریہ کا نتیجہ وہی ہوا جو ناگزیر تھا۔ کیس چلا اور ایک سال لاہور سنٹرل جیل میں رہے۔

اس سے پہلے "مدینہ" بجنور میں کچھ دن کام کیا تھا لیکن اخبار کے مالک مولوی مجید حسن صاحب کی اعتدال پسندی میں مرحوم کی انتہا پسندی سما نہیں سکی تھی اور اس سلسلے میں کچھ چپقلش بھی ہو گئی تھی۔ اخبارات سے جب مولانا ظفر علی خاں کو اس کی اطلاع ملی تو مرحوم کو اپنے پاس بلا لیا۔ وہ خود ہی باغیانہ خیالات کی اشاعت کی بنا پر بار بار جیل جا چکے تھے۔ بھائی صاحب کا انداز تحریر بھی ایسا نرالا تھا کہ حضرت مولانا حسرت موہانی جیسے ادیب تعریف کرتے تھے اور مقالات میں جو جرات ہوتی تھی اس پر یہ جرات کا سورما وجد کرتا تھا۔ یہ حق گوئی و بے باکی آخری دم تک قائم رہی حتیٰ کہ اپنی حکومت کی بے راہ روی پر بھی زبان اور قلم کی رفتار وہی رہی۔

۱۹۲۷ء ہے ہم دونوں مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد کے پیچھے والی لان پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور ہم لوگ تو ہمیشہ دینی اور سیاسی ہی باتیں کرنے کے عادی تھے۔

گفتگو کے اثنا میں فرمایا "وطن کیا چیز اسلام کہو، ہم تو اسلام ہی کی خاطر وطن پر قربان ہو سکتے ہیں" بھائی صاحب نوجوانی ہی سے یہ یقین رکھتے تھے کہ وطن کی خدمت ایک سیاسی فریضہ ہے جسے عمر بھر ادا کرنا ہے اور اگر خود اپنے عقیدے میں کوئی فرق نہیں آیا تو وطن دوستی دین کی طرف سے صرف نظر کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

اسی بنا پر دین کے معاملات اور مسائل میں کوئی ہوا مرحوم کو ہلا نہیں سکی اور کوئی چکنی چپڑی بات انھیں بہکا نہیں سکی۔

اس سلسلے میں مولانا حسرتؒ کا یہ قول بھائی صاحب مرحوم ہی سے کئی بار سنا ہے کہ "میں ایک طرف زبردست اشتراکی ہوں دوسری طرف پکا مسلمان ہوں بلکہ فرقہ پرست ہوں" مطلب یہ کہ اگر دین کا کوئی معاملہ آجائے گا تو میں اس میں اپنے سیاسی عقیدے کا لحاظ ہرگز نہیں کروں گا۔

اسی بنا پر جب پاکستان کی تجویز مولانا کی سمجھ میں آگئی تب چند دنوں کے لیے مسلم لیگ کے قافلے میں بھی شامل ہو گئے۔

پھر ایک وقت آیا کہ پاکستان کا طوفان امنڈ پڑا اور جاں نثار ساتھیوں کے بھی دیدے بدل گئے روز معاملہ ہی ایسا تھا جس میں سب بہے چلے جا رہے تھے۔ سیاسی استاد مولانا حسرت موہانی سمجھانے کے لیے بستی تشریف لائے۔ ان کا مشورہ اتنا ہی تھا کہ بس غیر جانبدار ہو جاؤ۔ اس کے بعد جیسے حالات ہوں گے ویسی ہی راہ بنانا۔ مولانا حسرتؒ کون تھے؟ وطن کے سب سے پہلے سیاسی قیدی۔ اس وقت کے جب انگریز کو سلام نہ کرنے پر سوئیوں کی تنگ کوٹھری میں ڈال دیے جاتے۔ جس میں جسم کی جنبش سے بازو میں سوئی چبھتی تھی۔ وہ کوئی فرقہ پرست رہنماؤں میں نہیں تھے، لیکن بھائی صاحب مرحوم کے خیال میں تبدیلی پیدا نہ کر سکے۔ آخر پاکستان کے مخالفوں کے چھوٹے سے گروہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے پہلی مرتبہ ان مسلمانوں کے مخالفانہ مظاہرے کی زد میں آگئے جن پر ہزار احسانات تھے لیکن پارٹیشن کے ذریعہ کامیاب ہونے کے بعد جب اختیار ہاتھ میں آیا تو حرف شکایت زبان پر لائے بغیر ۴۷ء کے فسادات کی بھڑکتی ہوئی آگ میں انھیں مسلمانوں کو بچانے کے لیے کود پڑے جنھوں نے مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔

کانگریسی ساتھیوں نے اس انسانی خدمت کو کبھی ملت نوازی پر محمول کیا اور اردو کی صوبائی کانفرنس کی تاریخی صدارت اجلاس مسلمانوں کے قبرستان اور مسجدوں کے معاملات میں گہری دلچسپی اور اس سلسلے کی دوسری نرم اور گرم کوششیں تو مرحوم کی وطن دوستی کو مشتبہ بنا ہی چکی تھیں۔

پرائمری کے نصاب میں ہندو دیو مالا مسلمان بچوں کے ذہن کے لیے کتنی خطرناک ہے اسے سب سمجھتے تھے اور کبھی ہوائی زبردستی تھی تو چنانچہ زبان، قلم اور وفود کے ذریعہ اس کا مقابلہ ہو رہا تھا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا اس لیے کسی کار گر تدبیر اور جرأت مندانہ اقدام کی ضرورت تھی۔ بھائی صاحب مرحوم نے خود فیصل دینی تعلیمی مکاتب کے لیے جدوجہد شروع کر دی ابتداءً اپنے ضلع میں یہ نظام قائم کیا بعد میں اس کے لیے مختلف اسلامی جماعتوں سے مراسلت کر کے مختلف

مکتب خیال کے مقتداؤں کو بستی میں جمع کر لیا ــــــ اس انوکھے اجلاس میں خود کفیل مکاتب کے لیے مشترکہ پلیٹ فارم کی تجویز پاس ہو گئی۔ پھر دینی تعلیمی کونسل کے تحت صوبے میں ہزاروں مکاتب کا ایک مستحکم نظام چل پڑا۔ ان مکاتب کے لیے ایسا نصاب ترتیب دیا گیا جس میں وہ علوم حاضرہ بھی شامل تھے جو سرکاری اسکولوں میں ہوتے ہیں۔ تاکہ طلبہ مکتب کے پانچویں درجے سے نکل کر جونیر اسکول کے چھٹے درجے میں داخلہ پا سکیں۔

اس راہ میں محکمہ تعلیم کی طرف سے جو بھی رکاوٹیں ڈالی گئیں تعلیمات کے سالہا سال کے علم اور تجربے کے ہاتھ سے انھیں ہٹانے میں کامیاب ہوتے رہے۔

مرحوم کے سامنے ۱۹۲۰ء کے وہ متوازی نیشنل اسکول بھی تھے جو تحریک ترک موالات کے ضمن میں قائم کیے گئے تھے تاکہ تعلیم کا حرج نہ ہونے پائے۔ اسی طرح کے یہ خود کفیل مکاتب بھی ہیں جو مسلمان بچوں کو ہندو دیو مالا سے کٹ کر چلنے کے باوجود انگریزی اسکولوں سے جوڑتے ہیں۔

عمر کے بقیہ اکیس بائیس سال میں صوبے کے گوشے گوشے میں ایک آئینی لڑائی کی بکار امت مسلمہ کے بچوں کے معصوم ذہن کو غیر اسلامی عقائد سے بچانے کے لیے اپنی صحت کو خطرے میں ڈال کر بلند کرتے رہے۔ حکومت پر کڑی کڑی تنقیدیں کرتے ہوئے اکابر ملت کو اپنے زاویوں سے نکال کر میدان میں لاتے رہے۔ اور عوام میں بیداری پیدا کرتے رہے ؎

سب پہ جس بار نے گرانی کی اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

اس جانکاہ محنت کا صحت پر اتنا اثر پڑا کہ طاقت کی کمی کی وجہ سے نبض میں تیزی کے دورے پڑنے لگے۔ اور جب دینی تعلیمی کونسل جو مرحوم کی بیدار مغزی کا ثمر تھی اس کی روحانی عمارت کی بنیاد مضبوط ہو چکی تو صرف ایک مہینے میں نبض کی تیزی کا آزار کم کم وقفے سے ابھرنے لگا اور دو دن کی مختصر علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

انتھک مصروفیت کو اچانک ابدی نیند آ گئی اور صوبے میں جو دینی تعلیمی جد و جہد پھیلی ہوئی تھی سوگوار ہو گئی۔

وفات | جمعہ ۲۱ مارچ ۱۹۸۰ء کو ڈاکٹروں نے پیچھے سے مایوسی کا اظہار کر دیا اور خون اور نار

نے قریبی عزیزوں کو اکٹھا کر لیا۔ سنیچر کو ظہر کی نماز اپنی مسہری پر اشارے سے ادا کر کے چند گھونٹ بارلکس کے لیے اور سو گئے۔ تھوڑی دیر میں نیند غشی میں تبدیل ہو گئی اور وہی غشی ۵ بجکر بیس منٹ پر موت بن گئی۔

ہوش کے آخری وقت میں اشارے سے ارشد سلمہٗ (فرزند) سے فرمایا کہ جیب میں لفافہ ہے اسے نکال لو۔ اس کے بعد پاس بیٹھی ہوئی بھتیجی بیٹی کی زبان سے درود شریف سننے میں ایسا سکون ملا کہ چند لمحوں میں وہ سکون سکونِ ابدی بن گیا۔

یہ حال سن کر والد مرحوم کی وفات کے آخری لمحے یاد آ گئے۔ ہم سب چاروں طرف کھڑے تھے اور کسی کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی۔ اتنے میں ایک پیر بھائی آ گئے، ان کے سلام کا جواب آنکھ کھول کر اشارے سے دیا اور جب انھوں نے اٹھنا چاہا تو اشارے سے روکا کہ ابھی اور بیٹھیے۔

فقیرانہ زندگی

وہی لفافہ جو آخری سانسوں کے وقت بیٹے کو ملا اسی میں کل آمدنی رہتی تھی اور اسی سے نکال نکال کر خرچ فرمایا کرتے تھے۔ ـــــ کبھی وہ لفافہ خالی رہتا تو کسی سے قرض لے لیتے اور جلد تر ادا فرمادیا کرتے تھے۔

کمانا پیسے جمع کرنے اور مکان بنانے کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک مرتبہ تو جوار کے ایک بڑے احسان مند مرید نے اپنی لب سڑک زمین پر بنگلہ بنانے اور تعمیر کا کل سامان دینے کا ذکر کیا تو عمدہ طریقے سے اس پیشکش کو نامنظور فرما دیا۔ اسی آغا دریا خاں کے کرائے کے بوسیدہ مکان میں زندگی بسر ہوئی۔ آخر میں جب دریا خاں کابل واپس ہونے لگے تو زبردستی بہت معمولی دام پر اسے دے گئے۔

یہ فقیرانہ طرز حضرت مولانا حسرت موہانی سے ملا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا حسرتؒ کا ایک واقعہ مجھ سے بیان فرمایا تھا جسے میں اس وقت بار بار سوچتا رہتا ہے۔ ٹفن کے ڈبے میں سادی روٹیاں اور آلو کی خشک ترکاری اور ایک جوڑا کپڑا رکھا ہوا تھا جسے بغل میں دبا کر گھر سے چلتے تھے۔ راہ میں یکے والے سے کہتے تھے کہ اسٹیشن تک کے کتنے پیسے لو گے؟ "دو آنے!" "نہیں بھائی ڈیڑھ آنے میں لے چلو!" یکہ آگے بڑھ جاتا تھا اور مولانا دوسرے وہاں سنیچر یکے پر بیٹھتے تھے جہاں سے اسٹیشن پھر ڈیڑھ آنے میں پہنچ سکیں۔

یہ ان کی طرز زندگی ہے جو قربانی اور جہاد کی ایک علامت تھی جس کا سب سے بڑا جسم تھا۔ جہاد کا نقد سے بڑا مجاہد ہے۔ یہی صفت بھائی صاحب مرحوم کی پوری زندگی میں بھی ملتی ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

نگاہِ اوّلیں ——— (صفحہ ۸ کا بقیہ)

(۲)

قاضی محمد عدیل عباسی سیاسی مسلک وعقیدہ کے لحاظ سے شروع ہی سے پکے نیشنلسٹ اور کانگرسی تھے اور اس بارے میں کسی دور میں بھی اُن کے طرز فکر میں کوئی فرق نہیں پڑا ـــ اسی کے ساتھ وہ بڑے راسخ العقیدہ اور صاحب استقامت مردِ مومن تھے۔ انہی دونوں باتوں کا یہ نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ وہ علیگ تھے اور اس تعلق سے علی گڑھ کالج کے بانی سرسید احمد خاں کی محبت اُن کے رگ وپے میں رچی بسی ہوئی تھی وہ ان کی عظمت وعبقریت کے قائل ومعترف اور ان کو قوم کا محسن اعظم مانتے تھے[۱] لیکن ان کے سیاسی مسلک اور طرزِ فکر پر انھوں نے اپنی کتاب "تحریک خلافت" میں سخت ترین تنقید کی ہے[۲]۔ اسی طرح مغربی فلسفہ اور سائنس سے مرعوبیت کے نتیجہ میں انھوں نے اپنی تفسیر میں تاویلوں کی شکل میں ملائکہ، جنات، معجزات، جنت دوزخ وغیرہ ایمانیات کا جو انکار کیا ہے، جس بنا پر اُن کے معاصر اکابر علماء نے ان کا محتسب کیا تھا قاضی صاحب نے اس بارے میں اسی کتاب میں کھل کر ان علماء کے موقف کی حمایت کی ہے اور اس کو سراہا ہے[۳] بلاشبہ یہ اُن کے راسخ الایمان ہونے کی بڑی علامت ہے اور اس میں ہم جیسوں کے لیے سبق ہے ـــ ہمارے اس زمانے میں تو بعض علماء کرام کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف اُن اکابر علماء کی طرف سے ندامت آمیز معذرت کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور ان کی طرف سے کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔

(۳)

قریباً دو سال ہوئے ہوں گے ایک دن قاضی صاحب اور اُن کے ساتھ ان کے قریبی عزیز مولانا محمود الحسن صاحب غریب خانہ پر تشریف لائیے، خیر وعافیت اور مزاج پرسی وغیرہ کے بعد فرمایا کہ اس وقت ایک درخواست لیکر آئے ہیں اور فیصلہ کر کے آئے ہیں کہ آپ سے منظوری لیکر ہی اٹھیں گے۔ میں نے عرض کیا حکم فرمائیں اگر میرے لیے ممکن ہوگا تو انشاء اللہ تعمیل ہوگی۔ فرمایا کہ فلاں دن میری نواسی کی یہیں لکھنؤ میں شادی ہے اس کا نکاح آپ کو پڑھانا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اب تو میں معذور ہوں اس لیے کہیں تقریبات میں جانے کے لائق نہیں ہوں، لیکن میں نے یہ دیکھ کر کہ شادیوں میں عموماً ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کو میں غلط سمجھتا ہوں اور دل ——————————— میرے

---

[۱] تحریک خلافت ص۵۶ [۲] ایضاً ص۵۸-۵۹ [۳] ایضاً ص۶۰-۶۲

لیے ناخوشگواری کا باعث ہوتی ہیں بہت پہلے سے یہ رویہ اختیار کر لیا ہے کہ قریبی دوستوں سے بھی معذرت کر دیتا ہوں، اگر آپ کے حکم کی تعمیل کروں تو دروازہ کھل جائے گا اور میرے لیے معذرت کرنا آسان نہ رہے گا ـــــــ انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ تقریبات میں نہیں جاتے، اس کے باوجود میں نے طے کر لیا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی بتلا دیا ہے کہ نکاح آپ ہی پڑھائیں گے۔

اس کے بعد میرے لیے کچھ عرض کرنے کی گنجائش نہیں رہی اور میں نے تعمیل کا وعدہ کر لیا۔

خطبۂ نکاح میں میں نے جنوبی ہند کے مرحوم ڈاکٹر مولانا عبدالحق کا واقعہ بھی بیان کیا (یہ وہ ہیں جو ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے تھے) انھوں نے اپنی بیٹی کی شادی کی تو اس کے ساتھ دس غریب لڑکیوں کی بھی شادی کا انتظام اپنی طرف سے کیا ایک ہی مجلس میں گیارہ نکاح ہوئے۔

اور بھی اس طرح کے ایک دو واقعے میں نے بیان کیے ـــــــ نکاح سے فارغ ہو کر میں اجازت لیکر گھر چلا آیا ـــــــ شام کو قاضی صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ میں صرف یہ بتلانے آیا ہوں کہ آج آپ کی تقریر کا یہ اثر ہوا ہے کہ ہمارے نوجوان عزیزوں نے فیصلہ کیا ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہی کیا جائے گا ـــــــ پھر کچھ عرصہ کے بعد قاضی صاحب نے مجھے لکھا کہ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہو گی کہ ہمارے عزیزوں نے دو لاوارث لڑکیوں کی شادی کے لیے اس طرح کوششیں کیں اور یہ انتظامات کیے اور اس طرح خاندان کی بچیوں کی طرح ان کو رخصت کیا۔

قاضی صاحب کی زندگی کا خاص جوہر یہ تھا کہ وہ صاحب فکر ہونے کے ساتھ ایک عملی آدمی تھے ـــــــ میں نے اُن کے خاص عزیز و رفیق مولانا محمود الحسن صاحب سے کہا ہے کہ وہ قاضی صاحب کی سوانح مرتب کریں، ان کی شخصیت بہت سے پہلوؤں سے قابل تقلید تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات اور دینی و ملی خدمات کو قبول فرمائے اور ہماری اور ان کی تقصیرات سے درگزر فرمائے اور مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے۔

قاضی صاحب کی کتاب "تحریک خلافت" کے متعلق یہ بات کرنے سے رہ گئی کہ اب سے ۱۵-۱۶ سال پہلے اس عاجز ہی نے اس کتاب کے لکھنے کی اُن سے تحریک کی تھی اور اس کے بعد بار بار تقاضا بھی کرتا رہا۔ اس لیے اس کتاب سے اس عاجز کا خاص تعلق ہے

محمد منظور نعمانی
۱۹ شوال ۱۴۰۰ھ ۳۱ اگست ۱۹۸۰ء

قابل مطالعہ

مجلس دعوۃ الحق ۔ کڈی ۔ اتر گجرات ۔ کی پیشکش

کلام صوفی | حضرت صوفی سید عبدالرب صاحبؒ کی شخصیت علمی، دینی اور ادبی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ موصوف سلسلۂ تھانوی سے منسلک ایک مثالی مرد مومن، اسلام کے وفادار مجاہد اور "لایخافون فی اللہ لومۃ لائم" کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ واہب حقیقی نے آپ کو کمال شاعری اور ذوق سخن سے بھی بھرپور نوازا تھا۔ حضرت صوفی صاحبؒ نے کلام کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ مگر حرارت ایمانی، جذبۂ اصلاح اور ملّیت آپ کے کلام کی وہ روح ہے جو ہر پڑھنے اور سننے والے کے قلب کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ صوفی صاحبؒ کا یہ ایمانی اور ادبی ذخیرہ سینکڑوں صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ جس کا ایک انتخاب "کلام صوفی" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اور حضرت شاہ محمد ابراہیم صاحب ایم اے مدظلہم العالی کے قیمتی اور معلومات افزا مقدمات نے کتاب کی افادیت کو دوچند کر دیا ہے۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے پانچ سو سے زائد صفحات۔ کتابت۔ طباعت۔ کاغذ۔ جلد۔ ہر چیز معیاری ۔ قیمت: پچیس روپے ۔ -/25

اہم سفر | اس کتاب میں قرآن و حدیث اور بزرگوں کے کلام سے ایسے پر اثر مضامین اور عبرت آموز حکایات و اشعار جمع کر دیے گئے ہیں جن سے سفر آخرت کی تیاری کی فکر پیدا ہو۔ ساتھ ہی بیماری کے مسائل، تلقین کلمہ۔ غسل میت، کفن دفن۔ نماز جنازہ اور ایصال ثواب کا مسنون طریقہ۔ نیز وصیت و میراث کے متعلق اہم مسائل بھی شامل کر دیے گئے ہیں جن کی طرف عوام بلکہ خواص کو بھی کم ہی توجہ ہوتی ہے۔ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ قیمت چار روپے -/4

تحریک ایمان | دینی دعوت اور تبلیغی جد و جہد کے بارے میں حضرت صوفی عبدالرب صاحبؒ نے ایک غیر معمولی طویل ترین نظم کہی تھی جس میں دنیا کے عام شر و فساد اور خاص کر مسلمانوں کی دینی بربادی پر خون کے آنسو بہائے ہیں اور امت کے اہل درد کو توجہ دلائی ہے کہ بے طلب عام مسلمین کی خبر گیری اور ان کا اللہ و رسول اور دین سے تعلق جوڑنے کے لیے تبلیغی جماعتوں کے طرز پر عمومی دینی دعوت اور اصلاحی جد و جہد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے صوفی صاحب نے یہ سارے مضامین بڑے موثر اور پر درد انداز میں ادا کیے ہیں۔ ساتھ ہی اس تبلیغی کام کے اصول و آداب اور اس پر خداوندی نصرت کے وعدوں کا بیان اور اس سلسلہ کے دوسرے مضامین ہیں۔ کتاب کے شروع میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے مفصل اور موثر پیش لفظ نے کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ قیمت دو روپے - -/2

زبانی نصاب یعنی ماثورہ دعائیں اور اسلامی آداب | اس کتاب میں روزمرہ کی مسنون دعائیں۔ کلمے اور نماز پنجگانہ ۔ نماز جنازہ وغیرہ کی دعائیں ترجمہ کے ساتھ۔ نیز کھانے، پینے، سونے جاگنے، کپڑا پہننے، مجلس میں بیٹھنے۔ بڑوں سے ملنے، مسجد میں جانے، سلام و مصافحہ، چھینک، جمائی، استنجاء وغیرہ کے اسلامی آداب۔ نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا مختصر آئینہ اور آپ کے گھر والوں کے نام وغیرہ نہایت ضروری باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ ساتھ ہی ایمانی جذبہ کو ابھارنے والی نظمیں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہر مسلمان گھر کے لیے ضروری چیز اور ایمانی تحفہ ہے۔ مکاتیب اسلامیہ کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق کتاب۔ دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ۔

قیمت: چار روپے -/4

نقشہ دینی نصاب

اگر بچوں کو ابتدائی قاعدہ ہی سے مدرسین کرام حروف کے مخارج اور میم و نون کے اخفاء و اظہار و غنہ اور لام و راء کے پُر و باریک پڑھنے کے قواعد کا خیال رکھتے ہوئے پڑھائیں تو بچے ابتداء ہی سے قاری ہو جائیں چنانچہ اسی سلسلہ کے ضروری قواعد آسان عبارت میں اختصار کے ساتھ اس نقشہ میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ نیز سرکاری اسکولوں میں جانے والے بچوں کے لیے کم وقت میں پڑھایا جانے والا دینی نصاب اور تعلیم و تربیت کے بارے میں کچھ مفید ہدایات بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ الغرض یہ نقشہ مکاتیب اسلامیہ کے مدرسین کرام کی خدمت میں ایک بیش قیمت تحفہ ہے قیمت صرف پچاس پیسے۔

آسان روزی اور رد بلا

روزی میں آسانی و برکت اور دشمنوں و بلاؤں و مصیبتوں سے حفاظت کے لیے محترم صوفی عبدالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم) نے چھوٹے چھوٹے چند رسائل تالیف فرمائے ہیں جن میں قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے اقوال سے اس سلسلہ کی دعاؤں اور معمولات کو جمع فرما دیا ہے۔ آسان رزق اردو قیمت دو روپے پچاس پیسے 2/50
آسان رزق گجراتی قیمت دو روپے پچاس پیسے 2/50 آسمانی روٹی قیمت ایک روپیہ 1/-
دار الامن قیمت ایک روپیہ 1/-

گجراتی دینی نصاب

دینی مضامین کے ساتھ گجراتی زبان سکھانے والی کتابیں مجلس دعوۃ الحق کڈی اتر گجرات کی طرف سے بڑے اہتمام سے شائع کی گئی ہیں جو گجراتی مسلمانوں کے لیے شرک و کفر کے مضامین سے بھرے ہوئے اسکولی کورس کا نعم البدل ہے۔ اس سلسلہ کی تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔
گجراتی تختی قیمت پچاس پیسے۔ ایمانی بال پوتھی قیمت دو روپے پچاس پیسے۔
اسلامی پہلی چوپڑی قیمت چار روپے

نوٹ:- تاجر حضرات کے لیے ادارہ کی تمام کتابوں پر خصوصی رعایت دی جاتی ہے۔

ملنے کا پتہ: **محمد یونس صدیقی خادم مدرسہ دعوۃ الحق۔ کڈی۔ اتر گجرات** KADI N.GUJRAT

(کتابچہ بلا قیمت)

جماعت اسلامی ہند کا عقیدۂ توحید سے انحراف

(مرتبہ: مولانا محمد عنایت اللہ ندوی ——— رکن قدیم جماعت اسلامی)

صفحات (۴۰) جماعت اسلامی ہند سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس کتابچہ کا مطالعہ فرمانا چاہیں تو وہ از راہ کرم ۵۰ پیسے کے پوسٹ ٹکٹ برائے ترسیل حسب ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، کتابچہ بلا قیمت روانہ کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

محمد عنایت اللہ ندوی، ادارہ تحریک اسلامی اسپیشل بی کلاس ۲۵، ٹی پی حیدرآباد (اے، پی)

दिमागीन
दिमागी काम करने
वालों के लिये एक
دماغین
دماغی کام کرنے والوں کیلئے
ایک بہترین تحفہ

ہماری مطبوعات

مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز تالیفات

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور بیحد دلنشین اور پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ نیا ایڈیشن بہترین کتابت و اعلیٰ طباعت سے مزین۔ قیمت -/۶

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

نیا ایڈیشن اعلیٰ طباعت کے ساتھ قیمت -/۸

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ ۲۶×۲۰ سائز پر نیز خوبصورت گرد پوش سے مزین۔ قیمت -/۱۳

معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امت کے لیے ہدایت کا خاص سامان ہے۔ مکمل ۶ جلدیں۔

غیر مجلد مرہ ۸ (مجلد کے لیے -/۳ فی جلد مزید)

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے تنوع کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔ قیمت -/۵

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات، آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات۔ قیمت مجلد -/۱۲

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرتؒ کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعے آپ کو پوری طرح سے جان اور سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت ۴/۵۰

کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ایمان افروز تشریح۔ قیمت ۱/۵۰

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علمائے حق پر اسکے اثرات

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف ان کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈے اور اس کے علمائے حق پر اثرات نیز انکشاف حقیقت کے بعد شیخ محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل — تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔ قیمت -/۵

نماز کی حقیقت
نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔ قیمت -/۳

برکات رمضان
ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت موثر اور شوق انگیز بیان۔ قیمت ۲/۵۰

منتخب تقریریں
مولانا نعمانی مدظلہٗ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت -/۷

قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟
ردّ قادیانیت پر لاجواب کتاب جو عام و خاص سب کے لیے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت -/۴

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ
قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ دریا بہ کوزہ کا مصداق اور رد قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔ ۱/۰

بوارق الغیب
"علم غیب نبویؐ کی تردید میں مولانا نعمانی مدظلہ کی معرکۃ الآرا و محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت -/۱۰

دیگر مصنفین کرام کی گراں قدر تصانیف

تجلیات ربانی
تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ — از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی
حضرت مجدد الف ثانی کے ان مکتوبات میں احسان و تصوف، تعمیر باطن، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین و ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جلد اول ۱۳/۵۰ جلد دوم ۱۱/۵۰

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ
از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی — حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ذخیرہ۔ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ دار ہے۔ آخر میں شاہزادہ عالمگیرؒ کا مختصر تذکرہ بھی شامل کتاب ہے۔ قیمت -/۹

تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مع خلفاء و صاحبزادگان
مرتبہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی۔
حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ ان کے دونوں صاحبزادگان، خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ — اور اکابر خلفاء تاج العارفین شیخ تاج سنبھلی، خواجہ ابرار، شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، صفات و امتیازات اور کارناموں کی تفصیل۔ قیمت -/۶

صحبتے با اہل دل
مرتبہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ کی عرفانی و اصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ جن میں زندگیوں کی اصلاح کا پیغام، ایمان و یقین اور کیفیت احسانی پیدا کرنے کا وافر سامان ہے۔
قیمت -/۱۰

ناشر: کتب خانہ الفرقان - ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

Hajkalse Karen 5-50 • Aasan Haj 1-50

Monthly 'ALFURQAN'
31, Naya Gaon West
Lucknow (U. P.)
Phone : 45547

الفرقان
لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

مولانا مودودی کے ساتھ
میری رفاقت کی سرگزشت
اور اب میرا موقف
——— از: مولینا محمد منظور نعمانی
(مدیر الفرقان لکھنؤ)
اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے ——— شروع میں
مولینا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔
اس کا مصنف وہ شخص ہے جو جماعت اسلامی کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے بہت گہرا تعلق رکھتا تھا۔ پھر جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کا شریک اور پہلا رفیق تھا۔ پھر ایک مدت تک اس کا سرگرم داعی رہا، اور مودودی صاحب اور جماعت اسلامی پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دیتا رہا۔
پھر ایک وقت آیا کہ اس کے سامنے مودودی صاحب کی وہ باتیں اور وہ نظریات آئے جو امت کے لئے اور بالخصوص ان کے متبعین کے لئے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں تو اس نے اپنا فرض سمجھا کہ جو کچھ وہ محسوس کر رہا ہے عام مسلمانوں اور خاص کر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے مخلصین تک بھی پہونچا دے
اسی فرض کی ادائیگی کے لئے اس نے یہ کتاب لکھی۔
مصنف نے سلسلۂ کلام تحریک خلافت اور دارالعلوم دیوبند کی اپنی طالب علمی کے دور سے شروع کیا ہے۔ اس دور کی جمعیۃ العلماء اور اس کی خصوصیات ملی آزادی کے بارے میں اس کے خاص تصور کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس سے موجودہ نسل افسوس ہے کہ بالکل ناواقف ہے۔
• ۱۶۴ صفحات • متوسط سائز • اعلیٰ کاغذ • معیاری کتابت و طباعت
• مجلد مع حسین گردپوش • قیمت -/Rs. 9
ناشر:- الفرقان بک ڈپو ۳۱- نیا گاؤں مغربی، نظیر آباد لکھنؤ

ممالکِ غیر سے چندہ سالانہ
محصول ڈاک میں زبردست اضافہ
کے بعد اب نئی شرح یہ ہے
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ۲۰/-
بنگلا دیش سے ۲۰/-
فی شمارہ ۲/-

جلد (۴۸) | بابت اکتوبر و نومبر سنہ ۱۹۸۰ء - ذیقعدہ و ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ | شمارہ (۱۰ و ۱۱)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	نگاہِ اولیں	محمد منظور نعمانی	۲
۲	پندرھویں صدی کا پیغام	جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن	۹
۳	درسِ قرآن	محمد منظور نعمانی	۱۷
۴	معارف الحدیث		۲۴
۵	حضرت حکیم الامتؒ کی محفلِ ارشاد	مولانا نسیم احمد فریدی	۳۳
۶	دارالعلوم دیوبند ہند میں دینِ حنیفی و مذہبِ حنفی کا گہوارہ	مولانا عبدالرشید نعمانی	۴۰
۷	شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ	قاری حبیب الرحمٰن صاحب راولپنڈی	۵۵
۸	وفیات: مرحوم ظفر احمد صدیقی، مولانا مفتی محمود صاحبؒ	محمد منظور نعمانی	۶۹

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس روپے ہندوستانی سکہ میں بینک کے ذریعہ دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں بیس روپے ناظم دفتر اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

یہ شمارہ اکتوبر و نومبر (ذیقعدہ و ذی الحجہ) کا مشترک اور چودھویں صدی ہجری کا آخری شمارہ ہے۔

گزشتہ شمارے میں قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم کی کتاب "تحریک خلافت" کی تلخیص شائع ہوئی تھی جو قریباً ستر صفحات پر تھی، اسی لیے وہ شمارہ دو مہینے (اگست و ستمبر) کا مشترک شائع کرنا پڑا تھا، اور وسط ستمبر میں شائع ہو سکا تھا ــــــ اس کے بعد راقم سطور نزلہ بخار میں مبتلا ہو گیا جس کا سلسلہ دو ہفتے تک جاری رہا، اس کی وجہ سے اکتوبر کے شمارے کی ترتیب و تیاری میں تاخیر ہو گئی تو مناسب سمجھا گیا کہ اکتوبر کے ساتھ ہی نومبر کا شمارہ بھی شامل کر دیا جائے تاکہ رسالہ آئندہ حسب معمول وقت پر شائع ہوتا رہے ــــــ اس میں ایک مصلحت یہ بھی نظر آئی کہ آئندہ مہینے نومبر کا شمارہ قمری حساب سے ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ کا یعنی چودھویں صدی کا آخری شمارہ ہوگا اگر اس کو اکتوبر کے شمارے کے ساتھ شائع نہ کیا جاتا تو وہ ذی الحجہ ختم ہونے کے بعد پندرھویں صدی میں شائع ہوتا اب امید ہے کہ انشاء اللہ یہ مشترک شمارہ ذی الحجہ ختم ہونے اور پندرھویں صدی شروع ہونے سے پہلے ہی ناظرین تک پہنچ جائے گا ــــــ اسی مناسبت سے اس میں نگاہِ اولیں کے بعد ہی سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب کا مضمون "پندرھویں صدی کا پیغام" شائع کیا جا رہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینے کے ختم ہونے کے بعد جب دوسرے مہینے کا چاند دیکھتے تو دعا فرماتے: اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ

وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ" جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ شروع ہونے والے اس مہینے میں ہم بندوں کو تیری طرف سے امن وامان اور ایمان ویقین کی دولت اور ہر بلا سے سلامتی و عافیت اور دینِ حق اسلام پر استقامت نصیب رہے)

ایک مہینہ ختم ہوکر دوسرے مہینے کے شروع ہونے کے مقابلہ میں ایک صدی ختم ہوکر دوسری صدی شروع ہونا ظاہر ہے کہ بہت غیر معمولی واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معمول سے روشنی حاصل کرتے ہوئے ان دنوں میں بہت اہتمام سے دعا کریں کہ آنے والی پندرھویں صدی ہمارے لیے پوری امت مسلمہ کے لیے ہدایت و رحمت اور سلامتی و عافیت کی صدی ہو —— اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بڑے سے بڑا فیصلہ اور کوئی بڑی سے بڑی تبدیلی مشکل نہیں —— اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔

اس ماہ ذی الحجہ کے ختم ہونے کے ساتھ "الفرقان" کی عمر کا اڑتالیسواں سال پورا ہو جائے گا۔ قریباً نصف صدی کی اس طویل مدت میں اس کے ذریعہ دین کی اگر کوئی خدمت ہوئی تو وہ محض رب کریم کی توفیق سے ہوئی اور جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں وہ اپنی تقصیر سے ہوئیں —— اللہ تعالیٰ ان کو اپنے رحم و کرم سے معاف فرمائے۔ اِنَّہٗ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ

ضروری گزارش

پہلے بھی الفرقان میں بار بار لکھا جا چکا ہے کہ

(۱) الفرقان کے دفتری اور انتظامی معاملات سے متعلق مجھ سے خط و کتابت نہ کی جائے۔ براہ راست دفتر کو لکھا جائے۔

(۲) احباب و مخلصین اس عاجز سے صرف ضروری خط و کتابت کریں اور خط بھی مختصر لکھیں۔ فقہی مسائل دریافت کرنے کے لیے دار الافتاء دار العلوم دیوبند یا مظاہر العلوم سہارنپور یا دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرف رجوع کیا جائے۔

—— محمد منظور نعمانی

۱۳ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مرادآباد، علی گڑھ اور الٰہ آباد کا المیہ:-

خاص عید الفطر کے دن اور اس کے بعد مرادآباد کے مسلمانوں پر اور اسی کے ساتھ علی گڑھ اور الٰہ آباد کے مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اور خود امن کے محافظ پولیس اور پی اے سی والوں نے جس طرح ان کو گولیوں کا نشانہ بنایا اور خاص کرفیو کے اوقات میں جس طرح ان کی دکانیں کارخانے اور مکانات لوٹے اور تباہ کیے گئے، اور پھر جس طرح انگریزی اور ہندی پریس نے (اور ان کے ساتھ حکومت کے بعض ذمہ داروں نے بھی) خود مسلمانوں ہی کو ظالم و مجرم قرار دینے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں عجیب و غریب افسانے تراشے[1] ۔ اس واقعہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو پھر جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے اور اُن میں عدم تحفظ کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے ابتک کے رویہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ مسلمانوں کے حصہ میں ذمہ دارانِ حکومت کی طرف سے زیادہ سے زیادہ بس کچھ تسلی آمیز الفاظ اور میٹھے بول ہی آسکتے ہیں۔

اس کھلی حقیقت کے اعتراف سے بھی گریز کیا جارہا ہے کہ اس قتل و غارتگری میں زیادہ اور بنیادی حصہ پولیس اور پی اے سی کا تھا — اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی مداوا اس کے سوا نہیں ہے کہ پولیس اور پی اے سی میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی مناسب تعداد ہو جس کا مسلمانوں کی طرف سے برابر مطالبہ بھی کیا جارہا ہے۔

ہمارے نزدیک یہی مسئلہ ہے جس کو اس معاملہ میں حکومت کی نیت کی کسوٹی سمجھنا چاہیے۔ اگر وہ اس کو قبول کرتی اور عمل میں لاتی ہے تو یہ اُس کی طرف سے اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ اپنے کو ملک کے دوسرے طبقات کی طرح مسلمانوں کے بھی جان و مال کے تحفظ کا ذمہ دار سمجھتی اور اس ذمہ داری کو ادا کرنا چاہتی ہے۔ اور اگر اس مطالبہ کو قبول نہیں کیا جاتا تو حکومت پر سے مسلمانوں کا اعتماد اُٹھ جانا برحق ہوگا اور ان کو سوچنا ہوگا کہ اس ملک میں رہنے کے لیے انہیں کیا کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں مرکزی حکومت کی امن فوج کی تجویز بلاشبہ اچھی تجویز ہے اور ہم کھُلے دل سے اس کا خیر مقدم

---

[1] ان افسانوں کی واضح تردید وزیر اعظم اور یو پی کے وزیر اعلیٰ نے واقعہ کے دو مہینے کے بعد ماہ اگست کو مرادآباد کا دورہ کرنے کے بعد کی ہے۔ کاش یہ تردید بروقت ہو گئی ہوتی۔

کرنا چاہیے لیکن وہ مسئلہ کا پورا حل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ امن فوج ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر آبادی میں نہیں رہیگی۔ اگر کہیں کسی خدانخواستہ فساد ہوگا تو وہ اس وقت پہنچ سکے گی جب اگر سب کچھ نہیں تو بہت کچھ ہو چکا ہوگا۔

راقم سطور سیاست دانوں یا سیاست کاروں میں سے نہیں ہے، بہت مدت پہلے اس میدان سے دور رہنے کا فیصلہ کر چکا ہے لیکن میری عمر [illegible] سال ہے اور میں حالات کے مطالعہ اور غور و فکر کا عادی رہا ہوں، جلیانوالہ باغ اور تحریک ترک موالات سے لیکر اس وقت تک ملک میں جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ سب کھلی کتاب کی طرح میرے سامنے ہے۔ اپنے ساٹھ سالہ مطالعہ اور تجربہ کی بنا پر اس عاجز کی قطعیت کے ساتھ رائے ہے کہ جہاں تک عالم اسباب کا تعلق ہے مسلمانوں کو اپنے جان و مال کے تحفظ کے سلسلہ میں پولیس اور پی اے سی سے متعلق اسی مطالبہ پر اصرار کرنا چاہیے اور اس کو اپنا قومی مطالبہ بنا لینا چاہیے اور حکومت پر واضح کر دینا چاہیے کہ ہمارے نزدیک یہی اسکی نیت کی کسوٹی ہے۔

اوپر کی سطروں میں جو کچھ عرض کیا گیا اسبابی اور عملی تدبیر کے نقطۂ نظر سے عرض کیا گیا ہے اور ہم اس کے مکلف ہیں، اسی کے ساتھ اسی سلسلہ میں دوسری بات مسلمانوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ جس قرآن پر اور اس کے لانے والے جس رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان ہے انھوں نے پوری صراحت و وضاحت سے بتلایا ہے کہ کتاب و پیغمبر والی امتوں کیلئے خداوند عالم کا یہ قانون ہے کہ جب تک انکی زندگی عمومی اور مجموعی حیثیت سے فرمانبرداری والی حقیقی ایمانی و اسلامی زندگی رہیگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکے مسائل و مشکلات میں انکی مدد اور دشمنوں سے انکی حفاظت کی جاتی رہیگی اور ناموافق حالات کو ان کے لیے سازگار بنایا جاتا رہیگا۔ لیکن جب انمیں اللہ و رسول کی نافرمانی اور فسق و فجور کا غلبہ ہوگا تو وہ اللہ کی نظر عنایت و کرم کا استحقاق کھو دیں گے اور اسکی نصرت و حفاظت سے محروم ہو جائیں گے۔ پھر ان پر غضب آئیگا، مظالم ہونگے اور انکی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

قرآن پاک میں اگلی امتوں خاصکر بنی اسرائیل کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں ان سب کا یہی سبق اور پیغام ہے۔

(سورۂ بنی اسرائیل کا پہلا رکوع غور سے پڑھ لیا جائے)

پس ہم مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں یقین کرنا چاہیے کہ اس میں اللہ و رسول کے ساتھ ہمارے تعلق کے بگاڑ کو بھی دخل ہے اور اسکا علاج اسکے سوا کچھ نہیں کہ اسکو درست کریں، وہ زندگی اپنائیں اور امت میں اس کو عام کرنے کی فکر اور جد و جہد کریں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور مدافعت و حفاظت کا وعدہ ہے اور صدیوں امت کا تجربہ بھی موجود ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات کا یہی پیغام ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ــــ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۔ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ــــ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

"حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے"

[برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی فرقہ وارانہ آویزش پر "فاران" لندن کا اداریہ
مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مقیم لندن کے قلم سے]

ہندوستان و پاکستان کے لوگ یو۔کے میں آئے تو رفتہ رفتہ ان کے مطلب و مزاج اور ذوق و پسند کی چیزیں بھی ایک ایک کر کے یہاں آتی اور مہیا ہوتی گئیں۔ کھانے کے وہ تمام مرچ مصالحے جن کے وہ عادی تھے، وہ تمام سبزیاں، تمام پھل، تمام میٹھی اور نمکین چیزیں۔ غرض شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جو ہندوستان و پاکستان میں چلتی ہو اور یہاں نہ ملتی ہو — ایسی چیزیں اگر ہوں گی بھی، تو نہ ہونے کی بنا پر —— اور حد یہ ہے کہ یہاں زیادہ دن سے رہنے والے بتاتے ہیں کہ موسم تک اسی سمت میں بدلتا جا رہا ہے۔ جس کے ہم لوگ اپنے ملکوں میں عادی تھے۔ پندرہ سال پہلے جس قدر برف جیسی سردی اور جیسا کہرا یہاں پڑتا تھا۔ اب اس کا آدھا بھی نہیں رہا۔ بہرحال یہ پردیس بہت کچھ اپنے دیس کے روپ میں آتا جا رہا ہے۔

جہاں تک ضرورت اور کام کی چیزوں کا سوال ہے وہاں تک یہ تبدیلی اللہ کی رحمت اور اس کی ربوبیت۔ مگر ضروری اور کارآمد چیزوں کے ساتھ ساتھ اگر بری چیزیں بھی جن کے ہم عادی و خوگر تھے، درآمد ہونے یا یہیں پیدا ہونے لگیں تو پھر یہ خوش ہونے کی نہیں فکرمند ہونے کی بات ہے۔ اور بدقسمتی سے یہ بات ہو رہی ہے۔

ہمارے سامنے یہاں ہندوستان و پاکستان سے آنے والے تمام لوگوں کا نہیں صرف مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ یہ یہاں آئے تو رفتہ رفتہ مسجدیں بھی قائم ہونے لگیں۔ دینی باتوں کا چرچا اور دینی ضرورتوں کی فکر بھی شروع ہو گئی۔ علمائے کرام بھی وعظ و تذکیر کے لیے مدعو کیے جانے لگے۔ مساجد کی آبادی اور مدارس و مکاتب کے قیام کے لیے ان کے مستقل قیام کی صورت بھی پیدا ہونے لگی۔ تبلیغی جماعتوں نے الگ ہر طرف متحرک خانقاہوں کی شکل پیدا کر دی۔ یہ ایسی مبارک بات تھی کہ کچھ زیادہ کہنے

کی ضرورت نہیں۔ تثلیث کی زمین پر توحید کے چرچے ہوں، گرجوں کے ملک میں مسجدوں کی بنیاد پڑے۔ اللہ و رسول کی بات سننے کے لیے لوگ وقت نکالیں۔ اور دنیا کی ہماہمی میں آخرت کی آواز پر بھی کان لگائیں۔ کیا ہی مبارک ہے! ——— مگر ان اچھی اور قیمتی باتوں کے ساتھ ساتھ جو مذہبی مناقشے اور باہمی جدال و قتال ہماری مذہبی زندگی کا جزو ہمارے ملکوں میں بنے ہوئے ہیں اور جنھوں نے مفید اور مثبت دینی کام کرنے والوں کی زندگی دوبھر کر رکھی ہے۔ وہ مناقشے اور جھگڑے بالآخر یہاں بھی پہنچ گئے ہیں۔

اور ہماری بدقسمتی ہے کہ اب یہاں پر مناظرہ بازیاں بھی ہیں، مذہبی تفرقہ اندازیاں بھی ہیں۔ تکفیری گولوں کی تراخ پڑاخ بھی ہے اور مسجدوں سے ایک دوسرے کا اخراج بھی۔ مسجدیں نوحہ کناں ہیں کہ اول تو انھیں نماز کے بجائے فساد کا اکھاڑہ بنا کر بے آبرو کیا جاتا ہے اور پھر ان کے دروازوں پر عدالت کا قفل چڑھتا ہے کہ تا انفصال مقدمہ اب یہاں کوئی ایک سجدہ بھی نہ گزار سکے گا۔ کوئی ہے جو مسجدوں کا، مقدس مسجدوں کا —— یہ غمناک نوحہ سن سکے؟ اور مسجدوں ہی کا نہیں، اسلام کا نوحہ سن سکے، کہ کیسی بے دردی سے اس کے فرزند اس کی محبت اور اس کے لیے جاں نثاری کے نام پر اس کا مضحکہ غیروں میں اڑوا رہے ہیں!

جمعۃ الوداع جیسے دن اور اس کے بعد عید جیسے مبارک موقع پر، کہ جہاں جانے اور انجانے سب ایک دوسرے سے عید ملا کرتے ہیں اور جو اس مقدس مہینے کا اختتام ہے جس کے روزوں کی ریاضت خاص طور پر نفس کو قابو میں لانے اور ایک دوسرے کا غم خوار بنانے ہی کے لیے فرض کی گئی ہے۔ ایسے دو مبارک اور مقدس دنوں میں سمال ہیتھ کے مقام پر (برمنگھم) میں اس "مذہبی" فساد انگیزی کے ہاتھوں مسلمانوں میں عین مسجد کے اندر جو خونریزی ہوئی ہے اس کی رپورٹ دیتے ہوئے لندن کا موقر روزنامہ "گارڈین" لکھتا ہے کہ

"دس مسلمان اور دو پولیس مین اس لڑائی میں زخمی ہوئے۔ اور اب یہ مسجد تا حکم کورٹ کے فیصلے تک بند اور پولیس کی نگرانی میں رہے گی۔"

پھر لکھتا ہے:

"پچھلے دس (ادادہم) کی اس مسجد میں اس سال سے مسلمان نہایت امن و سکون سے ایک

ساتھ نماز پڑھتے آرہے تھے۔ ان میں تفرقہ جہاں سے شروع ہوا وہ ایک بریلوی گروہ کے عالم کی آمد تھی۔ جس نے نمازیوں کی ایک تعداد میں اپنے خاص عقائد کے لیے ایسا جوش بھر دیا کہ انھوں نے ایک اپنا ایک علاحدہ گروپ بنا لیا...... اور کوئی سو گز کے فاصلے پر ایک علاحدہ جگہ نماز شروع کر دی۔"

اس کے بعد یہ بتاتے ہوئے کہ اس علاحدگی پسند گروہ نے اس نئی جگہ کی تنگی اور پاس پڑوس کے لوگوں کی شکایت کی وجہ سے پرانی مسجد ہی میں واپس کا ارادہ کیا اور جمعۃ الوداع کی رات میں جبکہ نماز ہو رہی تھی وہ آیا اور یہیں سے جھگڑا شروع ہوا ـــــ یہ قصہ بتاتے ہوئے اس نے جو چٹکی لی ہے تو بس ایسی کہ دل رونے کو آجائے۔ ع

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

لکھتا ہے:

لڑائی کی ابتدا گزشتہ جمعہ کی رات کو رمضان کے دوران میں ہوئی، جبکہ مذہبی جذبہ کی حرارت بہت ہی اونچی لَے پر جا رہی تھی۔"

آخری الفاظ پڑھیے اور سوچیے کہ ہم ان "مذہبی" فسادانگیزیوں سے مذہب کے بارے میں کیا تصور لوگوں کو دے رہے ہیں اور اپنی جگ ہنسائی کے ساتھ ساتھ اسلام کی بھی کیسی رسوائی کا سامان غیروں کی نگاہ میں کیسے دے رہے ہیں۔ اے اللہ رحم کر اور سمجھ دے۔

ان سے نہ صرف اسلامی بلکہ انسانی اخلاق کی تاریخ زرّیں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔
اس عہد میں ایران، شام، بیت المقدس، عراق، طرابلس، مصر، ایشیائے کوچک، قبرص، خراسان، طبارستان اور جرجان وغیرہ کی فتوحات کی تفصیل پڑھ کر ایمانی حرارت پیدا ہوتی ہے، حضرت اسامہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ، حضرت عبداللہ بن عامرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ جیسے فوجی قائدین سے مسلمانوں کی سپہ گری اور نبرد آزمائی کی تاریخ بھی زرّیں بنی، مگر اسی دور کی دکھ بھری کہانی یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ شہید ہوئے، جنگ جمل بھی ہوئی جس میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ جیسے اکابر صحابہ اللہ کو پیارے ہوئے، جنگ صفین بھی آپس ہی کے اختلاف کی لڑائی تھی جس میں ایک لاکھ آدمی جاں بحق ہوئے، عمرو بن العاصؓ کے فیصلے سے اختلاف کی بنیاد پڑی تو بنو ہاشم اور بنو امیہ میں مستقل عناد پیدا ہو گیا، خارجیوں کا فرقہ وجود میں آیا، حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلافت کے بجائے ملوکیت قائم ہو گئی۔

بنو امیہ نے مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا، ان کی مملکت کے اندر حجاز، عراق عمان، بحرین، کرمان، سیستان، کابل، خراسان، سندھ، موصل، آذربائیجان، آرمینیا، دمشق، اردن، حمص، مصر اور شمالی افریقہ کے سارے علاقے رفتہ رفتہ آ گئے، اندلس، سسلی، سارڈینیا اور بحیرۂ روم کے جزیرے بھی شامل تھے۔ ان کی فوجیں اندلس سے نکل کر پرتگال اور فرانس کے حدود میں داخل ہو گئی تھیں، یہ ایسے فوجی کارنامے ہیں جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے، ان کے فرماں رواؤں میں سے ولید، سلیمان اور ہشام کی سطوت اور حشمت سے رومی اور عیسائی سلطنتیں بھی لرزہ براندام رہیں، مگر ان ہی کے عہد میں کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف لشکر کشی میں خانہ کعبہ پر بھی آتش باری کی گئی، ان کی لاش تین دن سولی پر لٹکتی رہی۔ اور جب ولید بن عبدالملک کے زمانے کے فوجی قائدین میں قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نے اسلام کا جھنڈا ترکستان، بخارا، سمرقند، غرناطہ، قرطبہ، طلیطلہ، طوانہ، عمرانہ، سرطوس اور سندھ پر لہرایا، تو یہ بھی المیہ ہے کہ اسی خاندان کے

حکمراں سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں یہ چاروں مایۂ ناز فوجی قائدین موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

یہ کیسا دردناک پہلو ہے کہ اسلام ساری تفریق مٹانے آیا تھا، مگر بنو ہاشم بنو امیہ کو برا سمجھنے لگے۔ شیعان علیؓ خلفائے ثلاثہؓ اور ان کے بعد کے تمام مسلمان حکمرانوں کو غیظ و غضب کی نظر سے دیکھنے لگے، خارجیوں نے امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے حامیوں کو گمراہ خیال کیا، عربی اور عجمی، عدنانی اور قحطانی، یمنی اور مصری کے نسلی امتیازات اور باہمی تعصبات بھی اچھی طرح ابھر گئے، حسد، رقابت، عناد اور نفاق اسلام کی تعلیم کے منافی ہے، مگر ان رذائل کی بدولت ولید ثانی اور یزید بن عبد الملک کا قتل بھی ہوا اور جب عباسیوں نے بنو امیہ کو مغلوب کیا تو ان کو چن چن کر قتل کیا اور ان کے اسلاف کی قبریں کھدوا دیں۔

بنو عباس کی حکومت تقریباً پانچ سو برس رہی، ان کی سلطنت کے حدود بنو امیہ سے تو نہیں بڑھے مگر ان کے فرماں رواؤں میں منصور کے زمانہ سے عباسی خلفا روحانی پیشوا بھی تسلیم کیے جانے لگے، ہارون رشید کے عہد کی تمدنی شان و شوکت، علوم و فنون کی ترقی، سیاسی بیدار مغزی، انتظامی اور فوجی قوت میں دنیا کی شاید ہی کوئی حکومت اس کا مقابلہ کر سکتی تھی، مامون رشید کے عہد میں جو علمی ترقی ہوئی وہ بھی مسلمانوں کی تاریخ کا زریں باب ہے۔

اسی کے ساتھ ان صدیوں میں مسلمانوں کے اختلافات کی تاریخ بھی دردناک رہی، علویوں، خارجیوں اور زندیقوں کو فرو کرنے میں جانی اور مالی نقصانات ہوتے رہے، باہمی نفاق کی وجہ سے ابو سلمہ، جعفر برمکی، فضل بن سہل، ابراہیم بن علی موسیٰ بن مصعب، نظام الملک طوسی، مامون رشید کے بھائی امین اور خلیفہ متوکل علی اللہ کا قتل بھی ہوا، مختلف علاقوں کے مسلمان حاکم مسلمانوں ہی کی حکومت کے خلاف بغاوتیں بھی کرتے رہے۔

جن علاقوں کی بغاوتیں سر نہ ہو سکیں، وہاں خود مختار حکومتیں قائم ہوتی گئیں، اندلس میں اموی خلافت قائم ہو گئی، مصر میں فاطمیوں کی حکومت بن گئی، شمالی افریقہ میں ادریسی، قیروان و صقلیہ میں اغلبی، یمن میں محمد بن ابراہیم نے زیادی، خراسان میں طاہر بن حسین نے طاہری

دیلم اور طبرستان کے کوہستانی علاقہ میں علوی، سیستان میں صفاری، ماوراء النہر میں سامانی، دیلم کے علاقہ میں آل بویہ نے دیلمی، وسط ایشیا میں سلجوقی، اور موصل میں زنگی اور ایوبی حکومتیں علاحدہ علاحدہ قائم ہوگئیں۔

ان خاندانوں کے فرمانرواؤں میں کچھ ایسے بھی گزرے جن پر مسلمانوں کو فخر ہو سکتا ہے، اندلس کے عبد الرحمٰن اول، اور ہشام بن عبد الرحمٰن نے قرطبہ کو سجا کر نادرۂ روزگار بنا دیا۔ وہاں کے عبد الرحمٰن ناصر کی فوج دنیا کی بہترین فوج سمجھی جاتی تھی، حکم ثانی کے زمانہ میں اندلس علم و فن کا قابل رشک مرکز بن گیا تھا، سلجوقیوں میں طغرل نے ایک عالم کو اپنے سامنے جھکا لیا تھا، اس لیے سلطان العالم کہلاتا تھا، اسی خاندان کا ملک شاہ اپنی جہاں بانی کی بنا پر دنیا کے بہترین فرمانرواؤں میں شمار کیا جاتا تھا، زنگی خاندان میں نورالدین زنگی نے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کردی تھی، صلاح الدین ایوبی اپنی حکمرانی اور صلیبی لڑائیوں میں اپنی ہوشمندانہ پامردی کی وجہ سے آج بھی حکمرانوں کے لیے مشعل ہدایت ہے، اس نے بیت المقدس فتح کیا تو یورپ کے فرمانروا اپنی مشترکہ کوششوں کے باوجود اس کو اس سے واپس نہ لے سکے۔

نسلی، قبائلی، علاقائی، اور ذاتی مفاد پرستی میں جو چھوٹی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں، وہ سب رفتہ رفتہ ختم ہوگئیں، ان کے زوال کے اسباب جہاں سیاسی، اقتصادی، فوجی اور معاشرتی تھے، وہاں ایک بڑا سبب ان کی باہمی آویزش تھی، ان میں اتفاق کے بجائے نفاق، اتحاد کے بجائے انتشار اور یگانگت کے بجائے منافرت رہی، یورپ کے عیسائی اندلس میں مسلمانوں کی حکومت کی بیخ کنی میں برابر لگے ہوئے تھے، ایسے موقعوں پر وہاں کے مسلمانوں کو متحد رہنا چاہیے تھا، مگر ان کو مصر کے فاطمیوں سے برابر خطرہ رہا، پھر بربری مسلمانوں اور ملوک عربوں کے باہمی اختلافات نے آگ پر تیل ڈالا، اس طرح ساڑھے آٹھ سو برس کے بعد مسلمان اس مملکت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے، جس سے عالم اسلام کے مسلمانوں کی عزت و تمکین پر ایسا زد پہنچنے کا موقع اس لیے ملا کہ طوائف الملوکی تھا بی شتان کسے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے

ان ریاستوں کی علاحدگی پسندی سے بنو عباس کی حکومت بھی کمزور ہوتی گئی، ہاشمیوں اور علویوں کے علاوہ عربوں، عجمیوں اور ترکوں، شیعوں اور سنیوں، حنفیوں اور حنبلیوں کی باہمی آویزشوں سے یہ اور بھی بے جان ہو گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر تاتاریوں نے اس کو روند ڈالا تو مسلمانوں کی ایک ایسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا جس کے پیچھے بڑی شاندار روایات تھیں۔

تاتاریوں نے سلجوقیوں کو بھی تہس نہس کیا، مگر ان کی خاک سے ایشیائے کوچک میں دولت عثمانیہ ابھری جو آگے چل کر ٹرکش امپائر کہلائی۔ ایک زمانہ تھا کہ اس کے قلمرو میں مشرق وسطیٰ کے علاوہ یورپ میں سرویہ، بلغاریہ، سلونیکا، البانیہ، بوسینا، روڈس، ہنگری، بلغراد اور کریمیا وغیرہ بھی تھے۔ سلطان محمد فاتح تو روم کو بھی فتح کرنا چاہتا تھا۔ سلطان سلیم اول کے بعد تو یہاں کے سلاطین مسلمانوں کے خلیفہ بھی ہو گئے، سلطان سلیمان اعظم کے نام سے یورپ کی سلطنتیں بھی لرزتی تھیں، سلطان سلیم ثالث نے تو فرانس کے نپولین اعظم سے بھی ٹکر لی، سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں عثمان پاشا نے ایسی بہادرانہ جنگ کی وہ شیر پلونا کے نام سے مشہور ہوئے۔

یورپ کے عیسائیوں کی نظروں میں دولت عثمانیہ بھی برابر کھٹکتی رہی۔ ترکوں کو محتاط بن کر اپنی یکجہتی کا ثبوت دینا چاہیے تھا، مگر ان میں بھی اندرونی طور پر بڑا اختلاف رہا، سلطان عثمان دوم اور سلطان سلیم ثالث قتل کیے گئے، سلطان مصطفیٰ، سلطان ابراہیم، سلطان مصطفیٰ دوم اور سلطان محمد ثانی معزول کیے گئے، سلطان مراد اور سلطان احمد سوم کے وزیر اعظم بھی ہلاک کیے گئے۔ ترکوں نے جو مسلم عیسائیوں کی ایک فوج ینی چری کے نام سے تیار کی تھی ان کی ریشہ دوانیوں سے اندرونی طور پر بڑا انتشار رہا۔

ایران کے صفوی سلاطین نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تو وہ ترکوں کے معاند بن گئے، وہاں نادر شاہ کے حملوں نے ان کو اور کمزور کر دیا، مصر کی ماتحت ریاست ذوالقدریہ نے ان سے سرکشی اختیار کی، ان اختلافات سے یورپ کی عیسائی حکومتیں کیوں نہ فائدہ اٹھاتیں، سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانہ میں انگریزوں نے قبرص پر قبضہ کر لیا، مصر کو بھی اپنی نگرانی میں لے لیا،

سوڈان پر لارڈ کچنر کا غاصبانہ اقتدار ہو گیا، اٹلی نے طرابلس کو زیرنگیں کر لیا، پھر یورپ کے سامراجیوں نے بلقان کی جنگ چھیڑ کر ترکوں کے یورپی علاقوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جب ترکوں نے پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کا ساتھ دیا تو ان کی شکست کے بعد حجاز، عراق اور فلسطین کو انگریزوں نے لے لیا، شام فرانس کے قبضہ میں آگیا، ایشیائے کوچک یونان کو ملا، قسطنطنیہ اور آبنائے باسفورس سب کی مشترکہ ملکیت میں آگئے، سلطان عبدالحمید دوم کی خلافت ختم کر دی گئی تو دولت عثمانیہ کا دور بھی تقریباً ساڑھے چھ سو برس کے بعد ختم ہو گیا۔ ترکی میں جمہوری حکومت مصطفےٰ کمال کی صدارت میں قائم ہوئی۔ مگر خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کی جو مرکزیت تھی وہ جاتی رہی۔

اور جب مسلمانوں کی حکومتیں علاحدہ علاحدہ قائم ہو رہی تھیں تو چوتھی صدی ہجری میں افغانستان میں غزنویوں کی حکومت قائم ہوئی جو تقریباً ڈیڑھ سو برس رہی، سلطان محمود غزنوی دنیا کے عظیم ترین فاتحوں اور حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر غزنویوں کا خاتمہ غوریوں کے ہاتھوں ہوا، شہاب الدین غوری کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی باضابطہ حکومت قائم ہوئی جو مختلف خاندانوں میں منتقل ہو کر ساڑھے چھ سو برس تک رہی، غلام سلاطین میں قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش اور غیاث بلبن، خلجیوں میں علاؤ الدین خلجی، تغلقیوں میں محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق، افغانوں میں شیر شاہ، مغلوں میں بابر، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے کارناموں پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ہندوستان کو جنت نشان بنا دیا تھا۔

مگر یہاں بھی مسلمانوں کی حکومت میں افراتفری رہی۔ تیمور مسلمان تھا، مگر دہلی پر حملہ کر کے ایک مسلمان کی حکومت کو بے جان کر گیا، امراء برابر آپس میں لڑتے رہے، مغلوں کے آخری دور میں ہندوستانی اور غیر ہندوستانی، شیعہ اور سنی امراء کے اختلافات سے حکومت کی بنیاد ہل گئی، پھر نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی پر کلنک کا یہ ٹیکہ ہمیشہ کے لیے لگ گیا کہ مسلمانوں کی ایک سلطنت پر حملہ آور ہو کر اس کو ختم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

چودھویں صدی ہجری میں نجد، حجاز، عسیر، یمن امارت نواحی تسعہ، بحرین، کویت، عراق بشمول فلسطین و شام اور مصر پر بظاہر عربوں کی حکومتیں رہیں، مگر ان پر یورپ کی سامراجی قوتیں چھائی رہیں، ان میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی تو مصر، سوڈان، عراق اور حجاز کو انگریزوں کی سامراجیت سے برأت ہوئی، الجزائر اور مراکش فرانسیسیوں کی غلامی سے آزاد ہوئے، یمن، ٹیونس اور لبنان کو بھی آزادی ملی، مگر فرنگی سیکاڈیوں نے عراق اور اردن کو کاٹ دیا، یمن کے دو ٹکڑے کر دیے، لبنان کو عیسائیوں اور عربوں کے لیے وجہ تنازعہ بنا دیا، فلسطین اور خصوصاً بیت المقدس پر اسرائیلیوں کا قبضہ کرا دیا۔

کچھ نئی ریاستیں بھی بنیں، بحرین، قطر اور ابوظہبی انگریزوں کے اثر سے آزاد ہوئیں تو عرب امامات کے نام سے اتحاد قائم بنایا، مسقط، عمان، زنجبار کی اب علاحدہ ریاستیں ہیں، افریقہ میں لیبیا، نائیجیریا اور مالی میں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں، انڈونیشیا ولندیزیوں سے آزاد ہو کر اس وقت سب سے بڑی مسلم ریاست ہے، ملیشیا بھی اب ایک مسلم ریاست بن گئی ہے، پاکستان ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی قربانیوں سے وجود میں آیا، مگر باہمی آویزش سے اس کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے، بنگلہ دیش اب ایک علاحدہ مسلم ریاست ہے۔

عربوں نے قومیت کے سہارے اپنے کو منظم کرنے کی کوشش کی مگر ٹرکش امپائر نے ان کو جتنا متحد کیا تھا، اتنا وہ عرب قومیت کے نام پر متحد نہ ہو سکے، سعودی عرب کے شاہ فیصل مرحوم نے تمام مسلمانوں کو اسلام کی لڑی میں پرونے کی کوشش کی، مگر وہ اپنے ایک عزیز کے ہاتھوں ہی لقمۂ اجل بنے، اب سارے عرب حکمت فرنگی سے سیاسی کھلونے بن کر رہ گئے، ع

جو سراپا ناز تھے ہیں مجبور نیاز

جمال الدین افغانی نے بھی پان اسلام ازم کی تحریک چلائی تھی، ڈاکٹر محمد اقبال کی تمنا تھی کہ نیل کے ساحل سے کاشغر کی خاک تک مسلمان ایک ہوں، مگر وہ اپنی آرزوں کے خواب کی

تعمیر کیا دیکھتے کہ سمرقند، بخارا اور تاشقند جہاں سے اسلامی علوم و فنون کا سرچشمہ بہا تھا کمیونزم کے زیر اثر ہیں، عراق اور شام نے اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر اشتراکی خیالات کو اپنایا ہے، افغانستان روس کی گود میں جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ سعودی عرب، پاکستان اور ایران سے اسلامی دستور کی آواز بلند ہوئی، مگر اب تک اس کے عملی پہلو وہاں سامنے نہیں آئے ہیں۔

مسلمان اپنی نسبت ابراہیمی سے معمار جہاں بننے کے لیے آئے تھے وہ راز کن فکاں تھے۔ آخری نبوت کے امین تھے، زمین ایشیا کے پاسبان بنائے گئے تھے، مگر وہ سوچیں کہ اب کیا ہیں؟ یہ صحیح کہ کسی زمانہ میں انھوں نے جہانداری، جہانبانی اور جہاں بینی کی اعلیٰ مثالیں پیش کیں مگر اب وہ اپنے عروج سے زیادہ اپنے زوال کے اسباب پر غور کریں وہ اسلامی اخلاق کے فضائل سے آراستہ رہے تو ابھر کر چھیٹے بیلے اور پلٹ کر جھپٹے مگر دنیاوی اخلاق کے رذائل میں مبتلا ہوئے تو گرے اور گرتے چلے گئے، اسلام کی تعلیم تھی کہ مسلمان اپنی یگانگت اور مواخات میں سیسے کی دیوار بنے رہیں کسی ایک مسلمان کے تلوے میں خار چبھے تو دوسرا مسلمان اس کی خلش اپنے سارے جسم میں محسوس کرے۔ مگر ان کی تاریخ میں ان کی باہمی عداوت، افتراق پسندی اور نفاق پروری کی ایسی مثالیں ہیں کہ حالی نے آزردہ ہو کر کہا تھا کہ

کرنا اتفاقی نے کھویا ہے ہم کو   اسی حب ذرہ نے ڈبویا ہے ہم کو

اس کی وجہ یہ بتائی تھی کہ

نہیں جانتے یہ کہ جاتے کدھر ہیں   گئے بھول رستہ وہ یا راہ پر ہیں

ان کے دل کی درد بھری آواز یہ تھی کہ

انھیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے   ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دے

حالی کے بعد اقبال نے یہ پیام دیا تھا ؏

تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

پندرھویں صدی کا آغاز بھی مسلمانوں کو یہی پیام دے گا:

——— (معارف)

درسِ قرآن

محمد منظور نعمانی

(سلسلہ کے لیے جولائی کا شمارہ ملاحظہ ہو)

● — واقعۂ حدیبیہ میں اگر جنگ کی نوبت آجاتی تو دشمنانِ اسلام کو شکست فاش ہوتی۔ لیکن اللہ نے جنگ کی نوبت نہ آنے دی اس میں اسلام اور مسلمانوں کی بڑی مصلحتیں تھیں۔

● — دشمن کی اشتعال انگیزی کے وقت جذبات پر قابو رکھنا اور عقل اور دین کی رہنمائی میں چلنا کامیابی کی کلید ہے۔

حمد و صلوٰۃ — اعوذ — اور — بسم اللہ — کے بعد

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن
تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ
عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ
مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم
مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ
تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ إِذْ جَعَلَ

الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○

سورۃ الفتح - آیات ۲۲ - ۲۶

اور اگر یہ کافر لوگ تم سے جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ پھیر کے بھاگتے، پھر یہ نہ کوئی کارساز پاتے نہ مددگار، یہی اللہ کی سنت (اور اس کا دستور ہے) جو پہلے سے جاری ہے، اور تم کبھی نہ پاؤگے اللہ کی سنت (اور دستور) میں کوئی تبدیلی ـــــ وہی اللہ ہے جس نے روک دیے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے وادیٔ مکہ میں، بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو دیدیا تھا، اور اللہ خوب دیکھ رہا تھا جو کچھ تم کر رہے تھے ـــــ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر و انکار کا رویہ اختیار کیا تھا اور تم کو روکا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے ـــ اور قربانی کے جانوروں کو اپنی قربانی کی جگہ پہنچنے سے اور اگر مکہ میں بہت سے ایسے مومن مرد اور مومنہ عورتیں نہ ہوتیں جن کے بارے میں خطرہ تھا کہ (جنگ کی صورت میں) تم ان کو بے خبری میں روند ڈالوگے، پھر علم نہ ہونے کے باوجود تمہارے سر اُن کا الزام آجائیگا (تو اللہ جنگ کا حکم دیدیتا) لیکن اللہ نے یہ حکم اس لیے نہیں دیا) تاکہ وہ جسکو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اور اگر وہ لوگ الگ ہوگئے ہوتے تو ہم اُن میں سے اُن لوگوں کو دردناک عذاب دیتے جنھوں نے کفر و انکار کا راستہ اپنایا تھا۔ اور اُس وقت کا خیال کرو جب کافروں نے اپنے دلوں میں بیجا ضد، جاہلیت کی بے جا ضد کرنے کی ٹھان لی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت و طمانیت نازل فرما دی اپنے رسول پر اور مومنین پر اور پابند کردیا ان کو تقوے کی بات کا اور یہ اس کے بہت حقدار و سزاوار تھے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (سورۃ الفتح آیات ۲۲ تا ۲۶)

(تفسیر و تشریح) سورت کے شروع میں صلح حدیبیہ کا ذکر تھا اور اس کو "فتح مبین" بتلایا گیا تھا اور اس کے ثمرات و برکات اور اصحاب حدیبیہ پر ہونے والے خداوندی انعامات کا بیان فرمایا گیا تھا ـــــ پھر اُن لوگوں کی سرزنش کی گئی تھی جو ضعف ایمان کی وجہ سے حدیبیہ والے سفر

میں حضور کے ساتھ نہیں نکلے تھے ـــــ اس کے بعد اصحاب حدیبیہ کو فتح خیبر کی، اور اُس کے ساتھ فتح مکہ اور دوسری فتوحات کی بھی خوشخبری سنائی گئی تھی۔

اب ان آیتوں میں پھر حدیبیہ کے سلسلہ کے بعض واقعات کا اور اس اہم موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ظہور میں آیا اس کے مصالح اور اسرار کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

آپ حضرات کو یاد ہوگا حدیبیہ کے اس سفر میں ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ پوری جنگی فضا قائم ہوگئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام رفقاء سے جن کی تعداد ۱۴۰۰-۱۵۰۰ کے قریب تھی زندگی کے آخری سانس تک راہ خدا میں جہاد کی بیعت لی تھی اور اس وقت ہر شخص جہاد اور قربانی کے جذبہ سے سرشار تھا۔ لیکن پھر جنگ کی نوبت نہیں آئی بلکہ بات صلح پر ختم ہوگئی

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ منجانب اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا ـــــ لیکن بظاہر اسباب اس میں دو باتوں کا خاص دخل تھا ـــــ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر عمرہ کی نیت سے کیا تھا اور آپ کعبۃ اللہ اور حرم کے احترام میں تا امکان جنگ اور خونریزی سے بچنا چاہتے تھے ـــــ دوسرے یہ کہ قریش مکہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کے رفقاء نے زندگی کے آخری سانس اور خون کے آخری قطرہ تک آپ کے ہاتھ پر اللہ کے راستہ میں جہاد و قتال کی بیعت کی ہے اور ایسے جوش و خروش سے یہ بیعت ہوئی ہے تو ان کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور انھوں نے مصالحت کی بات کے لیے اپنے نمائندے بھیجے اور دس سال تک کے لیے نا جنگ معاہدہ کی تجویز خود اپنی طرف سے رکھی اور یہ بھی پیشکش کی کہ آئندہ سال آپ اسی طرح اپنے رفقا کے ساتھ عمرہ کے لیے آئیں۔ ہم تین دن کے لیے شہر مکہ کو خالی کر دیں گے۔ تاکہ کسی تصادم کا اندیشہ ہی نہ رہے۔ بہرحال بظاہر اسباب ان دو باتوں کی وجہ سے جنگ کے بادل چھٹ گئے اور بالآخر صلح ہوگئی ـــــ لیکن فی الحقیقت یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوا۔ اسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر آمادہ کیا کہ تا امکان جنگ سے بچنا ہے اور اسی نے کفار مکہ کے دلوں میں رعب ڈال کے ان کا رخ صلح کی طرف موڑ دیا ـــــ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ

ان آیتوں میں اسی صورت حال کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ..... وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ـــــ مطلب یہ ہے

کہ اگر یہ کفارِ مکہ آمادۂ صلح نہ ہوتے اور جنگ ہی کرتے جیسے کہ شروع میں اُن کے تیور تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری بھرپور مدد ہوتی اور یہ مشرکین بری طرح شکست کھاتے اور میدان چھوڑ کے بھاگتے اور کہیں سے اُن کو مدد نہ ملتی ــــــ آگے فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ کی سنت اور اس کا دستور ہے وہ ایسے مواقع پر اپنے مخلص اور وفادار مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے اور اُن کے دشمنوں پر ان کو غلبہ دیتا ہے اور یہ وہ سنۃ اللہ اور خداوندی قانون و دستور ہے جو کبھی نہیں بدلتا ــــــ

قرآن پاک میں جابجا اس سنۃ اللہ اور قانونِ خداوندی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کہیں فرمایا گیا "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝" ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے: "إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا" ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: "إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ" وغیرہ ــــــ ان سب آیتوں میں اسی سنۃ اللہ کا بیان ہے۔

آگے کی آیت میں غالباً حدیبیہ ہی کے سلسلہ کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب حضرت عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ والوں کو یہ بتلانے اور سمجھانے کے لیے گئے ہوئے تھے کہ ہم صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور عمرہ کرکے ہم خاموشی سے واپس چلے جائیں گے۔ اور حضرت عثمان کی واپسی میں دیر ہوئی اور کسی غلط فہمی سے حضور کو یہ خبر پہنچی کہ عثمان مکہ میں شہید کر دیے گئے، تو فطرتی طور پر آپ کے تمام رفقا میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔ اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ مشرکین مکہ کا ۵۰-۶۰ آدمیوں کا ایک دستہ جو اس ناپاک غرض سے بھیجا گیا تھا کہ اگر موقع ملے تو وہ حضور کو معاذ اللہ شہید کر دے۔ صحابہ کرام نے اُس کے سب آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور اُس اشتعال کی فضا میں بعض لوگوں کے دل میں آیا کہ ان سب کو قتل کر ڈالا جائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا، اور ظاہر ہے کہ اگر یہ لوگ قتل کر دیے جاتے تو یقیناً حضرت عثمان اور اُن کے رفقا مکہ معظمہ میں شہید کر دیے جاتے، اور پھر فریقین میں سخت خونریز جنگ ہوتی ــــــ تو اگلی آیت میں غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝

مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت و مشیت تھی جس نے اس موقع پر دونوں فریقوں کے

ہاتھ ایک دوسرے کے قتل سے روک دیے، مکہ سے حضرت عثمان اور اُن کے ساتھی صحیح سلامت واپس آگئے اور مشرکین کے جو ۵۰ — ۶۰ آدمی گرفتار کر لیے گئے تھے ان کو بھی اللہ نے تمہارے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا اور اس طرح جنگ کی نوبت نہ آنے دی ——— آخر میں فرمایا گیا ہے "وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝" یعنی اُس وقت کے تمہارے اعمال و احوال پر اللہ تعالیٰ کی برابر نظر تھی، یہ جو کچھ ہوا اسی کی توفیق سے ہوا، اس کی حکمت کا یہی تقاضا تھا۔

آگے کی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ کفارِ مکہ اپنی کافرانہ سرکشی اور ظالمانہ و مجرمانہ حرکتوں کی وجہ سے مستحق تو اسی کے تھے کہ اُن کے خلاف جنگ کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا جاتا اور ان کا قلع قمع کر دیا جاتا۔ لیکن دو باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے اس وقت جنگ حکمت و مصلحت کے خلاف تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ کی نوبت نہ آنے دی اور صلح پر بات ختم کرائی ———

فرمایا گیا ہے "هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ...... لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝"

مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ وہ مجرمین ہیں جنھوں نے ہمارے رسول کی دعوتِ ایمان و توحید کا انکار کر کے کفر اور اپنا لعنت کا رویہ اختیار کیا اور اب انھوں نے آپ کو اور آپ کے رفقا کو عمرہ میں اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے بھی روکا اور قربانی کے جانوروں کو قربان گاہ تک نہیں جانے دیا۔ ...... اس لیے یہ بدکردار مستحق تو اسی کے تھے کہ ان کے خلاف جنگ کرنے اور طاقت استعمال کرنے کا حکم دیا جاتا لیکن دو وجہوں سے اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ حکم نہیں دیا اور جنگ کی نوبت نہ آنے دی ——— ایک یہ کہ مکہ میں ایسے بہت سے مسلمان تھے جو اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے اور وہ ان کافروں کے ساتھ ہی رہ رہے تھے الگ ان کی کوئی بستی نہیں تھی، تو اگر جنگ ہوتی تو اس کا بڑا خطرہ تھا کہ وہ بھی بے خبری میں اور بلا ارادہ تمہارے نیزوں اور تلواروں کا نشانہ بن جائیں اور تمہارے ہی ہاتھوں شہید ہو جائیں ——— اور پھر تمہارے سر ان کی شہادت کا الزام آتا اور تمہیں ندامت اور افسوس ہوتا (فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ کا یہی مطلب ہے۔)

اور اسی طرح کی بلکہ اس سے بھی بڑی دوسری وجہ اور مصلحت جنگ کا حکم نہ دینے میں یہ تھی کہ اس وقت کے کفارِ مکہ میں بہت سے وہ لوگ تھے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ ایمان

لاکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو دین کے داعی اور اللہ کے سپاہی بنکر حضور کے ساتھ جنت میں جائیں گے ـــــ تو اگر اس وقت جنگ کی نوبت آجاتی تو وہ سب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس جنگ میں شریک ہوتے اور مسلمانوں کی تلواروں کا نشانہ بن کر جہنم رسید ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا ہوا کہ اس وقت جنگ نہ ہو اور ان لوگوں کو مہلت مل جائے اور یہ ایمان لاکر اللہ کی رحمت کے دائرہ میں آجائیں ـــــ چنانچہ ان میں سے ایک اچھی خاصی تعداد نے تو جلد ہی صلح حدیبیہ کے اس واقعہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کر لیا، ان میں حضرت خالد بن الولید اور حضرت عمرو بن العاص جیسے اکابر صحابہ بھی ہیں۔ اور جو بچے تھے قریباً ان سب ہی نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کر لیا اور یہ سب اسلام کے علمبردار اور لشکر اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے ـــــ تو حدیبیہ کے موقع پر جنگ نہ ہونے کی بلاشبہ یہ عظیم ترین مصلحت تھی۔ یہ سب اللہ ہی کے علم میں تھا اور اسی کی حکمت و مشیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اس پر جما دیا کہ جنگ نہ ہو اور ہر قیمت پر صلح ہو جائے ـــــ

آخر میں فرمایا گیا ہے "لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا" ـــــ

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ کی نوبت نہ آنے دی اگر وہ کہیں الگ ہو گئے ہوتے تو اللہ تعالیٰ جنگ کا حکم دیتا اور یہ کافر اپنے کیفر کردار کو پہنچتے اور ان پر اللہ کی سخت مار پڑتی۔

آگے اسی سلسلہ میں فرمایا گیا ہے "إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص عنایت و کرم کو بھی یاد کرو کہ جب حدیبیہ کے اس واقعہ میں کفار مکہ نے حمیۃ جاہلیہ یعنی سخت متکبرانہ اور جاہلانہ ضد کا رویہ اپنا لیا تھا جس کے جواب میں فطری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے دلوں میں بھی اشتعال پیدا ہو سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو جنگ ہو ہی جاتی اور سخت خونریز جنگ ہوتی اور وہ سب مصلحتیں اور منفعتیں خاک میں مل جاتیں جو صلح کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی تھیں (جن کا میں بار بار ذکر کر چکا ہوں) تو اللہ

تعالیٰ نے اس نازک وقت میں اور انتہائی اشتعال کی اس فضا میں یہ کرم فرمایا کہ اپنے رسول پاک اور آپ کے رفقاء کے دلوں میں سکینت وطمانیت نازل فرمادی اور ان کو اپنے بھڑکے ہوئے جذبات پر قابو پانے کی توفیق دی اور "کلمۂ تقویٰ" کا ان کو پابند کر دیا ـــــ "کلمۂ تقویٰ" یہ عہد تھا کہ ہم اپنی نفسانی خواہشات اور جذبات کی پیروی نہیں کریں گے بلکہ ہر حال میں اللہ و رسول کی ہدایت کے پابند رہیں گے ـــــ رضینا باللہ ربًّا و بمحمدٍ نبیًّا و بالاسلام دینًا۔

آگے فرمایا گیا ہے "وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا" یعنی یہ اہل ایمان جو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس کے بہت حقدار اور سزاوار تھے کہ ان کو کلمۂ تقویٰ کا پابند کر دیا جائے ـــــ بلاشبہ یہ اصحاب حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی سند ہے کہ ان کو "کلمۂ تقویٰ" کا پابند کر دیا گیا ہے اور وہ اس کے بہت حقدار اور سزاوار تھے ـــــ آگے ارشاد ہوا ہے "وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا" مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو سب چیزوں اور سب باتوں کا علم تھا اور ہے، اس نے اپنے رسول پاک اور مسلمانوں کو حدیبیہ کے اس غیر معمولی واقعہ میں اس رویہ کی توفیق دی جو اس کے علم محیط اور علم ازلی میں اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر اور شاندار نتائج پیدا کرنے والا تھا۔

حدیبیہ کے پورے واقعہ کا اور خاص کر اس آخری آیت کا یہ بہت اہم سبق ہے کہ دشمن کی اشتعال انگیزی کے موقع پر صبر و سکون سے کام لینا اور جذبات کے بجائے عقل و شریعت سے رہنمائی حاصل کرنا اور اس کی پابندی کرنا کامیابی کی کلید ہے۔ افسوس ہے کہ آج امت نے قرآن اور اسوۂ نبوی کے اس اہم سبق کو بالکل بھلا دیا ہے۔

محمد منظور نعمانی

(مسلسل)

معارف الحدیث

کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی کی پابندی اور بدعات سے اجتناب کی ہدایت و تاکید:

اس دنیا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کی تعلیمات جن کا معروف عنوان "سنت" ہے، دین و دنیا میں ہدایت کا مرکز و سرچشمہ اور گویا آپ کی مقدس شخصیت کے قائم مقام ہیں، اور امت کی صلاح و فلاح ان کی پیروی و پابندی سے وابستہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں امت کو مختلف عنوانات سے ہدایت و آگاہی دی ہے اور محدثات و بدعات سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے۔ اگلی امتیں اسی لیے گمراہ ہوئیں کہ محدثات و بدعات کو اپنا دین بنا لیا ——— اس سلسلہ کے آپ کے چند اہم ارشادات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (رواہ مسلم مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے ایک) خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ——— اما بعد ——— سب سے بہتر بات اور سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے

اور سب سے بہتر طریقہ اللہ کے رسول محمد کا طریقہ ہے، اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں ایجاد کر لیے جائیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت جابرؓ کی یہ حدیث صحیح مسلم میں خطبہ جمعہ کے باب میں متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہے۔ روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد بار بار سنا تھا۔

آپ کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے بہت مختصر الفاظ میں امت کو وہ ہدایت دیدی گئی ہے جو قیامت تک راہ راست پر قائم رکھنے اور ہر طرح کی گمراہی سے بچانے کے لیے کافی ہے ۔۔۔ اعتقادات، اعمال، اخلاق اور جذبات وغیرہ کے بارے میں انسانوں کو جس مثبت یا منفی ہدایت، امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کی ضرورت ہے یقیناً کتاب اللہ اور سنت نبوی وطریق محمدی اس کے پورے کفیل ہیں، اس کے بعد گمراہی کا ایک دروازہ رہ جاتا ہے کہ اللہ و رسول نے جن باتوں کو دین قرار نہیں دیا اُن کو دین کا رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور قرب و رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنا لیا جائے ۔۔۔ دین کے رہزن شیطان کا سب سے خطرناک جال یہی ہے، اگلی امتوں کو اس نے زیادہ تر اسی راستہ سے گمراہ کیا ہے ۔۔۔ مختلف امتوں کے مشرکوں میں بت پرستی، عیسائیوں میں تثلیث اور حضرت مسیح کی ابنیت و ولدیت اور کفارہ کا عقیدہ اور احبار و رہبان کو "اربابًا من دون اللہ" بنانے کی گمراہی یہ سب اسی راستہ سے آئی تھیں ۔۔۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں میں جو گمراہیاں آئی تھیں وہ سب آپ کی امت میں بھی آئیں گی اور انہی راستوں سے آئیں گی جن سے پہلی امتوں میں آئی تھیں اس لیے آپ اپنے مواعظ و خطبات میں بار بار یہ آگاہی دیتے تھے کہ بس کتاب اللہ اور میری سنت کا اتباع کیا جائے صرف وہی حق و ہدایت ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے، اور محدثات و بدعات سے اپنی اور دین کی حفاظت کی جائے۔ بدعت خواہ ظاہری نظر میں کیسی ہی حسین و جمیل معلوم ہو فی الحقیقت وہ صرف ضلالت اور ہلاکت ہے ۔۔۔ آپ کا یہ ارشاد جو بقول حضرت جابرؓ آپ جمعہ کے خطبوں میں بار بار فرماتے تھے اُس کا یہی پیغام ہے اور اس میں یہی آگاہی دی گئی ہے۔

بدعت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا آخری جملہ ہے "کل بدعۃ ضلالۃ" (ہر بدعت گمراہی ہے) بعض اکابر علماء و شارحین حدیث نے "بدعۃ" کے اصل لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھا اور لکھا ہے کہ ہر وہ امر بدعت ہے جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور قرآن و حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے ـــــ پھر انھوں نے دیکھا کہ ایسے بہت سے امور ہیں جو نہ تو عہد نبوی میں تھے اور نہ قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے مگر دینی لحاظ سے وہ انتہا ضروری اور ناگزیر ہیں اور امت کے علماء و فقہاء میں سے کسی نے بھی ان کو "بدعت" اور ناجائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ دین کی ضروری خدمت اور موجب اجر و ثواب سمجھا ہے مثلاً قرآن مجید پر اعراب لگانا، فصل و وصل اور وقف وغیرہ کی علامات کا لکھنا تاکہ عوام بھی قرآن پاک کی صحیح تلاوت کر سکیں، اسی طرح حدیث اور فقہ کی تدوین اور کتابوں کی تالیف، اور حسب ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر تصانیف اور انکی طباعت و اشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لیے مکاتب و مدارس کا قیام وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں نہیں تھیں اور قرآن و حدیث میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ تو بدعت کی مذکورہ بالا تشریح کے لحاظ سے یہ سب امور بدعت ہونے چاہئیں، اسی طرح ساری نئی ایجادات، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تار برقی اور ٹیلی فون وغیرہ کا استعمال بھی اس تشریح کے لحاظ سے بدعت اور ناجائز ہونا چاہیے حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ان علماء و شارحین حدیث نے کہا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو وہ "بدعت سیئہ" ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی کے بارے میں فرمایا ہے "کل بدعۃ ضلالۃ" ـــــ مطلب یہ ہے کہ ہر "بدعت سیئہ" گمراہی ہے ـــــ اور دوسری قسم بدعت کی وہ ہے جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ مطابق ہو وہ "بدعت حسنہ" ہے، اور یہ بدعت حسنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کبھی واجب ہوتی ہے، کبھی مستحب و مستحسن اور کبھی مباح و جائز ـــــ پس قرآن مجید پر اعراب، اور فصل و وصل وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث و فقہ کی تدوین، اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت

اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں، اسی طرح نئی ایجادات کا استعمال بھی بدعت حسنہ ہی کے قبیل سے ہے۔ ناجائز نہیں ہے مباح اور جائز ہے۔

لیکن علمائے محققین بدعت کی مذکورہ بالا تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرف اس کی تقسیم کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ ایمان و کفر اور صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ کی طرح "بدعۃ" ایک خاص دینی اصطلاح ہے اور اس سے مراد ہر وہ امر ہے جس کو دینی رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور اگر وہ کوئی عمل ہے تو اس کو دینی عمل کی حیثیت سے کیا جائے، اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح اس کو ثواب آخرت اور رضائے الٰہی کا وسیلہ سمجھا جائے اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو، نہ کتاب و سنت کی نص نہ قیاس اور اجتہاد و استحسان جو شریعت میں معتبر ہیں۔

ظاہر ہے کہ بدعت کی اس تشریح و تعبیر کی بنا پر ان نئی ایجادات کا استعمال اور وہ نئی باتیں جو عہد نبوی میں نہیں تھیں اور جن کو امر دینی نہیں سمجھا جاتا بدعت کے دائرے ہی میں نہیں آتیں جیسے کہ ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ سفر اور اسی طرح کی دوسری جدید چیزوں کا استعمال ـــــ اسی طرح جس زمانے میں دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لیے ان جدید وسائل کا استعمال کرنا ضروری ہو وہ بھی بدعت کی اس تشریح کی بنا پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گے۔ جیسے قرآن مجید پر اعراب وغیرہ لگانا۔ تاکہ عوام بھی صحیح تلاوت کر سکیں، اور کتب حدیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا، اور فقہ کی تدوین اور مختلف زبانوں میں حسب ضرورت دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا اہتمام اور دینی مدارس اور کتب خانوں کا قیام وغیرہ یہ سب چیزیں بھی بدعت کی اس تشریح کی بنا پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گی کیونکہ اگرچہ یہ عہد نبوی میں نہیں تھیں لیکن جب ان دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لیے ضروری اور ناگزیر ہو گئیں تو یہ شرعاً مطلوب اور مامور بہ ہو گئیں جس طرح وضو کرنا شریعت کا حکم ہے لیکن جب اس کے لیے پانی کا تلاش کرنا یا کنویں سے نکالنا ضروری ہو تو وہ بھی شرعاً واجب ہوگا، دین و شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی فرض و واجب کے ادا کرنے کے لیے جو چیز کرنا ضروری اور ناگزیر ہو وہ بھی واجب ہے لہذا اس طرح کے سارے امور جن کا اوپر

ذکر کیا گیا بدعت کی اس تشریح کی بنا پر اُس کے دائرے ہی میں نہیں آتے بلکہ بسبب شرعی مطلوبات اور واجبات ہیں۔

بدعت کی یہی تشریح و تعریف صحیح ہے اور اس بنا پر ہر بدعت ضلالت ہے جیسا کہ زیر تشریح حدیث میں فرمایا گیا ہے "کل بدعة ضلالة" (ہر بدعت گمراہی ہے)

اس موضوع پر نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم و محقق امام ابو اسحاق ابراہیم شاطبیؒ نے اپنی کتاب "الاعتصام" میں بڑی فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور بدعت کی پہلی والی تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرف اس کی تقسیم کے نظریہ کو بڑے محکم دلائل سے رد کیا ہے۔ اس ضخیم کتاب کا یہی موضوع ہے ـــــ ہمارے اس ملک کے عظیم ترین عارف و مصلح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بہت سے مکتوبات میں اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ جن علماء نے بدعت کو دو خانوں (حسنہ اور سیئہ) میں تقسیم کیا ہے اُن سے بڑی علمی غلطی ہوئی ہے، بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں ہے بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضلالت ہی ہوتی ہے، اگر کسی کو کسی بدعت میں نورانیت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے احساس و ادراک کی غلطی ہے، بدعت میں صرف ظلمت ہوتی ہے ــــ صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس موضوع پر شرح و بسط سے کلام کیا ہے اور وہ اہل علم کے لیے لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنها قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اُس میں سے نہیں ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بدعات و محدثات کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بنیادی حیثیت

رکھتا ہے۔ اس میں اُن محدثات اور نو ایجاد باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیلہ سے ہوں یا عقائد کے قبیل سے) قابلِ رد اور مردود قرار دیا گیا ہے جو دین میں ایجاد کی جائیں اور ان کو امرِ دینی یعنی رضائے الٰہی اور ثوابِ اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع اُن کی یہ حیثیت نہ ہو، نہ اللہ و رسول کی طرف صراحۃً یا اشارۃً ان کا حکم دیا گیا ہو، نہ شرعی اجتہاد و استحسان اور قواعدِ شریعت پر اُن کی بنیاد ہو ــــــ حدیث کے لفظ "فی امرنا ھذا" اور "ما لیس منہ" کا مفاد اور مطلب یہی ہے۔ پس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو امرِ دینی اور وسیلۂ رضائے الٰہی و ثوابِ اخروی نہیں سمجھا جاتا، اس حدیث کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا جیسے نئی نئی قسم کے کھانے، نئے طرز کے لباس، جدید طرز کے مکانات اور سفر کے نئے ترقی یافتہ ذرائع کا استعمال کرنا۔ اسی طرح شادی وغیرہ تقریبات کے سلسلہ کی وہ خرافاتی رسوم اور لہو و لعب اور تفریحات کے وہ پروگرام جن کو کوئی بھی امرِ دینی نہیں سمجھتا، اُن سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں، ہاں جن رسوم کو امرِ دینی سمجھا جاتا ہے اور ان سے ثوابِ آخرت کی امید کی جاتی ہے وہ اس حدیث کا مصداق قابلِ رد اور بدعت ہیں۔ موت اور غمی کے سلسلہ کی زیادہ رسوم اسی قبیل سے ہیں، جیسے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، ہر جمعرات کو مُردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارھویں، بارھویں، بزرگوں کی قبروں پر چادر، پھول وغیرہ چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے، ان سب کو امرِ دینی سمجھا جاتا ہے اور ثوابِ آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے اس لیے یہ سب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد" کا مصداق اور مردود بدعات و محدثات ہیں۔

پھر ان عملی بدعات سے زیادہ مہلک وہ بدعات ہیں جو عقائد کے قبیل سے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار و فریاد کو سنتے ہیں اور ان کی مدد اور حاجت روائی کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی کتاب پاک کا اعلان ہے کہ اس جرم کے مجرم اللہ کی مغفرت و بخشش سے قطعی محروم

ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ۔

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَاَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ وَ اِنْ کَانَ عَبْدًا حَبْشِیًّا فَاِنَّہٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِھَا وَ عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ وَ اِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔ رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجة اِلَّا اَنَّھُمَا لَمْ یَذْکُرَا الصَّلٰوةَ ۔ (مشکوٰة المصابیح)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ہماری طرف رخ فرما لیا اور ایسا موثر وعظ فرمایا کہ اس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل خوفزدہ ہو کر دھڑکنے لگے تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے (پس اگر ایسی بات ہے) تو پھر آپ ہم کو (ضروری امور کی) وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی اور اولوالامر (خلیفہ یا امیر) کا حکم سننے ماننے کی اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو، اس لیے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہیگا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا (تو ایسی حالت میں) تم اپنے پر لازم کر لینا میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کی پیروی، اس کو پکڑنا اور مضبوطی سے اس کو تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور دین میں نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا، اس لیے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ظاہر ہے کہ یہ حدیث کسی وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں، اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات کا ہے، آپ نے نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس کے غیر معمولی انداز سے اور اس میں آپ نے جو ہدایات اور آگاہیاں دیں ان سے صحابہ کرام نے اندازہ کیا کہ شاید آپ پر منکشف ہو گیا ہے کہ اس دنیا سے آپ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے اس بنا پر آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہم کو بعد کے لیے وصیت فرمائیے! ــــ آپ نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ سب سے پہلے تقوے کی یعنی خدا سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی، اس کے بعد دوسرے نمبر پر وصیت فرمائی کہ خلیفہ اور امیر کے حکم کی بہرحال اطاعت کی جائے، اگرچہ وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہو ــــ دین میں تقوے کی اہمیت تو ظاہر ہے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح اسی پر موقوف ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں امت کا اجتماعی نظام صحیح اور منضبط طور پر قائم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ خلیفہ اور امیر کی اطاعت کی جائے اگر ایسا نہیں ہوگا تو انتشار و افتراق پیدا ہوگا، اور انارکی پھیلے گی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچے گی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر بار بار یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگر امیر و خلیفہ اور کوئی بالاتر شخصیت کسی ایسی بات کا حکم دے جو اللہ و رسول کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق)

تقویٰ اور اولوالامر کی اطاعت کی ہدایت و وصیت کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امت میں بڑے اختلافات دیکھے گا، ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، اور بس اسی کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور صرف گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے آپ نے اپنی حیات مقدسہ میں ایسی حالت میں جب کہ کسی کو آپ کی امت میں اختلاف و افتراق کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا فرمایا تھا کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑے بڑے اختلافات دیکھیں گے۔

یہی ظہور میں آیا کہ آپ کے وہ اصحاب و رفقا جو آپ کے بعد ۲۰۔۳۰ سال بھی زندہ رہے انھوں نے امت کا یہ اختلاف آنکھوں سے دیکھ لیا ۔۔۔ اور اس کے بعد اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرھویں صدی شروع ہو رہی ہے، امت کے اختلافات کا جو حال ہے وہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ حق و ہدایت اور آپ کی سنت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی محفلِ ارشاد

حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ مدرسِ اول مدرسہ عبدالرب دہلی کا سالانہ جلسہ کی شرکت کے لیے حضرت والا کی خدمت میں آیا تھا۔ اس پر فرمایا کہ میں نے مولانا سے مقامات حریری سبعہ معلقہ اور کچھ نسائی پڑھی ہے۔ مگر برتاؤ سے مولانا کے پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ استاد ہیں۔ چنانچہ جب میں وہاں سے چلتا ہوں تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور ساتھ کر دیتے ہیں۔ بے لوث اور بے تعلق ہیں۔ کسی سے کچھ مطلب نہیں۔ خود بھی مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں۔ مقدار چندہ کی زیادہ ہوتی ہے ۵۰۰ روپیہ یا زیادہ تک۔ مولانا صاحب جائداد ہیں، سال میں جو کچھ بچاتے ہیں سب خرچ کر دیتے ہیں۔ مولانا سے جو کوئی ملنے جاتا ہے بہت خاطر کرتے ہیں۔ چائے شربت پلاتے ہیں۔ دیوبند میں جب تشریف رکھتے تھے تو طلبہ کی خوب تادیب فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے سبق پڑھنے میں اُلٹے لیٹ کر پاؤں پیچھے کو پھیلا لیے بس مولانا چلائے بدتمیز بے ادب —— صرف اصلاح کی وجہ سے تنبیہ فرمائی یہ نہیں کہ اپنا ادب کرایا۔ پھر فرمایا کہ مولوی صاحب کے پاس بیٹھنے سے ایک خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ہر شخص کے پاس بیٹھنے سے بڑا فرق معلوم ہوتا ہے کہ اسے تعبیر نہیں کر سکتے ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست[1]

---

[1] ترجمہ: ناز و خرام ہی خوبی نہیں ہے بلکہ محبوبوں کے بہت سے ایسے شیوے ہیں جن کا نام نہیں۔

[2] حضرت مولانا عبدالعلی حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی اولاد میں تھے۔ [illegible] پورہ ضلع میرٹھ ان کے آبا و اجداد کا مسکن تھا۔ حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی مرادآباد میں مدرس رہے۔ آخر میں مدرسہ عبدالرب دہلی کے صدر مدرس ہو گئے۔ احاطہ درگاہ شاہ ولی اللہؒ میں مزار ہے۔

فرمایا کہ سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے فرمایا کہ بھائی تم فقیہ ہو گئے ہو اس پر ہم کو رشک آتا ہے۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خود مجتہد بنے بیٹھے ہو مگر ہمیں اس پر رشک کبھی نہ آیا اور ہم کو جو دو چار جزئیات ہو گئے ہیں تمہیں ان پر رشک آتا ہے۔

کسی اور گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ تفقہ بالرائے وہ ہے جو قواعد شرعیہ یا قواعد عربیہ کے خلاف ہو۔

فرمایا کہ مُردوں کی روح آنے کا خیال غلط ہے کیونکہ جو نیک ہیں وہ تو دنیا میں آنا نہیں چاہتے اور جو بد ہیں انھیں اجازت نہیں مل سکتی۔

فرمایا کہ یہی راستہ ہے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا کہ اخلاق رذیلہ جاتے رہیں، اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائیں، معاصی چھوٹ جائیں، طاعت کی توفیق ہو جائے، غفلت عن اللہ باقی نہ رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک مولوی صاحب حضرت کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت کا نام لیتے پھرتے ہیں کہ میں حضرت کا خلیفہ ہوں۔ ان سے لوگوں کو بچائیے ورنہ لوگ آپ سے بد اعتقاد ہو جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارا دین کا نام کیا بیچتے ہو ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم بد اعتقاد ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ اگر ساری دنیا مجھ سے بد اعتقاد ہو جائے تو میرا کیا ضرر ہے۔ اس اعتقاد کی بدولت تو کوئی وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا بھی نہیں ملتا۔ ہر وقت لوگ گھیرے رہتے ہیں کہ ہم حضرت کے معتقد ہیں۔ میں تمنا کرتا ہوں کہ لوگ مجھ سے بد اعتقاد ہو کر چھوڑ دیں اور میں اپنے محبوب میں مشغول ہو جاؤں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ انتقام کے معاملہ کی نظر سے دنیا کی طرف توجہ کرنا یہ دنیا ہے۔ دنیا کو نیچا سمجھنا تو یہی ہے کہ اس کے انتقام کی فکر بھی نہ کرے [illegible]۔

فرمایا کہ میرا دو شخصوں سے دل نہیں ملتا متکبّر سے اور چالاک سے۔

دہلی کے ایک حکیم صاحب[1] کا اس مضمون کا خط آیا تھا کہ آپ جب دہلی مدرسہ کے جلسہ میں تشریف لائیں تو میرے مکان پر قیام فرمائیں۔ اس پر فرمایا کہ دل تو چاہتا ہے ان کی درخواست پوری کرنے کو مگر وقت نہیں ہے۔ حکیم صاحب کئی طرح سے میرے محسن ہیں۔ ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں جب میں طب پڑھنے گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ تمہارے لیے طب سخت مضر ہے کیوں کہ باکل دنیا ہے اور مجھے سمجھا کر واپس کر دیا۔ جب کبھی میری طبیعت خراب سنتے ہیں تو قیمتی قیمتی دوائیں بھیجتے ہیں۔

جب حضرت ڈاک کے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

وقت پر کام کرنے سے ذرا اہتمام تو کرنا پڑتا ہے مگر کام کر کے بے فکری ہو جاتی ہے۔ اگر تساہل سے کام لیا جائے تو بعد میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ میں نے اس لیے کہا کہ اور لوگ بھی پابندی کریں۔

فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ کے حضور میں بعض مبتدعین کے بہت خط آئے کہ مناظرہ کر لیجیے، مگر کبھی التفات بھی نہیں کیا۔ اس میں جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں وہ بڑے سخت ہیں۔

فرمایا کہ ایک شخص نے اگر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ حضرت زیارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو جائے۔ فرمانے لگے کہ آپ کا یہ حوصلہ ہے۔ ہم میں تو اتنی بھی لیاقت نہیں کہ روضۂ مبارک کے گنبد کی بھی زیارت نصیب ہو جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو درکنار ــــ اس کی حقیقت تو وہ جان سکتا ہے جس کو فنا کا درجہ حاصل ہو۔ ویسے کچھ بھی نہیں۔ جو بات ذوق پر موقوف ہے وہ بتلانے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

---

[1] غالباً مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی مراد ہیں جو حکیم اجمل خاں دہلوی مرحوم کے استاد تھے۔

فرمایا کہ چند اندھوں نے ہاتھی کو ٹٹول کر دیکھا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں اس کا کان آیا۔ اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہے جیسے پنکھا۔ کسی کے ہاتھ میں پاؤں آیا۔ اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے ستون ـــــ کسی کے ہاتھ میں اس کی سونڈ آئی تھی۔ اس نے کہا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے موسل۔ ـــــ کسی بینا شخص نے سن کر کہا کہ صَدَقتم و کذبتم کہ تم نے سچ بھی بولا اور تم جھوٹے بھی ہو ـــــ سچ تو اس لیے کہ جتنا تم نے اس کے متعلق بیان کیا اس میں تم سچے ہو کہ ہاتھی ایسا بھی ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر پوری ہیئت اس کی یہ نہیں۔ پوری حقیقت اس کی جب ہی معلوم ہو سکتی ہے کہ تمھارے آنکھیں ہوں۔ اور ویسے اس کا پورا انکشاف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح محض زبان سے حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ ذوق کے درجہ میں نہ آئے۔ اور یہ ذوق پیدا ہوتا ہے اہل اللہ کی صحبت اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے سے جو کہ اعتقاد و انقیاد کے ساتھ ہو۔ کیوں کہ یہاں محض تقلید سے کام چلتا ہے۔ چون و چرا کرنے سے [illegible] کام نہیں چلتا ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ مے نگیرد فضلِ شاہ[1]

جیسے کوئی بچہ استاذ کے سامنے الف، بے لے کر بیٹھے اور استاذ پڑھائے کہ 'الف' اور 'بے' اور بچہ پوچھنے لگے کہ الف کی صورت یوں کیوں ہوئی اور بے کی ایسی صورت کس واسطے ہوئی۔ تو استاذ اس سے کہے گا کہ تو اپنے گھر کا راستہ لے ـــــ

بات یہ ہے کہ ابتداء ہر امر کی تقلید محض ہے۔ طالب کی نیت تو رہبر بننے کی بھی نہ ہونی چاہیے بلکہ یہ نیت ہو کہ ہمیں راستہ نظر آ جائے۔ اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریقہ ہے بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہیے۔ اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے ـــــ خود کچھ تجویز نہ کرے۔ اور یہ تجویز کرنے والا ہے کون؟

فرمایا کہ جب تک مسئلہ میں شرح صدر (اطمینان قلب) نہ ہو جائے جواب نہیں دیتا۔

---

[1] ترجمہ شعر۔ دونوں فہم و ذہن کو تیز کرنا راستہ نہیں ہے۔ فضل شاہ (فضل خداوندی) کو شکستہ دل کے علاوہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔

تردد کی صورت میں مسئلہ کا جواب دینا جائز نہیں۔ اور اطمینان ہو جانے پر مواخذہ نہیں۔ اور یہ بھی
ضرور نہیں کہ ہر مسئلہ کا جواب ہی دیا جائے۔ خواہ اس میں تردد ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اگر خود اطمینان نہ ہو تو
اور دل پر حوالہ کر دیا جائے کہ سائل دوسری جگہ دریافت کرے۔ اور اس میں راحت کیسی ہے۔ اور
خواہ مخواہ جواب دینے میں یہ ہے کہ روزانہ کتابیں دیکھو، ٹکریں مارو۔ پھر اعتراض پڑے جواب دو۔
یہ ساری خرابیاں اپنے کو بڑا سمجھنے کی ہیں۔ یوں خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم جواب نہ دیں گے تو لوگ
کہیں گے کہ جواب بھی نہ دیا گیا۔ بعض علماء میں جو تاویل کا مرض ہے، یہی خرابی کا باعث ہے
کہ جو بات ان کے منہ سے نکل گئی اسی پر اڑے ہوئے ہیں، خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو، اور خود
بھی غلط سمجھتے ہوں، مگر اپنے قول کی توجیہ کیے جاتے ہیں۔ صرف اسی وجہ سے کہ اپنے قول کے خلاف
کرنے پر لوگ ذلیل سمجھیں گے

حضرت کو ایک صاحب نے خط میں سیدی و مولائی لکھا تھا۔ اس پر فرمایا کہ سید کہتے ہیں آقا
کو۔ مجھ کو تو آقا بنایا اور اپنے کو غلام۔ اور غلام کے معنی ہیں کہ جو کچھ اس میں تصرف کرے وہ تو
مولا کی ملک ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ مرید کہیں غلام تھوڑا ہی ہے۔ یہ مبالغہ ہے تعظیم میں۔ اتنی تکلیف
قبلہ و کعبہ سے نہیں ہوتی کیوں کہ مجاز ہے اور یہ متکلم کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے خواہ ادعا ہی
ہو ---- عنوانات کے آثار قلب پر محسوس ہوتے ہیں۔ ان القاب سے مجھ کو بہت گرانی ہوتی
ہے۔ میں تکلف کو پسند نہیں کرتا ---- حدیث میں مبالغہ کی ممانعت آئی ہے ---- اسی طرح
مجھ کو ہاتھ چومنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ جھکنا وغیرہ سب تکلفات ہیں۔ پھر جو یہ ان کے لوگوں پر
گراں نہیں ہوتے تو یہ مجھ پر ہی گراں ہیں۔ بزرگوں کے سامنے سے جو کھانا اٹھا کر ان ہی کے سامنے
کھاتے ہیں میں تو اس طریق متعارف کے بھی خلاف ہوں کیوں کہ جس کے سامنے سے تبرک سمجھ کر
کھانا لیا ہے اگر وہ متکبر ہے تو اس کا تکبر بڑھتا ہے۔ اور اگر متواضع ہو تو اس کو اذیت ہوتی
ہے۔ بلکہ یوں کیا جائے کہ جب کھانا اٹھ جائے تو الگ سے مانگ لے۔ سامنے لے کر کھانا چاٹنا
ٹھیک نہیں ہے۔ یہ باتیں اول وہلہ میں ایسی ہی ہلکی سی معلوم ہوتی ہیں۔ غور کرنے سے ان کی
حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ یہی قصہ پانی میں ہے کہ جہاں کسی بزرگ نے پانی پیا اور لوگوں میں اس کا

دَور چلا ———

فرمایا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ پر مدح و ذم کا بالکل اثر نہ ہوتا تھا ——— مولانا کی کوئی مدح کرتا تو آپ اپنے کام میں لگے رہتے۔ وہ جھک مار کر چلا جاتا۔ ان کو تو اس سے بحث ہی نہیں تھی۔ ان کی نظر حقیقت پر تھی۔ واقع میں اہل اللہ بڑے عاقل ہوتے ہیں۔ اور صرف علوم و اخلاق ہی میں نہیں بلکہ تمام امور میں ——— چنانچہ معاشرت کے بارہ میں ایک بات یاد آئی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ گاڑی میں اسباب لادا جا رہا تھا۔ آپ لحاف لائے اور اس کو تہ کیا۔ اس طرح کہ ابرہ اوپر اور استر نیچے ——— بقیہ اسباب گھر میں لینے گئے۔ ایک شخص وہاں کھڑے تھے۔ انھوں نے کہا کہ بزرگ واقعی ہوتے ہیں بڑے سیدھے کہ دنیا کی خبر ہی نہیں۔ لحاف بھی تہ کرنا نہیں جانتے۔ اور ان صاحب نے اس لحاف کو بطریق متعارف تہ کر کے رکھ دیا۔ یعنی استر اوپر کر دیا اور ابرہ نیچے۔ مولانا گھر میں سے تشریف لائے اور یہ دیکھ کر پوچھا کہ کس نے تصرف کیا ہے۔ وہ شخص بولے کہ حضرت یوں ہی تہ کیا کرتے ہیں تاکہ ابرہ گرد سے محفوظ رہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کی عقل تو دیکھیے ابرہ اچھا یا ہمارا دماغ اچھا ———— یعنی اگر استر کو اوپر کیا جاتا کا اور ابرہ نیچے تو راستہ میں استر پر گرد جمے گی اور رات کو اوڑھنے میں استر اندر ہوگا تو دماغ میں گرد جائے گی دماغ خراب ہوگا۔ سو ابرہ قیمتی ہے یا ہمارا دماغ۔ ——— واقعی ان حضرات کی حقائق پر نظر ہوتی ہے۔ اہل اللہ رسم کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے اس لیے وہ اہل رسم کے خلاف سے متاثر نہیں ہوتے ———

ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا لیلۃ القدر کے آثار ظاہر ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ کبھی کبھی ہوتے ہیں۔ باقی ایک ناگزیر فرق ہے کہ اس شب میں ثواب زیادہ ملتا ہے اور لیلۃ القدر میں پوری شب کی کل فضیلت ہے یہ نہیں کہ کسی خاص ساعت کی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ساعت کے عنوان سے خبر دی جاتی۔ جیسے جمعہ میں ایک ساعت کی خبر دی گئی ہے۔ لیلۃ القدر میں یہاں بھی فضیلت بیان ہوئی ہے عنوان لیلۃ القدر سے ہے اس میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں ہوتی ہے اور بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تمام سال میں دائر و سائر ہے ———

مولانا عبد الرشید نعمانی
استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ (کراچی)

دار العلوم دیوبند

ہند میں دینِ حنیفی و مذہبِ حنفی کا گہوارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امّا بعد

ہندوستان جنت نشان اس کرۂ ارض کا وہ خطہ ہے جہاں سب سے پہلے افرادِ انسانی کے ابوالآبا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہبوط واقع ہوا۔ چنانچہ یہ مضمون کتب احادیث کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ھ ہجری نے اپنی گرانقدر تصنیف سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان کی فصل اول میں اس سلسلہ کی تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔[ف] اس بنا پر عالم انسانیت میں تعلیم ربانی کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا ہے لیکن یہ عالم انسانیت کا عہد طفولیت تھا، پھر جب یہ سوہنی دھرتی آدمیوں سے آباد ہونے لگی تو ان کی اصلاح و تعلیم کے لیے وقتاً فوقتاً خدا کے برگزیدہ بندے آتے رہے اور ان کو راہِ حق دکھلاتے

ف ملاحظہ ہو "سبحۃ المرجان" ص ۴ تا ص ۲۲۰ واضح رہے کہ علامہ موصوف نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام "شمامۃ العنبر فی الہند عن سید البشر" اس رسالہ میں تفسیر و احادیث کی کتابوں میں جو کچھ ہندوستان کے متعلق مولانا غلام علی کی نظر سے گذرا تھا اس کو انھوں نے یکجا کر دیا ہے پھر اس رسالہ کو "سبحۃ المرجان" کا جز بنا کر تمام و کمال اس کی ابتدا میں نقل کر دیا ہے۔ "سبحۃ المرجان" ایک صدی ہونے کو آئی جب ۱۳۰۳ھ میں مرزا محمد ملک الکتاب کے زیر اہتمام بمبئی سے طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ اب یہ کتاب نایاب ہے۔ کتاب اپنے موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کو دوبارہ تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مزید اہتمام سے شائع کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

رہے۔ چنانچہ قرآن عظیم کی تصریح ہے۔

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ الفاطر ۲۴

اور کوئی فرقہ نہیں جس میں کوئی ڈرسنانے والا نہ گذرا ہو۔

یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور کچھ ہندہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جہاں کہیں عالم انسانیت نے جنم لیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، ہادی اور نذیر وہاں برابر آتے رہے اور انسانوں کو دین حق کی طرف بلاتے اور اس کی تعلیم دیتے رہے تاہم تعلیم و تعلم اور دعوت حق کا یہ سلسلہ مقامی، وقتی اور نسلی تھا کیونکہ عالم انسانیت ابھی عہد طفلی سے عہد شباب کی طرف گامزن تھا اور دنیا مختلف نسلوں، گروہوں اور جغرافیائی حد بندیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پھر جب عالم انسانیت نے شباب کی منزل میں قدم رکھا اور جب اس کے قوائے علمی و عملی میں بہار آنا شروع ہوئی اور ایسا وقت آ گیا کہ اب وہ امۃ واحدہ بن کر تکمیل دین اور اتمام نعمت الٰہی کی دولت سے مشرف ہو تو حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر عالم انسانیت کی روحانی ضرورت کو جس کا وہ زبان حال سے ملتجی تھا پورا فرمایا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ ۳)

آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور تم پر اپنی نعمت کو میں نے پورا کر دیا اور تمہارے واسطے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اور رسل آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجے گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف ہوئی۔ اس میں کالے، گورے، سرخ، سفید اور زرد کی کوئی تخصیص نہیں اس لیے رومی، شامی، فرنگی، حبشی، ترک، تاتار، تاجیک، دیلم، چینی جاپانی، ہندی، افغانی، غرض تمام عرب و عجم اور ہر قوم اور ہر جنس کے لوگ آپ میں برابر کے حقدار ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (السبا ۲۸)

اور ہم نے تو آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف ۱۵۸)	اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیامبر ہوں۔

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ سے پہلے جو نبی بھیجا جاتا تھا وہ خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں[1]" اس معنی کی روایتیں کتب حدیث میں بکثرت وارد ہیں، اور اس کی عملی دلیل مطلوب ہو تو سارے پیغمبروں کے حالات پڑھ جائیے سب کے ماننے والوں کو ان کی زندگی میں آپ اسی ملک اور قوم میں محدود پائیں گے جس ملک اور قوم کی طرف ان کی بعثت ہوئی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں خود آپ ہی کی حیات طیبہ میں ہم کو بلال حبشی صہیب رومی اور سلمان فارسی کے بھی نام ملیں گے اور شاہان عالم کے نام جو آپ نے دین اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے وہ بھی عموم دعوت کی ایک بڑی بھاری عملی دلیل ہے۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد ۔ برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

اس بنا پر دین اسلام وہ ابر رحمت تھا جو اس دنیا کے چپہ چپہ پر برسا مگر فیض ہر ایک نے بقدر استعداد اٹھایا۔

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ہمارے ہندوستان کی قسمت میں بھی اس باران رحمت سے فیض اٹھانا مقدر تھا۔ غازیان ہند کو فتح ہند سے کئی صدی پہلے یہ بشارت دی جا چکی تھی۔

عصابتان من اُمتی احرزهما الله من النار، عصابة تغزو الهند، وعصابة تکون مع عیسی بن مریم	میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے آتش دوزخ سے بچا لیا ہے ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند[2] میں اور امام نسائی نے اپنی سنن[3] میں اور حافظ ضیاؑ

---

[1] ملاحظہ ہو صحیح بخاری اور صحیح مسلم، کتاب المساجد [2] ج ۵ ص ۲۷۸

[3] سنن نسائی کتاب الجہاد، غزوۃ الہند۔

مقدسی نے "المختارہ"[۱] میں نیز طبرانی نے بسند جیّد[۲] حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔
اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ الہند فان استشہدت کنت من خیر الشہداء وان رجعت فانا ابوہریرۃ المحرر

(مسند امام احمد بن حنبل)

ج ۲ - ص ۲۲۹ -

ہم سے اپنی مسلمانوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہندستان کے غزوہ کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے تو اگر میں اس میں شہید ہوگیا تو بہترین شہیدوں میں ہوں گا اور اگر صحیح وسلامت واپس آگیا تو دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا

اور سنن نسائی میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ الہند فان ادرکتہا انفق فیہا نفسی ومالی۔ فان اقتل کنت من افضل الشہداء وان ارجع فانا ابوہریرۃ المحرر۔

(کتاب الجہاد)

ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا ہے سو اگر مجھے اس غزوہ میں شرکت کا زمانہ آیا تو میں اس میں جان ومال قربان کردوں گا پھر اگر میں اس میں شہید ہوگیا۔ تو افضل شہیدوں میں ہوں گا اور اور اگر زندہ واپس لوٹ آیا تو میں دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو "الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر" ج ۲ ص ۲۲۹ طبع مصر

[۲] سبحۃ المرجان ص ۱۱۲ حافظ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد کی کتاب الجہاد باب غزوۃ الہند میں اس روایت کو طبرانی کی المعجم الاوسط کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ حافظ ہیثمی نے اس روایت کو زوائد میں شمار کیا حالانکہ یہ روایت بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ سنن نسائی میں موجود ہے اور زوائد میں ان روایات کا ذکر کیا جاتا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور نہ ہوں۔ نیز حوالہ میں صرف المعجم الاوسط کا ذکر کیا ہے مسند احمد کا نہیں۔ حالانکہ مجمع الزوائد میں مسند احمد کی زوائد کو بھی جمع کیا گیا ہے اور یہ روایت مسند احمد میں بھی موجود ہے۔

واضح رہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ وعدہ عام امت محمدیہ سے تھا خاص افراد سے نہ تھا اس لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تردد تھا کہ خدا جانے اس غزوہ ہند میں مجھے شرکت کی سعادت نصیب ہو یا نہ ہو۔ غور فرمایئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ ہجری کی مسند میں موجود ہے جو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے "غزوہ ہند" ۳۹۲ھ ہجری سے تقریباً دوسو پونے دوسو سال پہلے کی تصنیف ہے مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے" ہند" کے ساتھ "سند" کے الفاظ بھی آگئے ہیں یہ روایت حسب ذیل ہے۔

حدثنا یحییٰ بن اسحٰق حدثنا البراء عن الحسن عن ابی ھریرۃ قال حدثنی خلیلی الصادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یکون فی ھذہ الامۃ بعث الی السند والھند فان ادرکتہ فاستشھدت فذلک وان انا فذکر کلمۃ رجعت وانا ابوھریرۃ المحرر قد اعتقنی من النار۔ (ج ۲ - ص ۳۶۹)	ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے براء نے حسن بصری کی روایت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بیان کی کہ مجھ سے میرے محبوب صادق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس امت میں سندھ اور ہند کی طرف لشکر کشی ہوگی سو اگر میں نے وہ زمانہ پایا اور شہید ہوگیا تو مراد بر آئی اور اگر (اس کے بعد انھوں نے کچھ فرمایا جو یہ تھا کہ اگر میں زندہ لوٹ آیا تو اس حال میں لوٹوں گا کہ میں آزاد ابوہریرہ ہوں گا جسے) اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ سے آزاد فرمایا ہوگا۔

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ تفرد بہ احمد یعنی اس حدیث کے راوی صرف امام احمد ہیں مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں امام صاحب کی تو بڑی شان ہے کسی ثقہ کا تفرد بھی قادح صحت نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس روایت کا ایک راوی براء بن عبداللہ بن یزید الغنوی البصری القاضی جو امام حسن بصری سے اس روایت کو نقل کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو ضعیف لکھا ہے[۲] مگر ائمہ جرح و تعدیل کی تصریحات جو اس کے بارے

---

[۱] ج ۶، ص ۲۲۱ طبع ۱۹۶۶ء شائع کردہ دار المعارف بیروت [۲] تقریب التہذیب

میں ہیں ان پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ ضعیف نہیں ہے چنانچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ ھو عندی أقرب إلی الصدق منه إلی الضعف یعنی میرے نزدیک یہ ضعف کے بجائے صدق کے زیادہ قریب ہے اور امام بزار فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی وقد احتمل حدیثه گو یہ قوی نہیں تاہم اس کی روایت قابلِ برداشت ہے اور ایک بار امام موصوف نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ لیس به بأس یعنی اس میں کوئی خرابی نہیں اور بعینہ یہی الفاظ امام ابو داؤد سجستانی سے بھی اس کے بارے میں منقول ہیں[1]۔ غالباً اسی لیے حافظ ابن کثیر نے راوی کے بارے میں کچھ اظہار خیال نہ فرمایا تاہم اس کے ضعف کی بنا پر شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ روایت میں "سندھ" کا اضافہ ضعفِ حافظہ کا نتیجہ ہوگا مگر واقعات اس پیشین گوئی کی بھی صحت کے شاہد ہیں بلکہ سندھ پر تو ہند سے بھی پہلے لشکرِ اسلام کا حملہ ہوا تھا۔ بہرحال غزوہ ہند کی پیشین گوئی باسانید صحیح حضرت ثوبان و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی روایت سے ثابت ہے اور غزوہ سندھ کی پیشین گوئی بسند ضعیف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لیکن روایت کا ضعف اتنا شدید نہیں ہے کہ جس کی بنا پر اس کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع کے دیباچہ میں یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ

وكل ما كان في مسند أحمد فهو مقبول فإن الضعيف الذي فيه يقرب من الحسن[2]

اور ہر وہ روایت جو مسند احمد میں ہے مقبول ہے کیوں کہ اس میں جو ضعیف روایت بھی ہے وہ حسن کے قریب ہے۔

صادق و مصدوق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلا تھا وہ آخر پورا ہو کر رہا۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں سنہ ۹۳ ہجری میں محمد بن قاسم ثقفی رح کی سرکردگی میں اسلامی فوج سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ۹۵ھ میں اسلامی فتوحات کا سیلاب سندھ کے تمام حدود کو پار کر گیا جس کے نتیجہ میں سندھ کا تمام علاقہ اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ اور ایک عرصہ تک سندھ میں اموی اور عباسی خلفاء کی طرف سے والی مقرر ہو کر آتے رہے۔ پھر چوتھی صدی کے

---

[1] تہذیب التہذیب میں اس کا تذکرہ ہے۔

[2] ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۱ ص ۳ طبع دائرۃ المعارف

اواخر میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور سومنات کے بت کدہ کو تاراج کر کے دم لیا۔ اب غزنین سے لاہور تک اسلامی راج تھا۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد تقریباً دو سو سال تک غزنین سے لاہور تک حاکم و متصرف رہی۔ غزنویوں ہی کے عہد حکومت میں ہمارے پاکستان کے مشہور بزرگ اور ولی اللہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ المتوفی ۴۶۵ھ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے لاہور کو نوازا۔ حضرت ممدوح نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں جس کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں ہوتا ہے اس سرزمین کے بارے میں اپنا جو رویائے صادقہ بیان کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں۔

ومن کہ علی بن عثمان الجلابی ام۔ وفقنی اللہ بدمشق شام بودم بر سر گور مؤذن رسول خدائے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خفتہ، خود را بمکہ دیدم اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمد پیرے را در بر گرفتہ، چنانکہ اطفال را در بر گیرند بشفقتے من پیش دویدم، بر دست و پایش بوسہ دادم و در تعجب بودم کہ آں کیست و آں حالت چیست! وے بر باطن و اندیشہ من مشرف شد، مرا گفت ایں امام تو و اہل دیار تست یعنی ابو حنیفہ۔ مرا بہ ایں خواب امید بزرگست و با اہل دیار خود ہم و درست گشت ازیں خواب مرا کہ وے یکے از آنان بود ایستا

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق خیر دے شام کے شہر دمشق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے سو رہا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے ایک پیر مرد کو اپنی گود میں لیے اس حال میں اندر تشریف لائے ہیں کہ جس طرح بچوں کو پیار سے گود میں اٹھاتے ہیں، میں دوڑ کر حاضر خدمت ہوا اور آپ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ اور تعجب میں تھا کہ یہ کون صاحب ہیں اور یہ کیا حالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اندرونی اندیشہ کو دریافت کر لیا اور مجھ سے فرمایا یہ ابو حنیفہ ہیں جو تمہارے بھی امام ہیں اور تمہارے اہل ملک کے بھی مجھے اس خواب سے اپنے بارے میں بڑی امید ہے اور اپنے اہل دیار کے بارے

کہ از اوصاف طبع فانی بود ندو باحکام شرع باقی و بدان قائم، چنانکہ بندہ وے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است واگر وے خود رفتے باقی الصفت بودے و باقی الصفت یا مخطی بود یا مصیب چوں بندہ وے پیغامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود فانی الصفت باشد ببقائے صفت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، و چوں بر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطا صورت نگیرد بر آنکہ بدو قائم بود ۔۔۔۔۔ نیز صورت نگیرد۔ و ایں رمز لطیف است[1]۔

میں کبھی۔ اور مجھے اس خواب سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ امام اعظم ان حضرات میں سے تھے کہ جو اپنے اوصاف طبع کے لحاظ سے فانی اور احکام شرع کے لحاظ سے باقی ہیں اور ان ہی کے ذریعہ قائم ہیں۔ چنانچہ ان کو لیکر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور اگر وہ اپنے آپ چلتے ہوتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہے اور صحیح بھی اور اب جب ان کو اٹھا کر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئے تو وہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بقاء صفت کی وجہ سے فانی الصفت ٹھہرے اور چونکہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خطا کی کوئی صورت نہیں اس لیے جس کا قیام پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات عالی سے وابستہ ہو اس پر بھی خطا کی صورت نہیں بن سکتی۔ دیا درہے ایہ ایک لطیف رمز ہے۔

اب تک مسلمانوں کی حکمرانی لاہور تک تھی ۵۸۹ھ میں سلطان معز الدین سام غوری رحمت اللہ علیہ نے ہندوستان کے آخری فرمانروا پرتھی راج کو شکست دے کر دہلی کو دار السلطنت قرار دیا۔ اس وقت سے لے کر ۱۲۰۲ء تک اس برصغیر ہند و پاک کے علاقہ پر مسلمانوں کا تسلط و اقتدار رہا۔ اب حدیث صحیح اور رویائے صادقہ کی روشنی میں اس کشور ہند کے تمام فاتحوں اور غازیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پر جائیے۔ محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر اورنگ زیب عالم گیر بلکہ سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ تک کوئی غیر حنفی فاتح اور غازی نہیں ملے گا۔ اس ملک کے

[1] کشف المحجوب ص ۱۳۱ طبع سمرقند ۱۳۰۳ھ و ص ۸۶ طبع لاہور ۱۳۲۹ھ

اولین غازی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا صحیح مصداق ہیں، ان ہی حضرات کی برکت سے ظلمت کدہ ہند نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ ہندوستان میں ان فاتحین کے قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ صوفیہ، اہل دل اور علماء کی آمد شروع ہوئی اور یہاں باشندے جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے چلے گئے، عوام و خواص سب کے سب عقیدہ و عمل کے لحاظ سے حنفی مذہب کے پیرو تھے جو شریعت محمدیہ کی سب سے پہلی تشریح اور تمام مذاہب میں سنت کے زیادہ قریب ہے اور ایمان و عمل میں اخلاص کی دولت صوفیہ کی بدولت نصیب ہوئی، چنانچہ کشمیر کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ کے الفاظ ہیں۔

"رعایای آن ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند"[1]

اور اس سے قبل تاریخ رشیدی کے حوالہ سے ناقل ہے۔

"مرزا حیدر در کتاب رشیدی نوشتہ کہ مردم کشمیر تمام حنفی مذہب بودہ اند"[2]

اور حضرت مجدد الف ثانی رح مغل امپائر کے فرمانروا کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"سلطان وقت خود حنفی می گیرد و از اہل سنت میدانند"[3]

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف" میں ارقام فرما ہیں۔

"واہل الروم وماوراء النہر والہند حنفیون" (اہل روم اور اہل ہند سب حنفی ہیں)

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

روزے در حدیث لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجال او رجل من ہولاء یعنی اہل فارس و فی روایۃ لنالہ رجال من ہولاء بلا شک مذاکرہ می کردیم۔

ایک دن اس حدیث پر ہم گفتگو کر رہے تھے جس میں آتا ہے کہ اگر دین ثریا پر بھی ہو تو اس کو ان میں سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا ان میں سے ایک شخص ضرور حاصل کر کے رہے گا اور ایک روایت میں بغیر شک کے "ہولاء" کا ہی لفظ

---

[1] تاریخ فرشتہ ص ۳۴۴ طبع نولکشور۔ [2] ایضاً ص ۳۳۸۔ [3] مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۹۵ و پنجاہ و دوم حصہ چہارم ص ۶۰ طبع مجددی امرتسر ۱۳۴۳ھ اس کتاب کا عکسی نسخہ برادر عزیز مولوی محمد عبدالحلیم حسنی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور میں نے یہ عبارت اس کے ص ۲۰۴ سے نقل کی ہے۔

مذکور ہے یعنی ابنائے فارس کے کچھ افراد ضرور حاصل کر کے رہیں گے۔

فقیر گفت، امام ابوحنیفہ درین حکم داخل ہست کہ خدا تعالیٰ علم فقہ را بر دست وی شائع ساخت و جمعے از اہل اسلام را آبان فقہ مہذب گردانید خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمین مذہب است وبس، در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند وقضاۃ و اکثر مدرسان و اکثر عوام حنفی[1]

فقیر (یعنی میں) نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں کہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی ان کے ہاتھوں اشاعت فرمائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعہ آراستہ فرمایا۔ خصوصاً پچھلے دور میں کہ بس یہی مذہب ذی دولت ہے۔ تمام شہروں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی اور اکثر مدرسین اور اکثر عوام حنفی ہیں۔

اور "تفہیمات الٰہیہ" میں لکھتے ہیں۔

وجمہور الملوک وعامۃ البلدان[3] متمذہبین بمذہب ابی حنیفۃ[2]

عام سلاطین اور تمام ممالک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مذہب کے پیروکار ہیں

واضح رہے کہ نجات ابدی کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص پھر علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جس سے مقصود مجرد اعتقاد اور یقین قلبی ہے اور جس پر ایمان کا دارومدار ہے اور جس کی تفصیل علم عقائد و کلام میں مذکور ہے اور دوسرا وہ علم جس سے مقصود عمل ہے۔ اور علم فقہ جس کے بیان کا متکفل ہے۔ اہل ہند عقائد و فقہ دونوں میں امام اعظم کے مسلک کے پیرو ہیں۔
امام اعظم ابوحنیفہؒ عقائد و فقہ دونوں میں اسلامی دنیا کی اکثریت کے مقتدا ہیں، علم عقائد میں امام صاحب کی متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ جیسے (۱) کتاب الفقہ الاکبر (۲) کتاب العالم والمتعلم (۳) کتاب الرسالۃ الیٰ عثمان البتی۔ یہ کتابیں مطبوعہ و متداول ہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] ملاحظہ ہو "کلمات طیبات" مکتوب شاہ ولی اللہ مکتوب یازدہم ص ۱۷۰ طبع مطبع العلوم مراد آباد ۱۳۰۶ھ

[2] تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۱۲ شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ

[3] واضح رہے کہ کاتب کی غلطی سے البلدان کی بجائے مطبوعہ نسخے میں البیان طبع ہو گیا ہے جو محض غلط ہے۔

نے ائمہ حنفیہ کے عقائد کو ایک مستقل رسالہ میں اس نام سے جمع کر دیا ہے۔ بیان عقیدۃ فقہاء الملۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد بن الحسن رحمہم اللہ" یہ رسالہ "العقائد الطحاویہ" کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ امام طحاوی کے معاصر ماوراء النہر کے مشہور امام، امام اہل السنۃ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ المتوفی ۳۳۲ھ نے جو "امام الہدیٰ" کے لقب سے مشہور ہیں، ان عقائد کو عقل و نقل کی روشنی میں بڑی تفصیل کے ساتھ مدون فرمایا ہے اور بڑی عمدہ تصانیف اس سلسلہ میں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ تمام حنفی دنیا اس بارے میں آپ کی مرہون منت ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ نے جس طرح اپنی بیش بہا تصانیف، احکام القرآن، شرح معانی الآثار، بیان مشکل الآثار وغیرہ کے ذریعہ فقہ حنفی کی خدمت کی ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کو خوب مدلل و مبرہن کیا ہے بعینہ وہی کام امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی گراں قدر تصانیف تاویلات القرآن، کتاب المقالات، کتاب التوحید وغیرہ کے ذریعہ حنفی عقائد کے بارے میں انجام دیا ہے۔ جزاہما اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔ ہندوستان، ماوراء النہر اور روم کا تمام خطہ بلکہ تمام حنفی عقیدۃً ماتریدی کہلاتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ عقائد کے اعتبار سے اہل السنۃ والجماعۃ میں بنیادی طور پر کوئی اہم اختلاف نہیں ہے تاہم عقائد ماتریدیہ اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ ان کی تدوین فلسفہ کے اثر سے قطعاً پاک ہے اور ان کی بنیاد خالص کتاب وسنت پر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو علم عقائد و کلام میں امامت و اجتہاد کے منصب پر فائز ہیں فرماتے ہیں:-

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلام حق بجانب حنفی است۔ تکوین را از صفات حقیقیہ می دانند، ہر چند بظاہر رجوع بقدرت و ارادت می نماید لیکن بدقت نظر و نور فراست معلوم گردد کہ صفت علیحدہ است۔ علیٰ ہذا القیاس، و در خلافیات فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی است و در اقل متردد و ایں فقیر را در توسط احوال

اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ علم کلام کے اختلافی مسائل میں حق حنفیوں کی طرف ہے چنانچہ تکوین کو حق تعالیٰ کے حقیقی صفات میں جانتا ہے اور ہر چند کہ بظاہر صفت تکوین قدرت و ارادہ ہی کی طرف لوٹتی نظر آتی ہے لیکن دقت نظر اور فراست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل صفت ہے، علیٰ ہذا القیاس (اور مسائل خلافیہ کلام کا حال ہے) اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق حنفی مذہب کی جانب ہے

حضرت پیغمبر علیہ و آلہ الصلوات، والتسلیمات در واقعہ فرمودہ بودند کہ تو از مجتہدان علم کلامی، از آں وقت در ہر مسئلہ از مسائل کلامیہ ایں فقیر را رای خاص است و علم مخصوص، در اکثر مسائل خلافیہ کہ ماتریدیہ و اشاعرہ در انجا متنازع اند در ابتداء ظہور آں مسئلہ حقیقت بجانب اشاعرہ مفہوم می گردد و چوں بہ نور فراست حدت نظر نمودہ می آید واضح میگردد کہ حق بجانب ماتریدیہ است۔

اور بہت ہی کم میں متردد (کہ دوسری جانب بھی ان کے حق میں ہونے کا احتمال ہے) اور اس فقیر کو اثناء احوال میں حضرت پیغمبر علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے اس وقت سے مسائل کلامیہ میں ہر مسئلہ میں اس فقیر کی ایک خاص رائے اور مخصوص علم ہے اکثر وہ اختلافی مسائل کہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے مابین نزاع ہے، ان میں مسئلہ کے ابتداء ظہور میں تو حقیقت اشاعرہ کی جانب معلوم ہوتی ہے لیکن جب نور فراست سے گہری نگاہ ڈالی جاتی ہے تو واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔

در جمیع مسائل خلافیہ کلامیہ رای ایں فقیر موافق رای علماء ماتریدیہ است والحق ایں بزرگواران را بواسطہ متابعت سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ شان عظیم است کہ مخالفان ایشان را بواسطہ خلط فلسفیات آں شان میسر نیست اگرچہ ہر دو فریق از اہل حق اند[1]

علم کلام کے تمام مسائل خلافیہ میں اس فقیر کی رائے علماء ماتریدیہ کے موافق ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی اتباع سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بدولت ایسی بڑی شان ہے کہ جو شان ان کے مخالفین کو فلسفہ کے مسائل کو ملا دینے کے سبب میسر نہیں۔ اگرچہ دونوں فریق اہل حق سے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں :-

درمیان علماء اہل سنت طریق اصحاب شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ

علماء اہل سنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیسا زیبا ہے

[1] ملاحظہ ہو رسالہ مبداء و معاد از حضرت مجدد الف ثانی ص ۳۹ طبع مطبع انصاری دہلی۔

زیبا است کہ اقتصار بہ مقاصد فرمودہ
اند و اعراض از تدقیقات فلسفہ کردہ۔
طریق نظر و استدلال بطریق فلسفی
درمیان علماء اہل سنت و جماعت از
شیخ ابوالحسن اشعری ناشی شدہ است،
و خواستہ کہ معتقدات اہل سنت را باستدلال
فلسفی تمام سازد، و این دشوار است، و
دلیر ساختن است بر طعن اکابر دین، و گزاشتن
است طریق سلف را ثبتنا اللہ سبحانہ علیٰ
متابعۃ آراء اہل الحق المقتبسۃ من انوار النبوۃ
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا و اکملہا[1]

کہ مقاصد پر اکتفا فرماتے ہیں اور فلسفیانہ باریکیوں
پر رخ نہیں کرتے فلسفیانہ طرز پر بحث و استدلال
کا طریقہ علماء اہل سنت و جماعت کے درمیان
شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ ان کی
خواہش تھی کہ اہل سنت کے عقائد کو فلسفیانہ استدلال
سے مکمل کیا جائے اور یہ دشوار بات ہے اور اکابر
دین کے طعن پر جرأت دلانا اور سلف کے طریقہ کو
چھوڑنا ہے اللہ سبحانہ آراء اہل حق کی پیروی
پر کہ جو انوار نبوت سے جگمگا رہی ہے، ہمیں
ثابت قدم رکھے۔ ذات رسالت مآب پر اتم و اکمل
صلوات و تسلیمات،

اور فقہ حنفی کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں۔

بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ می شود
کہ نورانیت این مذہب حنفی در نظر کشفی در
رنگ دریائے عظیم می نماید و سائر مذاہب
در رنگ حیاض و جداول بنظر می در آیند
و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم
از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند
علیہم الرضوان،

و این مذہب با وجود کثرت متابعان
در اصول و فروع از سائر مذاہب متمیز
است و در استنباط طریق علیحدہ دارد
و این معنی از حقیقت است[2]

بغیر کسی تکلف و تعصب کے شائبہ کے کہا جا سکتا
ہے کہ نظر کشفی میں اس مذہب حنفی کی نورانیت
ایک بڑے سمندر کی طرح معلوم ہوتی ہے اور
بقیہ مذاہب ایسے نظر آتے ہیں جیسے کہ حوض اور
نہریں ہوتی ہیں۔ اور بظاہر میں بھی دیکھا جائے
تو اہل اسلام کا سواد اعظم امام ابوحنیفہ ہی کا
پیرو ہے نیز یہ مذہب اپنے متبعین کی کثرت کے
باوجود اصول و فروع میں تمام مذاہب سے
ممتاز ہے اور طرز استنباط میں جداگانہ طریقہ
کا حامل ہے اور یہ بات بھی اس کی حقانیت
کی خبر دیتی ہے۔

---

[1] ایضاً ص ۱۰۵ [2] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب پنجاہ و پنجم ص ۱۴ حصہ ہفتم، طبع امرتسر ۱۳۳۲ھ

اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:-

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ۔

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے جو اس سنت معروفہ کے سب سے زیادہ موافق ہے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں مدون و منقح ہوئی ہے۔

ایک اور وجہ مذہب حنفی کی حقانیت کی یہ بھی ہے کہ جب سے اس مذہب کا شیوع ہوا۔ اسلامی دنیا کے غالب حصہ میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا قسطنطنیہ کے فاتح یہی ہیں ہندوستان کے فاتح یہی ہیں اور اسی مذہب کے ذریعہ کم و بیش ایک ہزار سال تک دنیا میں اسلامی نظام نافذ رہا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "فیوض الحرمین" کے بالکل آخر میں ملت حقہ اور مذہب حق کی ایک شناخت یہ بھی لکھی ہے۔

بان یکون حفظۃ المذھب ھم القائمون بالذب عن الملۃ او یکون شعارھم فی قطر من الاقطار ھو الفارق بین الحق والباطل (۱۰۳ و ۱۰۴)

کہ خاص مذہب کے پاسبان ہی ملت اسلام کی طرف سے دفاع کے لیے کھڑے ہوں، یا ممالک میں سے کسی خاص ملک میں ان کا شعار ہی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہو۔

اب برِ اعظم ایشیا کی پوری اسلامی تاریخ پڑھ جائیے آپ کو اسلامی اقتدار کا نشان حنفی ہی ملیں گے بارہ سو سال سے اس برِ اعظم میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا ہے وہی مذہب کے پاسبان اور ملت اسلامیہ کے محافظ رہے ہیں۔ بالخصوص ہند و پاک اور سرزمین روم و ماوراء النہر میں ہر جگہ کفر سے نبرد آزمائی ان کا شیوہ رہا اور کفار عجم کے مقابلہ میں بھی ہمیشہ سینہ سپر رہے یہی تھے جو ان تمام ممالک میں حق و باطل کے ہر معرکہ آرائی میں ہر جگہ حق کا شعار اور صداقت کا نشان بنے رہے۔

تیسری چیز اخلاق جو علم و عمل کے لیے بمنزلہ روح ہے اس کا حصول سلوک طریقہ صوفیہ سے وابستہ ہے سو الحمد للہ سرزمین ہند و پاکستان شروع ہی سے جب سے غازیانِ اسلام نے ادھر کا رخ کیا ان حضرات قدسی صفات کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوتی رہی۔ دورِ غزنوی میں ان بزرگوں

کی آمد کا یہ اہتمام تھا کہ ادھر حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ کا جنازہ لاہور سے نکل رہا تھا اور ادھر حضرت علی ہجویری صاحب "کشف المحجوب" کا داخلہ ہو رہا تھا۔ غوریوں کے عہد میں جب قبۃ الاسلام دہلی یہاں کے مسلمانوں کے فرمانرواؤں کا دارالملک بنا تو پھر ان حضرات کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ مشائخ سہروردیہ، شیوخ فردوسیہ، بزرگان قادریہ، حضرات چشت اہلِ بہشت، سب کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ کشمیر فتح ہوا تو کبرائے ہمدانیہ کا وہاں ورود ہوا۔ ان حضرات کی آمد سے اخلاص کا نور چمکا اور کفرزار ہند میں اسلام کو وہ فروغ ہوا کہ باید و شاید، ہندوستان جیسی سنگلاخ زمین کو جہاں کے باشندے اپنے آپ کو پوتر اور دوسروں کو ملیچھ سمجھتے تھے۔ جن کے نزدیک دوسروں کا مذہب قبول کرنا تو بڑی بات ہے ان سے ہاتھ ملانا تک گوارا نہ تھا بلکہ ان کے سائے سے پرہیز کرنا بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ بطوع و رغبت داخل اسلام ہوتے چلے گئے اور آج ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو بفضلہ تعالیٰ اہلِ اسلام کی تعداد بتیس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ وہ ان ہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا صدقہ اور ان ہی کے اخلاص کی برکت ہے اور گو اس میں شک نہیں کہ اس برصغیر میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سہروردی، فردوسی، ہمدانی، قادری سب ہی سلاسل کے بزرگوں کی کوششوں کو بڑا دخل ہے لیکن یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ ان بزرگوں کی برکات خاص خاص خطوں اور علاقوں تک محدود رہیں۔ ملتان کے حدود میں سہروردیہ کا اثر رہا، اوچ کے علاقہ میں قادریوں کا، دلّی اور بہار کے نواح میں فردوسیوں کا اور کشمیر میں ہمدانیوں کا لیکن پورے طور پر جن بزرگوں نے علی العموم اقلیم دلّی پر فرمانروائی کی وہ حضرات چشت اہل بہشت تھے۔ بعد کو مغل دورِ حکومت میں ان کی جگہ قافلہ سالارانِ اہلِ دل حضرات اکابر نقشبندیہ ہوئے جن کا اثر اس برصغیر سے نکل کر روم و عرب اور ماوراء النہر تک پہنچا اور عالم اسلام کا بہت بڑا حصہ ان کے انوار سے معمور ہو گیا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بجا فرمایا ہے کہ

تخم از بخارا و سمرقند آوردہ در زمین	بخارا و سمرقند سے تخم لا کر زمین ہند میں کہ جس کی
ہند کہ مایہ اش از خاک یثرب و	اصل یثرب و بطحا کی خاک سے ہے اس کو دیا
بطحا است کشتند و آب فضل سالہا	اور فضل خدا کے پانی سے برسوں اس کو
آن را سیراب داشتند و بہ تربیت احسان	سینچا اور اخلاص کی تربیت سے اس کی

آخر امر بے ساختند چوں آں کشت وکار بکمال رسید ایں علوم و معارف ثمرات بخشید[1]

پروردش کی پھر جب یہ کھیتی باڑی اپنے کمال پر پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل دینے لگے۔

اور ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

مخدوما در ہندوستان ہم ولایت میسر ہست ...... امروز در ہندوستان آں میسر ہست کہ در اکثر جا نیست، از کثرت فیوض و واردات رشک بقاع و بلاد است، و از مزج صباحت و ملاحت مشابہت تام بتربت یثرب و بطحا در حسن ولطافت وارد و از انوار و برکات آں بیش از بیش امید وار ست[2]

مخدوما ہندوستان میں بھی ولایت میسر ہے ...... آج کل ہندوستان میں وہ چیز میسر ہے جو اکثر جگہوں پر نہیں ہے۔ فیوض و واردات کی کثرت سے دوسرے مقامات اور شہروں کے لیے باعث رشک ہے اور خوبروئی و نمکینی کی باہمی آمیزش کی بدولت یثرب و بطحا کی خاک سے حسن و لطافت میں شباہت تام رکھتا ہے (اور اینده) اس کے انوار و برکات سے زیادہ سے زیادہ امید رکھتا ہے۔

یہ ہے اس ہندوستان جنت نشان میں شمع اسلام کے فروزاں ہونے کی مختصر سی داستان صداقت نشان۔ پھر دو وقت اس سرزمین پر ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈر تھا کہ اسلام کی یہ شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنے شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا نصیب دشمناں کہیں ہمیشہ کے لیے بجھ نہ جائے۔ ایک اکبری دور الحاد کہ جس کے اثر بد کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ نے اپنی تربیت باطنی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا۔ جزاہما اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین خیر الجزاء، دوسرا انگریز کا عہد نحوست مہد بالخصوص ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ رستخیز کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۰۰ در صد و شصتم ص ۹۲ حصہ چہارم طبع امرتسر

[2] مکتوبات معصومیہ جلد ثالث، مکتوب چہل و ہشتم ص ۵۰ طبع امرتسر ۱۳۳۰ھ

اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا۔ لامذہبیت نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا۔ اہل بدعت نے زور باندھا اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ لیکن حق تعالیٰ کو ابھی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا منظور تھا۔ دہلی کے عربک کالج سے دو طالب علم نکلے جن کی علمی تربیت مولانا مملوک العلی اور مولانا عبد الغنی صاحب محدث مجددی رحمۃ اللہ علیہما نے کی تھی اور باطنی تربیت شیخ وقت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی مہاجر مکی رحمۃ اللہ نے اخلاص کی دولت اور چشتیہ و نقشبندیہ کی نسبت حاجی صاحب کے آستانہ سے ملی اور مجددیہ کے برکات اور خاندان ولی اللہی کے علوم و فیوض ان دونوں بزرگان مذکور الصدر کے خوان علمی سے۔ میری مراد ان دونوں طالب علموں سے حضرت محدث گنگوہی مولانا رشید احمد اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہما سے ہے۔ قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا۔ آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک ایسی درسگاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دور زوال و انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور ان کی علمی و دینی تربیت کا مرکز ہو۔ حق تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔ وہ مدرسہ جو ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا۔ دیوبند جیسی گمنام بستی میں، چھتہ کی مسجد کے اندر انار کے درخت کے نیچے جس کے پہلے مدرس مولانا محمود دیوبندی اور پہلے طالب علم مولانا محمود حسن (شیخ الہند) تھے اور ۲ ذی حجہ ۱۲۹۲ھ کو جس کی بنیاد کا پہلا پتھر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے رکھا۔ اور بعد میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہم نے ایک ایک اینٹ رکھی تھی اور جس کی پہلے سال کی آمدنی کل چھ سو انچاس روپے چار آنے تھی۔ کل دو مدرس ایک عربی اور ایک فارسی و ریاضی کے مقرر ہوئے تھے اور کل بیس طالب علم شروع میں شریک ہوئے تھے۔ سوچیے آج ایک سو سال گزر جانے پر کس عظمت کا حامل ہے اور اس سے دین حنیفی و مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی و شادابی ہوئی۔

بقول مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ:-

"ذرا سوچیے ان لوگوں کو جو تقریباً ایک صدی سے عالم دین بن بن کر "دار العلوم دیوبند" سے نکل رہے ہیں اور ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود وہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا

کہ ان میں ایسے کتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے معتقدوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ ان میں حکیم الامت مرشد تھانوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن حضرت امام کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہم جیسے حضرات ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقہ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں۔"[1]

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ "خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے۔" مولانا نانوتوی نے اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے بھائی مولانا محمد یعقوب صاحب سے فرمایا، مولانا یعقوب نے اس خواب کو سن کر فرمایا کہ "خواب دیکھنے والے شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی۔ امیر شاہ خاں صاحب جو اس خواب کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا نانوتوی سے سنی ہے۔[2] اس خواب کی جو تعبیر دی گئی آج اس کی حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ مولانا گیلانی نے اس سلسلہ میں بہت صحیح فرمایا ہے کہ:-

"تیرھویں صدی کے آخر میں مسلمانانِ ہند کی اپنی زندگی کی وحدت کو جو شدید خطرہ فتنہ غیر مقلدیت کے طوفان کی وجہ سے پیش آ گیا تھا اور قریب تھا کہ یک جہتی کا یہ شیرازہ بکھر کر پراگندہ ہو جائے، انتشار بے مہاری کے اس سیلاب میں ڈر تھا کہ سلف کے سارے کارنامے شاید تہ و بالا ہو کر رہ جائیں، اس کڑے وقت اور کٹھن گھڑیوں میں درس حدیث کے قاسمی یا دیوبندی طریقہ نے خصوصیت سے کام کیا۔ اور ...... دین کی وہ تشریحی شکل جو امام ابو حنیفہ اور ان کے ماننے والے ائمہ و علماء کی جد و جہد کی بدولت صورت پذیر ہوئی۔ یہ ان کا صدقہ ہے کہ دین کا یہ حنفی قالب شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ کے خطرے سے ہندوستان میں محفوظ رہا۔"[3]

---

[1] سوانح قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانی ج ۱، ص ۲۳۰ شائع کردہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۳ھ

[2] ایضاً ج ۱، ص ۳۴۴ [3] ایضاً ص ۳۴۳ تا ۳۴۶

آخر میں جناب آل احمد صاحب سرور پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا یہ محاکمہ بھی پڑھ لیجیے جو ان کے قلم سے ان الفاظ میں تراوش ہوا ہے۔

"ہر ایک تحریک اپنے اندر مختلف قسم کے اثرات چھپائے رکھتی ہے۔ علی گڑھ کی تحریک ایک انقلابی تحریک تھی، یہ ترقی پسند تحریک تھی، یہ بادشاہت کے نشہ کو اتار کر حقیقت کی تصویر دکھانا چاہتی تھی، مذہب میں عقلیت، سماجی زندگی میں رسم و رواج سے بیزاری، تعلیم و تربیت میں مغربیت اور اجتماعی اخلاق کی تلقین کے ذریعہ سے اس نے انقلابی خدمات انجام دیں، مگر ۱۹۰۵ء کے قریب اس تحریک کی مغرب دوستی انگریز پرستی بننے لگی تھی اور اس لحاظ سے یہ ان علماء کے مقابلہ میں پیچھے تھی جو دیوبند کے ذریعہ سے حریت اور سیاسی جدوجہد کے علمبردار تھے۔"[1]

---

[1] ملاحظہ ہو "تنقید کیا ہے" از پروفیسر آل احمد سرور شائع کردہ مکتبہ جامعہ دہلی ص ۳۰ ۔ ۱۹۵۲ء
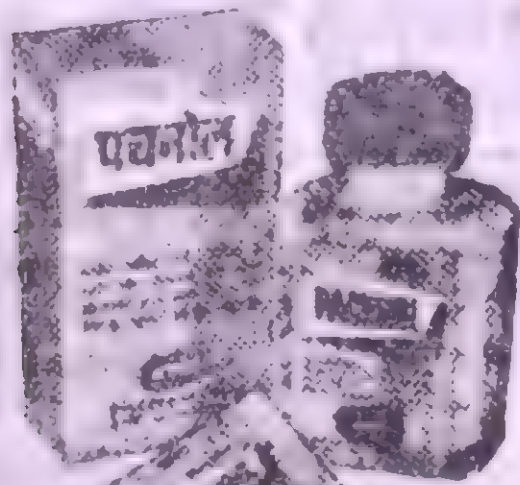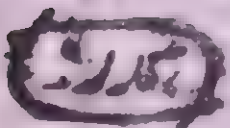
شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خاں رح

مختصر حالات زندگی

از۔ قاری حبیب الرحمٰن صاحب استاذ تجوید دار العلوم تعلیم القرآن (راولپنڈی)

[جولائی کے شمارہ میں حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب علیہ الرحمہ کے حادثہ وفات کی اطلاع کے ساتھ مختصر تعزیتی نوٹ بھی لکھا گیا تھا، دلی خواہش تھی کہ اپنے ناظرین سے انکی شخصیت کا کسی قدر تفصیلی تعارف بھی کرا دیا جائے۔۔۔۔ ماہنامہ "الرشید" ساہیوال (پاکستان) کے رمضان مبارک کے شمارے میں قاری حبیب الرحمٰن صاحب کا یہ مضمون شائع ہوا ہے محترم مضمون نگار اور "الرشید" کے شکریہ کے ساتھ نذر ناظرین الفرقان کیا جا رہا ہے۔]

ولادت مولانا غلام اللہ خاں بیسویں صدی کے پہلے عشرہ اور چودھویں صدی کے تیسرے عشرہ میں موضع دریہ ز دحضرو ضلع اٹک میں ایک زمیندار گھرانہ میں جو قبیلہ اعوان سے تعلق رکھتا ہے پیدا ہوئے اس حساب سے آپ کی عمر تقریباً ۸۰ سال بنتی ہے جس کا ذکر آپ خود فرمایا کرتے تھے۔

نام ابتدا میں آپ کا نام غلام خاں رکھا گیا بعد میں حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری نے آپ کا نام غلام اللہ خاں رکھا جسے آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت رائے پوریؒ کی کرامت ہے کہ میرے پہلے نام کو جیسے کوئی جانتا ہی نہیں۔ اور حضرت رائے پوریؒ کے مزار مبارک پر ڈھڈیاں ضلع سرگودھا کے جلسوں میں بارہا اس کا ذکر فرمایا۔

خاندان آپ کے والد ماجد کا نام فیروز خان (نمبردار) وہ اپنے علاقہ کے صاحب حیثیت اور با اثر شخصیت تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب حضرت علیؓ کے ایک صاحبزادے سے جا ملتا ہے۔

گویا کہ آپ نسبًا علوی تھے۔

ابتدائی تعلیم

ناظرہ قرآن مجید آپ نے اپنے آبائی گاؤں میں پڑھا اور اسکول کی تعلیم آپ نے نویں جماعت تک حاصل کی لیکن ابتدا سے ہی آپ کا ذہن دینی اور مذہبی تھا۔ آپ اسکول کے ماحول سے تنگ آکر اپنے والد کی مرضی کے خلاف گھر سے چلے آئے کیونکہ والد مرحوم چاہتے تھے کہ میرا بیٹا میری لائن پر میرا جانشین بنے۔ کسے معلوم تھا کہ آپ شاہ اسمٰعیل شہید کے جانشین بننے والے تھے جس پر آپ کی زندگی شاہد ہے۔

دینی تعلیم

آپ ابتدا میں موضع ٹھٹھہ علاقہ تحصیل ضلع راولپنڈی میں مولانا احمد دین کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں آپ نے صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد آپ انّی ضلع گجرات تشریف لے گئے جہاں اُس وقت پنجاب کی دینی درسگاہوں میں معروف درسگاہ تھی وہاں آپ نے دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی۔ پھر آپ واں بھچراں ضلع میانوالی میں تشریف لے گئے جہاں اس وقت کے امام اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ کامل مولانا حسین علی سے تفسیر پڑھی اور اپنی ذہانت و قابلیت کی وجہ سے چند ہفتوں میں ہی آپ استاذ محترم کے منظور نظر شاگرد بن گئے۔ اور اسی زمانہ میں استاذ محترم کے تفسیری فوائد و نکات بھی قلمبند کیے۔

سلسلہ طریقت

شیخ موصوف نے مولانا حسین علی صاحبؒ سے بیعت بھی کی جو اپنے پیرو مرشد خواجہ عثمان صاحبؒ موسیٰ زئی شریف کے خلیفۂ اعظم تھے۔ بلکہ اہل طریقت کے ہاں اس دور میں مولانا حسین علی صاحبؒ کو سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کا سب سے بڑا شیخ سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ نے اپنا باطنی اور روحانی تعلق شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی صاحب سے قائم رکھا جو آپ کے شیخ موصوف کے خلیفہ اعظم تھے اور آپ کے دادا پیر خواجہ عثمان صاحبؒ کے صاحبزادہ خواجہ عثمان صاحبؒ کے صاحبزادہ خواجہ سراج الدین سے فیضیافتہ تھے۔

علم حدیث کے لیے سفر

ازاں بعد آپ طویل سفر کر کے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مکمل علم حدیث پڑھا اور آپ کے رفقاء کا کہنا ہے کہ آپ نے خداداد ذہانت و صلاحیت اور قابلیت کے پیش نظر وہاں بھی اساتذہ کی نظر میں ایک

ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا اور اسی دوران جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے طلباء میں اپنے شیخ مولانا حسین علی صاحبؒ کی طرز پر وہاں قرآن مجید کا درس دیتے رہے۔ اور خصوصی تفسیری فوائد بیان کرتے رہے اس دوران آپ دیوبند بھی آئے۔

تدریس

کافی جستجو اور تحقیق کے بعد پتہ یہی چلتا ہے کہ آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز بھیرہ ضلع سرگودھا سے کیا وہاں کئی سال تک آپ قرآن و حدیث کے علاوہ تمام علوم و فنون بالخصوص منطق فلسفہ اور علم ریاضی کا درس دیتے رہے تھوڑے ہی عرصہ میں طلباء میں آپ کی شہرت ہو گئی اور علمی حلقہ میں آپ مقبول ہو گئے۔ پھر آپ مدرسہ شاہ حسین گجرات تشریف لے گئے اور وہاں بھی مذکورہ بالا علوم و فنون کا درس دیتے رہے۔

راولپنڈی میں آمد

بالآخر ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میں راولپنڈی میں ایک ہائی اسکول کے استاد کی حیثیت سے وارد ہوئے اور آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں راولپنڈی میں ایک داعیہ لیکر آیا تھا جو بعد میں آپ کے خواب کی زندہ تعبیر ہوئی۔ چند ماہ میں آپ کے جوشِ خطابت اور آوازۂ حق نے راولپنڈی شہر میں متعارف کرا دیا کیونکہ آپ کی تقاریر اکثر قرآن مجید کی آیات سے بھرپور ہوتی تھیں اور اس نعمت عظمیٰ سے اہل راولپنڈی محروم تھے۔ اسی وجہ سے انتظامیہ مسجد پرانا قلعہ نے آپ کو خطابت کی پیشکش کی اور اس وقت ۱۵/- روپے ماہانہ آپ کا مشاہرہ مقرر ہوا مگر آپ نے مشاہرہ لینے سے معذرت کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ میں فی سبیل اللہ قرآن کی خدمت کروں گا۔ میری صرف شرط یہ ہے کہ میری بات سُنی جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پرانا قلعہ کی مسجد عوام و خواص کا مرکز بن گئی۔ گویا یہاں سے مسلک حقہ (حنفی دیوبندی) کا برملا راولپنڈی میں آغاز ہوا۔ اس وقت راولپنڈی میں مسلک دیوبند کی صرف ۵ مساجد تھیں اور آج بیشتر مساجد اپنے مسلک کی ہیں۔ آپ کی شہرت کے پیش نظر علوم و فنون پڑھنے والے طلباء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

آپ کی یادگار درسگاہ

چنانچہ آپ نے ۱۹۴۰ء میں مسجد پرانا قلعہ میں ہی دار العلوم تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی اور آپ حسب سابق عرصہ تک دار العلوم میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ علم ادب۔ معانی۔ صرف و

نحو پڑھاتے رہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد دارالعلوم راجہ بازار کی ایک متروکہ عمارت میں منتقل ہوا۔ جو ایک سادھو کی تربیت گاہ تھی اور اس تربیت گاہ کے منتظم مولانا مرحوم کو لکھ کر دے گئے تھے کہ آپ یہاں دینی درسگاہ قائم کریں۔ جو دستاویز اب تک موجود ہے۔ اس کے ملحقہ خالی زمین میں آپ نے ایک وسیع جامع مسجد کی بنیاد رکھی جو اپنی مثال آپ ہے اور اس مسجد کے متصل شمال جانب تعلیم القرآن ہائی اسکول قائم کیا جس کو اسلامی تعلیم میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ بعد میں قومی تحویل میں لے لیا گیا۔

دارالعلوم میں ناظرہ حفظ و تجوید، قرأت کے علاوہ تمام درس نظامی مع دورۂ حدیث اور شعبۂ دارالافتاء قائم ہے جس میں ہمیشہ محقق اساتذہ خدمات انجام دیتے رہے۔ مگر آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر پابندی سے درس نظامی کے اسباق پڑھانے چھوڑ دیے تھے۔ لیکن گذشتہ سالوں میں طلباء کے اصرار پر ابوداؤد اور مسلم شریف آپ پڑھاتے رہے۔ بہرکیف آپ کو تمام علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً تفسیر، منطق اور فلسفہ پر دسترس حاصل تھی نیز علم ریاضی کا آپ کو اسپیشلسٹ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اس کے بعد آپ نے اپنے آبائی گاؤں درسہ میں اپنی ذاتی اراضی تقریباً ۸ کنال کے قطعہ پر ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کے ساتھ مدرسہ دارالعلوم حسینیہ قائم کیا جس میں عرصہ تک قرآنی درجات کے علاوہ موقوف علیہ تک درس نظامی کے اسباق ہوتے رہے اور اب بھی ناظرہ، حفظ و تجوید کے درجات قائم ہیں اور ایک عمارت میں لڑکوں کا پرائمری اسکول بھی حکومت کی جانب سے موجود ہے لیکن مولانا مرحوم نے محکمہ تعلیم سے کبھی کرایہ نہیں لیا۔ آپ اسے بھی قوم کی خدمت سمجھتے تھے۔

بعد ازاں آپ نے ایک بہت بڑی کمی محسوس کرتے ہوئے اپنے آبائی ضلع کے صدر مقام اٹک سابق کیمبل پور شہر میں اپنی جیب خاص سے پانچ کنال آراضی خریدی اور وہاں ایک جامع مسجد اور مدرسہ جامعہ اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی جو چند سالوں میں ہی مکمل ہو گیا اور اسی ادارہ کے صحن میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا ہے۔ اس مدرسہ میں بھی ناظرہ حفظ و تجوید مروجہ درس نظامی پڑھایا جاتا ہے۔

دورہ تفسیر | جب آپ نے اپنے شیخ مولانا حسین علیؒ کی خصوصی طرز اور شیخ موصوف کی اجازت سے پڑھانا شروع ہی سے شروع کر دیا تھا اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب اپنے

شیخ سے اجازت چاہی تو آپ نے بڑے پیار سے پنجابی لہجہ میں فرمایا تھا "اللہ راضی کیتیوی شروع کر برکت ہوسی" یہ دورۂ تفسیر مولانا مرحوم ہر سال خود پڑھایا کرتے تھے جس میں تقریباً پانچ صد علماء فضلاء طلباء شریک ہوتے تھے۔ آپ کے تلامذہ مشرق بعید۔ برّاعظم ایشیا، افریقہ اور تمام ممالک اسلامیہ میں کام کر رہے ہیں اور آپ کی طرز پر ملک اور بیرون ملک کئی جگہ دورۂ تفسیر پڑھا رہے ہیں۔ آپ کو دورۂ تفسیر سے اس قدر شغف اور لگن تھی کہ آپ فرماتے میرا یہ سالانہ وظیفہ ہے اور دورۂ تفسیر کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ تین ماہ کی علالت کے بعد مارچ ۱۹۸۰ء میں جب آپ کو صحت ہوئی تو آپ قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالا میں ایک مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے وہاں جلسہ کے داعی اور اپنے تلمیذ خاص مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب سے فرمایا کہ میری صحت کے لیے اتنی دعا کرو کہ میں دورۂ تفسیر پڑھا لوں۔

مسلک

آپ اہلسنت حنفی دیوبندی تھے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بعد خاندان شاہ ولی اللہ میں شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور اکابرین دیوبند میں حضرت گنگوہیؒ اور علماء دیوبند میں اپنے اساتذہ کے علاوہ حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ، اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کو ترجیح دیتے تھے اور قرآن مجید کے تراجم میں سے حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور حواشی میں شاہ عبدالقادرؒ کا موضح القرآن اور تفاسیر میں سے مذہب حنفی کی مستند تفسیر روح المعانی کو پسند فرماتے تھے۔

انتھک محنت

آپ بہت کم آرام فرمایا کرتے تھے۔ بہیہ ضلع سرگودھا کے زمانہ کے آپ کے شاگرد کا کہنا ہے کہ سحری سے مغرب تک مسلسل سبق پڑھایا کرتے تھے جس میں ابتدائی کتب سے فوقانی کتب تک شامل ہوتیں جب سے باقاعدہ تدریسی مشغلہ چھوڑا شب و روز سفر میں گذرتے تھے یعنی دن کو سفر رات کو تقریر۔ بارہا بعض علاقوں میں صبح کے درس کے علاوہ ظہر کے بعد اور شبانہ اجلاس میں طویل تقریر فرماتے۔ جب مواصلاتی نظام دقت کرتا نظر آتا کئی کئی میل آپ پیدل سفر فرماتے حتیٰ کہ لاؤڈ اسپیکر خود اپنے کندھوں پر اٹھا کے بعض گاؤں میں جا کر تبلیغ اسلام کی

تہجد کے لیے ضرور اٹھتے۔ خصوصاً دورۂ تفسیر کے دوران یومیہ آٹھ گھنٹے درس فرماتے۔ باوجود

اس کے رمضان المبارک میں نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد جو حصہ قرآن مجید کا پڑھا جاتا اس کا مختصر خلاصہ بیان فرماتے۔ تقریباً اڑھائی تین گھنٹے تراویح میں صرف ہوتے پھر بھی ہزاروں لوگ آپ کا خلاصہ سننے کے دور دراز سے تراویح پڑھنے آتے۔

استقامت

قرآن و سنت کی روشنی میں مسلک حقہ کے بیان میں آپ میں بالکل لچک نہ تھی اور آپ برملا فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ناراض ہو یا راضی مجھے جو امانت ملی ہے میں نے پہنچانی ہے اس حق گوئی کے جرم میں طرح طرح کے مصائب و مسائل پیش آئے لیکن آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ صحیح بات کو بیان کرنے کے لیے کبھی عوام و خواص کا خیال نہیں کیا۔ اگر کسی جلسہ میں آپ کو فرمایا جاتا کہ ذرا نرم بیان ہو تو آپ اس کا اظہار اسٹیج پر فرما دیتے اور اپنے مسلک کو شدت سے بیان فرماتے۔

مثلاً آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے مسجد قاسم علی خاں پشاور میں مفتی سرحد مولانا عبد القیوم پوپلزئی کی صدارت میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اور ایک شقی القلب انسان نے تقریر کے بعد استرا سے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور گرفتار ہو کر سات سال سزا پائی جس پر عدالت نے فیصلہ لکھا کہ مولانا کی تقریر کا مضمون قرآن مجید کی آیات میں موجود ہے لہٰذا اسے اشتعال انگیز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے بعد بھی جس علاقہ کا آپ کو پتہ چلتا کہ اہل بدعت کا زور ہے اور وہ اہلِ حق کی مذمت کرتے ہیں وہاں آپ ضرور تشریف لے جاتے۔ آپ نے بے شمار اہلِ بدعت سے مناظرے فرمائے ہمیشہ جاء الحق وزھق الباطل کا ظہور ہوا۔

مجاہدانہ کارنامے

آپ نے تحریک آزادی میں مجلس احرار الاسلام اور جمعیت علماء ہند کے موقف کی تائید کی اور صفِ اول کے رہنماؤں کے ساتھ برصغیر میں انگریز کے خلاف آواز اٹھائی۔ قیام پاکستان کے بعد تحریک ختم نبوت میں مرکزی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں مجلس عمل کا جو وفد کراچی میں اس وقت کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملنے گیا اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد مشرقی و مغربی پاکستان میں سب سے پہلے آپ کی گرفتاری ہوئی۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک میں بھی گرفتار ہوئے اور اس دوران آپ کی رہائش گاہ کے پاس جامع مسجد پرانا قلعہ میں دستی بم پھینکا گیا جسے سابقہ ایف ایس ایف کے افسر بانی کورٹ تسلیم کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۷ء کی نظام اسلام

کی تحریک جو پاکستان قومی اتحاد کے سٹیج سے شروع ہوئی۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ راولپنڈی میں اس تحریک کا مرکز آپ ہی کا ادارہ تھا اور آپ کے دم سے راولپنڈی میں یہ تحریک کامیاب ہوئی۔ جس کی دلیل کے لیے اس ادارہ پر اور مسجد پر پیپلز پارٹی کا مبینہ حملہ کافی شافی ہے۔ اس تحریک میں پاکستان بھر کے علماء کو سڑکوں پر لانے اور شامل جلوس کرنے کا سہرا آپ پر ہے کیونکہ تمام ملک میں سب سے پہلے علماء کا جلوس آپ ہی کی قیادت میں دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی سے نکلا۔ بالآخر آپ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

اس کے علاوہ بے شمار سماجی و مذہبی تحریکوں میں حصہ لیا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک و بھارت جنگ میں چٹاگانگ سے خیبر تک دورہ کر کے جہاد کی اہمیت کو واضح کر کے قوم کو بیدار کیا اور اپنے خصوصی اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے کئی لاکھ کا جہاد فنڈ فراہم کیا۔ یاد رہے کہ آپ کبھی بھی کسی سیاسی جماعت کے بنیادی رکن نہیں بنے لیکن ہر اس سیاسی جماعت کو آپ کی حمایت حاصل رہی جس نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جد و جہد کی۔

۱۹۵۶ء میں جب پہلا آئین بن رہا تھا تو آپ نے اس وقت جمعیت علماء اسلام کے امیر مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی قیادت میں چٹاگانگ سے خیبر تک دورہ کیا اور اسلامی نظام کی اہمیت کو واضح کیا۔ اسی طرح ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں سوشلزم اور کمیونزم کی بھی شدت سے تردید کی اور پھر ۱۹۷۷ء کی تحریک قومی اتحاد میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔

بے باکی اسلام کے خلاف ہر حکومت کے اقدامات کا آپ سختی سے نوٹس لیتے رہے اور اس حق گوئی کی پاداش میں متعدد بار جیل گئے۔ سکندر مرزا کے دور میں آپ کو تین ماہ کے لیے نظر بند کیا گیا۔ وہاں آپ نے قرآن مجید کا درس شروع کیا اور اہلِ کلر سیداں کی زندگیوں میں انقلاب آ گیا۔ راقم الحروف اسی علاقے کا رہنے والا ہے۔ مذکورہ تجارتی قصبہ میں علماء دیوبند کا نام لینا بھی جرم تھا۔ مولانا مرحوم کے چند ماہ کے درس سے اب تک وہاں مسلک علماء دیوبند کی جماعت قائم ہے اور جامع مسجد میں دیوبندی خطیب ہے۔ ایوبی دور میں عائلی قوانین اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے خلاف ملک بھر میں آواز اٹھائی اور حکومت کے دوسرے خلاف اسلام امور پر کڑی تنقید اور نکتہ چینی کی جس کے نتیجہ میں آپ کو اپنے آبائی گاؤں درریہ میں اٹھارہ ماہ تک نظر بند کر دیا گیا۔

طرح طرح کی دھمکیوں کے بعد اس عرصہ میں بے شمار نوازشات کی پیشکش کی گئیں لیکن آپ نے ٹھکرا دیں مختصر یہ کہ آپ پاکستان کے تینوں مارشل لاء میں گرفتار ہوئے۔

تبلیغ اسلام کے لیے سفر

مشرقی و مغربی پاکستان کے علاوہ آپ نے متعدد اسلامی ممالک کا دورہ کیا۔ مئی ۱۹۶۸ء میں آپ انگلینڈ تشریف لے گئے۔ وہاں تقریباً چالیس مقامات پر توحید و سنت کی اشاعت میں خطاب کیا۔ گزشتہ سال حج کے موقع پر سعودی حکومت کی خصوصی دعوت پر پاکستان کی جانب سے حرم شریف میں ایک ماہ تک آپ نے درس قرآن مجید دیا جس کے تمام انتظامات وزارت امور مذہبیہ سعودیہ عربیہ نے کیے تھے۔ پھر مارچ ۱۹۸۰ء میں علالت کے باوجود دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں تشریف لے گئے اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے حکم سے پاکستانی علماء کی قیادت کی اور دارالعلوم کی جانب سے جو نظام الاوقات چھپا تھا اس میں پاکستانی علماء میں سے صرف آپ کا نام تھا۔ خصوصیت سے فضلاء دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ کا خطاب ہوا۔ اور پھر مولانا اسعد مدنی کی خصوصی دعوت پر آپ جمعیت علماء ہند کے استقبالیہ میں شرکت کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔

اوصاف حمیدہ

آپ کے بیان اور مسلک میں جس قدر شدت تھی آپ نجی مسائل اور گفتگو میں اتنے ہی نرم تھے۔ آپ اصاغر سے اس طرح پیش آتے جیسے اکابر یا ہم عصر سے سلوک کر رہے ہیں۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا آپ ہر ایک بات کو توجہ سے سنتے۔ اگر صحیح بات کوئی کہہ دے اس کی شخصیت کو نہ دیکھتے بلکہ مان لیتے۔ دینی مدارس کے طلباء کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اگر مغربی تہذیب کا کوئی دلدادہ آپ کے پاس آ جاتا اس کے ساتھ ایسے اخلاق سے پیش آتے کہ وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور چند دنوں میں وہ اسلامی تہذیب کا فرزند ہو جاتا۔ اسی طرح مسلک حقہ حنفی دیوبندی کے مخالفین بریلوی و شیعہ کے علماء میں سے کسی موقع پر کوئی ملتا آپ ایسے اخلاق کا مظاہرہ فرماتے جو آپ ہی کا خاصا تھا اور وہ لوگ تعجب فرماتے کہ مسلک میں شدت کے باوجود مولانا کس قدر وسیع القلب ہیں۔ ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۷ء کی تحریکوں میں آپ کے دارالعلوم میں تمام مکتب فکر کے علماء جمع ہوتے۔ آپ سب کے ساتھ وسعت ظرفی اور فیاضی کا سلوک فرماتے۔ اسلام کے بنیادی مسائل میں آپ نے کبھی فرقہ بریلویہ کو نظر انداز نہیں کیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں خود مولانا عارف اللہ

قادری کو دعوت دی اور انھیں جلوس میں تھام کر لے گئے۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا عارف اللہ نے کہا کہ مجھے انہوں نے بلایا تھا، میں نہیں گیا اور غلام اللہ کی دعوت پر ضرور جاؤں گا۔ یہ آپ کے اخلاق کا بہترین نمونہ ہے۔

تصانیف

۱۔ تفسیر جواہر القرآن تین جلدوں میں آپ کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ ۲۔ تفسیر بلغۃ الحیران "تفسیر بے نظیر" آپ کے شیخ کے فوائد کا مجموعہ ہے جسے آپ نے زمانہ تعلیم میں قلمبند کیا اور بعد میں شائع۔ ۳۔ آپ نے قرآن مجید پر حاشیہ بھی لکھا اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کے ساتھ شائع فرمایا جس سے علما، طلبا، فائدہ اٹھاتے رہے۔ ۴۔ جواہر التوحید مسئلہ علم غیب کا تحقیقی بے نظیر مجموعہ ہے۔ اس کے باقی دو حصے زیر تالیف تھے اس کتاب کی ابتداء آپ نے کلر سیداں کی نظر بندی کے دوران کی۔ اسی طرح آپ نے ماہنامہ تعلیم القرآن جاری فرمایا جس میں آپ کے متعدد تحقیقی وعلمی مضامین موجود ہیں۔

آپ کے قابل ذکر اساتذہ

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ، امام الوقت مولانا غلام رسول، یادگار سلف مولانا ولی اللہ اور مولانا احمد الدین صاحب قابل ذکر ہیں۔

آپ کے ہم عصر علماء

مولانا قاضی نور محمد، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا قاری لطف اللہؒ، علامہ دوست محمد قریشیؒ، مولانا عبد الحنان ہزاروی، مولانا محمد اسحاق ہزارویؒ نیز مولانا قاضی شمس الدین، مولانا عبد القدیر، علامہ محمد شریف کشمیری، مولانا مفتی محمود، مولانا محمد طاہر، مولانا محمد طاہر، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، مفتی سیاح الدین اور مولانا عبد الواحد صاحبان کے نام قابل ذکر ہیں۔

آپ کی وفات

آپ اپریل ۱۹۸۰ء کے آخری ہفتہ میں عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر بحرین سے ہوتے ہوئے دوبئی پہنچے اور ۲۶ مئی ۱۱ رجب المرجب کی عشاء کے بعد جامع مسجد بر دوبئی میں خطاب فرمانا تھا اسی شام اپنے رفیق سفر سے کہا کہ اس بار میری صحت بہت اچھی رہی ہے۔ کیا حضرت کو معلوم تھا کہ چند گھنٹے بعد اس دنیائے فانی سے رخصت

ہو جاؤں گا۔ چنانچہ عشاء کے بعد جلسہ میں تلاوت ہو رہی تھی اسٹیج پر تشریف فرما تھے اور طبیعت ناساز ہوئی تو اپنے رفیق سفر سے کہا کہ چند منٹ تم بیان کرو کہ اس موذی مرض نے اعادہ کیا یعنی دل کا دورہ پڑا جس میں تقریباً دس سال سے مبتلا تھے۔ بارہا آپ پر حملہ ہوا اور صحت یاب ہوتے رہے لیکن اس بار آپ پر اس قدر شدید حملہ ہوا کہ جان لیوا ثابت ہوا۔ پانچ منٹ میں آپ کو ہسپتال پہنچا یا گیا جہاں سوا گھنٹہ گزرنے پر حرکت قلب بند ہونے سے ۲۶ اور ۲۷ مئی کی درمیانی شب کو وہاں کے وقت کے مطابق گیارہ بجے اور پاکستانی وقت کے مطابق بارہ بجے شب مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون صبح آٹھ بجے دار العلوم راولپنڈی میں خبر پہنچی اور چند گھڑیوں میں آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی اور دن کے بارہ بجے سے ریڈیو پاکستان نے خبر دینی شروع کی چنانچہ ملک بھر کے علمی مذہبی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ شام سے دیگر اضلاع سے لوگ جنازہ میں شرکت کے لیے پہنچنے شروع ہو گئے۔ رات نو بجے آپ کی میت براہ راست دوبئی سے چکلالہ ائیر پورٹ پر اتری وہاں سے جلوس کی شکل میں دار العلوم لائی گئی اور صبح آٹھ بجے لیاقت باغ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ نماز جنازہ میں پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق کے علاوہ مرکزی وزراء اور علماء طلباء وکلاء عوام کے ایک لاکھ ہجوم نے شرکت کی۔ اسی میدان میں آپ نماز عید پڑھایا کرتے تھے۔ اور راولپنڈی کی تاریخ میں اتنا بڑا ہجوم کسی جنازہ میں نہ دیکھا گیا۔ امامت آپ کے دست راست سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے کی۔ وہیں سے آپ کو اٹک لیجایا گیا جہاں بعد نماز ظہر مرکزی عیدگاہ میں تقریباً دس ہزار کے اجتماع نے نماز جنازہ پڑھی۔ یہاں آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا قاضی احسان الحق نے امامت کی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

وفیات

محترم ظفر احمد صدیقی :-

غالباً ۱۹۴۹ء تھا، لکھنؤ سے ایک تبلیغی جماعت سیتاپور گئی، راقم سطور بھی ساتھ تھا۔ ان دنوں ہمارے محترم اور بزرگ دوست مرحوم مغفور صوفی سید عبدالرب صاحب ایم اے سیتاپور کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں ماسٹر تھے۔ جماعت کا اور اس کے ساتھ میرا بھی قیام حسب معمول وہاں کی ایک مسجد میں تھا، صوفی صاحب بھی زیادہ وقت ہم لوگوں کے ساتھ ہی گزارتے تھے۔ ایک دن ایک صاحب تشریف لائے صوفی صاحب نے تعارف کرایا کہ یہ ظفر احمد صاحب صدیقی ہیں، یہاں کے وکلاء میں ہیں، قومی ملی کاموں میں بہت حصہ لیتے ہیں ___ اسی پہلی ملاقات میں اندازہ ہوگیا کہ سچے مسلمان، بہت مخلص اور نہایت متین و سنجیدہ آدمی ہیں۔ جماعت کا جب تک قیام سیتاپور میں رہا ظفر صاحب اس کے کاموں اور پروگراموں میں، گشت میں، تعلیمی حلقے میں، دعوتی اجتماعات میں شرکت کرتے رہے ___ انھوں نے کام کو سمجھا اور اسی وقت سے اپنا لیا اور برابر آگے بڑھتے رہے، اس زمانے میں رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور اس عاجز کا اس کام میں عملی حصہ بھی زیادہ تھا، لکھنؤ اور اس کے اطراف کے کام کے تو ہم ذمہ دار سمجھے جاتے تھے، اس وجہ سے اس تبلیغی کام ہی کے سلسلہ میں ظفر صاحب کی آمد و رفت لکھنؤ زیادہ رہی، وہ جماعتوں کے ساتھ سفر اور دورے بھی کرتے رہے، کام کے اصل مرکز نظام الدین دہلی سے بھی تعلق اور رابطہ رہا۔ اسی زمانے میں وہ ایک دفعہ پورے چالیس دن کے لیے تبلیغی جماعت کی خاص اصطلاح میں چلّے کے لیے کسی جماعت کے ساتھ نکلے۔ اس چلّے میں ان کی پوری کایا پلٹ ہوگئی، لباس بدل گیا صورت بدل گئی، ذکر و تسبیح اور تہجد جیسی عبادات اللہ کی توفیق سے ان کی عادات بن گئیں ___ کچھ ہی دن بعد انھوں نے حج کا ارادہ کر لیا اور اہلیہ کو ساتھ لیکر سفر حج کیا، اس سفر میں ان کے علاقے کے چند اور تبلیغی رفقا بھی ان کے ساتھ تھے، اور ظفر صاحب گویا اس قافلے کے امیر تھے۔ اس مبارک سفر نے (جو حج کی خاص استعداد اور صلاحیت پیدا ہو جانے کے بعد ہوا تھا) ان کو گویا بالکل کندن بنا دیا۔ اب ان کے لیے وکالت کا پیشہ ناقابل برداشت بار ہوگیا، بہت احتیاط سے مقدمات لیتے اور دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے ___ بدستور

سنہ ۵۹ء میں "دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش" کی بنیاد پڑی، یہ کام بھی بنیادی اہمیت رکھنے والا دینی کام تھا[1]۔ ظفر صاحب نے اس میں بھی پورا حصہ لیا —— پھر ایک وقت آیا کہ کونسل کے صدر رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دوسرے ذمہ داروں نے کونسل کے کام کے لیے ضروری سمجھا کہ ظفر صاحب کونسل کے سکریٹری کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری سنبھال لیں اور اپنی وکالت اور سیتاپور کی رہائش ترک کر کے کونسل کے دفتر (لکھنؤ) ہی کو اپنی قیام گاہ بنا لیں، انھوں نے اس کو قبول کر لیا اور وہ وکالت ترک کر کے (جس سے ہزاروں ماہوار کی آمدنی ہو سکتی تھی[2]) لکھنؤ آ کر کونسل کے دفتر کے ایک کونے میں مقیم ہو گئے اور اپنے کو دینی تعلیمی تحریک اور اس کے ساتھ دوسرے ملی کاموں کے لیے وقف کر دیا۔

اُن کے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ دینی تعلیمی کونسل کا کام اور اسی طرح دوسرے قومی و ملی کام (خواہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی اسلامی کردار کے تحفظ کا مسئلہ ہو یا مسلم پرسنل لا کا معاملہ) وہ یہ سارے کام اُسی روح اُسی جذبہ اور اسی نیت سے کرتے تھے جس سے وہ تبلیغی دورے کرتے رہے تھے یہ ان کا مزاج بن گیا تھا۔ کونسل کے اجلاسوں میں انھوں نے ارکان اور رفقا سے بار بار یہ بات کہی کہ اس کام میں جان جب پڑے گی جب تبلیغی جماعت کے کام کی طرح للہ فی اللہ اور بس اجر آخرت کی امید پر قربانی دی جائے —— راقم سطور ان کی یہ بات سنتا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ یہ چیز کہنے سننے سے تو پیدا نہیں ہو جاتی یہ تو اسی راستے سے اور اسی طرح کے مجاہدے سے آتی ہے جس سے خود ان میں (ظفر صاحب میں) آئی ہے۔

ظفر صاحب لکھنؤ کے قیام ہی میں مختلف امراض کا شکار ہوئے، صحت گرتی ہی چلی گئی لیکن وہ لگن اور دھن سے اپنا کام کرتے رہے۔ البتہ تقریباً دو سال پہلے فالج کا سخت حملہ ہوا جس نے انھیں بستر پر ڈال دیا، لیکن جب بھی جتنک لکھنے کے لیے ان کا ہاتھ چل سکا اور دماغ کام کر سکا وہ دین و ملت کے لیے ان کو استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ ۴ر اکتوبر کو وقت موعود آ گیا۔ دو دن پہلے ان کے اعزہ لکھنؤ سے ان کے وطن گھر (ضلع سیتاپور) کے ایک گاؤں میں لے گئے۔ وہیں جان جان آفریں کے سپرد کی اور وہیں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور مسلمانوں میں ان جیسے افراد پیدا فرمائے۔

---

[1] دینی تعلیمی کونسل اور اس کے کام کا ذکر کسی قدر تفصیل سے مرحوم قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کے تذکرے میں الفرقان کے گزشتہ ہی شمارے میں کیا جا چکا ہے۔ [2] ظفر صاحب بہت اچھے قانون داں، بہت ذہین اور کامیاب وکیل تھے۔

مولانا مفتی محمود صاحب (پاکستان)

۱۴؍ اکتوبر کی صبح اخبار میں اچانک پڑھا کہ پاکستان کے ممتاز عالم دین اور سیاسی رہنما مولانا مفتی محمود صاحب کا قلب کا دورہ پڑنے سے کراچی میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قریباً ۱۰۔۱۲ سال سے اخبارات میں مفتی محمود صاحب کا نام اس طرح آ رہا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاکستان میں ہمارے حلقے جماعت دیوبند کی عظیم شخصیت اور اس کے قائد و ترجمان ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ میں ان سے کیوں واقف نہیں، ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان سے پہلے لاہور سے پشاور اور کراچی تک بارہا سفر کیے تھے، تقسیم کے بعد بھی ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۸ء میں دو سفر ہوئے تھے اور پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان کے اپنی جماعت کے قریباً تمام ہی معروف علماء و فضلاء سے واقفیت تھی، لیکن مفتی صاحب سے میں بالکل واقف نہیں تھا اور جیسا کہ عرض کیا یہ بات میرے لیے موجب حیرت تھی —— اب سے سوا دو سال پہلے جولائی ۱۹۷۸ء میں "رابطہ عالم اسلامی" مکہ مکرمہ کی "ایشیائی کانفرنس" کراچی میں منعقد ہوئی تھی تو اس میں شرکت کے لیے کراچی جانا ہوا۔ وہیں معلوم ہوا کہ مولانا مفتی محمود صاحب آج کل کراچی ہی کے ایک ہسپتال میں زیر علاج ہیں، ایک دن ان سے ملاقات اور عیادت کا پروگرام بنایا اور ہسپتال جا کر ملاقات کی، بےحد مسرت اور قلبی تعلق کا اظہار فرمایا، گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے بارہا مل چکے ہیں، لیکن یہ ملاقاتیں اس وقت ہوئیں جب وہ مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد کے طالب علم تھے۔ یا اس کے بعد جب وہ صرف ایک نوجوان عالم اور مدرس تھے "مولانا مفتی محمود صاحب" نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد دوسری ملاقات مفتی صاحب سے ابھی قریباً ۶ مہینے پہلے ہوئی۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے، اس کے بعد لکھنؤ بھی تشریف لائے ۲-۳ دن دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا۔ ان دنوں میں بہت اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔

مفتی صاحب صوبہ سرحد کے ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے قصبہ پنیالہ میں ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ۔ ۱۹۱۹ء میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے جس میں علم بھی تھا اور درویشی بھی، ابتدا میں گورنمنٹ اسکول پنیالہ میں انگریزی تعلیم حاصل کی، ساتھ ہی گھر پر دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، میٹرک پاس کرنے کے بعد دینی ایمان کے غلبہ کی وجہ سے انگریزی کا سلسلہ ترک کر کے درس نظامی کی تکمیل کی طرف متوجہ ہو گئے، صرف و نحو اور ابتدائی منطق کی کتابیں گھر ہی پر پڑھیں، اس کے بعد مرادآباد آ کر مدرسہ شاہی مسجد میں چند سال قیام کر کے متوسط اور اعلیٰ درجات کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب وغیرہ اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد وطن جا کر اپنے اکابر و اساتذہ کے طریقہ پر درس و تدریس کی لائن اختیار کی، ساتھ ہی اس وقت کے حالات کے مطابق "جمعیۃ علمائے ہند" سے وابستہ رہ کر سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے —— ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان کے بعد وہاں کی سیاست کا نقشہ بالکل بدل گیا اور مفتی صاحب اور ان سب لوگوں کے لیے جنہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی، سیاست

میں حصہ لینے کی گنجائش ہی نہیں رہی، کئی سال تک یہ صورت حال قائم رہی، پھر جب یہ فضا ختم ہوئی تو مفتی صاحب اور اُن کے رفقا پھر سیاست میں سرگرم ہو گئے۔ پہلے جنرل ایوب خاں کے دور میں قومی اسمبلی کا الکشن لڑا اور کامیاب ہوئے ـــــ اس کے بعد ۱۹۷۰ء کے الکشن میں کامیاب ہوئے، ۱۹۷۲ء میں اپنے صوبے کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے، ملک کے دستور میں جہاں تک گنجائش تھی انھوں نے نظام حکومت میں بہت سی اصلاحات کیں، شراب قطعی ممنوع قرار دی اور بھی ایسے اصلاحی متعدد اقدامات کیے، وہ چاہتے تھے کہ اپنے صوبے کی حکومت کو نمونے کی حکومت بنا دیں۔ وزیر اعلیٰ اور سربراہ حکومت بننے کے بعد مفتی صاحب کی درویشانہ زندگی میں ادنیٰ تبدیلی نہیں آئی، اس چیز نے مفتی صاحب کو اور زیادہ ہر دلعزیز اور مقبول و محبوب بنا دیا، مسٹر بھٹو نے جو صدر حکومت تھے ایسے اقدامات کیے کہ مفتی صاحب نے اپنے اصولِ حیات کو محفوظ رکھنے کے لئے استعفے کا فیصلہ کر لیا اور انھوں نے اور اُن کے رفقا نے استعفا دے دیا۔

پھر ۱۹۷۷ء کے قومی اسمبلی کے الکشن میں بھی مفتی صاحب کامیاب ہوئے، پھر اسی الکشن میں مسٹر بھٹو کی طرف سے کی جانے والی دھاندلیوں کے خلاف تحریک چلانے کے لیے ملک کی قریباً سب ہی پارٹیوں نے متحدہ محاذ بنایا تو مفتی صاحب اس کے صدر اور سربراہ منتخب کیے گئے، انہی کی قیادت میں وہ طوفان خیز تحریک چلی جس کے نتیجہ میں مسٹر بھٹو کی حکومت ختم ہوئی اور فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی ـــــ اس تحریک کی کامیابی نے مفتی صاحب کو ملک کا سب سے بلند قامت سیاسی رہنما بنا دیا ـــــ گزشتہ سال وہ حجاز مقدس گئے تو اسی حیثیت سے شاہ خالد سے ان کی ملاقات ہوئی، وہ برصغیر کے ارباب سیاست و حکومت میں واحد شخصیت تھے جنکو عربی میں بھی تقریر اور گفتگو پر اچھی قدرت حاصل تھی اور انگریزی سے بھی واقفیت تھی۔

مفتی صاحب مدت سے ذیابیطس کے مریض تھے، مرض غالب آچکا تھا لیکن اللہ کی توفیق اور اپنی قوت ارادی سے اس کا مقابلہ کرتے رہے اور مستقل صاحب فراش بنکر علاج کرانے پر آمادہ نہیں ہوئے، اپنے مقدور بھر دین و ملت کی خدمت کرتے ہی رہے یہاں تک کہ ۱۴ اکتوبر کو کراچی میں قلب کا دورہ پڑا اور وہ اپنے رب کے حضور میں پہنچ گئے ـــــ ۱۵ اکتوبر کو ان کی میت ایک مخصوص طیارہ سے ملتان لائی گئی جو ان کا مستقر تھا اور جس کے مدرسہ قاسم العلوم کے وہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔ وہاں نماز جنازہ ادا کی گئی، اس کے بعد میت اُن کے اصل وطن لیجائی گئی اور نماز جنازہ کے بعد وہیں تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

Regd. No. LW/NP-62

Monthly ALFURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 48 NO. 10. 11 Oct., Nov. 1980 Phone 45147

مُدیر

محمد منظور نعمانی

چندہ سالانہ:
ہندوستان سے ۱۵/۰۰
(پاکستانی سکہ میں) ۲۰/۰۰
فی شمارہ ۱/۵۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

جلد (۴۸) | بابت دسمبر ۱۹۸۰ء مطابق محرم الحرام ۱۴۰۱ھ | شمارہ (۱۲)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	چند ضروری باتیں	ناظم الفرقان لکھنؤ	۲
۲	نگاہ اولیں	محمد منظور نعمانی	۳
۳	درس قرآن	〃	۶
۴	معارف الحدیث		۱۳
۵	حکیم الامت کی مجلس ارشاد	مولانا نسیم احمد فریدی	۲۱
۶	تصوف ایک تعارف	جناب شاہد علی عباسی	۲۶
۷	انتخاب	ماخوذ	۳۸
۸	ذکر خیر مولانا مصطفیٰ حسن علوی رحمۃ اللہ	محمد منظور نعمانی	۴۰
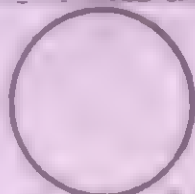
اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ ان کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات: اپنا چندہ ہندوستانی سکہ میں کسی بھی صورت دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں! پاکستانی سکہ میں صرف یہ رقم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

چند ضروری باتیں

از ناظم الفرقان

الفرقان کی اڑتالیسویں (۴۸) جلد کا یہ آخری شمارہ ہے، اس کے بعد انچاسویں (۴۹) جلد انشاء اللہ شروع ہوگی اس موقع پر ہم اپنے ناظرین کرام سے چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) گزشتہ سال ۷۹ء کے آخری مہینوں میں اچانک کاغذ کی قیمت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا، اس کے بعد الفرقان جاری رہنے کی دو ہی صورتیں تھیں ۔ یا چندے میں اضافہ کیا جائے یا اس کے صفحات کم کیے جائیں۔ ہم نے دوسری صورت کو بہتر سمجھا اور بجائے ۶۴ کے اس کے صفحات ۵۶ کر دیے گئے — اُس وقت ہمارا خیال تھا کہ قیمت میں یہ غیر معمولی اضافہ بعض وقتی حالات کی وجہ سے ہوا ہے جب یہ حالات باقی نہ رہیں گے تو قیمت کچھ اعتدال پر آجائے گی اور الفرقان کے صفحات پھر حسب سابق ۶۴ ہی کر دیے جائیں گے — لیکن ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور کاغذ کی قیمت میں کمی ہونے کے بجائے برابر اضافہ ہی ہوتا رہا ہے، اس لیے الفرقان آئندہ بھی ۵۶ ہی صفحات پر شائع ہوگا، امید ہے محترم ناظرین کرام اس میں ادارہ کو معذور تصور فرمائیں گے — اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے کہ اس کو ہم جاری رکھ سکیں۔

(۲) پاکستان کے خریدار حضرات کی خدمت میں

(الف) الفرقان آپ سب حضرات کو بھی پورے اہتمام سے اور خوب دیکھ بھال کے روانہ کیا جاتا ہے اس کے باوجود جن حضرات کو پابندی سے نہیں ملتا ان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ خریداری کا سلسلہ ختم فرمادیں اور ہم کو اطلاع دیدیں۔ آپ کے پیسے کیوں ضائع ہوں۔

(ب) پاکستان کے لیے الفرقان کا بدل اشتراک (چندہ) ہندوستانی پچیس (۲۵) روپیہ ہے، جس ذریعہ سے بھی آپ دفتر الفرقان (لکھنؤ) کو بھیج سکیں — (آپ یہ بینک کے ذریعہ بھیج سکتے ہیں، اس کا طریقہ آپ کو بینک والے بتلادیں گے) — لیکن جو حضرات ایسا نہ کرسکیں اور پاکستانی سکہ ہی میں وہیں ادا کرنا چاہیں وہ آئندہ کے لیے چالیس (۴۰) روپئے (پاکستانی) مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرماکر ہم کو اس کی اطلاع دیدیں۔

(جناب ناظم صاحب ادارہ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگس لاہور)

(۳) خریدار حضرات الفرقان کے سلسلہ میں جب بھی کوئی خط لکھیں یا منی آرڈر بھیجیں تو براہ کرم اپنا نام پتہ صاف لکھیں اور نمبر خریداری بھی ضرور لکھیں جو پتہ کی چٹ پر لکھا رہتا ہے۔

۲۹ نومبر ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اوّلیں

——— محمد منظور نعمانی

فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ؟

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ جو دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور اپنے دور میں علماء دیوبند کے استاذ الکل اور مرشد عالم تھے، جب انھوں نے اپنے خاص مجاہدانہ عزائم اور منصوبوں کے ساتھ پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں حجاز مقدس کا وہ سفر فرمایا جس میں وہ مکہ معظمہ سے گرفتار کرا کے مالٹا میں نظر بند کر دیے گئے، تو اُس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے (جیسا کہ معلوم ہوا ہے) حضرتؒ نے اپنے بعد کے لیے دار العلوم کے درسِ حدیث کا یہ نظام خود ہی تجویز فرما دیا تھا کہ صحیح بخاری اور جامع ترمذی حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری پڑھائیں گے اور صحیح مسلم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور سنن ابی داؤد حضرت مولانا سید اصغر حسین عرف حضرت میاں صاحبؒ ——— راقم الحروف اس کے قریباً دس سال بعد جب ایک طالب علم کی حیثیت سے ۱۳۴۳ھ میں دار العلوم دیوبند پہنچا تو درسِ حدیث کا یہی نظام جاری تھا۔

مختلف وجوہ سے استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی شخصیتوں کو تو ایسی شہرتِ عام حاصل ہوئی کہ پورے برصغیر (موجودہ ہند، پاکستان، بنگلہ دیش) کے دینی حلقوں کے عوام میں بھی بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو اِن دونوں بزرگوں سے کسی درجہ کی واقفیت نہ رکھتے ہوں ——— لیکن تیسرے بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب سے ——— جہاں تک راقم سطور کا اندازہ ہے ——— صرف اُن کے تلامذہ اور وہ محبین ہی واقف ہوں گے جن کا زندگی میں حضرت

ممدوح سے کسی قسم کا ربط و تعلق رہا ـــــ اس عاجز کا خیال ہے ـــــ اور حضرت میاں صاحبؒ سے واقفیت رکھنے والے غالباً سب ہی لوگ اس سے اتفاق کریں گے ـــــ کہ وہ "معصوم" تو نہیں، لیکن "معصوم صفت" بلاشک و شبہ تھے ـــــ اپنے چھوٹوں اور شاگردوں میں ـــــ جہاں تک اس ناچیز کو معلوم ہے ـــــ حضرت میاں صاحب کا سب سے زیادہ شفیقانہ تعلق مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے تھا۔

الفرقان کے اپریل اور پھر جولائی کے شمارے میں مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ "البلاغ کراچی" کے "مفتی اعظم نمبر" اور اس کی امتیازی نوعیت کا ذکر کیا جا چکا ہے ـــــ اس نمبر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے متعلق ایک بہت مفصل مضمون اُن کے صاحبزادے مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب کا بھی ہے جس میں انھوں نے اپنے والد ماجد سے سنے ہوئے اُن کے اکابر واساتذہ کے واقعات و ملفوظات بھی لکھے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت میاں صاحبؒ کا ایک نہایت سبق آموز واقعہ اور ملفوظ نقل کیا ہے۔ خود اس عاجز کو اس ملفوظ نے بہت متاثر کیا اور اس سے بڑا سبق ملا ـــــ ناظرین کرام بھی پڑھیں اور اللہ توفیق دے تو سبق حاصل کریں ـــــ مولانا محمد رفیع صاحب نے لکھا ہے۔

> "ایک روز (حضرت میاں صاحب) مکان سے تشریف لائے تو والد صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب) کو مخاطب کر کے فرمایا: آج ہم عجیب تماشا دیکھ کر آئے ہیں، والد صاحب اس تماشے کی حقیقت سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو گئے۔ فرمایا کہ محلہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھیں، ایک دوسرے کو مار رہی تھیں، ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے، اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیر نزاع ہے، حصوں کی کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تُلی ہوئی ہیں۔ اوّل نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں، ہم ان کی کم عقلی اور بچکانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے ـــــ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بے وقوفی پر ہنسنے والے! ـــــ جو لوگ دنیا کی دولت اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں اگر اُن کو چشم حقیقت میں نصیب ہو جائے تو وہ

یقین کریں گے کہ ان عقلا، زماں اور حکمائے وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچیوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں، فنا ہو جانے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں ——— حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کے لیے ارشاد فرمایا "الدنیا جیفۃ وطالبوھا کلاب" (دنیا ایک مردار جانور ہے اور اس پر جھپٹنے والے کتے ہیں۔)

(مفتی اعظم نمبر البلاغ کراچی ص ۲۹۵)

پڑھ لیا آپ نے حضرت میاں صاحب کا واقعہ اور ملفوظ! ——— عارف رومی نے اسی طرح کے واقعات اور حکایات سے (جو زیادہ تر غیر واقعی اور فرضی ہیں) اپنے نفس اور اپنے خالق کی معرفت کے بڑے بڑے سبق دیے ہیں ——— معلوم ہے کہ مولانائے روم کے خاص مخاطب علما اور صوفیا ہی ہیں ——— واقعہ یہ ہے کہ فی زماننا ہمارے علمی اور دینی حلقوں میں بڑی بڑی درسگاہوں اور خانقاہوں تک میں بھی جو نزاعات اور جھگڑے چل رہے ہیں ——— بقول حضرت میاں صاحبؒ اگر چشم حقیقت بیں نصیب ہو ——— تو نظر آجائے گا کہ یہ ساری کشمکش صرف جاہ و منصب اور مال و دولت کے لیے ہے اور یہ گوبر پہ لڑنے والی اُن بچیوں کی لڑائی سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے ——— فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ؟

ایک ذاتی حادثہ

اس عاجز راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کی ایک بہن تھیں جو مجھ سے ۱۲ سال چھوٹی تھیں، کئی مہینے سے علیل تھیں، علاج کے سلسلہ سے گزشتہ ستمبر میں لکھنؤ بھی قیام رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ کسی علاج سے بھی نفع نہیں ہوا، اکتوبر میں وطن (سنبھل ضلع مرادآباد) واپس ہوگئیں وہاں بھی علاج برابر جاری رہا لیکن قضا و قدر کا فیصلہ دوسرا ہو چکا تھا، ۵ نومبر کو ۱۱ بجے ہماری بہن اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل ہوگئیں ——— یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آخری دن کی فجر کی نماز بھی اہتمام سے ادا کی ——— اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے مرحومہ کی کامل مغفرت فرمائے ——— ناظرین کرام سے بھی دعا کی استدعا ہے۔ اس عاجز پر بھی احسان ہوگا ——— واللہ یحب المحسنین ۰

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب منجانب اللہ تھا، یقیناً اُس کا ظہور ہو گا۔
- اللہ نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ دین حق غالب ہو۔
- آپ کے اصحاب و رفقا میں وہی اوصاف ہیں جو تورات و انجیل میں بیان ہوئے ہیں۔ اُن کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا الٰہی وعدہ ہے۔

حمد و صلوٰۃ اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَاٰزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ

مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○

سورۃ الفتح آیات ۲۷-۲۸-۲۹

اللہ تعالیٰ نے سچا خواب دکھایا اپنے رسول کو جو برحق (اور واقعہ کے مطابق) ہے، یقیناً تم داخل ہوگے مسجد حرام میں انشاء اللہ امن و امان کے ساتھ سر منڈائے ہوئے اور سر کے بال کتروائے ہوئے، اور اُس وقت تم کو کوئی خوف و خطرہ نہ ہوگا ــــ بس اللہ کے علم میں تھا وہ جو تمہارے علم میں نہیں تھا، تو اُس نے اُس سے پہلے ایک قریبی فتح مقدر فرمادی وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق لیکر تاکہ وہ غالب کردے اس کو سارے دینوں پر، اور اللہ کافی گواہ ہے ــــ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور وہ جو اُن کے ساتھ ہیں وہ اہل کفر کے مقابلہ میں سخت و مضبوط ہیں، اور آپس میں رحم دل ہیں، تم ان کو دیکھو گے اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی طلب میں رکوع و سجود کی حالت میں، ان کی خاص نشانی اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے اثر سے، یہ اُن کا وصف (بیان ہوا) ہے تورات میں، اور اُن کا وصف انجیل میں (بیان ہوا) ہے کہ جیسے کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اس کو قوی اور مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوئی، پھر وہ اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی، دل خوش کر رہی ہے کسانوں کا ـ تاکہ جلائے اُن سے کافروں کا دل، وعدہ فرمایا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے ان میں سے مغفرت کا اور ایک اجر عظیم کا۔

سورۃ الفتح آیات ۲۷-۲۸-۲۹

(تفسیر و تشریح) یہ سورۃ الفتح کی آخری آیتیں ہیں، آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سورت حدیبیہ والے سفر سے واپسی میں نازل ہوئی تھی ــــ جب یہ سورت شروع ہوئی تھی تو میں نے پوری تفصیل سے حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا تھا اور بتلایا تھا کہ ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے رفقاء صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت ہے۔ اور پورے امن و امان کے ساتھ سب نے عمرے کے ارکان ادا کیے بیت اللہ کا طواف کیا، صفا مروہ کی سعی کی، اور پھر عمرے کے اختتامی عمل کے طور پر سر کے بال منڈوائے یا کتروائے ــــ جب آپ نے صحابہ کرام کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا تو سب کو بڑی خوشی ہوئی اور یقین ہوگیا کہ جو کچھ آپ نے خواب میں دیکھا ہے وہ عالم واقعہ میں ہوگا کیونکہ

آپ کا خواب ایک قسم کی وحی ہے۔

اگرچہ خواب میں اس کا کوئی اشارہ نہیں تھا کہ یہ کب ہوگا۔ لیکن غلبۂ شوق سے صحابہ کرام نے یہی خیال کر لیا کہ ابھی ہوگا اور تیاری شروع کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضا شروع کر دیا۔ حضور نے بھی ارادہ فرما لیا ـــــ پھر وہ واقعات پیش آئے جن کا اس سورت کے درس میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے ـــــ کفارِ مکہ نے مزاحمت کی اور جنگ کا راستہ اختیار کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں جنگ نہ کرنے کا اور صلح مصالحت کا رویہ اختیار فرمایا، بالآخر وہ صلح ہوئی جس میں دوسری چند باتوں کے علاوہ یہ بھی طے ہوا کہ اس وقت تو آپ اور آپ کے رفقاء عمرہ کیے بغیر واپس جائیں گے لیکن آئندہ سال آکر عمرہ کریں گے اور کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ بلکہ تین دن کے لیے شہر مکہ خالی کر دیا جائے گا چنانچہ آپ بغیر عمرہ کیے واپس آ گئے۔ قدرتی طور پر آپ کے اکثر رفقاء اس طرح بغیر عمرہ کیے واپسی سے بہت رنجیدہ اور متاثر تھے، شیطان اُن کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہوگا کہ آپ کا خواب تو سچا ثابت نہیں ہوا اور یہ بھی خیال آتا ہوگا کہ منافقین ہمارا مذاق بنائیں گے۔

اِن آخری آیتوں کا تعلق اسی صورتِ حال سے ہے۔ فرمایا گیا ہے "لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ" ـــــ مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کے بارے میں جو خواب دیکھا تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھایا تھا اور بالکل سچا خواب تھا جس کا عالمِ واقعہ میں ظہور یقینی ہے، آپ اور آپ کے اصحاب عمرہ کریں گے، بلا روک ٹوک کے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوں گے، (بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کریں گے، جو کہ عمرے کے ارکان ہیں، اور اس عمرے کے اختتامی عمل کے طور پر کچھ لوگ حلق کرائیں گے (یعنی سر منڈوائیں گے) اور کچھ لوگ قصر کرائیں گے (یعنی سر کے بال کتروائیں گے) اور یہ سب ایسی فضا میں ہوگا کہ کوئی خوف وخطر نہ ہوگا (لَا تَخَافُوْنَ)

آگے فرمایا گیا ہے "فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا" ـــــ مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا کہ خواب کی بنا پر عمرے کے لیے گئے اور بغیر عمرہ کیے واپس آنا پڑا جس کا

تم کو رنج و ملال ہے) اس میں جو راز تھا اور جو مصلحتیں تھیں وہ تمہارے علم میں نہیں تھیں، اللہ کے علم میں تھیں، وہ جانتا تھا کہ تمہارے حق میں یہ بہتر ہے کہ اُس عمرے سے پہلے جو خواب میں دکھایا گیا تھا تم کو ایک بڑی فتح نصیب فرمائے۔ چنانچہ اُس نے اِس سفر میں صلح حدیبیہ کی شکل میں تم کو "فتح مبین" نصیب فرمائی اور پھر جلدی ہی خیبر کی فتح بھی عطا فرمائی۔

میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ حدیبیہ کی صلح جو ظاہری نظر میں مغلوبانہ صلح معلوم ہوتی تھی فی الحقیقت "فتح مبین" تھی، اس کی وجہ سے اسلام کی دعوت کے راستہ کی بہت سی رکاوٹیں دور ہوگئیں تھا اور راستہ صاف ہوگیا، اور وہی خیبر کی فتح اور اس کے بعد فتح مکہ اور بعد کی فتوحات کی تمہید اور بنیاد بنی ـــــ الغرض یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور اس کی حکمت کا یہی تقاضا تھا اور اسی میں تمہاری اور دین کی بھلائی تھی لہذا اس کو خداوندی انعام سمجھو اور شکر ادا کرو۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝ ـــــ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنا رسول ہدایت اور دین حق لیکر اس مقصد سے بھیجا ہے کہ وہ دین حق اسلام کو دوسرے تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے (اور یہ ہو کے رہے گا) اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے، وہ خبیر و بصیر ہے۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" مطلب یہ ہے کہ یہ محمد اللہ کے رسول ہیں یہی وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت اور دین حق لیکر بھیجا ہے اور جن کے ذریعہ ادیان باطلہ پر دین حق کا غلبہ مقدر ہو چکا ہے ـــــ یہاں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ حدیبیہ میں جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے نمائندے سہیل نے اِس پر اصرار کیا تھا کہ "محمد رسول اللہ" نہ لکھا جائے؛ بلکہ لکھا ہوا کٹوا دیا تھا اور اس کی جگہ "محمد بن عبد اللہ" لکھوایا تھا ـــــ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف اسی کلمہ "محمد رسول اللہ" سے کرایا ہے اور جہاں تک خیال ہے یہ کلمہ قرآن مجید میں اسی جگہ ہے ـــــ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ بدنصیب کفار مکہ مانیں یا نہ مانیں اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " (یہ محمد اللہ کے رسول ہیں)۔

آگے فرمایا گیا ہے "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا" مطلب یہ ہے کہ ہمارے جو بندے ایمان لاکر دین کی

دعوت اور جدوجہد میں ہمارے ان رسول کے ساتھ ہیں (یعنی آپ کے رفقا صحابہ کرام) ان کا یہ حال ہے کہ وہ منکرین حق کفار و مشرکین کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان کی طرح سخت اور مضبوط ہیں اور باہم یعنی اللہ و رسول کے وفادار بندوں کے لیے رحمدل اور نرم خو ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ان کی محبت اور عداوت، اور سختی اور نرمی اب اپنے نفس کے لیے اور اس کے تقاضے کے تابع نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا کے تابع ہے وہ اللہ کے اور اس کے دین کے دشمنوں کے مقابلہ میں لوہے کی دیوار کی طرح مضبوط اور سخت ہیں اور اس کے صاحب ایمان اور فرمانبردار بندوں کے لیے موم کی طرح نرم ہیں —— ظاہر ہے کہ یہ تزکیہ نفس کا کمال ہے کہ محبت و عداوت جیسے جذبات صرف رضائے الٰہی کے تابع ہو جائیں —— قرآن مجید کا یہ بیان صحابہ کرام کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہے کہ ان کے نفوس کا کامل تزکیہ ہو چکا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "من احب للہ و ابغض للہ فقد استکمل الایمان (جس کی محبت اور بغض و عداوت صرف اللہ کے لیے ہو اس کو ایمان کا کمال نصیب ہو گیا)

آگے فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا محبت و عبدیت کا ایسا تعلق ہے کہ تم اُن کو دیکھو گے تو ایسی حالت میں دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب و جستجو میں وہ رکوع و سجود کی حالت میں یعنی نماز میں مشغول ہوں گے۔

آگے فرمایا گیا ہے "سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ" یعنی سجدوں کے اثر سے اُن کے چہروں میں ایک امتیازی علامت ہے —— ظاہر ہے کہ یہ صحابہ کرام کے اوصاف و احوال بیان کیے جا رہے جو "وَالَّذِينَ مَعَهُ" کا مصداق ہیں، بلاشبہ اُن کے چہروں میں سجدوں کے اثر سے ایک خاص نورانیت تھی جو اُس دور میں اُن کا امتیاز تھا —— اور اپنے اپنے حال کے مطابق اللہ کے مقبول اور عبادت گزار بندوں کے چہروں میں اُس طرح کے انوار اب بھی محسوس ہوتے ہیں۔

آگے فرمایا گیا ہے "ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ" مطلب یہ ہے کہ اصحاب رسول کے یہ اوصاف جو یہاں بیان ہوئے پہلے تورات میں بھی بیان کیے جا چکے ہیں —— آگے ارشاد ہوا ہے "وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ .... لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ" مطلب یہ ہے انجیل میں ان اصحاب محمد کا حال اور ان کی مثال یہ بیان کی گئی ہے کہ جیسے کسان جب کھیت میں دانہ ڈالتا ہے تو ابتدا میں سوئی کی طرح

باریک نرم و نازک ریشہ زمین سے نکلتا ہے جو بہت ہی کمزور اور بے جان ہوتا ہے، اس کے بعد تدریجاً اُس میں کچھ جان اور قوت آتی ہے اور وہ موٹا ہوتا ہے پھر ایک وقت آتا ہے کہ یہ پودا پورا نشو و نما پاکر اپنے تنہ پر قائم ہو جاتا ہے، اس حالت میں اُس کو دیکھ کر کسان کا دل باغ باغ ہوتا ہے —— تو انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی اور آپ کی جماعت کی یہی مثال بیان کی گئی ہے کہ کسان کی کھیتی کی طرح وہ شروع میں بظاہر کمزور سی جماعت ہوگی، پھر وہ برابر بڑھتی اور طاقتور ہوتی چلی جائے گی، پھر ایک وقت اپنے کمال کو پہنچ جائے گی —— اور اس وقت دین حق کے منکرین و مخالفین ان کی ترقی اور اُن کی طاقت کو دیکھ کر جلیں گے (لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ)

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ علمی اور تاریخی طور پر اب یہودی اور عیسائی بھی یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ تورات دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئی تھی اور وہ انجیل دنیا میں کہیں نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ کے ذریعہ آئی تھی —— آج تورات و انجیل کے نام کی جو کتابیں ہیں ان کو قابل اعتماد ترجمہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ خود ان ہی کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے ——

قرآن پاک کی اس آیت میں جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یقیناً اصل تورات و انجیل میں اسی طرح تھا۔ اگر دنیا میں کہیں اُس تورات و انجیل کے نسخے مل جائیں تو اُن میں یہ مضمون دیکھا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں مختلف زبانوں میں تورات و انجیل کے نام سے جو کتابیں چل رہی ہیں اگرچہ علمی اور تاریخی حیثیت سے وہ قطعاً ناقابل اعتماد ہیں لیکن ان میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے متعلق پیشینگوئی کی شکل میں ایسے مضامین موجود ہیں جو قرآن پاک کے اس بیان سے بہت قریب ہیں —— حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی جنھوں نے تورات انجیل وغیرہ کتب قدیمہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور عیسائیت کے رد میں انھوں نے متعدد لاجواب اور یادگار کتابیں لکھی ہیں (جن کے ترجمے بھی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں) انھوں نے تورات و انجیل کے موجودہ نسخوں سے بھی ایسی عبارتیں نقل کی ہیں جن سے قرآن پاک کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے —— ان کی نہایت اہم کتاب "اظہار الحق" کا اردو ترجمہ حال ہی میں تین جلدوں میں پاکستان میں شائع ہوا ہے۔ اُس میں یہ بحث بڑی تفصیل سے کی گئی ہے —— تفسیر حقانی کے مصنف مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے بھی تورات و انجیل کی وہ عبارتیں اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں اور بہت اچھی بحث کی ہے۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے اور یہی سورت کی آخری آیت ہے "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا" مفسرین نے عام طور سے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جن کا "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" کے الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے اور جن کی صفت "اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" بیان کی گئی ہے، ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی بنا پر اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

اس وعدے اور بشارت کے لیے "اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کا یہ عنوان غالباً اس لیے اختیار فرمایا گیا ہے کہ صحابہ کرام ایمان اور عمل صالح کے بارے میں برابر سرگرم رہیں، مغفرت اور اجر عظیم کے اس وعدے کی وجہ سے (اور اس سورت کی دوسری بشارتوں پر بھروسہ کر کے) غافل نہ ہو جائیں اور سست نہ پڑ جائیں ـــــــ ایک فائدہ اس کا یہ بھی ہے کہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کو اپنا کر وہ بھی "مغفرت" اور "اجر عظیم" حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون سب کے لیے اور ہر زمانے کے مومنین صالحین کے لیے ہے ـــــــ اگر ہم آپ ایمان اور اعمال صالحہ کو اپنا لیں جیسا کہ اس کا حق ہے تو ہم بھی "مغفرت" اور "اجر عظیم" کے انعام کے انشاء اللہ مستحق ہوں گے ـــــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

لے ہم طالب علموں کی زبان میں کہا جائے گا کہ ان مفسرین نے "منھم" کے لفظ "مِن" کو بیانیہ مانا ہے اور قرآن مجید میں ایسا بکثرت ہے۔

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (۲)

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی کی پابندی :-

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ ——— رواہ فی شرح السنۃ وقال النووی فی اربعینہ ھٰذا حدیث صحیحٌ رویناہ فی کتاب الحجۃ باسنادٍ صحیحٍ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی حقیقی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کے تابع نہ ہو جائیں ——— (اس حدیث کو امام محی السنہ بغویؒ نے "شرح السنہ" میں روایت کیا ہے ——— اور امام نوویؒ نے اپنی کتاب "اربعین" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اسناد کی رو سے صحیح ہے ہم نے اس کو کتاب الحجہ" میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے)

(تشریح) حدیث کا پیغام اور مدعا یہ ہے کہ حقیقی مومن وہی ہے جس کا دل و دماغ اور جس کی خواہشات و رجحانات آپ کی لائی ہوئی ہدایت و تعلیم (کتاب و سنت) کے تابع ہو جائیں، یہ آپ پر ایمان لانے اور آپ کو خدا کا رسول مان لینے کا لازمی اور منطقی نتیجہ بھی ہے، اگر کسی کا یہ حال نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کو حقیقی ایمان ابھی نصیب نہیں ہوا ہے، وہ اس کی فکر اور اپنے کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ ـــــ رواه في الموطا

حضرت امام مالک بن انس سے بطریق ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دو چیزیں تمہارے میں چھوڑی ہیں تم جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے (وہ ہیں) کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت۔

(موطا امام مالک)

(تشریح) حدیث کا مدعا یہ ہے کہ میرے بعد میری لائی ہوئی کتاب اللہ اور میری سنت میری قائم مقام ہوں گی، امت جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہے گی گمراہیوں سے محفوظ اور راہِ ہدایت پر مستقیم رہے گی۔

اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار ذکر کی جا چکی ہے کہ کبھی کبھی کوئی تابعی یا تبع تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اس واسطہ کا ذکر نہیں کرتے جن سے ان کو وہ حدیث پہنچی ہے۔ اس طرح روایت کرنے کو محدثین کی اصطلاح میں "ارسال" کہا جاتا ہے اور ایسی حدیث کو "مُرْسَل" ـــــ یہ حدیث امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں اسی طرح روایت کی ہے، وہ خود تبع تابعین میں سے ہیں، انھوں نے کسی صحابی کو کبھی نہیں پایا، ہاں تابعین کو پایا ہے اور انہی کے ذریعہ ان کو حدیثیں پہنچی ہیں ـــــ یہ حدیث انھوں نے درمیانی راویوں کا ذکر کیے بغیر براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ ایسا وہ جب ہی کرتے ہیں جب اُن کے نزدیک حدیث روایت کے لحاظ سے صحیح اور قابل قبول ہوتی ہے ـــــ لیکن حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں پوری سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے ـــــ کنز العمال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن بیہقی کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ	اے لوگو میں وہ (سامانِ ہدایت) چھوڑ کے
مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا	جاؤں گا جس سے اگر تم وابستہ رہے تو ہرگز

أَبَدًا كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ — کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

نیز اسی کنز العمال میں اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔[۱]

کتاب اللہ کی طرح "سنت" بھی واجب الاتباع ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ کسی زمانے میں کچھ کھاتے پیتے پیٹ بھرے بے فکرے فتنہ پرداز لوگ امت میں یہ گمراہی پھیلانے کی کوشش کریں گے کہ دینی حجت اور واجب الاتباع صرف "کتاب اللہ" ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کوئی تعلیم و ہدایت واجب الاتباع نہیں —— آپ نے اس فتنہ کے بارہ میں امت کو واضح آگاہی اور ہدایات دیں۔

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلم اَلَا اِنِّیْ اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ كَمَا حَرَّمَ اللهُ —— رواه ابو داؤد والدارمی وابن ماجہ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سن لو اور آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ہدایت کے لیے) قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی —— آگاہ رہو کہ عنقریب بعض پیٹ بھرے لوگ (پیدا) ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس اس قرآن ہی کو لے لو۔ اس میں جس چیز کو حلال بتایا گیا ہے اس کو حلال جانو اور جو حرام قرار دیا گیا ہے اس کو حرام سمجھو (یعنی حلال و حرام بس وہی ہے

[۱] کنز العمال جلد اول ص۱۶۱ [۲] ایضاً ص۱۰۳

جس کو قرآن میں حلال یا حرام بتلایا گیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ ــــــ آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گمراہانہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہاور واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے وہ بھی انہیں چیزوں کی طرح حرام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے۔

(سنن ابی داؤد، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی آتی تھی اس کی دو صورتیں تھیں ایک متعین الفاظ اور عبارت کی شکل میں، اس کو "وحیِ متلو" کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے)۔ یہ حیثیت قرآن پاک کی ہے ــــــ دوسری صورت وحی کی یہ ہوتی تھی کہ آپ کو مضمون کا القا اور الہام ہوتا تھا آپ اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے یا عمل کے ذریعہ تعلیم فرماتے تھے۔ اس کو "وحی غیر متلو" کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام دینی ہدایات وارشادات کی حیثیت یہی ہے، الغرض ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں ــــــ

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ چیز منکشف فرما دی تھی کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ اٹھیں گے جو یہ کہکر لوگوں کو گمراہ اور اسلامی شریعت کو معطل کریں گے کہ دینی احکام بس وہی ہیں جو قرآن میں ہیں، اور جو قرآن میں نہیں ہے وہ دینی حکم ہی نہیں ہے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زیر تشریح حدیث میں امت کو اس فتنہ سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعہ احکام دیے گئے ہیں اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کے حجتِ دینی ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ اسلامی شریعت کے پورے نظام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں ــــــ قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی تعلیم اور احکام ہیں ان کے بارہ میں وہ ضروری تفصیلات جن کے بغیر

اُن احکام پر عمل ہی نہیں ہو سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی یا قولی احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے، لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے، کن اوقات میں پڑھی جائے؟ اور کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، یہ ساری تفصیلات احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح مثلاً قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم ہے لیکن یہ کبھی نہیں بتلایا گیا کہ زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے اور ساری عمر میں ایک دفعہ نکالی جائے یا ہر سال یا ہر مہینے نکالی جائے؟۔ یہی حال اکثر و بیشتر قرآنی احکام کا ہے ـــــ الغرض حدیث کے حجت دینی ہونے کا انکار انجام کے لحاظ سے پورے نظام دینی کا انکار ہے ـــــ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں امت کو خاص طور سے آگاہی دی ہے ـــــ یہ حدیث اس حیثیت سے حضور کا معجزہ بھی ہے کہ اس میں آپ نے امت میں پیدا ہونے والے اُس فتنہ (انکار حدیث) کی اطلاع دی ہے جس کا آپ کے زمانے میں بلکہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں بھی تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللہ علیہ وسلم لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَھَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَاہُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِتَّبَعْنَاہُ ـــــ رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ والبیھقی فی دلائل النبوۃ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں پاؤں، (یعنی اس کا یہ حال ہو) کہ وہ اپنے شاندار تخت پر تکیہ لگائے (متکبرانہ انداز میں) بیٹھا ہو اور اس کو میری کوئی بات پہنچے جس میں میں نے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہو تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے ہم تو بس اُس حکم کو مانیں گے جو ہم کو قرآن میں ملے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، دلائل النبوۃ بیہقی)

(تشریح) اس حدیث کا مدعا اور پیغام بھی وہی ہے جو حضرت مقدام بن معد یکرب کی مندرجہ بالا

حدیث کا ہے اور دونوں حدیثوں کے الفاظ و انداز سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس گمراہی (انکارِ حدیث) کے اصل علمبردار ایسے لوگ ہوں گے جن کے پاس دنیا کے سازوسامان کی فراوانی ہو گی اور ان کے طور طریقے متکبرانہ ہوں گے جو اس بات کی علامت ہو گی کہ عیش دنیا نے ان کو خدا سے غافل اور آخرت کی طرف سے بے فکر کر دیا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ہر فتنے اور ہر گمراہی سے حفاظت فرمائے۔

امت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ہی اسوۂ حسنہ ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدٌ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ اَمَا وَاللهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ ـــــ رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرام میں سے) تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انھوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارہ میں حضور کا معمول کیا ہے؟) جب اُن کو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انھوں نے اُس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت! اُن کے تو اگلے پچھلے سارے قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دیدی گئی ہے۔ لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت ریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گناہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) چنانچہ ایک نے کہا کہ اب میں تو ہمیشہ پوری رات

نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ میں طے کرتا ہوں کہ ہمیشہ بلا ناغہ دن کو روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق اور دور رہوں گا نکاح شادی کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں صاحبوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کیے ہیں) سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے کبھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے کبھی رہتا ہوں، اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور اُن کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جن تین صحابیوں کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت و جنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے۔ اپنی اسی غلط فہمی کی بنا پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال ہو گا۔۔۔ لیکن جب اُن کو ازواج مطہرات سے عبادت، (نماز روزے وغیرہ) کے بارے حضور کا معمول معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا، لیکن از راہ عقیدت و ادب اُس کی توجیہ یہ کی کہ آپ کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اس لیے آپ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں۔۔۔ ہمارا معاملہ دوسرا ہے ہم کو اس کی ضرورت ہے اور اس بنا پر انھوں نے اپنے لیے وہ فیصلے کیے جن کا حدیث میں ذکر ہے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال پیش کر کے ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے، اس کے باوجود میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، دنوں میں روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے

بھی رہتا ہوں، میرے بیویاں ہیں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں ـــــ زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جو میں بہ حیثیت نبی و رسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آیا ہوں، اب جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ کر چلے اور اس سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔

صرف عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا، فرشتوں کا حال ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے کہ اُن کے ساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے، اُن کے لیے ذکر و عبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لیے سانس کی آمد و رفت ـــــ لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اور نفس کے بہت سے تقاضے لیکر پیدا کیے گئے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود و احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دنیوی ضرورتیں اور نفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کو صحیح طور سے ادا کریں ـــــ یہ بڑا سخت امتحان ہے، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے اور اسی میں کمال ہے اسی لیے وہ فرشتوں سے افضل ہیں اور ان میں بہترین نمونہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے ـــــ حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرتِ عبادت کوئی غلط چیز ہے بلکہ اس کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطۂ نظر غلط اور طریقہ محمدی کے خلاف ہے جس کی بنیاد پر اُن تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کیے تھے ـــــ غالباً انھوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راتوں میں آرام فرمانا اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنا اور ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرزِ عمل سے امت کی تعلیم کے لیے تھا اور یہ کارِ نبوت کا جز تھا۔ اور یقیناً آپ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا ـــــ اس کے باوجود آپ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا اور جب آپ سے عرض کیا جاتا کہ آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے، تو آپ فرماتے "افلا اکون عبداً شکوراً" ـــــ اسی طرح کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن بلا افطار اور بلا سحری کے روزے رکھتے جس کو "صوم وصال" کہا جاتا ہے ـــــ الغرض حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث یا اسی مضمون کی دوسری حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے، ہاں رہبانیت اور رہبانیت والی ذہنیت بلاشبہ ناپسندیدہ اور طریق محمدی اور تعلیم محمدی کے خلاف ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رح کی محفل ارشاد

انتخاب و تلخیص مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث میں ہے لاعدوی یعنی مرض کا تعدیہ نہیں ہوتا۔ اس کے کیا معنی ہیں۔کیا تعدیہ بالکل منفی ہے؟

اس پر ارشاد فرمایا کہ دو حدیثیں ہیں ——— ایک تو "لاعدوی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدیہ امراض کا نہیں ہوتا۔ اور دوسری حدیث میں ہے "فرّ من المجذوم کما تفرّ من الاسد" کہ جذامی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ یہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ اس سے ظاہراً بعض امراض کی تعدیہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں دو وجہ تطبیق کی ہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ امراض میں تعدیہ ہوتا ہے، اور لاعدوی میں تاویل کی ہے، وہ یہ کہ امراض کی ذات میں تعدیہ نہیں جیسے کہ اہل سائنس بالذات تعدیہ کے قائل ہیں۔ یعنی لاعدوی میں اس کی نفی ہوتی ہے۔ باقی جہاں خدائے تعالیٰ کا حکم تعدیہ کا ہوتا ہے وہاں تعدیہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے لاعدوی کو مطلق کہا ہے کہ تعدیہ بالکل ہوتا ہی نہیں ہے ——— باقی مجذوم والی حدیث میں جو بچنے کو فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس جانے والے کو اگر اتفاق سے یہ مرض ہو گیا تو وہ یہی سمجھے گا کہ مجھ کو اس سے بیماری لگ گئی۔ اس اعتقاد سے بچنے کے لیے آپ نے اختلاط سے منع فرمایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ بعض نے لاعدوی میں تاویل کی ہے اور بعض نے مجذوم والی حدیث میں۔ اقرب یہ ہے کہ تعدیہ ہوتا ہے مگر باذن الٰہی ہوتا ہے۔ بلا اذن اور بالذات نہیں ہوتا۔

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا خشوع وخضوع میں عطفِ تفسیری ہے؟ فرمایا کہ خشوع متعلق قلب کے ہے اور خضوع متعلق جوارح کے ـــــ خشوع کے معنی ہیں سکون ـــــ خشوع عمل میں یہ ہے کہ قلب میں سکون ہو یعنی غیر مقصود میں حرکتِ فکریہ نہ ہو۔ اور جو چیز موصل الی اللہ نہ ہو وہ غیر مقصود ہے۔ اور جو چیز موصل الی اللہ ہو وہ غیر مقصود نہیں۔ ـــــ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تجہیز جیش (تشکیل لشکر) کرتا ہوں تو وہ تجہیز منافیٔ خشوع نہ تھی، جیسا کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تشکیل منافیِ خشوع نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے وزیر دربار میں جاتا ہے اور امورِ سلطنت کو پیش کرتا ہے تو وہ امور حضوریِ بادشاہی کے خلاف نہیں سمجھے جاتے، کیونکہ اُس کی حضوری یہی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو خیال کیجیے کیوں کہ ان کے سپرد بھی یہی کام تھا۔

فرمایا کہ میرے سامنے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک تقریر فرمائی۔ کسی نے کہا کہ یہی تقریر ایک بار مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمائی تھی، تو مولانا نے فرمایا تھا بھائی جہاں سے وہ فرماتے تھے وہاں ہی سے ہم کہتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ان کے لیے مضمون سمندر کی طرح کھلتا تھا اور ہمارے لیے سوئی کے ناکے کی برابر ـــــ

ایک مجلس میں فرمایا، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی میں ادب کی یہ کیفیت تھی کہ جب مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ بیماری میں آپ کے پاس جاتے تھے تو آپ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ حضرت آپ میرے استاد ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ میں کہاں سے استاد ہوگیا؟ تو فرمایا کہ مولانا مملوک علی صاحب ایک دفعہ کسی کام میں تھے تو آپ سے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھا دیجیے۔ چنانچہ میں نے آپ سے سبق پڑھا تھا ـــــ

فرمایا کہ میں اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ دھوکہ بازی سے مجھ کو سخت نفرت ہے حتیٰ کہ گناہوں کی نفرت سے بھی بڑھ کر ـــــ بس ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے۔

فرمایا کہ عمل آخرت میں مشغول رہے دنیا کے فضول جھگڑوں کو دور کرے اور اس شعر کو اپنا معمول کرلے ؎

ما ہیچ نداریم غم ہیچ نداریم   دستار نداریم غم پیچ نداریم[1]

فرمایا کہ دنیا کو سرائے اور مسافر خانہ سمجھے اور آخرت کو اپنا گھر سمجھے۔ اگر ان دونوں باتوں کو خوب ذہن نشین کرلے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ساری مصیبتیں حل ہو جائیں۔ جس طرح دنیا کے سفر کی مصیبتیں وطن کا آرام خیال کرکے دور ہو جاتی ہیں اسی طرح آخرت کے آرام کا خیال کرکے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت ان شاء اللہ آسان ہو جائے گی۔ ساری خرابیاں آخرت کے بھلانے سے اور دنیا کے پیش نظر رکھنے سے ہوتی ہیں۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھے ان شاء اللہ تعالیٰ تقدیم آخرت کی برکت سے دنیا بھی ٹھیک ہو جائے گی اور حدیث شریف میں بھی اس کی صراحت موجود ہے "من جعل الهموم همًّا واحدا همّ الاخرة كفاه الله همّ دنياه[2] ــــــ" اگر دنیا کو دین پر مقدم کرے گا تو دنیا تقدیر سے زیادہ نہ ملے گی مگر آخرت تو بالکل برباد ہو جائے گی نعوذ باللہ من ذلک۔

فرمایا کہ بزرگوں کے کلام میں اثر ہوتا ہے بعض معمولی باتیں کرتے ہیں ان میں بھی اثر ہوتا ہے۔

فرمایا کہ دو چیزیں اہل علم کے واسطے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں ہونا چاہیے ــــــ

فرمایا کہ گناہوں کے علاج میں بے پرواہی نہ کرے۔ جہاں تک ہو جلدی توبہ کرے ورنہ سخت مشکل پیش آئے گی ؎

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل   چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل[3]

---

[1] ترجمہ: ہم کچھ نہیں رکھتے اور کسی چیز کا غم بھی نہیں رکھتے۔ ہم دستار نہیں رکھتے لہٰذا دستار کے پیچ و خم کا غم بھی نہیں رکھتے

[2] ": جو شخص تمام فکروں کو ایک فکر یعنی فکر آخرت بنائے تو اس کو اللہ تعالیٰ فکر دنیا سے محفوظ رکھے گا۔

[3] ": شروع میں چشمے کے سوت کو سلائی سے بند کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ بھر جائے تو پھر ہاتھی پر بیٹھ کر بھی اس سے گذرنا مشکل ہے۔

فرمایا کہ ذکر و اشغال میں کسی سنت کا ترک نہ ہونے دے، اور اس بات کو خوب سمجھ لے کہ اگر ترک سنت کر کے ذکر وغیرہ کرے گا تو خاک نفع نہ ہوگا۔ بالخصوص معاصی و ایذا رسانی سے بہت اجتناب کرے۔ بیماری و مصائب کو زیادہ موجبِ قرب سمجھے ـــ اور اس بات کا پکا یقین کرے کہ جو درجہ برسوں مجاہدہ کرنے سے حاصل نہ ہوتا وہ تھوڑے دنوں کے مصائب اٹھانے سے حاصل ہو جاتا ہے ـــ

گورکھپور میں ایک شخص نے استخارہ کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا صلوٰۃ الاستخارہ یعنی دو نفل پڑھ کر سلام پھیر کر دعاء استخارہ پڑھے۔ پھر قلب کی طرف رجوع کرے۔ سونے کی (اور کوئی خواب دیکھنے کی) ضرورت نہیں۔ اور ایک دفعہ بھی کافی ہے۔ حدیث میں تو ایک دفعہ ہی آیا ہے اور پہلے سے اگر کسی جانب اپنی رائے کو رجحان ہو تو اس کو فنا کر دے، جب طبیعت یکسو ہو جائے تب استخارہ کرے اور یوں عرض کرے کہ اے اللہ جو میرے لیے بہتر ہو وہ ہو جائے اور یہ دعا مانگنا اُردو میں بھی جائز ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بہتر ہیں۔ ۲۷ صفر ۱۳۳۳ھ کو بمقام پانی پت فرمایا کہ استخارہ ہوتا ہے تردد کے موقع پر، اور تردد کے معنیٰ یہ ہیں کہ مصالح طرفین کے برابر ہوں، اور جب ایک جانب کی ضرورت متعین ہو تو استخارہ کیا معنیٰ!

پانی پت کے ایک مکان کے اندر تشریف لے جانے لگے تو صاحب خانہ نے بطور ادب پیچھے رہنا چاہا۔ اس پر فرمایا آپ آگے چلیے۔ گھر میں گھر والے کو آگے چلنا چاہیے۔ اور فرمایا اصلاحِ معاشرت کی میرے نزدیک سخت ضرورت ہے اور اس میں ایسا انقلاب ہوا ہے کہ اگر بہت سے لوگ مل کر کوشش کریں تب پچاس برس میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ مگر اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں ہے۔ اس کو تو جزو دین ہی نہیں سمجھتے حالانکہ سلف کو اس کا بڑا اہتمام تھا ـــ دیکھیے امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کی دعوت کی۔ جب امام شافعیؒ آکر بیٹھے تو غلام نے اول ہاتھ ان کے دھلانے چاہے۔ امام مالکؒ نے روکا اور اپنے ہاتھ پہلے دھلوائے، پھر اس نے مہمان کے سامنے اول کھانا رکھنا چاہا تو اس سے بھی اس کو روکا اور پہلے اپنے سامنے رکھوایا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مہمان کو معلوم ہو جائے کہ یہاں نہ کوئی تکلف ہے نہ کوئی بناوٹ ہے، اور وہ بے تکلف ہو کر کھانا

کھائے۔ دیکھیے اتنی ذرا ذرا سی باتوں کا اہتمام کرتے تھے اور آجکل تو دوسرے کی ایذا تک کا خیال نہیں کرتے۔

فرمایا کہ دیکھیے لوگ ہم کو کافر تک کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ سخت لفظ کون سا ہو سکتا ہے۔ مگر ہم ان کو لوٹ کر جواب نہیں دیتے ہیں۔ اور جو شخص اعتقاد سے ملے اور خصوصیت ظاہر کرے اس کی تو معمولی ناگوار بات بھی بُری معلوم ہوتی ہے، اور اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے ــــ دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ کیسی کیسی ایذائیں دیتے تھے لساناً بھی اور عملاً بھی، حتیٰ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی کہ آپ کہیں تو ہم ان پر عذاب نازل فرمائیں۔ مگر آپ یہی فرماتے تھے اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون[1] ــــ اور حضرت جابرؓ ایک دفعہ آئے اور اپنے آنے کی اطلاع کی آپ نے پوچھا کون؟ انھوں نے کہا "انا" (میں) تو آپ ناخوش ہوئے اور ڈانٹا کہ انا انا کس کو کہتے ہیں، نام لو کہ کون ہو۔

---

[1] اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے اس لیے کہ یہ جانتے نہیں ہیں۔

تصوف: ایک تعارف

از جناب شاہد علی عباسی (حیدر آباد)

"صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علمِ دین اور قوتِ یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے۔ صوفیہ کی حالت اخلاق[۱] کا سنوارنا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف لَو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے[۲]۔ صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے حسب فرمان اللہ تعالیٰ کے إنك لعلى خلق عظيم اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے (اس پر عمل اخلاقِ صوفیہ میں داخل ہے)۔ صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے: اپنے آپ کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد تکبر ہے، مخلوق[۳] کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کی برداشت کرنا، نرمی[۴] اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا چھوڑ دینا، ہمدردی[۵] اور

۱؎ تذکرۃ الرشید لعاشق الٰہی میرٹھی ج دوم ص ۱۲-۱۱

۲؎ تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو (۱) "احیاء علوم الدین" للامام الغزالیؒ (یا اس کا اردو ترجمہ "مذاق العارفین" مطبوعہ در مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۱ء در چہار جلد) اور (۲) متوسط مطالعہ کے لیے "کیمیائے سعادت" للامام الغزالیؒ (یا اس کا اردو ترجمہ "گنجینۂ معرفت" مطبوعہ در مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۰۳ء) (۳) "عوارف المعارف" للشیخ شہاب الدین السہروردیؒ (۴) "آداب الصالحین" لعبد الحق المحدث الدہلویؒ (یا اس کا اردو ترجمہ "ہادی الذاکرین" مطبوعہ مطبع نیسانی کانپور ۱۲۶۶ھ) اور (۵) "التصوف الاسلامی فی الاداب والاخلاق" للدکتور زکی مبارک مطبوعہ دار الکتب العربی القاہرہ ۱۹۵۴ء

۳؎ صوفی آں بود کہ از خود فانی شدہ باشد و بحق باقی گشتہ و از قبضۂ طبائع رستہ و بحقیقت خدائق پیوستہ" (مکتوبات صدی للشیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ مکتوب بست و دوم در اصل تصوف ص ۶۲)

دوسروں کو ترجیح دینا اپنے آپ پر بوجہ فرطِ شفقت یعنی مخلوق کے حقوق کو اپنے حظِّ نفسانی پر مقدم رکھنا، سخاوت کرنا، عفو و درگزر کرنا، خندہ روئی اور بشاشت، سہولت اور نرم پہلو رکھنا، تصنع اور تکلف کو ترک کرنا، خرچ بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو، توکل[۵۴] کرنا، تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، پرہیزگاری، جنگ و جدال و عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، بغض و کینہ و حسد نہ رکھنا، عزت و جاہ کی خواہش نہ رکھنا، وعدہ وفا کرنا، بردباری، دور اندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا اور اغیار سے علاحدہ رہنا، محسن و منعم کا شکر گزار رہنا اور مسلمانوں کے لیے اپنی جاہ اور اپنا رتبہ استعمال کرنا ——— صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہِ احدیت کا ادب یہ ہے کہ اس کے ماسویٰ سے شرم اور اجلال و ہیبت کے سبب مونھ پھیر لیا جائے ——— بدترین معصیت حدیث نفس ہے اور یہ ظلمت کا سبب ہے[۵۵]۔"

ان چند سطروں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) نے ہزارہا کتابوں کا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے۔ کشف المحجوب، عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء وغیرہ میں مختلف صوفیہ کرام سے تصوف کی مختلف تعریفیں منقول ہیں اور اس اختلاف کا سبب مخاطب کے علم و فہم کی رعایت اور قائل کے مقام و کیفیات[۵۶] کا تقاضہ ہے لیکن مذکورہ بالا تعریف ان تمام اقوال کی جامع اور متفق علیہ ہے۔

عصر حاضر کے ایک پیر طریقت فرماتے ہیں: انما الاعمال بالنیات[۵۷] سارے تصوف کی ابتدا ہے اور

---

۵۴ "ھو ای التوکل طرح البدن فی العبودیۃ وتعلق القلب بالربوبیۃ والطمانینۃ الی الکفایۃ فان اعطی شکر وان منع صبر" ما قال ابو تراب النخشبی رحمہ اللہ تعالیٰ کما فی شرح رسالۃ قشیریۃ ص ۲۰۲ مطبوعہ کتب خانہ روشنیں گلبرگہ ۱۳۶۱ھ

۵۵ بعض آداب کی تشریح و توضیح کے لیے ملاحظہ ہو مکتوبات تذکرۃ الرشید نمبر ۳-۱۹-۲۵-۲۶-۴۴-۴۵-۴۶-۷۱-۷۳-۷۵ اور ۸۱ تا ۸۵۔

۵۶ ابوالقاسم جنیدؒ سے منقول ہے کہ صادق کی حالت دن میں چالیس مرتبہ بدلتی ہے (بستان العارفین للامام النوویؒ ص ۶۷ اردو ترجمہ مطبوعہ قومی کتب خانہ لاہور) ۵۷ قال ابن حجر فی فتح الباری ص ۷ "قد تواتر النقل عن الائمۃ فی تعظیم قدر ھذا الحدیث... اتفق عبد الرحمن بن مھدی والشافعی فیما نقلہ البویطی عنہ واحمد بن حنبل وعلی بن المدینی وابوداؤد والترمذی والدارقطنی وحمزۃ الکنانی علی انہ ثلث الاسلام" وقال ایضاً "اخرجہ الائمۃ المشھورون الا الموطأ" (فتح الباری ج ۱ ص ۹ طبع المطبعۃ الخیریۃ بمصر القاھرہ سنہ ۱۳۱۹ ہجریۃ) ۵۸ قال النووی "النیۃ القصد وھو عزیمۃ القلب وتعقبہ الکرمانی بأن عزیمۃ القلب قدر زائد علی اصل القصد" (ایضاً ص ۹)

ان تعبد اللہ کانک تراہ سارے تصوف کا منتہا ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں۔ اسی کو یادداشت کہتے ہیں۔ اسی کو حضوری کہتے ہیں۔"

تصوف کے سفر کو باعتبار تاریخ[۱۰] و کیفیات چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

تصوف کا پہلا دور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ[۱۱] (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے زمانے میں اہل کمال کی توجہ شریعت کے ظاہری اعمال کی طرف رہی، مراتب باطنی ذیل میں حاصل ہو جاتے تھے۔ نماز، ذکر و تلاوت، روزہ، صدقہ و زکوٰۃ اور جہاد ان کا حاصل تصوف تھا۔ کشف و کرامات اور خوارق ان سے بہت کم ظاہر ہوتے۔ سرمستی و بیخودی کبھی شاذ و نادر ہی طاری ہوتی۔ بہشت کی رغبت و آرزو رکھتے اور دوزخ سے خائف و ترساں رہتے۔ یقین و رضا کی خالص رنگ کیفیت اور اطاعتِ حق و اطاعتِ رسول میں غایت درجہ اہتمام صحابہ[۱۲] (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

---

۹ "اہل حدیث اتفاق دارند برصحت ایں حدیث و بخاری و مسلم و ائمہ دیگر ایں حدیث را بطرق مختلف از صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین در کتب خود روایت کردہ اند" (اشعۃ اللمعات ج۱ ص ۱۴ للعلامہ عبدالحق محدث الدہلوی مطبوعہ در مطبع نول کشور مقام لکھنؤ)

۱۰ مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے (۱) "التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق" للدکتور زکی مبارک مطبوعہ دار الکتب العربی، قاہرہ ۱۹۵۴ء (۲) "لمعات" للشاہ ولی اللہ۔ اور (۳) "A HISTORY OF MUSLIM PHILOSOPHY" ed. by M.M. SHARIF: VOL. I: PUB. 1963 by OTTO HARROSSOWITZ WIESBADEN: BOOK 3, PART 2.
(۴) "MYSTICAL DIMENSIONS OF ISLAM by A. SCHIMMEL: PV. 1975 by UNIVERSITY OF NORTH CAROLINA.

۱۱ "واصحاب رسول نیز بر دو قسم اند یکی صوری یا معنوی دوم صوری فقط صوری آن جماعت اند کہ متابعت صوری کہ عبارت از احکام شریعت و طریقت ست بصحبت او بغیر واسطہ اخذ کردہ اند و صوری یا معنوی آن قوم اند کہ نور ہدایت معنوی کہ عبارت از شریعت و طریقت و حقیقت است از مشکوۃ نبوت نور ولایت اقتباس کردہ اند اول عام اند آخر خاص" (آئینہ حقائق نما شرح جام جہاں نما مولانا ابراہیم السطاری ص ۲۰ مطبع نوالعلائی گلزار حوض حیدرآباد دکن)

۱۲ ملاحظہ ہوں "اسوہ صحابہ" از قلم مولانا عبدالسلام ندوی مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ۔ اور "حیاۃ الصحابہ" (اردو ترجمہ) از قلم رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلوی مطبوعہ ادارۂ اشاعت دینیات، حضرت نظام الدین، نئی دہلی ۱۳

کی دیگر خصوصیات میں سے تھا۔

تصوف کا دوسرا دور

کم وبیش سید الطائفہ جنید بغدادیؒ (المتوفی ۲۹۷ یا ۲۹۸ھ) کے زمانے سے تصوف کے ایک اور رنگ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس زمانے میں اہل کمال میں سے عام طبقہ تو پہلے دور ہی کے طریقہ پر کاربند رہا لیکن خواص نے بڑی بڑی ریاضتیں کیں، دنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور مستقل طور پر ذکر وفکر میں لگ گئے۔ اس سے ایک خاص کیفیت جس کا مقصود تعلق باللہ کی نسبت تھا، ان میں پیدا ہو گئی۔ وہ مدتوں مراقبے کرتے اور ان سے تجلی، استتار، انس اور وحشت کے احوال وکوائف ظاہر ہوتے اور وہ ان احوال کو نکات واشارات میں بیان بھی کرتے۔ یہ لوگ سماع سنتے، سرمستی وبیخودی میں بے ہوش ہو جاتے، کپڑے پھاڑتے اور رقص کرتے، کشف واشراق کے ذریعہ دوسروں کے دلوں کی باتیں معلوم کر لیتے، نفس وشیطان کے مکر اور دنیا کے فریب کو خوب سمجھتے اور ان سے بچنے کے لیے مجاہدے کرتے تھے، ان کی عبادت کا محرک دوزخ کے عذاب کا ڈر یا جنت کی نعمتوں کی طمع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی محبت کا جذبہ تھا۔

تصوف کے اس دور میں "توجہ"[42] کی نسبت اپنے درجۂ کمال تک نہیں پہونچی تھی، بے شک انھیں "توجہ" کی نسبت حاصل ہوتی لیکن گاہے گاہے جیسے بجلی کی چمک کہ ابھی ہے اور ابھی نہیں۔

تصوف کا تیسرا دور

حضرت شیخ ابوسعید ابن ابی الخیرؒ (المتوفی ۴۴۰ھ) اور حضرت شیخ ابو الحسن خرقانیؒ (المتوفی ۴۲۴ھ) کے زمانے میں طریقۂ تصوف میں ایک اور تغیر رونما ہوتا ہے۔ اس دور میں اہل کمال میں سے عوام تو حسب سابق شرعی اعمال واوامر پر جمے رہے اور خواص نے باطنی احوال وکیفیات کو اپنا نصب العین بنایا اور جو خواص الخواص تھے انھوں نے اعمال واحوال سے گزر کر "جذب"[43] تک رسائی حاصل کی۔ اس

---

[42] "خود را با وجود عدم وجود حق را موجود دانستن نزد سالکان توجہ آنست کہ طاقت قلب خود بر قلب دیگران انداختن و قلب دیگر از اختیار خود آوردن" (مفتاح الحقائق فی کشف الدقائق تالیف سلطان محی الدین بادشاہ قادری سالک ج ۲ ص ۱۰، مطبوعہ مطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن رمضان المبارک ۱۲۹۳ھ)

[43] "الجذبة هي تقريب العبد بمقتضى العناية الالهية المهيئة له كل ما يحتاج اليه في طي المنازل الى الحق بلا كلفة وسعي منه" (اصطلاحات الصوفیہ کمال الدین ابی الغنائم عبد الرزاق بن جمال الدین الکاشی السمرقندی ص ۷، مطبعہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ ۱۸۴۵ء)

"جذب" ہی کی وجہ سے "توجہ" کی نسبت کا راستہ ان کے سامنے کھل گیا، تعینات کے پردے چاک ہو گئے اور انھوں نے دیکھ لیا کہ وہی ایک ذات ہے جس پر تمام اشیاء کے وجود کا انحصار ہے، وہی ذات سب کی قیوم ہے۔ یہ لوگ اس ذات میں گم ہو گئے، فریبِ نفس و دنیا، ریاضت ومجاہدات اور اوراد و وظائف سے ہٹ کر ان کا مقصد یہ ٹھہرا کہ جس طرح بھی ہو "توجہ" کی نسبت کی تکمیل کریں، ان کی غایت اصلی یہ تھی کہ ذات الٰہی میں اپنے وجود کو گم کر کے اس مقام کی کیفیات سے لذت اندوز ہوں ؎

ہر دمے از وے ہمی آید الست ... جوہر و اعراض می گردند ست

اور صرف یہی نہیں بلکہ ؎

آتشے از عشق در جاں بر فروز ... سربسر فکر و عبارت را بسوز

چنانچہ وہ اس بحث میں نہیں پڑتے تھے کہ کائنات کا وجود الٰہی سے کیا علاقہ ہے؟ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات میں کیسے گم ہوتا ہے؟ اور فنا و بقاء کے کیا حقائق ہیں؟ —— اس دور میں توحید وجودی اور توحید شہودی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔

تصوف کا چوتھا دور آخر میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (المتوفی ۶۳۸ھ) اور ان سے کچھ پہلے کا زمانہ آتا ہے۔ اس عہد میں ان اہل کمال بزرگوں کے ذہنوں میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے اور یہ لوگ کیفیات و احوال کی منزل سے گذر کر حقائق تصوف کی تحقیق و تدقیق کرنے لگتے ہیں۔ ان بزرگوں نے ظہور وجود کے مدارج اور تنزلات دریافت کیے اور اس امر کی تحقیق کی کہ واجب الوجود سے سب سے پہلے کس چیز کا صدور ہوا اور کس طرح یہ صدور وجود عمل میں آیا۔ الغرض یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل ان لوگوں کے لیے موضوع بحث بن گئے۔

ان چار ادوار میں اہل کمال بزرگ اپنے ظاہری اعمال و احوال میں الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن جہاں تک ان کی اصل کا تعلق ہے وہ سب ایک ہیں۔ واللہ اعلم ؎

ہر نبیؑ و ہر ولیؒ را مسلکے ست ... لیک تا حق می برد جملہ یکے ست

تعریف و تاریخ تصوف کے بعد ہم چہار جانب نظر دوڑاتے ہیں تو مجملاً تین گروہ سامنے

پاتے ہیں:-

(۱) غالی موافقین

(۲) غالی معترضین

(۳) اور معتدل موافقین

(۱) غالی موافقین یہ وہ گروہ ہے جس نے وسائل و مقاصد کو خلط ملط کر کے مقاصد سے نظر ہٹا کر اپنی تمام تر توجہ وسائل پر مرکوز کر لی، آداب و مباحات کو فرائض کا مرتبہ دے دیا اور فرائض سے یک درجہ غافل ہو گئے، صوفیہ کرام کی خاص خاص اصطلاحات اور رموز و کنایات کی گہرائی میں گئے بغیر اشارات و استعارات کو کچھ کا کچھ سمجھ لیا، کہیں خاص کو عام کر دیا اور مواجید و کیفیات کو شرائع و احکام کا درجہ دے دیا۔ غرض بات کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔
اس گروہ نے تصوف کو اپنی دلچسپی کے خاص سامان یعنی تصرفاتِ اولیا، استعانت و استمداد بغیر اللہ تعالیٰ، اعراس، کشف و کرامات، سماع، بحثِ شریعت و حقیقت، اسقاط تکلیف شریعت وغیرہ تک محدود کر لیا۔ ابتدائی تین عنوانات سے اعتنا کا یہ موقع نہیں، اس لیے ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم دیگر عنوانات پر بزرگوں کے ارشادات پیش کرتے ہیں۔

کشف و کرامات:- عوام الناس کی نفسیات یہ ہے کہ وہ کشف و کرامات کی طرف دوڑتے اور ان کو سندِ ولایت سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ (المتوفی ۶۵۶ھ) کشف کے بارے میں فرماتے ہیں: "جب تمہارا کشف کتاب و سنت کا معارض ہو تو کتاب و سنت پر جمے رہو اور کشف کو ترک کر دو اور اپنے نفس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت میں میرے لیے بچنے کی ضمانت فرمائی ہے اور کشف، الہام اور مشاہدہ کی جانب میں اس کی ضمانت نہیں فرمائی ہے۔ علاوہ بریں اس پر اجماع ہے کہ کشف یا الہام یا مشاہدہ پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے مگر کتاب و سنت سے ملا لینے کے بعد۔"

---

[1] طبقات الکبریٰ للامام الشعرانیؒ (اردو ترجمہ) ج ۲ ص ۱۱ مطبوعہ مطبع شمسی آگرہ ۱۳۳۲ھ

[2] حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: "اگر کسی را چیزی کشف شود کہ مخالف شریعت است، آں دروغ و باطل باشد و اگر آں را [illegible]" (شرح فارسی فتوح الغیب شاہ عبدالحق المحدث الدہلوی ص ۲۲۴ مطبوعہ مطبع منشی نول کشور بمقام لکھنؤ ۱۲۸۱ھ)

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین (المتوفی ۷۲۵ھ) کی خدمت میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو لوگ کرامت کا دعویٰ کرتے اور اپنے آپ کو صاحبِ کشف ظاہر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ بات اچھی نہیں ہے۔ پھر آپ نے زبانِ مبارک سے فرمایا کہ۔ فرض اللہ تعالیٰ علی اولیائہ کتمان الکرامۃ کما فرض علی انبیائہ اظہار المعجزۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے اولیاء پر کرامت کا چھپانا فرض کیا جیسا کہ انبیاء پر معجزہ کا ظاہر کرنا فرض کیا ہے پس اگر کوئی اپنی کرامت ظاہر کرے گا تو وہ اس فرض کو ترک کرے گا۔" پھر آپ نے فرمایا "سلوک کے سو مرتبے ہیں، سترھواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے اگر سالک اسی مرتبہ پر رہ جائے گا تو تراسی مرتبوں سے رہ جائے گا۔"[17]

اور حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ تو صاف صاف فرماتے ہیں[19] "ایمان اور سنت کی متابعت سے بڑھ کر یہاں کوئی کرامت ہی نہیں ہے اور جس کو یہ دو باتیں عطا ہوں اور وہ ان کے سوا اور باتوں کا مشتاق ہو جھوٹا مفتری بندہ یا صواب کے علم میں برسرِ خطا ہے اور اس کی مثال ویسی ہی ہے کہ جس شخص کو بادشاہ کے حضور میں جانے کی عزت ملی وہ چارپائیوں کے درست کرنے کا مشتاق ہوا۔"

سماع :۔ افسوس کا کتنا بڑا مقام ہے کہ آج نفسانی لذات کی تحصیل کا نام ان لوگوں نے "سماع" رکھ لیا اور اپنے اس فعل کے جواز کے لیے بزرگوں کے "سماع[20]" سے استناد کیا۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدینؒ ہی کا ارشاد ہے[21]: جب چند چیزیں موجود ہوں اس وقت سماع ہوتا ہے اور وہ چند چیزیں یہ ہیں۔ مسمِع[1]، مسموع، مستمِع[2]، آلاتِ[3] سماع" پھر آپ نے

---

[17] فوائد الفواد (اردو ترجمہ قدیم) ج ۴ ص ۲۲۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۹ء (شمولہ پنج گنج ملفوظات خواجگان چشت اہل بہشت ج ۲)

[18] اس موضوع پر "صد میدان" از شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ جامع و نافع کتاب ہے لیکن بوجہ اجمال شرح و تفصیل کی طالب۔

[19] طبقات الکبریٰ للامام الشعرانیؒ محولہ بالا ج ۲ ص ۲۰

[20] اس موضوع پر ملاحظہ ہوں (۱) مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین للامام الغزالیؒ ج ۲ باب ۸ (۲) عوارف المعارف شیخ شہاب الدین السہروردیؒ ابواب ۲۲ تا ۲۵ (۳) مرآت العارفین شیخ مسعود بکؒ الکشف الثالث عشر (۴) لطائف اشرفی لطیفہ ۲۰ (۵) تکملہ عشرہ کاملہ ص ۲۲۸ تا ۲۸۱ شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادیؒ اور (۶) حقیقت سماع مولانا اشرف علی تھانویؒ

[21] فوائد الفواد محولہ بالا ج ۵ ص ۳۴۱۔

اس کی تقسیم فرمائی کہ "(۱) مسمع وہ کہنے والا ہے کہ وہ مرد ہو اور مرد بھی پورا اور لڑکا اور عورت نہ ہوں (۲) مسموع وہ کہا جائے یعنی ہزل اور فحش نہ ہو۔ (۳) مستمع وہ جو سنتا ہے اسے چاہیے کہ وہ یاد حق سے بھرا ہوا ہو اور جو سنے حق کے ساتھ سنے۔ (۴) آلات سماع چنگ[۲۲] و رباب وغیرہ یہ بالکل درمیان سماع نہوں تو ایسا سماع حلال ہے[۲۳]"

سماع متعارف مذکورۂ بالا شرائط کی تکمیل کہاں تک کرتا ہے؟

شریعت و طریقت و حقیقت:- ایک خیال جہلا طریقت کا یہ رہا اور شاید فی زمانہ بھی ہے کہ شریعت اور حقیقت دو مختلف و جداگانہ چیزیں ہیں اور شریعت کے احکام حقیقت پر جاری نہیں کیے جاسکتے۔ کبار صوفیہ نے بڑی شد و مد سے اس خیال کے بطلان کی صراحت کی ہے، بالخصوص حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) کے یہاں یہ مضمون متعدد جگہ وارد ہے۔

آپ فرماتے ہیں[۲۴]: "حقیقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے، نہ یہ کہ حقیقت شریعت سے جدا ہے۔ طریقت سے مراد وہ راستہ ہے جو شریعت کی حقیقت تک پہونچانے والا ہے، نہ کہ شریعت اور حقیقت سے کوئی الگ امر ہے۔"

اور مکتوبات میں فرماتے ہیں[۲۵] "جاننا چاہیے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے صورت ظاہر شریعت ہے اور حقیقت باطن شریعت۔ پس قشر و لب یعنی پوست و مغز دونوں شریعت کے اجزاء ہیں۔"

۲۲ھ آلات سماع میں دف کے بارے میں تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے بوادر النوادر مولانا اشرف علی التھانویؒ ص ۴۹۳ تا ۴۹۹ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور۔

۲۳ھ و شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ در این باب یعنی مسئلہ سماع ... نظام اولیاست" ("آئینہ حقیقت نما" از قلم مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ۔۔۔ مطبوعہ ... واقع ... بحوالہ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار مصنفہ حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحب
۲۴ھ آپ کے الفاظ یہ ہیں "حقیقت عبارت از حقیقت شریعت ... نہ آنکہ حقیقت از شریعت جدا است، طریقت عبارت از طریق وصول بحقیقت شریعت، نہ امرے جدا ... شریعت و حقیقت" (معارف لدنیہ للشیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ "معرفت ۲۵" ص ۴۹ مطبوعہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد ۳۔ کراچی ۱۸ ... ۱۳۸۸ھ)

۲۵ھ مکتوبات امام ربانی" دفتر اول حصہ دوم (اردو ترجمہ) مکتوب ۲۰۶ مطبوعہ اللجنۃ العلمیہ حیدرآباد ۲۴

مزید[۲۶] یہ کہ "حقیقت اور طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت سے مراد ہیں نہ یہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت وحقیقت کچھ اور، کہ یہ (یعنی شریعت اور طریقت وحقیقت کو جداگانہ تصور کرنا) الحاد اور زندقہ ہے"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (المتوفی ۵۶۱ھ) کے الفاظ ہیں:

کل حقیقۃ[۲۷] لا یشہد لہا الشرع فہو زندقۃ (جس حقیقت کی گواہی شرع نہ دے وہ کفر والحاد ہے)

اور حضرت سید احمد رفاعیؒ (المتوفی ۵۷۰ھ) فرماتے ہیں[۲۸] "طریقت عین شریعت ہے۔ تجھو! اس فرقے کو نجاست سے آلودہ کرتا اور کہتا ہے کہ باطن[۲۹] اور ہے اور ظاہر اور، مردِ عارف یہ کہتا ہے کہ باطن وہ ہے جو ظاہر کا باطن اور اس کا خالص جوہر ہے۔"

اسقاطِ تکلیفِ شریعت: رہی تکلیف شریعت کے ساقط ہونے کی بحث تو حضرت شیخ محمد ابوالمواہب شاذلیؒ کی تشریح اس کو صاف کر دیتی ہے، فرمایا[۳۰] "بعض صوفیہ کا جو یہ قول ہے کہ ولی اُس حد تک پہونچتا ہے کہ اس سے تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ اعمال کی کلفت ومشقت ساقط ہو جاتی ہے۔ ارحنا[۳۱] یا بلال کی طرح۔"

(۲) غالی معترضین

دوسرا گروہ غالی معترضین کا ہے جن میں سے بعض نے اعمال صوفیہ کو اور بعض نے نفسِ تصوف کو بدعت کا مترادف تصور کر لیا ہے۔ اس گروہ کے مختلف طبقات ہیں۔ اعلیٰ طبقہ میں حضرت علامہ ابن الجوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ)

۲۶ھ ایضاً دفتر اول حصہ اول (اردو ترجمہ) مکتوب ۳۶

۲۷ھ "فتوح الغیب" شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ مقالہ نمبر ۳۶ ص ۱۰۰ مطبوعہ منشی گلشن ابراہیم لکھنؤ ۱۳۵۱ھ

۲۸ھ "الحکم الرفاعیہ" (اردو ترجمہ) السید احمد رفاعیؒ ص ۶۔ مطبوعہ دلگداز پریس لکھنؤ در ۱۹۰۷ء

۲۹ھ قال ابوسعید الخراز رحمہ اللہ کل باطن یخالفہ ظاہر فہو باطل" (شرح رسالہ قشیریہ ص ۱۷ مطبوعہ کتب خانہ رحمتین گلبرگہ ۱۳۶۱ھ)

۳۰ھ طبقات الکبریٰ للشعرانیؒ بحوالہ بالا ص ۴۳

۳۱ھ وفی کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال للشیخ علاء الدین علی المتقی الهندی رحمہ اللہ تعالیٰ نقلاً عن مسند الامام احمد وسنن الامام ابی داود "یا بلال اقم الصلوٰۃ ارحنا بہا" الحدیث دیکھیے کتاب مذکورہ ج ۴ ص ۶۴ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۱۳ھ

ہیں۔ اوّل الذکر نے "تلبیس ابلیس"[32] میں صوفیہ پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔ بعض مقامات پر ان کی گرفتیں صحیح اور بعض مقامات پر زیادتی پر مبنی ہیں۔ آخر الذکر کی تنقیدیں ان کی بے پناہ وسعت علمی پر تو دلالت کرتی ہیں لیکن ان کی ایک کمزوری[33] نے (کہ وہ کچھ سننے کے بجائے صرف کہنے کے عادی تھے) ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ان کا خاص ہدف ہیں۔ طبقات دیگر میں جو لوگ ہیں ان کے پاس وسعتِ مطالعہ تو ہے لیکن سطحی نوعیت کی۔ قواعد شرعیہ کے عدم استحضار، اصطلاحات[34] صوفیہ سے عدم واقفیت اور تنگ نظری کے باعث انہوں نے اپنے نقد و انکار[35] میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائی ہے۔

ان غالی معترضین کے ایک گروہ کا دعویٰ ہے کہ تصوف یونانی فلسفہ، عیسائیت، مجوسیت اور ویدانتی افکار سے بڑی حد تک ماخوذ و متاثر ہے اور اس دعویٰ کی بنیاد ہے تاریخی اسباب و علل کا تخیّلی ارتباط۔

جزوی اثر کی صحت سے انکار نہیں لیکن کسی دو تاریخی واقعات مثلاً ج اور د میں تاریخی تعلق قائم کرنے کے لیے صرف آپسی مطابقت ہی کافی نہیں بلکہ اس کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ

---

۳۲ علامہ ابن الجوزیؒ نے بعد میں "صفۃ الصفوۃ" کے نام سے "حلیۃ الاولیاء" لابی نعیم الاصبہانیؒ کی نفیس تلخیص کی جس کو ان کے محدثانہ حک و اضافہ نے بلند معیار و مستند ماخذ بنا دیا۔ "صفۃ الصفوۃ" دائرۃ المعارف العثمانیہ سے چار جلدوں میں طبع ہو گئی ہے۔

۳۳ دیکھیے مقدمہ انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۰۱ از سید احمد رضا البجنوری مطبوعہ مکتبہ ناشر العلوم بجنور۔ یو۔ پی۔ اور امام ذہبی فرماتے ہیں: "فانہ (ای ابن تیمیہؒ) کان مع سعۃ علمہ و فرط شجاعتہ وسیلان ذہنہ وتعظیمہ لحرمات الدین بشراً من البشر تعتریہ حدۃ فی البحث وغضب وصدمۃ للخصوم تزرع لہ عداوۃ فی النفوس ولولا ذلک لکان کلمۃ اجماع فان کبارہم خاضعون لعلومہ معترفون بانہ بحر لا ساحل لہ وکنز لیس لہ نظیر ولکن ینقمون علیہ اخلاقاً وافعالاً" (دیکھیے "فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ" از مولانا عبد الحلیم چشتی ص ۲۴۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔ سنہ ۱۹۶۴ء)

۳۴ اصطلاحات صوفیہ سے واقفیت کے لیے عام کتب تصوف کے علاوہ ملاحظہ ہوں (۱) "اصطلاحات الصوفیہ" للشیخ العلامۃ محی الدین ابن عربی (۲) "اصطلاحات الصوفیہ" للعلامۃ کمال الدین ابی الغنائم عبد الرزاق بن جمال الدین الکاشی السمرقندیؒ (کلاہما فی اللغۃ العربیۃ) (۳) "مفتاح الحقائق فی کشف الدقائق" للسید سلطان محی الدین بادشاہ القادری سانگلی (فارسی) (۴) "مصباح التعرف لارباب التصوف" لمحمد علی حیدر (اردو)

۳۵ شیخ مسئلہ وحدۃ الوجود کو حلول و اتحاد کے نظریات سے تطبیق دیتے ہیں مسئلہ وحدت کا انکار کرنا عجب کہ جمہور [illegible] علماء کلام ہر دو طائفہ از سنت و جماعت اند حلول و اتحاد را کفر می دانند و حلولیہ و اتحادیہ [illegible] رتبۃ السلوک شرح شاہ عبد اللطیف القادری ص ۶۳ طبع بالمطبع مظہر العجائب (مدراس ۱۲۸۵ھ)

(۱) ج اور د کا حقیقی رشتہ اس نوعیت کا ہے کہ مفروضہ تعلق کے امکان کی صراحت کرتا ہے،
(۲) یہ ممکنہ قیاس تمام معتبر و محقق تاریخی حقائق سے برآمد ہوا ہے،
(۳) ج اور د کا کسی ایک ہی سبب کے نتیجہ ہونے کے امکان کا پوری طرح تجزیہ کر لیا گیا ہے۔
ورنہ اس قطعیت سے دعویٰ کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

اس گروہ کے اعتراضات کا نشانہ ہیں نظریہ وحدۃ الوجود[۳۶]، مسئلہ تصور شیخ[۳۷]، جہاد بالنفس[۳۸] میں صوفیہ کی شدت، بیعت و رشتۂ پیر و مرید، شطحیاتِ صوفیہ، احداثِ صوفیہ (اور عصر صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) میں جس تکثیرِ عبادت و ریاضت کا وجود نہیں ملتا اس سے صوفیہ کا شغف وغیرہ۔

آخر الذکر اعتراض کے غیر صحیح ہونے پر دار المصنفین، اعظم گڑھ کا شائع کردہ سلسلہ سیر الصحابہ و تابعین اور رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی تصنیف کردہ "حیاۃ الصحابہ" مضبوط شہادت ہیں۔

احداثِ صوفیہ کی حقیقت حضرت شاہ اشرف علی التھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کے مختصر لیکن جامع قول سے واضح ہو جاتی ہے۔ فرمایا: "احداث فی الدین اور شے ہے اور احداث للدین اور شے ہے۔ یعنی ایک تو یہ صورت ہے کہ نئی بات کو دین میں داخل کیا جاوے۔۔۔۔۔ اور ایک یہ صورت ہے کہ نئی بات دین کی حفاظت کے لیے ایجاد کی جاوے جیسے ہر زمانے میں نئے نئے اسلحہ کی ایجاد۔۔۔۔ یا دین کی حفاظت کے لیے مدارس وغیرہ کا قائم کرنا۔ یہ بدعت نہیں کیونکہ ان کو دین میں داخل کر کے جزوِ دین نہیں بنایا گیا۔

دیگر اعتراضات کے جوابات کے لیے (۱) مسائل السلوک (۲) التکشف عن مہمات التصوف

---

۳۶ ابتدائی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہوں (۱) "ابن عربی کا نظریۂ وحدت وجود" از قلم محمد عبد السلام خاں مشمولہ "نذر ذاکر"، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی۔ (۲) "عبقات" للشاہ اسمٰعیل الشہیدؒ (۳) "وحدۃ الوجود" لبحر العلوم فرنگی محلیؒ

۳۷ اسی کے ذیل میں اتباعِ شیخ کا معرکۃ الآرا مسئلہ بھی آتا ہے جس کے حدود حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے کما حقہ متعین فرما دیے ہیں۔ ملاحظہ ہو "ماہنامہ الفرقان لکھنؤ" بابت جون ۱۹۷۹ء مطابق رجب ۱۳۹۹ھ ص ۳۴ تا ۴۴

۳۸ "انفاس عیسیٰ" (مکمل ہر دو حصہ) مؤلفہ حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ الہ آبادیؒ، ۲۲۲ ۔۔۔ کتب خانہ ۔۔۔ دیوبند، یو۔ پی

(۳) التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف (ہر سہ از تصانیف مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ) اور (۴) مرج البحرین از شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے رجوع کریں، انشاء اللہ تعالےٰ رہنمائی ہو جائے گی۔

(۲) معتدل موافقین یہ گروہ وسائل و مقاصد کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا اور تمام اعمال و احوال میں قرآن و سنت سے استناد کرتا ہے۔ محدثین و فقہاء عظام کے لیے اس کے دل میں حد درجہ عزت و احترام ہے اور صوفیہ کرام سے اسے علاقہ محبت و انس ہے۔ مقبولانِ بارگاہ الٰہی سے حسن ظن اور ان کے بظاہر خلافِ شرع نظر آنے والے اقوال و افعال کی مناسب تاویل و توجیہ اس گروہ کے خاص شعار ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے اصحاب اس گروہ میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔
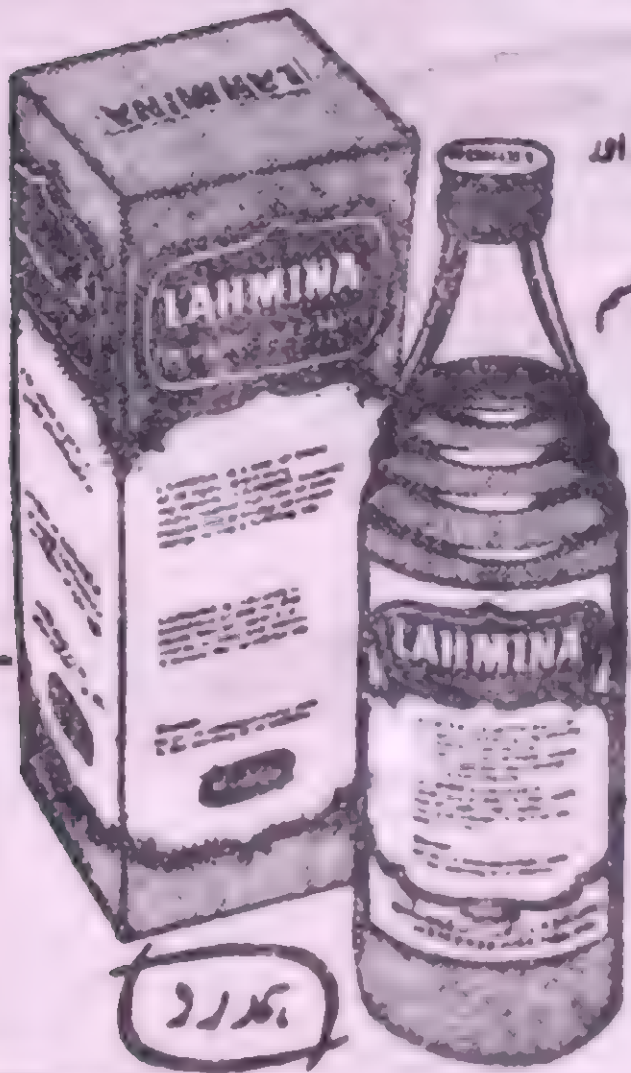
انتخاب

دین کے نام پر دنیا :-

دنیوی چیزوں کو مقصود بنانے کا نام بے دینی اور آخرت کو مقصود بنانے کا نام دین ہے۔ عام قومیں دنیا کو دنیا کے نام پر کرتی ہیں۔ مسلمان کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دنیا کو دین کے نام پر کرنے لگے۔

مسلمانوں کا بگاڑ اس قسم کا کبھی نہیں ہوگا کہ وہ دین کا نام لینا چھوڑ دیں۔ ایسا بگاڑ نہ پچھلی امتوں میں کبھی ہوا اور نہ مسلمانوں میں کبھی ہونے والا ہے۔ مسلمانوں کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دنیا پرستی کی راہ پر چل پڑیں اور اس پر دین کا عنوان بتائیں ــــ دین حقیقۃً آخرت رخی زندگی کا عنوان ہے نہ کہ دنیا رخی زندگی کا۔

مسلمانوں کا بگاڑ یہ ہے کہ وہ دین کو اپنی آل اولاد اور کاروبار میں برکت کا سستا آسمانی نسخہ سمجھنے لگیں ــــ وہ دوسری قوموں کی طرح اپنے قومی اور معاشی مسائل پر ہنگامے کھڑے کریں اور اعلان کریں کہ ہم خیر امت کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ سیاسی اکھیڑ پچھاڑ کی تحریکیں چلائیں اور دعویٰ کریں کہ وہ اس خدائی مشن کے لیے متحرک ہوئے ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر دنیا میں بھیجے تھے۔

دوسری قومیں جو کام دنیا داری کے نام پر کر رہی ہیں، اسی کو مسلمان دین داری کے نام پر کرنے لگیں تو اس کی وجہ سے وہ کام دین کا کام نہیں بن جائے گا۔ دنیا کا فائدہ، دنیا کی عزت اور دنیا کے اقتدار کے پیچھے دوڑنا اور اپنی ان سرگرمیوں کو دینی الفاظ میں بیان کر کے اس کو دین کا کام ظاہر کرنا مسلمانوں کو خدا کے یہاں کسی انعام کا مستحق نہیں بناتا۔ بلکہ ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتا ہے۔ اپنی اس قسم کی سرگرمیوں کے ذریعہ وہ دوہرے مجرم بن رہے ہیں۔ ایک دنیا پرستی کو اختیار کرنا، دوسرے دینی تعلیمات کو غلط معنی پہنانا اور اس طرح اہل عالم کے سامنے دین کی غلط گواہی دینا۔

دین اصل میں خدا پرستی اور آخرت طلبی کا نام ہے۔ دین داری یہ ہے کہ آدمی کی زندگی آخرت رخی زندگی بن جائے۔ وہ جن حالات میں ہو اور جن ذمہ داریوں کے درمیان اپنے آپ کو پائے ان میں وہ خدا پرستی اور انصاف کے طریقہ پر قائم رہے۔ وہ ہمیشہ اللہ کو یاد رکھے۔ اور دنیا میں جو معاملہ کرے یہ سوچ کر کرے کہ بالآخر اس کو اپنی تمام کارروائیوں کے لیے اللہ کے سامنے جواب دینا ہے۔ کسی بھی قسم کی خوش اعتقادی ہم کو آخرت میں خدا کی پکڑ سے بچا نہیں سکتی اور نہ اسلام کے نام پر تقریری مشاغل ہم کو خدا کے یہاں خادم اسلام کا مقام عطا کر سکتے ہیں۔

(بشکریہ "الرسالہ" دہلی)

"اقامت دین" اور "غلبۂ دین"۔

واضح ہو کہ "اقامت دین" اور "غلبۂ دین" دونوں ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ اقامت دین کا تعلق تمام تر فرد سے ہے۔ دین کو قائم کرو (شوریٰ) کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک شخص کو جس دین کا حامل بننا ہے اس کا وہ حامل بنے۔ ہر آدمی اپنی زندگی کو دینی زندگی بنائے۔ اللہ سے ڈرنا، اللہ سے محبت کرنا، اللہ کا پرستار بن جانا، روز و شب کی زندگی میں اللہ کو یاد کرتے ہوئے معاملہ کرنا۔ اپنے تمام معاملات کو آخرت کی بنیادوں پر قائم کرنا۔ یہی ہر فرد کا دین ہے اور اس دین کا اپنی انفرادی زندگی میں پوری طرح قائم ہو جانے کا نام اقامت دین ہے۔

غلبہ دین سے مراد ہے کسی ماحول میں اسلام کی سیاسی یا غیر سیاسی بالاتری قائم ہو جانا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر میں اہل اسلام کی سیاسی برتری قائم ہو گئی تھی۔ مگر ملک کا قانون اس کے باوجود وہی تھا جو مشرک بادشاہ کے زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حبش میں نہ سیاسی اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا اور نہ وہاں کا قانون اسلام کا قانون تھا۔ مگر مسلمانوں کی نظریاتی اور اخلاقی برتری نے مسلمانوں کو وہاں یہ مقام دے دیا تھا کہ وہ عزت کے ساتھ وہاں رہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے دین کی تبلیغ کریں۔ یہ چیز اتنی کافی سمجھی گئی کہ مسلمانوں نے حبش کے علاقہ میں کبھی فوج کشی نہ کی۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے زیر اقتدار علاقہ میں یہ غلبہ مسلمانوں کو اپنی کامل صورت میں حاصل رہا۔

اقامت دین اور غلبہ دین کو اگر ہم معنی قرار دے دیا جائے تو اس سے زبردست خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک طرف یہ کہ "اقیموا الدین" کے حکم سے اصلاح خویش کا جو جذبہ بھڑکنا چاہیے وہ نہیں بھڑکتا۔ کیونکہ اب اب اس حکم کا رخ اپنے بجائے دوسروں کی طرف ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ کہ مسلم ملکوں میں جہاں اسلام کے حق میں غلبہ کی فضا موجود ہے اس کو استعمال کر کے اسلام کے لیے تعمیری اور دعوتی کام کرنے کا شوق نہیں ابھرتا بلکہ سارا زور اس پر صرف ہونے لگتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کو تخت سے بے دخل کرو کیونکہ وہ اسلام کے اجتماعی قانون کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑی بڑی کوششیں اس طرح ضائع ہو جاتی ہیں کہ ان سے نہ اقامت دین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ غلبۂ دین کا۔

(بشکریہ "الرسالہ دہلی")

ڈاکٹر مولانا مصطفیٰ حسن علوی

الی رحمۃ اللہ

پرسوں ۱۰ محرم (۲۷ نومبر) کی صبح بالکل اچانک اخبار سے معلوم ہوا کہ ہمارے مولانا مصطفیٰ حسن علوی اس دارِ فانی سے دارالبقا کی طرف رحلت فرما گئے ——— انا للہ وانا الیہ راجعون

راقم سطور اسی وقت مولانا مرحوم کے دولت کدہ پر پہنچا، بڑے صاحبزادے ڈاکٹر رضوان صاحب موجود تھے انھوں نے بتلایا کہ مولانا کو دن پہلے اتوار کے دن سینہ میں کچھ تکلیف محسوس کی تھی، ایک ڈاکٹر جن کا مطب قریب ہی ہے بلائے گئے انھوں نے دل کے دورہ کا شبہ ظاہر کیا، دوا بھی تجویز کردی، اگلے دن کارڈیوگرام کرایا گیا اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ دل ہی پر دورہ کا اثر تھا۔ دواؤں سے افاقہ محسوس ہوا! تکلیف میں کمی ہوتی چلی گئی اور اچھی امید قائم ہوئی ——— کل سہ پہر کو پھر کچھ اثر محسوس ہوا عصر کا وقت آجانے پر بستر ہی پر بیٹھ کے نماز ادا کرنے کا ارادہ کیا، ہم لوگوں نے کہا بھی کہ لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لیجیے! فرمایا کہ جب میں بیٹھ کے پڑھ سکتا ہوں تو بیٹھ کے ہی پڑھوں گا ——— نماز شروع کی اور نماز ہی کی حالت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے روح نے جسم سے مفارقت اختیار کرلی ——— کیسی قابلِ رشک ہے یہ موت جس پر ہزار زندگیاں قربان! مولانا کی نماز جنازہ اگلے دن دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوئی، مجمع غیر معمولی تھا شہر کے لوگوں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی، اس کے بعد جنازہ کاکوری لیجایا گیا وہیں تدفین ہوئی ——— اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ

مولانا مرحوم کا تعلق قصبہ کاکوری کے علمی خاندان سے تھا، ابتدائی عربی تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حاصل کی، اس کے بعد خاندان کے بزرگوں نے دارالعلوم دیوبند بھیجدیا وہیں تکمیل ہوئی ——— غالباً ان کی فراغت کا سال وہ ہے جس میں پہلی جنگ عظیم کے دوران شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے اپنے خاص مجاہدانہ عزائم اور منصوبوں کے ساتھ حجاز مقدس کا سفر کیا تھا، مولانا مصطفیٰ حسن صاحب مرحوم کو حضرت شیخ الہند سے تلمذ کا شرف بھی حاصل تھا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا نے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں، بعد میں شعبۂ السنۂ مشرقیہ کے استاذ کی حیثیت سے لکھنؤ یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے، پھر شعبۂ عربی میں منتقل ہوئے اور اس کے صدر ہوگئے ——— مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے ——— اور ضعف پیری اور صحت کی خرابی کے باوجود اس کے جلسوں میں شریک ہونے کا اہتمام فرماتے تھے۔ انتقال کے وقت مولانا کی عمر ۸۵ سال تھی۔

بظاہر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا، اُس رب کریم سے دعا ہے کہ آخرت میں بھی مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے ——— ناظرین کرام سے بھی دعا کی التجا ہے۔

محمد منظور نعمانی۔ ۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

ہماری اہم مطبوعات

تصانیف مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور سہل و دلنشین اور پراثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ مولانا موصوف کی وہ کتاب جو اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔

بہترین کتابت و اعلیٰ طباعت سے مزین۔ قیمت -/۶

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج اخلاق معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے سب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیا ایڈیشن اعلیٰ طباعت کے ساتھ۔ قیمت -/۸

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور شرح پرور تفسیر کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیا ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ ۲۰×۲۶ سائز پر نیز خوبصورت گردپوش سے مزین۔ قیمت -/۱۳

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات آپ کے عرفانی اور اجتہادی خصوصیات۔ قیمت مجلد -/۱۲

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرت مولانا کو نہیں پایا وہ ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح جان اور سمجھ سکتے ہیں۔

قیمت ۲/۵۰

معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک نیا اور جامع انتخاب اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امت کے لیے ہدایت کا خاص سامان ہے۔

جلد اول	غیر مجلد	کتاب الایمان	-/۱۲
جلد دوم	"	کتاب الرقاق والاخلاق	-/۱۴
جلد سوم	"	کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ	-/۱۸
جلد چہارم	"	کتاب الزکوٰۃ والصوم والحج	-/۱۲
جلد پنجم	"	کتاب الاذکار والدعوات	-/۲۰
جلد ششم	"	کتاب المعاشرات والمعاملات	-/۱۳
مکمل سٹ	"		-/۸۹

(مجلد کے لیے -/۳ فی جلد مزید)

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔ قیمت -/۵

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علماء حق پر اس کے اثرات

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف ان کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈے اور اس کے علماء حق پر اثرات نیز اصل حقیقت کے ثبوت کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل۔ تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔

قیمت -/۵

آپ کی ذاتی لائبریری ان کتابوں کے بغیر مکمل نہیں

علم الفقہ مکمل

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کی مایہ ناز کتاب جو فقہ حنفی کے اعتبار سے دینی مسائل کو جاننے کے لیے بے نظیر ہے جس پر علمائے امت کو پورا اعتماد ہے اس میں طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج اور نکاح کے جملہ مسائل کا تحقیقی بیان ہے جو علماء، طلباء، عام مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں مفید و کارآمد ہے۔ جدید ایڈیشن مستند علماء کی نگرانی میں طبع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے۔　خوبصورت گرد پوش کے ساتھ مکمل ۶ حصے یکجا مجلد قیمت -/۴۰

سوانح حضرت رائے پوری

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — عہد حاضر کی وہ مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے حالات زندگی، ان کی شخصیت اتنی نمایاں تھی، ان کا امتزاج، تربیت، توازن و جامعیت، تعلق باللہ، خلوص و محبت، عشق و تاثیر اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز اور دل آویز تذکرہ ایک عرصہ تک نایاب رہنے کے بعد نیا ایڈیشن حال ہی میں شائع ہوا ہے قیمت -/۱۵

زادِ سفر مکمل

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح مسلم کی مقبول کتاب "ریاض الصالحین" کا سلیس اردو ترجمہ ضروری حواشی و تشریح کی عنوانات کے ساتھ مترجمہ رحمۃ اللہ تسنیم صاحبہ اہلیہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

قیمت اول -/۱۵ دوم -/۲۰

پرانے چراغ (دوم)
مع تکملہ سینے کے داغ

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — معاصر شخصیتوں، بزرگوں، استادوں اور عزیزوں سے متعلق تعارفی مضامین تاثرات، مشاہدات و واقعات اور معلومات کا دلچسپ مجموعہ -۲۲×۱۸ سائز کے ہوم پیپر کاغذ آفسٹ کی شاندار طباعت سے مزین۔

قیمت -/۲۵ حصہ اول -/۱۸

تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ چہارم)

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا موصوف کی عظیم الشان تصنیف تاریخ دعوت و عزیمت جس کی تین جلدیں شائع ہو کر بے انتہا مقبول ہو چکی ہیں، اس کی چوتھی جلد حال ہی میں شائع ہوئی ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مفصل سوانح حیات ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان ہے اور ان کا اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی و تربیتی خدمات کا مفصل تذکرہ ہے۔ معیاری کتابت و طباعت آفسٹ۔ قیمت مجلد -/۲۳

صحبتے با اولیاء

ملفوظات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم اس کتاب میں حضرت شیخ مدظلہ العالی کے وہ مجلسی ملفوظات و ارشادات جن سے اصلاح نفس، فکر آخرت، ایمان و یقین کی کیفیت اور تصوف و احسان کے رموز و آداب دلنشین ہوتے ہیں۔ مرتبہ: مولانا تقی الدین ندوی مظاہری۔ قیمت -/۵

تفسیر حقّانی مکمل

مشہور مفسر علامہ حقانی کے علوم قرآنی کا ایک کامیاب اور نادر ذخیرہ۔ اس میں اردو زبان کا بامحاورہ ترجمہ، روایات صحیحہ مع حوالۂ کتب، ربط آیات، ترکیب، شان نزول، مستند قصص و واقعات اور جملہ مسائل ضروریہ یکجا جمع کردیے گئے ہیں ۳۰×۲۰ پر ۴ جلدوں میں مکمل۔ قیمت -/۱۷۵

تفسیر ماجدی

مولانا عبد الماجد دریابادی "مدیر صدق جدید" کی مشہور و مقبول تفسیر۔ اب تک گیارہ پارے شائع ہوچکے ہیں۔ جلد اول از پارہ ۱ تا ۵ -/۱۷ جلد دوم پارہ ۶ تا پارہ ۸ -/۱۷ جلد سوم گیارھواں پارہ -/۵

تبلیغی نصاب

حضرت شیخ الحدیث کی مقبول ترین کتاب جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ جلد اول مشتمل بر حکایات صحابہ، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل قرآن، فضائل رمضان، فضائل درود شریف قیمت -/۲۱ جلد دوم مشتمل بر فضائل صدقات و حج قیمت -/۲۳
مکمل انگریزی ایڈیشن -/۴۰

اسلام اور عہد حاضر

دور جدید کا تعارف، کیا دور جدید نے مذہب کی ضرورت کو ختم کردیا، کیا مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ ہے۔ نیز عصر حاضر میں اسلام کا فعال کردار جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔
از مولانا جمیل احمد نذیری۔ قیمت مجلد -/۱۰

محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے

مولفہ مولانا تقی الدین ندوی مظاہری
ائمہ اربعہ و ارباب صحاح ستہ اور امام طحاوی کا تحقیقی تذکرہ۔ تاریخ تدوین حدیث اور جمع حدیث کے لیے ان کی کوششوں کا ذکر۔ نیز ان کی تصنیفات پر مفصل و سیر حاصل تبصرہ۔ قیمت -/۱۰

نبی رحمت

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
نبی رحمت محمد رسول اللہ صلعم کی حیات طیبہ و سیرت مبارکہ جس کی ترتیب و تالیف میں قدیم و جدید معلومات و تحقیقات سے امکانی کوشش کی گئی ہے۔ زمانۂ بعثت کی تصویر، اس گردنیا، جزیرۃ العرب اور حجاز کا اہم تمدنی، سیاسی و تاریخی پس منظر نیز واقعات و حالات، ہدایات و تعلیمات اور نتائج و اثرات کی مستند روداد
قیمت -/۳۰

جواہر الفقہ

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ فقہ اسلامی اور سائنس جدید پر حضرت مفتی اعظم کے نایاب پچاس کتب و رسائل کا مجموعہ۔ جلد اول -/۲۵ جلد دوم -/۲۶

اشرف الجواب مکمل

از افادات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ اس کتاب میں ان تمام اعتراضات کے جوابات مکمل مدلل و مفصل طور پر جمع کردیے گئے ہیں جو اسلام سے ناواقف مسلمان، غیر مسلم، گمراہ فرقے کے لوگ، نو تعلیم یافتہ اصحاب جدید تعلیم کے اثرات سے متاثر ہوکر کیا کرتے ہیں۔ قیمت مکمل مجلد -/۲۹

Monthly ALFURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow (U.P.)
VOL. 48 NO. 12 December 1980 Phone: 45547